علمی وتحقیقی رسائل

جلد سوم

1. النظر و الفکر فی مبدء السفر و القصر
2. بِدَایَةُ السَّفَرِ وَالْقَصْرِ فِیْ حَالَةِ الْحَضَرِ وَالْمِصْرِ
3. منعُ مبدءِ السفر قبل مبدءِ القصر
4. جڑواں شہروں (Twin cities) میں سفر و قصر کا حکم
5. محرم کے بغیر سفر کا حکم

مصنف
مُفتی محمّد رضوان

ادارہ غفران
راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد 3

علمی و تحقیقی رسائل

(1)...النظر والفکر فی مبدء السفر و القصر

(2)...بِدَایَۃُ السَّفَرِ وَالْقَصْرِ فِیْ حَالَۃِ الْحَضَرِ وَالْمِصْرِ

(3)...منعُ مبدءِ السفر قبل مبدءِ القصر

(4)...جڑواں شہروں (Twin cities) میں سفر و قصر کا حکم

(5)...محرَم کے بغیر سفر کا حکم

مصنّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

IdaraGhufran

(جملہ حقوق بحق ادارہ غفران محفوظ ہیں)

نام کتاب: علمی وتحقیقی رسائل (جلد3)

مصنّف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: محرم الحرام 1439ھ، اکتوبر 2017ء

صفحات: 568

ملنے کے پتے

Idara Ghufran

اجمالی فہرست

﴿تفصیلی فہرست اندر ہر رسالہ کے شروع میں موجود ہے﴾

Idara Ghufran

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیشِ لفظ

’’مجلسِ فقہی‘‘ ادارہ غفران، راولپنڈی

حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم (مدیر: ادارہ غفران، راولپنڈی) کے علمی و تحقیقی رسائل کی تیسری جلد اہلِ علم واہلِ ذوق کے سامنے پیش کی جارہی ہے، پہلی جلد چھ مقالات پر مشتمل گزشتہ سال ذوالقعدۃ 1437ھ میں منظرِ عام پر آئی تھی، جس کے بعد دوسری جلد چار مقالات متعلقہ صبح صادق ووقتِ عشاء کی تحقیق پر مشتمل تھی، شائع ہوئی، اور اب یہ تیسری جلد درجِ ذیل پانچ مقالات پر مشتمل پیشِ خدمت ہے:

(1)...النظر والفکر فی مبدء السفر و القصر

(2)...بِدَایَۃُ السَّفرِوَالْقَصْرِفِیْ حَالَۃِ الْحَضْرِوَالْمِصْرِ

(3)...منعُ مبدءِ السفر قبل مبدءِ القصر

(4)...جڑواں شہروں میں سفروقصر کا حکم

(5)...محرَم کے بغیر سفر کا حکم

ان میں سے پہلے تین مقالات مسافتِ سفر کے مبداء ومنتہاء سے متعلق ہیں، جو کہ موجودہ دور میں آبادیوں کی وسعت وپھیلاؤ کی وجہ سے اہلِ علم بلکہ عوام کے لیے بھی اہم موضوع ہے، اور موجودہ دور کے بعض اہلِ علم حضرات کا اس مسئلہ میں

Idara Ghufran

اختلاف ہے۔

مندرجہ بالا مقالات میں سے پہلے مقالہ میں مبدءِ سفر وقصر دونوں کے متحد ہونے پر کلام کیا گیا ہے۔

دوسرے مقالہ میں مبدءِ سفر وقصر کے عرف پر مبنی ہونے نہ ہونے اور عرف کی تعیین پر کلام کیا گیا ہے۔

تیسرے مقالہ میں پہلے دو رسالوں میں بیان کردہ موقف پر وارِد شبہات اور مبدءِ سفر وقصر کے مختلف ہونے کے دعوے ودلائل کی تردید کی گئی ہے۔

چوتھے مقالہ میں جڑواں شہروں (جیسے راولپنڈی، اسلام آباد) میں سفر وقصر کے احکام کے لیے ہر شہر کو مستقل اور دوسرے سے الگ شمار کرکے احکام لاگو ہونے کو راجح قرار دیا گیا ہے۔

پانچویں مقالہ میں ضرورت ومجبوری کی صورت میں موجودہ حالات کے پیشِ نظر متعلقہ ضروری شرائط کے ساتھ عورت کو محرَم کے بغیر مامون قافلے وہمراہیوں کی معیت میں سفر کی گنجائش دی گئی ہے۔

یہ موضوعات ادارہ غفران کی فقہی مجالس میں زیرِ بحث آچکے ہیں، اور ان پر باہم مباحثہ ومکالمہ ہوچکا ہے۔

ادارہ غفران کے اراکینِ مجلسِ فقہی نے ان مقالات کو بالاستیعاب ملاحظہ کیا، کسی عبارت یا کسی تعبیر میں تغییر وترمیم کی ضرورت سمجھی، تو وہ ظاہر کی، اس طرح اراکین مجلس کی نظرِ ثانی اور جزوی اصلاح وترمیم کے بعد یہ پانچوں مقالات بھی حتمی شکل

Idara Ghufran

میں منتج ہوئے، اور اب یہ مجموعہ علمی وتحقیقی رسائل کی ایک جلد کا حصہ بن کر شائع ہونے جارہے ہیں۔

اللہ کرے کہ پہلی جلدوں کی طرح یہ بھی قبولیت ومقبولیت حاصل کریں، اور امتِ مسلمہ کے لیے فقہی وعلمی مسائل کے حل کے لیے ممد ومعین ثابت ہوں۔

(1)......مفتی محمد رضوان صاحب (صدر مجلس)

(2)......مفتی محمد یونس صاحب (نائب صدر)

(3)......مفتی محمد امجد حسین صاحب (ناظم)

(4)......مولانا محمد ناصر صاحب (رکن)

(5)......مولانا طارق محمود صاحب (رکن)

(6)......مولانا عبدالسلام صاحب (رکن)

(7)......مولانا غلام بلال صاحب (رکن)

(8)......مولانا محمد طلحہ صاحب (رکن)

(9)......مولانا عبدالوہاب صاحب (رکن)

(10)......مولانا محمد ریحان صاحب (رکن)

(11)......مولانا شعیب احمد صاحب (رکن)

21/ربیع الآخر/1438ھ 14/اگست/2017ء بروز پیر

Idara Ghufran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی سلسلہ

النظر و الفکر فی مبدء السفر و القصر

یعنی

سفر اور قصر کی ابتداء و انتہاء

مسافتِ سفر کے فاصلہ کا اعتبار گھر سے ہوگا

یا اپنے موضعِ اقامت کی حدود سے نکل کر اور قصر کا حکم کہاں سے شروع ہوگا؟

مبدءِ سفر اور مبدءِ قصر دونوں متحد ہیں یا مختلف؟

اس موضوع پر علمی بحث اور راجح نقطۂ نظر کی تحقیق

مصنّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
تمہید (از مؤلف)	13
النظر والفکر فی مبدء السفر والقصر سفر اور قصر کی ابتداء وانتہاء کہاں سے ہوگی؟	14
استفتاء:	//
الجواب:	17
مبدءِ قصر کے متعلق فقہاء کا موقف	18
المغنی لابنِ قدامہ کا حوالہ	//
بدائع الصنائع کا حوالہ	20
مبدءِ سفر ومنتہائے سفر کے بارے میں دو نقطہائے نظر اور ان کے نتائج	22
پہلا نقطۂ نظر اور اس کے مستدلات	25

Idara Ghufran

Idara Ghufran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

پہلے زمانوں میں آبادی کا پھیلاؤ اور وسعت زیادہ نہ ہونے کی وجہ سے عام طور پر بڑے بڑے شہر نہیں ہوا کرتے تھے کہ جن کی اندرونی حدود میں ہی مسافت کی مقدار اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ طے ہوجاتی ہو، مگر گزشتہ چند دہائیوں سے آبادیوں میں بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا، اور بیسیوں کلومیٹر پر محیط بڑے بڑے شہر وجود میں آ گئے۔

ان حالات میں یہ سوال پیدا ہوا کہ شرعی اعتبار سے مسافت کی ابتداء کا اعتبار ان بڑے بڑے شہروں کی حدود ختم ہونے سے ہوگا یا کہیں اور سے؟

اس سلسلہ میں بعض حضرات نے یہ موقف اختیار کیا کہ سفر کا آغاز تو اپنے محلّہ یا گھر سے نکلنے سے ہو جائے گا، لیکن قصر کا حکم اس وقت ہوگا جبکہ اپنے شہر کی حدود سے باہر نکل جائے، جبکہ اکثر اہلِ علم حضرات کی رائے چھوٹی آبادیوں اور چھوٹے شہروں کی طرح بڑے بڑے شہروں کے بارے میں بھی یہی ہے کہ سفر کا آغازِ مسافت اور نماز میں قصر کا حکم دونوں کا اعتبار اور شمار شہر کی حدود سے نکلنے پر ہوگا۔

ہمارے نزدیک بھی دلائل کی رُو سے یہی موقف راجح ہے، اور زیرِ نظر رسالہ میں اس طرح کے دونوں موقف اور ان کے دلائل کو ذکر کرکے دوسرے موقف کے راجح ہونے کی رائے قائم کی گئی ہے، یہ رسالہ پہلے ماہنامہ ''التبلیغ'' کے ''علمی و تحقیقی سلسلہ نمبر 5'' میں شائع ہوا تھا، اب نظرِ ثانی کے بعد مجلد انداز میں شائع ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ راہِ حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان

مورخہ: 26/ ربیع الاول 1437ھ 7 جنوری 2016ء بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

www.idaraghufran.org

النظر والفکر فی مبدء السفر والقصر

سفر اور قصر کی ابتداء وانتہاء کہاں سے ہوگی؟

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

فقہائے کرام نے مسافتِ شرعی جو بیان فرمائی ہے، اس کا اعتبار انسان کے وطنِ اصلی/ وطنِ اقامت کی آبادی سے شروع ہوتا ہے یا رہائش گاہ سے مثلاً اگر وہ شہر کے وسط یا کنارے پر رہتا ہے اور وہاں سے سفر شروع کرتا ہے اور مخالف سمت میں سفر کرتا ہے تو اندرونی شہر کی مسافت کو بھی شمار کیا جائے گا یا نہیں؟

اسی طرح منتہائے سفر اس شہر وغیرہ (جس کا قصد ہے) کی آبادی کی ابتداء کو بنیاد بنایا جائے گا یا شہر کے وسط یا دوسرے کنارے کو جہاں کہ اس نے جا کر قیام کرنا یا کسی کام سے جانا ہے ،فقہی عبارات کی روشنی میں وضاحت کی جائے۔

اس سلسلہ میں ایک دارالافتاء سے جو فتویٰ جاری ہوا وہ درجِ ذیل ہے:

''اگر اس مقام سے جہاں سے سفر شروع کیا جا رہا ہے اس مقام تک جہاں جانا ہے کل مسافت اڑتالیس میل یعنی ساڑھے ۷۷ کلومیٹر ہے تو شہر کی حدود سے نکلنے کے بعد مذکورہ شخص پر احکام سفر جاری ہوں گے خواہ دونوں شہروں کا درمیانی فاصلہ ساڑھے ۷۷ کلیومیٹر نہ ہو کیونکہ مسافتِ سفر میں اس مقام اور جگہ کا اعتبار ہے جہاں سے سفر شروع کیا جا رہا ہے اور جہاں تک اسے جانا ہے لہٰذا اگر دونوں جگہوں کا درمیانی فاصلہ مسافتِ سفر کے بقدر ہے تو شہر کی حدود سے باہر نکلنے کے بعد احکامِ سفر جاری ہوں گے ورنہ نہیں''۔

اور ایک مفتی صاحب نے اس فتوے کی تردید میں درجِ ذیل فتویٰ جاری کیا:

www.idaraghufran.org

یہ فتویٰ بالکل ہی غلط ہے......صحیح مسئلہ یہ ہے کہ مسافتِ سفر کو شہر کی آبادی کے کنارے سے ناپا جائے گا اور آدمی جب تک اپنے شہر کی آبادی میں چلتا رہے وہ مقیم رہتا ہے مسافر نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے چلنے کو سفر شمار کیا جاتا ہے۔ شہر کی آبادی کے کنارے سے نکل کر جب اس کو ایسی بستی میں جانا ہو کہ اس شہر کی آبادی کے کنارے سے اس بستی کی آبادی کے کنارے تک کا فاصلہ ۴۸ میل (ساڑھے ۷۷ کلومیٹر) یا زائد ہو تو اب اس کا چلنا سفر کہلائے گا اور وہ مسافر بنے گا۔ [1]

اس کے جواب میں ان دوسرے مفتی صاحب نے یہ تحریر فرمایا:

''عبارۃُ النص کے طور پر یہ بات دستیاب نہیں ہے کہ مسافتِ سفر کا آغاز مسافر کے گھر سے ہوگا، یا اس کے شہر سے۔ لیکن ''بینہ وبین المقصد'' ''بینھم وبین مقرھم'' وغیرہ کے اشارۃ النص سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار مسافر کے مکان یا مستقر کا ہے، آپ نے شرح منیہ کی جو عبارت مولانا............صاحب کو بھیجی ہے اس میں بھی الفاظ یہ ہیں کہ:

من فارق بیوت موضع ھو فیہ من مصر اوقریۃ ناویا الذھاب الی موضع بینہ وبین ذلک الموضع المسافۃ المذکورۃ صار مسافرا.

یہ عبارت اس پر تو بے شک عبارۃ النص کے طور پر دلالت کر رہی ہے کہ سفر کے احکام بستی سے نکل کر جاری ہوں گے، لیکن مسافت کا ذکر کرتے ہوئے اس میں بھی ''**بینہ وبین ذلک الموضع**'' کہا گیا ہے، بینہ کی ضمیر بظاہر مسافر کی طرف ہی راجع ہو رہی ہے۔

اس کے علاوہ اگر ایک شہر جانے کے لئے دو راستے ہوں۔ ایک راستہ مسافت سفر سے کم ہو، اور دوسرا مسافت سفر کے برابر یا اس سے زائد ہو تو فقہاء کرام نے یہ حکم

---

[1] ملحوظ رہے کہ مندرجہ بالا تحریر مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہٗ کی ہے، جو کہ اب ''فقہی مضامین'' ص ۲۲۶، باب ۷ میں بعنوان ''مسافتِ سفر کیا گھر سے شمار ہوگی، یا بستی کی آبادی کے کنارے سے'' شائع ہو چکی ہے۔

www.idaraghufran.org

دیا ہے کہ جو راستہ مسافر اختیار کرے اس کا اعتبار ہوگا۔ اس سے بھی فی الجملہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسافر کے قطع مسافت کا اعتبار ہے۔

ان وجوہ سے بار بار آنجناب کے بیان کردہ نکات وعبارات پر غور کرنے کے باوجود ابھی تک رجحان اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کی تائید امداد الفتاویٰ اور کفایۃ المفتی سے بھی ہو رہی ہے۔

تاہم بندے کو اپنی فہم پر بھروسہ نہیں ہے اس لیے اس مسئلے کو بھی مجلسِ تحقیق کے سپرد کر رہا ہوں، **لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً**

منسلکہ تحریرات اور مواد کی روشنی میں اب دو قسم کے نقطۂ نظر سامنے آ گئے ہیں۔

ان حالات میں بعض اہلِ علم حضرات کسی نقطۂ نظر کو اور بعض کسی نقطۂ نظر کو ترجیح دے رہے ہیں اور مسئلہ کیونکہ سفر اور قصر کا ہے اور تقریباً ہر شخص کو اس سے واسطہ پڑتا ہے اس لیے مسئلے کی اہمیت کے پیشِ نظر درخواست ہے کہ راجح نقطۂ نظر کی مفصل ومدلل انداز میں وضاحت فرمائیں۔

والسلام

المستفتی

محمد عبید الرحمٰن، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب:

سوال میں مندرجہ نوعیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن اہلِ علم حضرات نے گھر سے قطعِ مسافت کا اعتبار فرمایا ہے ان کے نزدیک بھی مبدءِ قصر وہی ہے جو دیگر اہلِ علم حضرات کے نزدیک ہے یعنی خروج عن حدود موضع الاقامت، جس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ اختلاف مبدءِ قصر کے بارے میں نہیں ہے بلکہ مبدءِ سفر کے بارے میں ہے۔

لہٰذا اس وقت زیرِ بحث اختلافی پہلو مبدءِ قصر کے بجائے مبدءِ سفر ہے، اس لئے اس پہلو کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ مبدءِ قصر کے متعلق تو جمہور فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ وہ موضعِ اقامت کی حدود سے خروج کے بعد متحقق ہوتا ہے، جہاں تک مبدءِ سفر کا تعلق ہے، تو فقہائے اربعہ کے مذاہب کی معتبر کتبِ فقہ وفتاویٰ میں کسی کے نزدیک بھی صراحتاً مبدءِ سفر کا موضعِ اقامت کی حدود میں متحقق ہونا اور مبدءِ قصر کا اس کے بعد موضعِ اقامت کی حدود سے خروج پر متحقق ہونا دستیاب نہیں ہوسکا۔

البتہ متعدد عبارات وفتاویٰ سے قریب بصراحت یہی معلوم ہوتا ہے کہ مبدءِ سفر ومبدءِ قصر متحد ہے، ایک دوسرے سے مختلف نہیں، اگرچہ موجودہ دور کے بعض اہلِ علم حضرات کی طرف سے یہ موقف سامنے آیا ہے کہ مبدءِ سفر وقصر مختلف ہے۔

آگے ان دونوں نقطہائے نظر اور ان کے دلائل پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

www.idaraghufran.org

مبدءِ قصر کے متعلق فقہاء کا موقف

کتابُ اللہ، سنتِ رسول اور فقہائے کرام کی عبارات میں عبارۃُ النص کے طور پر اس بات کی مکمل صراحت اور وضاحت موجود ہے، کہ مسافر پر احکامِ سفر مثلاً قصر وغیرہ اس وقت جاری ہوں گے، جب کہ وہ سفر کی نیت سے موضعِ اقامت کی حدود سے نکل جائے، اس سے پہلے اس پر احکامِ سفر جاری نہ ہوں گے اور اس بارے میں جمہور فقہاء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔

جن عبارات سے مبدءِ قصر کا خروج عن حدود موضع الاقامت ہونا عبارۃ النص کے طور پر معلوم ہوتا ہے، انہی عبارات سے اشارۃُ النص ودلالۃُ النص اور اقتضاءُ النص کے طور پر اور بعض عبارات سے عبارۃُ النص وصراحۃُ النص کے طور پر مبدءِ سفر کا بھی مبدءِ قصر کی طرح خروج عن حدودموضع الاقامت ہونا اور مبدءِ سفر ومبدءِ قصر کا متحد ہونا معلوم ہوتا ہے، اور متعدد ارد و فتاویٰ سے بھی صراحت کے ساتھ یہی معلوم ہوتا ہے۔

المغنی لابنِ قدامہ کا حوالہ

المغنی لابنِ قدامہ میں ہے:

مسألة؛ قال :(إذا جاوز بيوت قريته) . وجملته أنه ليس لمن نوى السفر القصر حتى يخرج من بيوت قريته، ويجعلها وراء ظهره . وبهذا قال مالك، والشافعي، والأوزاعي، وإسحاق، وأبو ثور، وحكى ذلك عن جماعة من التابعين .وحكى عن عطاء ، وسليمان بن موسى، أنهما أباحا القصر في البلد لمن نوى السفر. وعن الحارث بن أبي ربيعة، أنه أراد سفرا، فصلى بهم في منزله

www.idaraghufran.org

ركعتين، وفيهم الأسود بن يزيد، وغير واحد من أصحاب عبد الله .وروى عبيد بن جبر، قال :كنت مع أبى بصرة الغفارى فى سفينة من الفسطاط، فى شهر رمضان، فدفع، ثم قرب غذاؤه، فلم يجاوز البيوت حتى دعا بالسفرة، ثم قال :اقترب .فقلت :ألست ترى البيوت؟ قال أبو بصرة :أترغب عن سنة رسول الله -صلى الله عليه وسلم -.فأكل .رواه أبو داود.

ولنا، قول الله تعالى :(وإذا ضربتم فى الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة)ولا يكون ضاربا فى الأرض حتى يخرج، وقد روى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه كان يبتدء القصر إذا خرج من المدينة .قال أنس :صليت مع النبى -صلى الله عليه وسلم -الظهر بالمدينة أربعا، وبذى الحليفة ركعتين .متفق عليه، فأما أبو بصرة فإنه لم يأكل حتى دفع، وقوله :لم يجاوز البيوت : معناه -والله أعلم -لم يبعد منها؛ بدليل قول عبيد له :ألست ترى البيوت؟

قال ابن المنذر :أجمع كل من نحفظ عنه من أهل العلم، أن للذى يريد السفر أن يقصر الصلاة إذا خرج من بيوت القرية التى يخرج منها (المغنى لابنِ قدامة الحنبلى، ج٢ص ١٩١، ١٩٢، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اگرچہ یہ عبارت مبدءِ قصر کو بیان کرنے کے لئے تو عبارۃُ النص کا درجہ رکھتی ہے، مگر اشارتاً ودلالتاً اس سے مبدءِ سفر کا بھی مبدأِ قصر کے ساتھ متحقق ہونا ثابت ہورہا ہے، چنانچہ اس عبارت میں جو یہ فرمایا گیا:

www.idaraghufran.org

"لیس لمن نوی السفر القصر "

اس میں سفر کی نیت سے قصر کے تحقق کی نفی کر کے پھر اس کے بعد اس نیت کے ساتھ عملِ سفر کے مقترِن ہونے کی وضاحت:

"حتی یخرج من بیوت قریتہ ویجعلھا وراء ظھرہ "

کے الفاظ سے کی گئی ہے، لفظِ حتّٰی کے ذریعہ سے نیت کے غیرمؤثر ہونے کی غایت کو بیان کر دیا گیا، کہ نیتِ سفر اس وقت تک نیتِ سفر ہے جب تک خروج من بیوت القریۃ کا تحقق نہ ہو، پھر آگے چل کر اللہ تعالیٰ کے قول:

"واذاضربتم فی الارض الخ"

کو بطور دلیل پیش کر کے جو یہ فرمایا گیا:

"ولا یکون ضاربا فی الارض حتی یخرج "

یہاں لفظِ حتّٰی کے ذریعہ ضرب فی الارض یعنی سفر کے تحقق کی صورت متعین فرما دی گئی۔

بدائع الصنائع کا حوالہ

علامہ کاسانی حنفی رحمہ اللہ "بدائع الصنائع" میں فرماتے ہیں:

فإذا نوی السفر وخرج من العمران حتی صار مسافرا تجب علیہ صلاۃ المسافرین (بدائع الصنائع ج ا ص ۹۵، کتاب الصلاۃ، فصل بیان ما یصیر بہ المقیم مسافرا)

یہ عبارت بھی مبدأِ قصر کو بیان کرنے کے لئے عبارۃ النص کا درجہ رکھتی ہے، مگر اشارۃً اور دلالۃً اس سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ نیتِ سفر کے ساتھ خروج من العمران کے ذریعہ سے ہی مسافر ہونے کا تحقق ہوگا، اس کے بغیر نہیں، اور اسی عملِ سفر اور اس کے ذریعہ مسافر ہونے پر قصر کا حکم ہوگا، بالفاظِ دیگر سفر کے عملی شکل میں خروج کے ذریعے سے تحقق ہونے

پر قصر کا تحقق ہوگا۔

بہر حال بندہ کے نزدیک مبدءِ سفر اور مبدءِ قصر دونوں منصوص اور جمہور فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہیں، زیادہ سے زیادہ اتنے فرق کے ساتھ کہ مبدءِ قصر کا ثبوت اگر صراحتاً ہے، تو مبدءِ سفر کا ثبوت اشارتاً، دلالتاً واقتضاءً ہے، جیسا کہ اوپر کی عبارات سے بھی ظاہر ہوا۔

مگر موجودہ دور میں بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک مبدءِ قصر اور مبدءِ سفر الگ الگ شمار ہوتے ہیں، جبکہ اکثر اہلِ علم حضرات کے نزدیک دونوں متحد شمار ہوتے ہیں۔

آگے ان دونوں نقطہائے نظر کے نتائج اور ان کے مستدلات ذکر کئے جاتے ہیں۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

Idara Ghufran

مبدءِ سفر ومنتہائے سفر کے بارے میں دو نقطہائے نظر اور ان کے نتائج

سوال میں مبدءِ سفر کے متعلق جو دو نقطہائے نظر ذکر کئے گئے ہیں آگے بڑھنے سے پہلے اُن کے نتائج پر اجمالی نظر ڈال لینا مناسب ہے:

(1)...... پہلا نقطۂ نظر یہ ہے کہ شرعی مسافتِ سفر کا اعتبار موضعِ اقامت کی حدود کے اختتام سے اس موضع کی حدود شروع ہونے تک ہوگا، جس میں جانے کا قصد کر کے مسافر نکلا ہے۔

(2)...... دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ شرعی مسافتِ سفر کا اعتبار مسافر کے گھر سے اس خاص مقام تک ہوگا، جس مقام ومکانِ مخصوص میں جانے کا اس کا ارادہ ہے۔

دونوں نقطہائے نظر میں فرق یہ ہوگا کہ پہلے نقطۂ نظر کے مطابق سفر اور احکامِ سفر یعنی مبدءِ قصر ومبدءِ سفر دونوں کی ابتداء وہاں سے ہوگی، جہاں بنیتِ سفر چلنے والے کے موضع کی حدود ختم ہوتی ہے اور مسافتِ سفر کی انتہاء یعنی منتہائے سفر اس موضع کی حدود شروع ہونے پر ہوگی، جس میں مسافر جانا چاہتا ہے، لہٰذا اگر مسافر کے گھر سے اس مقام ومکانِ مخصوص تک جہاں وہ جانا چاہتا ہے، مسافتِ سفر بنتی ہے، مگر اس کے موضع کی حدود کے اختتام سے جس میں وہ جانا چاہتا ہے، اس کی حدود کی ابتداء تک مسافتِ سفر سے کم بنتی ہے، تو وہ شخص شرعاً مسافر نہ ہوگا، اور اس کے لئے احکامِ سفر ثابت نہ ہوں گے۔

اور دوسرے نقطۂ نظر کے مطابق مسافتِ سفر اور عملِ سفر اس کے گھر سے نکلتے ہی شروع ہو جائے گا، مگر قصر وغیرہ احکامِ سفر موضعِ اقامت کی حدود سے نکلنے کے بعد شروع ہوں گے اور مسافت کی انتہاء یعنی منتہائے سفر اس جگہ پر ہوگی، جہاں جا کر مسافر قیام کرے گا۔

لٰہذا اگر مسافر کے جائے اقامت والے گھر سے منزلِ مقصود تک مسافتِ سفر بنتی ہے، اگرچہ موضعِ اقامت کی حدود کے اختتام سے اس موضع کی حدود شروع ہونے تک جہاں وہ جانا چاہتا ہے، مسافتِ سفر نہیں بنتی، تو اس کے باوجود وہ شخص شرعاً مسافر شمار ہوگا اور اس کے لئے سفر کے تمام احکام ثابت ہوں گے، اس صورت میں مبدءِ مسافت وسفر اور مبدءِ قصر الگ الگ ہوں گے، مبدءِ سفر تو مسافر کا گھر یا موضعِ اقامت کی حدود کے اندر کی خاص وہ جگہ ہوگی جہاں سے مسافت کی نیت کے ساتھ چلنا شروع کیا گیا، مگر اس پر احکامِ سفر جاری ہونے کے لئے موضعِ اقامت کی حدود سے نکلنا ضروری ہوگا، یا بالفاظِ دیگر مبدءِ قصر موضعِ اقامت کی انتہاء الابنیۃ ہوگی۔

مثلاً ایک شخص کراچی میں مقیم ہے اور وہ کراچی شہر سے باہر کسی جگہ جانا چاہتا ہے، تو وہ جس مقام ومکانِ مخصوص سے سفر کی نیت کر کے چلا ہے، وہاں سے لے کر اس کے خاص منتہائے سفر تک مسافتِ سفر (یعنی اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ) کا فاصلہ ہے، اگرچہ کراچی شہر کی آبادی کے اختتام سے منتہائے سفر والے مقام کی آبادی کی ابتداء تک مسافتِ سفر (یعنی اڑتالیس میل کا فاصلہ نہیں ہے)

اسی طرح کراچی شہر سے باہر کا رہنے والا کسی کام سے کراچی شہر کے ایسے حصے میں جانا چاہتا ہے جو حصہ مسافر کے اس مقام ومکانِ مخصوص سے ''جہاں سے سفر کی نیت کر کے چلا ہے'' مسافتِ سفر (یعنی کم از کم اڑتالیس میل) کے فاصلے پر ہے، اگرچہ اس مقام کی آبادی کے اختتام سے کراچی شہر کی آبادی کے آغاز تک مسافتِ سفر (یعنی کم از کم اڑتالیس میل کا فاصلہ) نہیں ہے، تو اس دوسرے نقطۂ نظر کے مطابق دونوں صورتوں میں شخص مذکور مسافر ہوگا، گو اس پر سفر کے احکام جاری ہونے والا عرصہ مختصر ہوگا اور پوری قطعِ مسافت کو محیط نہ ہوگا۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ صورت میں قطعِ مسافت اور قصر کے زمان ومکان میں اس نقطۂ

نظر کے مطابق عام وخاص مطلق کی نسبت ہوگی، قصرِ خاص اور قطعِ مسافت اس کے مقابلے میں عام ہوگی۔

مگر پہلے نقطۂ نظر کے مطابق شخص مذکور مسافر نہ ہوگا تاآنکہ کراچی کی آبادی اور دوسرے علاقے والی آبادی کے درمیان مسافتِ سفر (کم از کم اڑتالیس میل) کا فاصلہ نہ ہو۔

اس نقطۂ نظر کے مطابق مذکورہ صورت میں قطعِ مسافت اور قصر کے زمان ومکان میں تساوی کی نسبت ہوگی یعنی جہاں سے قصر شروع ہونے کا حکم ہوگا، وہیں سے قطعِ مسافت کا حکم بھی شروع ہوگا اور جہاں تک مسافت ہوگی وہاں تک ہی قصر کا حکم بھی ہوگا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

Idara Ghufran

پہلا نقطۂ نظر اور اس کے مستدلات

پہلا نقطۂ نظر جو کہ اکثر فقہاء وعلمائے کرام کا ہے، یہ ہے کہ مسافتِ سفر کا اعتبار موضعِ اقامت کی حدود کے اختتام سے اس موضع کی حدود شروع ہونے تک ہوگا، جس میں جانے کا قصد کر کے مسافر نکلا ہے۔

آگے اس موقف کے دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔ [1]

---

[1] مندرجہ بالا مضمون تو کافی پہلے کا تحریر شدہ ہے، اور ابھی حال ہی میں ہندوستان کی ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کا فیصلہ اس سلسلہ میں نظر سے گزرا، اس اکیڈمی کے اکثر حضرات کی رائے بھی یہی ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں اکیڈمی کا فیصلہ درجِ ذیل ہے:

(۱)...... جو آدمی اپنے گھر سے اپنے شہر کے اندر ہی کسی مقام پر جانے کے لئے نکلے، تو خواہ وہ کتنی ہی لمبی مسافت طے کرے، اگر اس کا ارادہ شہر کے اندر ہی اندر رہنے کا ہے، تو وہ شرعاً مسافر شمار نہیں کیا جائے گا، اور اس کے لئے سفر کی وہ رخصتیں نہیں ہوں گی، جو مسافتِ شرعی کے سفر سے متعلق ہیں۔

(۲)...... جو آدمی اپنی آبادی وشہر سے باہر سفر کے ارادہ سے نکلے، وہی شرعاً نماز میں قصر اور رمضان المبارک میں روزہ توڑنے کی اجازت کے مسئلہ میں مسافر ہوگا۔

(۳)...... چھوٹے شہروں میں مسافتِ شرعی کا حساب اس جگہ سے ہوگا، جہاں شہر ختم ہوا ہے، یعنی شہر ختم ہونے کے بعد ۴۸ میل کا سفر کیا جائے، تبھی وہ مسافر ہوگا۔

(۴)...... بڑے شہروں میں، جن کی آبادی میلوں تک پھیل گئی ہے، مسافتِ شرعی کا شمار کس مقام سے ہوگا؟ اس میں دو نقاطِ نظر ہیں، زیادہ حضرات کی رائے ہے کہ جہاں شہر ختم ہوتا ہے، وہیں سے ۴۸ میل کی مسافت شمار کی جائے گی، دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جس محلّہ سے سفر شروع ہوا ہے، وہیں سے مسافت کا شمار ہوگا، البتہ اس پر سبھوں کا اتفاق ہے کہ نماز میں قصر کا حکم شہر سے باہر نکلنے کے بعد ہی شروع ہوگا، اور اسی طرح واپس ہوتے وقت شہر میں داخل ہونے سے پہلے پہلے تک ہی قصر کرنا درست ہوگا۔

(اسلامک فقہ اکیڈمی، ہند کا سترہواں فقہی سیمینار ''برہان پور'' بتاریخ ۲۸ تا ۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق 5 تا 7 اپریل 2008ء)

Idara Ghufran

مبدءِ سفر ومنتہائے حضر کے بارے میں ایک اصولی بحث

حضر واقامت، دراصل سفر کی ضد ہے جس طرح اتمام، قصر کی ضد ہے، اور انشاءِ سفر یعنی سفر کو وجود ملنے کے لئے (جس کو مبدءِ سفر بھی کہا جاسکتا ہے) اس سے پہلے حضر واقامت کا وجود ضروری ہے، کیونکہ پہلے سے مقیم ہوگا تو مسافر بننے کی نوبت آئے گی، اب جو شخص مقیم ہے، اس کے سفر کا تحقق کہاں سے ہوگا یعنی اس کا مبدءِ سفر کیا ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس موضع سے حضر واقامت سے فراق ہوگا، وہیں سے انشاءِ سفر ومبدءِ سفر متحقق ہوگا اور حضر واقامت سے فراق ہوتا ہے موضعِ اقامت کی حدود سے خروج پر، لہٰذا مبدءِ سفر وانشاءِ سفر وہیں سے ہوگا اور کیونکہ موضعِ اقامت کبھی بڑا شہر ہوتا ہے، کبھی چھوٹا شہر، کبھی قصبہ ہوتا ہے اور کبھی گاؤں، اور کبھی گاؤں سے چھوٹی کوئی مختصر آبادی ہوتی ہے جسے بعض علاقوں میں ڈھوک اور بعض میں گوٹھ کہتے ہیں، جبکہ کبھی کوئی ایسی جگہ ہے، جہاں عارضی آبادی ہو **کالمقیم فی الاخبیۃ والخیام** اور کبھی کوئی ایسی جگہ ہوتی ہے، جہاں اس درجہ کی بھی آبادی نہیں ہوتی **کالمقیم علی ماءٍ ونہر او محتطب**۔ [1]

---

[1] مجاوزة العمران من موضع إقامته :كما بينا، وللفقهاء تفريعات فی توضيح هذا الشرط.
فقال الحنفية:أن يجاوز بيوت البلد التی يقيم فيها من الجهة التی خرج منها، وإن لم يجاوزها من جانب آخر .وأن يجاوز كل البيوت ولو كانت متفرقة متى كان أصلها من البلد، وأن يجاوز ما حول البلد من مساكن، والقرى المتصلة بالبلد .ويشترط أن يجاوز الساحة (الفناء) المتصلة بموضع إقامته :وهو المكان المعد لصالح السكان كركض الدواب ودفن الموتى وإلقاء التراب.
ولا يشترط أن تغيب البيوت عن بصره، ولا مجاوزة البيوت الخربة، ولا مجاوزة البساتين؛ لأنها لا تعتبر من العمران، وإن اتصلت بالبناء أو سكنها أهل البلدة.
وإذا كان ساكنا فی الأخبية (الخيام) فلا بد من مجاوزتها، وإذا كان مقيما على ماء أو محتطب فلا بد من مفارقته، ما لم يكن المحتطب واسعا جدا، والنهر بعيد المنبع أو المصب، وإلا فالعبرة بمجاوزة العمران.
وقال المالكية:المسافر إما حضری، أو بدوی، أو جبلی.
فالحضری :الساكن فی مدينة أو بلد أو قرية ولولا جمعة فيها، لا يقصر إلا إذا جاوز بنيانها والفضاء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انشاءِ سفر یعنی سفر کو وجود ملنے کے لئے دو متضاد مواضع کا وجود ضروری ہے۔

(1)......ایک موضعِ اقامت یا موضعِ حضر (2)......دوسرے موضعِ سفر۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الـذی حولها والبساتين المتصلة بها ولو حكما :بـأن يرتفق أو ينتفع سكانها بها بنار أو خبز أو طبخ، والـمسكونة بأهلها ولو فی بعض العام .ولا يشتـرط مـجاوزة المزارع والبساتين المنفصلة، أو غير المسكونة فی وقت من العام.

والبدوی :سـاكـن البـادية أو الـخيـام، لا يـقـصـر إلا إذا جاوز جميع خيام أو بيوت القبيلة أو القبائل المتعاونة فيما بينها، ولو كانت متفرقة، حيث جمعهم اسم الحی والدار ، أو الدار فقط.

والجبلی :ساكن الجبال يقصر إذا جاوز محله أو مكانه.

وساكن القرية التی لا بساتين فيها مسكونة :يقصر إذا جاوز بيوت القرية والأبنية الخرا ب التی فی طرفها.

وساكن البساتين :يـقـصـر بمجرد انفصاله عن مسكنه، سواء أكانت تلك البساتين متصلة بالبلد أم منفصله عنها.

وقـال الشافعية:إن كان للبلد أو القرية سور، فأول السفر مجاوزة السور، وإن كان وراء ه عمارة فی الأصح.

وإن لـم يكن للبلد أو القرية سور :فـأول السـفـر مجاوزة آخر العمران، وإن تخلله نهر أو بستان أو خراب، حتى لا يبقى بيت متصل أو منفصل عن محل الإقامة، ولا يشترط مجاوزة الخراب المهجور الـخـارج عـن الـعـمـران؛ لأنـه لـيـس مـحـل إقامة، كما لا يشترط مجاوزة البساتين والمزارع، وإن اتصلت بما سافر منه .ولا بد من مجاوزة المقابر المتصلة بالقرية التی لا سور لها.

وساكن الخيام :يـقـصـر إن جاوز الحلة، أی البيوت التی يجتمع أهلها فيها للسمر، ويستعير بعضهم مـن بـعـض، سـواء أكـانـت مـجـتـمـعـة أم متفرقة، وجاوز أيضا مرافق الخيام كمطرح الرماد وملعب الصبيان ومرابط الخيل؛ لأنها معدودة من مواضع إقامتهم.

ويعتبـر مـع مـجـاوزة المرافق عرض الوادی إن سافر فی عرضه، ومجاوزة المهبط إن كان فی ربوة (مـرتـفـع)، والـمـصـعـد إن كـان فـی وهـدة (مـنـخفض)، هذا إن اعتدلت الثلاثة (الوادی والمهبط والمصعد)، فإن اتسعت اكتفى بمجاوزة الحلة عرفا.

وسـاكـن غيـر الأبنية والخيام يبتدء سفره بمجاوزة محل رحله ومرافقه .هـذا كله فی سفر البر، أما السـفـر فی البحر :فيبتـدء مـن أول تـحـرك أو جری السفينة أو الزورق، فإن جرت السفينة محاذية للأبنية التی فی البلدة فلا بد من مجاوزة تلك الأبنية.

وينتهی السفر بوصوله سور وطنه، أو عمرانه إن كان غير مسور.

وقال الحنابلة:يقصر المسافر إذا فارق خيام قومه، أو بيوت قريته العامرة، سواء أكانت داخل السور

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور انشاءِ سفر کے لئے موضعِ سفر سے موضعِ حضر کا تقدم اور موضعِ حضر سے موضعِ سفر کا تأخر ضروری ہے۔

موضعِ اقامت وحضر اور موضعِ سفر کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ ”واذاضربتم فی الارض الخ“ اس نص کی رُو سے ”ضرب فی الارض “یعنی سفر کے تحقق کے لئے دو قسم کی ارض ضروری ہیں:

(1)......ایک مِن اَرْضٍ جو کہ موضعِ اقامت کہلائے گا۔

(2)......دوسرے الیٰ اَرْضٍ جو موضعِ سفر کہلائے گا۔

چنانچہ مبسوط سرخسی میں ہے:

فإن الإقامة ضد السفر، والانتقال من أرض إلى أرض يكون ضربا في الأرض (المبسوط للسرخسی ،ج ا ص۲۳۷، کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ المسافر)

موضعِ مِن اَرْضٍ یعنی موضعِ اقامت سے خروج پر الیٰ اَرْضٍ یعنی موضعِ سفر متحقق ہوگا،مطلب یہ ہے کہ مِن اَرْضٍ کے منتہاء اور الیٰ اَرْضٍ کے مبدأ سے مبدءِ سفر کو وجود ملے گا،اور کبھی مِن اَرْضٍ یعنی موضعِ اقامت یا موضعِ حضر صغیر ہوتا ہے ”کالقرية والماء “

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أم خارجه، بما يعد مفارقة عرفا؛ لأن الله تعالى إنما أباح القصر لمن ضرب في الأرض، وسواء اتصل بها بيوت خربة أو صحراء ، فإن اتصل بالبيوت الخربة بيوت عامرة أو بساتين يسكنها أهلها ولو ضيفا مثلا وقت النزهة، فلا يقصر إلا بمفارقة الجميع من الخراب والعامر والبساتين المسكونة.

ولو كان للبلد محال، كل محلة منفردة عن الأخرى، كبغداد في الماضي، فمتى خرج من محلته، أبيح له القصر إذا فارق أهله .وإن كان بعضها متصلا ببعض كاتصال أحياء المدن المعاصرة، لم يقصر حتى يفارقها جميعها.

ولو كانت قريتان متدانيتين (متقاربتين)، واتصل بناء إحداهما بالأخرى، فهما كالواحدة، وإن لم يتصل بناؤهما، فلكل قرية حكم نفسها.

والملاح الذي يسير بسفينته وليس له بيت سوى سفينته، فيها أهله وتنوره وحاجته، لا يباح له الترخص (الفقه الاسلامی وادلتۂ، ج۲ ص ۱۳۵۰ الیٰ ۱۳۵۳، القسم الاول، الباب الثانی، الفصل العاشر، المبحث الثالث، المطلب الاول)

www.idaraghufran.org

اور کبھی وسیع ہوتا ہے ''کالبلد و المصر''

مِــن اَرُضٍ یعنی موضعِ اقامت کے چھوٹا بڑا ہونے سے اس مسئلے پر کوئی فرق واقع نہ ہوگا، کیونکہ موضعِ اقامت کے وسیع یا غیر وسیع ہونے کے اعتبار سے موضعِ اقامت کے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس سلسلہ میں دونوں یکساں طریقے پر موضعِ اقامت ہیں۔

اور اگر فقہائے کرام سے مبدءِ سفر کے لئے وسیع موضعِ اقامت، یعنی مصر و بلد کی حدود سے خروج کا شرط ہونا معلوم ہوجائے تو اس سے غیر وسیع موضعِ اقامت یعنی قریہ وغیرہ کی حدود سے خروج کا شرط ہونا بدرجۂ اولیٰ معلوم ہوجائے گا۔

اور کیونکہ اس وقت ہمارے زیرِ بحث مسئلہ وسیع موضعِ اقامت ہے یعنی مصر و بلد، جسے اردو میں شہر سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس لئے ہماری بحث کا بنیادی نقطہ مصر و بلد یعنی شہر ہوگا۔ [1]

اس سے کوئی یہ نتیجہ اخذ نہ کرے کہ ہمیشہ انشاءِ سفر مصر یا بلد سے ہوتا ہے، البتہ یہ کہا جائے گا کہ جب انشاءِ سفر شہر سے ہو رہا ہو تو اس وقت مبدءِ سفر مصر و بلد سے خروج ہوگا۔

---

[1] المصر فی اللغة :اسم لكل بلد محصور أی محدود تقام فيها الدور والأسواق والمدارس وغيرها من المرافق العامة، ويقسم فيها الفیء والصدقات.

واختلفوا فی معناها الاصطلاحی، فعن أبی حنيفة رحمه الله :أن المصر بلدة كبيرة فيها سک وأسواق، ولها رساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه أو علم غيره، والناس يرجعون فی الحوادث إليه.

قال الكرخی :إن المصر الجامع ما أقيمت فيه الحدود ونفذت فيه الأحكام.

وقال القليوبی :المصر العمارة المجتمعة الذی فيه حاكم شرعی وشرطی وأسواق للمعاملات.

والمصر أعظم من القرية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣٣، ص ١٦١ ، مادة "قرية")

ب -البلد:

البلد فی اللغة :اسم للمكان المختط المحدود المتأنس باجتماع قطانه وإقامتهم فيه، ويستوطن فيه جماعات ويسمی المكان الواسع من الأرض بلدا.

والبلد أكبر من القرية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣٣، ص ١٦١ ، مادة "قرية")

وعبارة القهستانی تقع فرضا فی القصبات والقری الكبيرة التی فيها أسواق(ردالمحتار، ج٢ص١٣٨ ، باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

”سفر“ داخلِ مصر میں متحقق نہیں ہوتا

اعلاء السنن میں ہے:

قلت ای بل السفر من المصالح المتعلقة بغیر المصر ،لعدم امکان تحققه داخل المصر فافهم فانه کلام نفیس (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۱۱، ابواب صلاۃ المسافر، باب القصر الیٰ ان یدخل موضع الاقامة)

اس سے اصولی درجہ میں یہ بات معلوم ہوئی کہ سفر غیر مصر وخارجِ مصر کے مصالح سے متعلق ہے اور داخلِ مصر میں سفر کا تحقق ناممکن ہے۔

لہٰذا گھر سے نکلتے ہی حدودِ مصر میں مبدءِ سفر کے متحقق ہونے کا دعویٰ بظاہر مرجوح معلوم ہوتا ہے۔

سفر کا آغاز شہر وغیرہ سے نکل کر ہی ہوتا ہے

اعلاء السنن میں ہے

ان المراد به ان ابتداء السفر بالخروج عن البلدة ،وان القصر لایتوقف علی قطع مسافة السفر ،بل یجب بابتدائه (اعلاء السنن ج ۷ ص ۲۷۳، ابواب صلاۃ المسافر، باب مسافة القصر)

ابتدائے سفر خروج عن البلدۃ کے ساتھ وابستہ ہے اور قصر قطعِ مسافتِ سفر کے بجائے ابتدائے سفر پر موقوف ہوتی ہے، یعنی جب سفر کی ابتدا ہوجائے خواہ مسافتِ سفر قطع نہ کی ہو قصر شروع ہوجاتی ہے، جب ابتداءِ سفر یعنی مبدءِ سفر خروج عن البلدۃ کے ساتھ وابستہ ہے اور قصر مبدءِ سفر پر موقوف ہے، تو اس سے بظاہر مبدءِ سفر و مبدءِ قصر کا متحد ہونا اصولی انداز میں معلوم ہوتا ہے۔

”سفر“ اقامت کی ضد ہے

العنایہ، شرح ہدایہ میں ہے:

لأن السفر ضد الإقامة والشيء إذا تعلق بشيء تعلق ضده بضده وحكمه الإقامة وهو الإتمام لما تعلق بهذا الموضع تعلق حكم السفر بالمجاوزة عنه (العناية شرح الهداية، ج ۲ ص ۳۳، كتاب الصلاة ،باب صلاة المسافر)

اس عبارت سے بھی اصولی درجہ میں یہ بات معلوم ہوئی کہ شرعی اعتبار سے سفر اقامت کی ضد ہے اور جب کسی چیز کا تعلق کسی دوسری چیز کے ساتھ ہو تو اس چیز کی ضد کا تعلق بھی اس دوسری چیز کی ضد کے ساتھ ہوا کرتا ہے، تو جہاں سفر کا وجود ہوگا وہاں حضر واقامت کا وجود نہ ہوگا اور جہاں حضر واقامت کا وجود ہوگا، وہاں سفر کا وجود نہ ہوگا۔

اور خروج عن البلد سے پہلے خروج عن البیت پر مبدءِ سفر کا وجود مان لینا حضر واقامت کی نفی کرتا ہے، یعنی جہاں سفر کا وجود مان لیا گیا وہاں حضر واقامت کی نفی کرنا ضروری ہوگا اور اس کے لئے سفر کے احکام کا نفاذ ضروری ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں مبدءِ سفر کا وجود مبدءِ قصر کے وجود کو مستلزم ہوگا، اور ان دونوں میں تخلف نہ ہوگا۔

مصر میں چلنے والا ناویِ مسافر ہے، نہ کہ مسافر

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فإذا قصد مسيرة ثلاثة أيام قصر الصلاة حين تخلف عمران المصر؛ لأنه مادام في المصر فهو ناوي السفر لا مسافر، فإذا جاوز عمران المصر صار مسافرا لاقتران النية بعمل السفر

(المبسوط للسرخسي، ج ۱ ص ۲۳۶، كتاب الصلاه،باب صلاة المسافر)

www.idaraghufran.org

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حدودِ مصر میں رہتے ہوئے یعنی تخلف عن عمران المصر سے قبل (خواہ مشی ورکوب کا عمل کسی بھی طریقہ پر شروع ہو چکا ہو) مسافر نہ ہوگا، بلکہ ناوی سفر ہوگا، گویا کہ حدودِ بلد میں عملِ سفر کو وجود ہی نہ ملے گا، بلکہ محض نیت کو وجود ملے گا اور تجاوز عمرانِ مصر پر مسافر ہوگا، کیونکہ اس وقت وہ نیتِ محض عملِ سفر سے مقترن ہوگی۔

سفر متحقق ہونے کے لیے آبادی سے تجاوز شرط ہے

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

أما شرط مجاوزة العمران لأن السفر فعل فلا يوجد بمجرد النية فيشترط قران النية بأدنى فعل (وهو مجاوزة عمران المصر. كمامر. ناقل) (فتاوى قاضيخان ،ج ا ص ۱۳۳ ، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اس عبارت میں بھی صراحت ہے کہ مجاوزۃِ عمران، سفر وقصر کے لئے اس وجہ سے شرط ہے کہ سفر فعل ہے جو کہ مجاوزۃِ عمران سے قبل وجود میں نہیں آتا بلکہ خروج پر ہی وجود میں آتا ہے، کیونکہ اس سے پہلے نیتِ محض ہے، اس کے ساتھ ادنیٰ فعلِ سفر مقترن ہوگا تو اس کو وجود ملے گا اور ادنیٰ فعلِ سفر کو وجود مجاوزۃِ عمران سے ملتا ہے، لہٰذا **خروج من موضع الاقامة** سے قبل سفر کا تحقق دراصل شرط کے بغیر مشروط کا تحقق ہوگا، حالانکہ قاعدہ ہے ”**اذا فات الشرط فات المشروط**“

سفر کا ادنیٰ فعل کے ساتھ قِران شرط ہے

المعتصر الضروری میں ہے:

وانما شرط مجاوزة العمران لان السفر فعل لايوجد بمجرد النية

فیشرط قرانہ بادنی فعل(وھومجاوزۃ عمران المصر اذاکان انشاء السفر عن المصر،ناقل)(المعتصر الضروری علی مختصر القدوری ص ۱۵۰)

ان عبارات سے مبدءِ سفر کا مسئلہ اس طرح واضح ہورہا ہے کہ مسافر جب تک اپنے شہر کی آبادی میں رہے گا، وہ ناویِ سفر رہے گا،اس کے سفر کا ادنیٰ فعل بھی اس وقت تک شروع نہیں ہوگا، جب تک وہ موضعِ اقامت کی آبادی سے باہر نہ نکل جائے،خواہ وہ آبادی کے اندر کتنی بھی مسافت طے کرلے، جب عملِ سفر کی ابتدا ہی موضعِ اقامت سے نکل کر ہوگی،تو مسافتِ سفر کی ابتدا بھی موضعِ اقامت سے نکل کر ہوگی، کیونکہ سفر کے معنٰی ہی لغتاً قطعِ مسافت اور شرعاً خاص قطعِ مسافت کے آتے ہیں''کماسیجیئ''

اگر گھر سے مسافت کا اعتبار کیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ مسافت کا ایک حصہ''ادنیٰ فعلِ سفر''شروع ہونے سے پہلے ہی طے اور متحقق ہو چکا ہے۔حالانکہ فعلِ سفر کے بغیر قطعِ مسافت یا مسافتِ سفر کا طے ہونا غیر معقول ہونے کے علاوہ غیر منقول بھی ہے، کیونکہ فعلِ سفر شروع ہوگا تو مسافت طے ہونا شروع ہوگی ،اوراس سے پہلے جو اپنے وطن یا جائے اقامت کی حدود میں چلنا پایا گیا،وہ سفر اور قطعِ مسافت ہونے کے عمل میں شمار نہیں ہوگا، بلکہ نیتِ محض کے قبیل سے ہوگا۔

فعلِ سفر کا تحقق خروجِ مصر کے بعد ہی ہوتا ہے

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأما بیان ما یصیر بہ المقیم مسافرا :فالذی یصیر المقیم بہ مسافرا نیۃ مدۃ السفر والخروج من عمران المصر فلا بد من اعتبار ثلاثۃ أشیاء :أحدھا :مدۃ السفر......والثانی :نیۃ مدۃ السفر ......والثالث :الخروج من عمران المصر فلا یصیر مسافرا

بمجرد نية السفر ما لم يخرج من عمران المصر ...... ولأن النية إنما تعتبر إذا كانت مقارنة للفعل؛ لأن مجرد العزم عفو، وفعل السفر لا يتحقق إلا بعد الخروج من المصر فما لم يخرج لا يتحقق قران النية بالفعل فلا يصير مسافرا (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۹۳ الیٰ ۹۵ ،کتاب الصلاة،فصل بيان ما يصير به المقيم مسافرا)

اس کا حاصل یہ ہے کہ مقیم شخص کے مسافر بننے کے لئے تین چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے، ایک نیتِ سفر (جو ظاہر ہے کہ عام طور پر گھر سے ہی ہوتی ہے) دوسری مسافتِ سفر اور تیسری خروج مِن عمرانِ المصر۔

اب سوال یہ ہے کہ مسافتِ سفر کہاں سے شروع ہوگی، اس کا جواب ظاہر ہے کہ جہاں سے فعلِ سفر شروع ہوگا، وہیں سے مسافتِ سفر بھی شروع ہوگی، اور فعلِ سفر کے بارے میں یہ تصریح ہے کہ وہ خروج من المصر کے بعد شروع اور متحقق ہوگا کما قال:

”فعل السفر لا يتحقق إلا بعد الخروج من المصر فما لم يخرج (ای من عمران المصر،ناقل) **لا يتحقق قران النية بالفعل “**

لہٰذا مسافتِ سفر بھی خروج من المصر کے بعد ہی شروع ہوگی، کیونکہ اس سے پہلے قرانِ نیت فعلِ سفر کے ساتھ نہ ہوگا۔

اگر یہ کہا جائے کہ مسافتِ سفر گھر سے شروع ہوگی اور شرعاً مسافر خروج من المصر کے بعد بنے گا تو یہ بظاہر درست معلوم نہیں ہوتا۔

ایک تو اس وجہ سے کہ اس کا مطلب یہ بنے گا کہ اس کا فعلِ سفر تو گھر سے شروع ہوچکا، مگر اس پر احکامِ سفر خروج من المصر کے بعد جاری ہوں گے، حالانکہ مذکورہ عبارت میں تصریح ہے کہ فعلِ سفر ہی خروج من المصر کے بعد متحقق ہوگا اور اس سے پہلے پہلے محض نیت اور عزمِ سفر ہے جو فعل کے بغیر معتبر نہیں، لہٰذا اس سے پہلے فعلِ سفر یا قطعِ مسافت معتبر نہیں۔

www.idaraghufran.org

دوسرے اس وجہ سے کہ اس کا گھر سے حدودِ شہر کے اختتام تک جانا ایسا ہے، جیسا کہ شہر کے اندر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور اپنے شہر میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا (خواہ مدتِ مسافت کے بقدر ہی فاصلہ کیوں نہ طے کرلیا جائے) سفر میں شمار نہیں ہوتا۔

اور وہ اپنے شہر کے دوسرے محلّہ اور آبادی میں ایسا ہی شمار ہوتا ہے، جیسا کہ اپنے گھر میں، چنانچہ واپسی پر بھی وطنِ اصلی یا وطن، اقامت میں داخل ہوتے ہی ''خواہ ابھی تک گھر میں داخل نہ ہوا ہو'' خود بخود بغیر نیت کے مقیم ہوجاتا ہے، معلوم ہوا کہ آبادی میں رہتے ہوئے نیت مؤثر نہیں کیونکہ نیت سے اعلیٰ چیز اور مانع موجود ہے اور وہ اس کے موضعِ اقامت کی حدود کا ہونا ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا بہت اہم ہے کہ مبدءِ سفر کے متحقق ہونے کے لئے اصل میں تو موضعِ اقامت سے خروج شرط تھا، اور موضعِ اقامت قریہ بھی ہوسکتا ہے اور مصر وبلد بھی، لیکن یہاں فقہائے کرام کا خصوصیت کے ساتھ لفظِ مصر وبلد کے ساتھ خروج کے شرط ہونے کی صراحت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ موضعِ اقامت میں فعلِ سفر کو وجود نہیں ملتا، خواہ وہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو اور خواہ اس کی حدود میں کتنا ہی چلنا پایا جائے، موضعِ اقامت کے مختصر ہونے کی صورت میں ''جو کہ عموماً گاؤں، دیہات وغیرہ میں ہوتا ہے'' اس کی حدود میں مشی اور رکوب معمولی درجے کا ہوتا ہے اس لیے وہ زیادہ قابلِ اعتناء نہیں ہوتا اور اس میں کوئی زیادہ اشتباہ بھی نہیں ہوتا البتہ موضعِ اقامت کے وسیع ہونے کی صورت میں ''جو کہ عموماً بلد ومصر میں ہوتا ہے'' اس کی حدود میں مشی اور رکوب غیر معمولی درجے کا ہوسکتا ہے اور وہ قابلِ اعتناء وقابلِ اشتباہ بھی ہوسکتا ہے اس لیے بلاغت کے قاعدے سے اسی طویل مشی ورکوب کی نفی کردی گئی۔

''سفر'' انشاءِ فعل ہے، لہٰذا اس کے لیے نیت کافی نہیں

علامہ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أما السفر فإنشاء فعل فلا يكفيه مجرد النية.اهـ (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق ج ١ ص ٢٠٩، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اس سے معلوم ہوا کہ سفر دراصل ''فعل کو عدم سے وجود میں لانے کا نام ہے'' اور کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے کے لئے نیت کافی نہیں ہوتی، اور یہ بات پہلے گزر چکی کہ شہر کی حدود میں رہتے ہوئے نیتِ محض ہوتی ہے فعلِ سفر کا انشاء نہیں ہوتا اور انشاءِ فعلِ سفر ہوتا ہے خروجِ بلد پر، لہٰذا سفر کی ابتداء بھی خروجِ بلد پر ہی ہوگی، اس سے پہلے نہیں، اور جب سفر کی ابتداء ہی خروجِ بلد سے ہوگی تو یقیناً سفر کا فاصلہ بھی یہیں سے معتبر ہونا چاہئے، کیونکہ یہ بات ناممکن اور غیر معقول کہلائے گی کہ سفر شروع ہو خروجِ بلد سے اور مبدءِ سفر یا مبدءِ مسافتِ سفر اس سے پہلے ہی مان لیا جائے۔

الاختیار میں ہے:

بخلاف المقيم حيث لا يصير مسافرا بالنية؛ لأن السفر إنشاء الفعل فلا يصير فاعلا بالنية(الاختيار لتعليل المختار ج ١ ص ٨٠، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اس عبارت کا مطلب بھی قریب قریب وہی ہے جو پیچھے گزرا۔

علامہ عمر بن محمد حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وإنشاء السفر ابتداؤه (طلبة الطلبة في الاصطلاحات الفقهية، ص ٥٥، كتاب الطلاق، مادة. ن . ش . ء)

جب سفر انشاءِ فعل کا نام ہے اور انشاءِ سفر، سفر کی ابتدا کو کہتے ہیں تو جہاں سے انشاءِ فعلِ سفر ہوگا یعنی جہاں سے سفر کو وجود ملے گا، وہی سفر کا مبدء بھی ہوگا، اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ فعلِ سفر ''**خروج من عمران المصر**'' سے پہلے متحقق نہیں ہوتا، لہٰذا مبدءِ سفر بھی اس سے پہلے متحقق نہ ہوگا۔

Idara Ghufran

نیتِ سفر، عمرانِ مصر سے خروج کے بغیر مؤثر نہیں

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والأصل أن النية متى تجردت عن العمل لا تكون مؤثرة ، فإذا نوى الإقامة فى موضع الإقامة فقد اقترنت النية بعمل الإقامة فصار مقيما، وإذا نوى السفر فقد تجردت النية عن العمل ما لم يخرج (اى عمرانَ المصر، كمامر. ناقل) فلا يصير مسافرا، وهو نظير ما لو نوى فى عبد التجارة أن يكون للخدمة صار للخدمة، ولو نوى فى عبد الخدمة أن يكون للتجارة لا يصير لها ما لم يتجر فيه(المبسوط للسرخسی ج ۱ ص ۲۳۹، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

معلوم ہوا کہ جب تک عمل یعنی **خروج من موضع الاقامة** کے ساتھ نیتِ سفر نہ ملے گی اس سے پہلے یہ نیت مؤثر و کارآمد نہ ہوگی۔ واضح رہے کہ یہاں خروج ''**بمعنٰی خروج من موضع الاقامة**'' ہے (جیسا کہ خروج کی بحث میں عبارت نمبر ۶ کے بعد آ رہا ہے)

نیز ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

وهو نظير المسافر ينوى الإقامة فإنه يصير مقيما والمقيم ينوى السفر فلا يصير مسافرا ما لم يخرج إلى السفر (اى مالم يبدء السفر. ناقل) (المبسوط للسرخسی، ج ۲ ص ۲۹۸، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، زكاة الحلى)

گزشتہ عبارات کے پیشِ نظر اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ عملِ سفر شروع ہونے یعنی ''**خروج من عمران المصر يا من موضع الاقامة**'' سے پہلے مسافر نہ ہوگا۔

یہاں ''خروج الی السفر'' میں سفر غایت ہے خروج کی جس سے سفر کے مبدء کو بیان کرنا مقصود

www.idaraghufran.org

ہے، کیونکہ سفر سے پہلے کوئی اور فعل نہیں سوائے خروج کے اور خروج خود ''خروج من عمران المصر'' پر دال تھا مزید تقویت لفظِ سفر سے حاصل ہوگئی'' کما فی قوله تعالیٰ :ثم اتموا الصيام الى الليل ''

علامہ کاسانی رحمہ اللہ اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لأن النية لا تعتبر ما لم تتصل بالفعل ...... ونظير الفصلين السفر مع الإقامة وهو أن المقيم إذا نوى السفر لا يصير مسافرا ما لم يخرج عن عمران المصر ، والمسافر إذا نوى الإقامة فى مكان صالح للإقامة يصير مقيما للحال(بدائع الصنائع ج ٢ ص ١٢ ، كتاب الزكاة، فصل الشرائط التى ترجع إلى المال)

یہاں بھی ''لاتعتبر مالم تتصل بالفعل'' فرما کر آگے اس فعل کی تشریح ''خروج من عمران المصر'' سے فرمائی گئی ہے، جس سے خروج من عمران المصر کا مبدءِ فعلِ سفر ہونا ظاہر ہوا۔

حاشیۃ طحطاوی علی المراقی میں ان الفاظ کے ساتھ مسئلہ ھٰذا کی وضاحت کی گئی ہے:

ولايعتبر القصد مالم يتصل به عمل السفر (حاشية الطحطاوى على المراقى، ص ٤٢٢، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

یہاں بھی قصدِ سفر کے معتبر ہونے کا عملِ سفر کے ساتھ اتصال ضروری قرار دیا گیا ہے، اور عملِ سفر کا آغاز خروج عن المصر پر ہوتا ہے، لہٰذا اس سے پہلے جو لغوی یا عرفی قطعِ مسافت ہے وہ شرعاً نیتِ محض ہے نہ کہ عملِ سفر۔

ہدایہ میں ہے:

لأن النية لم تتصل بالعمل إذ هو لم يتجر فلم تعتبر ولهذا يصير المسافر مقيما بمجرد النية ولا يصير المقيم مسافرا إلا بالسفر

www.idaraghufran.org

(الهداية فی شرح بداية المبتدى، ج ا ص ٩٦، کتاب الزكاة)

فتح القدیر میں ہے:

(قوله لاتصال النية بالعمل) حاصل هذا الفصل أن ما كان من أعمال الجوارح فلا يتحقق بمجرد النية، وما كان من التروك كفى فيه مجردها فالتجارة من الأول فلا يكفى مجرد النية بخلاف تركها، ونظيره السفر والفطر والإسلام والإسامة لا يثبت واحد منها إلا بالعمل، وتثبت أضدادها بمجرد النية فلا يصير مسافرا ولا مفطرا ولا مسلما ولا الدابة سائمة بمجرد النية بل بالعمل، ويصير المسافر مقيما والمفطر صائما والمسلم كافرا والدابة علوفة بمجرد نية هذه الأمور، والمراد بالمفطر الذى لم ينو صوما يعد فى وقت تصح فيه النية(فتح القدير، ج٢ص١٦٨، ١٦٩، کتاب الزكاة)

معلوم ہوا کہ سفر کے لئے نیت کے ساتھ عملِ سفر ضروری ہے اور عملِ سفر کے وجود سے پہلے نیتِ محض ہے اور گزشتہ کئی عبارات میں اس عمل کی تعیین "**خروج من عمران المصر**" سے کی گئی ہے، لہٰذا واضح ہوا کہ سفر ایسے فعل وعمل کا نام ہے جو "**خروج من عمران المصر**" سے متحقق وثابت ہوتا ہے، اس سے پہلے نہیں۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وإنما اكتفى بالنية فى الإقامة واشترط العمل معها فى السفر لما أن فى السفر الحاجة إلى الفعل، وهو لا يكفيه مجرد النية ما لم يقارنها عمل من ركوب أو مشى كالصائم إذا نوى الإفطار لا يكون مفطرا ما لم يفطر، وفى الإقامة الحاجة إلى ترك الفعل، وفى الترك يكفى مجرد النية كعبد التجارة إذا نواه للخدمة

www.idaraghufran.org

(البحر الرائق، ج۲ ص ۱۳۹، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

اس عبارت میں بھی تحقق سفر کے لئے عمل کو شرط قرار دیا گیا ہے اور یہاں اگرچہ عمل کی مثال رکوب اور مشی کے ساتھ دی گئی ہے۔

لیکن چونکہ گذشتہ عبارات میں عمل کی تعیین ''خروج من عمران المصر'' کے ساتھ کی جا چکی ہے، لہٰذا اس رکوب اور مشی کو بھی اسی رکوب اور مشی پر محمول کیا جائے گا جو ''خروج من عمران المصر'' کے ساتھ ملصق ہو، کیونکہ اس سے پہلے کی مشی اور رکوب مؤثر و کارآمد نہیں، کمامر۔

معلوم ہوا کہ رکوب اور مشی یہاں بطور تمثیل کے ہے اور مراد وہ رکوب اور مشی ہے جس پر عمل سفر کی تعریف صادق آسکے اور وہ ''خروج من عمران المصر'' ہے، کمامر۔

علامہ اسعد بن محمد بن حسین حنفی کرابیسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کما لو نوی الإقامة یبطل حکم السفر، ویصیر مقیما، کذلک هذا .والمعنی فیه أن السفر والتجارة عمل، فما لم یوجد العمل لا یحکم به .والإقامة والمهنة ترک العمل والترک یحصل مع النية من غیر عمل، فکذلک افترقا (الفروق للکرابیسی، ص ۷۴، کتاب الزکاۃ)

اس عبارت سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ سفر ایک عمل کا نام ہے اور جب تک اس عمل کو وجود نہیں ملے گا اس وقت تک سفر کا حکم نہیں لگے گا، اور سفر کو وجود ''خروج من عمران المصر'' کے عمل سے ملتا ہے، لہٰذا یہی سفر کا مبدء بھی ہوگا۔

ان عبارات میں اقامت کو ترکِ تجارت اور سفر کو فعل تجارت کی نظیر بیان کیا جا رہا ہے، تو جس طرح کسی چیز میں تجارت کی نیت کر لی جائے، یہاں تک کہ بیع وتجارت کے عمل کے حصول کی سعی بلکہ ایجاب بھی کر لیا جائے تو وہ چیز تجارت کی شمار نہ ہوگی، جب تک کہ نیت اور اس سعی کے ساتھ ایجاب وقبول دونوں متعلق ہو کر مکمل نہ ہو جائیں اور فعل تجارت کے تحقق کے بعد

www.idaraghufran.org

ہی اس چیز پر فی نفسہٖ حولانِ حول کی ابتدا ہوگی، نہ کہ نیت اور سعی کے وقت سے۔

اسی طرح سفر کا آغاز بھی وطنِ اقامت کی آبادی سے خروج پر ہوگا اور اس سے پہلے کی نیت وسعی (جوکہ موضع اقامت کی حدود وآبادی کے اندر رہ کر ہو) معتبر نہ ہوگی اسی طرح ایک شخص احرام کی نیت کرلیتا ہے مگر تلبیہ نہیں پڑھتا تو حنفیہ کے نزدیک جب تک تلبیہ کا فعل وعمل (یعنی زبان سے تلبیہ کے تلفظ کی ادائیگی کا عمل) نیتِ احرام کے ساتھ نہ ملے گا، اس وقت تک اس کا احرام شروع نہ ہوگا اور اس سے پہلے کی سعی مثلاً چادریں پہن لینا اور میقات کی طرف چلنا احرام میں داخل نہ ہوگا، اور جب نیت کے ساتھ فعلِ تلبیہ مل جائے گا اسی وقت احرام کی پابندیاں لاگو ہوں گی، گویا کہ احرام کی ابتدا اور مبدءِ احرام یہی وقت ہوگا۔

اس کو ایک اور مثال سے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر طلوعِ فجر یا صبح صادق سے پہلے کسی نے روزہ کی سعی کی مثلاً نیت کرکے سحری کھالی ہو یا روزہ کی نیت کرکے رات کو سوگیا ہو، تب بھی طلوعِ فجر یا صبح صادق ہونے سے پہلے پہلے اس کے لئے اکل وشرب جائز ہوگا، کیونکہ اس کے روزہ کا عمل صبح صادق کے ساتھ مل کر ہی شروع ہوگا اور اس سے پہلے کی سعی مثلاً سحری وغیرہ کھالینے اور نیت کرلینے پر روزہ کا تحقق نہ ہوگا۔ فھکذا ھنا.

چنانچہ شرح حموی میں اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے مذکور ہے:

غیر أن التجارة من أعمال الجوارح فلا يتحقق بمجرد النية بل لا بد من اتصالها بعمل هو تجارة .

حتى لو اشترى ثيابا للبذلة ثم نوى بها التجارة لا تكون لها ما لم يبعها ليكون بذلها للتجارة، بخلاف ما لو نوى فيما هو للتجارة أن يكون للخدمة حيث يصح بمجرد النية لأن التروك يكتفى فيها بمجردها.

ونظيرها السفر والفطر والإسلام.

www.idaraghufran.org

زاد الشارح وكونه علوفة لا يثبت واحد منها إلا بالعمل، وتثبت أضدادها بمجرد النية.

ويخالفه ما فى الفتح أن السائمة تصير علوفة بمجرد النية(غمز عيون البصائر فی شرح الاشباه والنظائر، ج ا ص ٧٠، الفن الأول قول فى القواعد الكلية،القاعدة الأولى لا ثواب إلا بالنية)

اور ہدایہ میں ہے:

"وإذا فارق المسافر بيوت المصر صلى ركعتين "لأن الإقامة تتعلق بدخولها فيتعلق السفر بالخروج عنها (الهداية فی شرح بداية المبتدی، ج ا ص ٨٠، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

مطلب یہ ہے کہ جب مسافر بیوتِ مصر سے مفارقت اختیار کرے گا تو وہ قصر کرے گا، اس سے پہلے نہیں، کیونکہ مقیم ہونے کا تعلق واپسی پر بیوتِ مصر میں دخول سے ہے تو سفر کا تعلق بھی چلتے وقت بیوتِ مصر سے خروج کے ساتھ ہوگا۔

یہاں بھی ''فیتعلق السفر ''فرما کر قطعِ مسافتِ خاص یعنی سفرِ شرعی کا خروج سے متعلق ہونا واضح فرما دیا گیا۔

متن میں تو قصر کا حکم بیان ہو رہا تھا مگر اس قصر کی دلیل دیتے وقت شرح میں اقامۃ اور سفر کے مخصوص الفاظ استعمال کئے گئے، لہٰذا یہ احتمال بھی نہ رہا کہ اس عبارت سے تو مبدءِ قصر کا مسئلہ ثابت ہو رہا ہے، نہ کہ مبدءِ سفر کا۔

سفرِ شرعی کی تعریف میں خروج کی قید لگی ہوئی ہے

التقریر والتحبیر میں ہے:

(ومنها) أى المكتسبة من نفسه (السفر) وهو لغة قطع المسافة

وشرعا فی الروایات الظاهرة عن أصحابنا خروج عن محل الإقامة بقصد مسيرة ثلاثة أيام بسير وسط من ذلک المحل(ای عن محل الاقامة .ناقل) (التقرير والتحبير علىٰ تحرير الكمال بن الهمام، لابنِ اميرحاج، ج٢ص٢٠٣، المقالة الثانية فی أحوال الموضوع،الباب الاول فی الاحکام، فصل فی بيان أحكام عوارض الأهلية،النوع الثانی عوارض الأهلية المكتسبة)

ان دونوں عبارتوں سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ سفرِ شرعی کی تعریف کا اطلاق موضع اقامت سے خروج کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا جہاں سے سفرِ شرعی کا اطلاق ہوگا، وہیں سے سفرِ شرعی اور قطعِ مسافتِ خاص کا مبدء بھی معتبر ہوگا۔

علامہ عبدالعزیز بن احمد بخاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قوله (القسم الخامس) أی من العوارض المكتسبة وهو السفر السفر قطع المسافة لغة وفی الشريعة هو الخروج على قصد المسير إلى موضع بينه وبين ذلک الموضع مسيرة ثلاثة أيام فوقها سير الإبل ومشى الأقدام على ما عرف يعنی فی المبسوط وغيره أن ما ذكرنا هو المختار (كشف الاسرار شرح اصول البزدوی، ج٤ص٣٧٦، باب العوارض المكتسبة،السفر من العوارض المكتسبة)

اس عبارت میں بھی شرعی سفر کی تعریف میں خروج کا ہونا ثابت ہوا۔

مطلق خروج سے مراد ’’خروج من موضع الاقامة‘‘ ہے

جن کتب میں سفر کے مسئلہ میں عمرانِ مصر و بیت وغیرہ کی قید کے بغیر مطلق خروج کا ذکر ہے اس خروج کو بھی خروج من موضع الاقامۃ پر محمول کرنا ضروری ہوگا، تاکہ فقہائے کرام کے بیان کردہ اصول کے ساتھ تعارض لازم نہ آئے۔

www.idaraghufran.org

چنانچہ فقہ حنفی کی کتاب ''سیر کبیر'' کی شرح میں ہے:

وکذلک إن غلبهم أهل الحرب علی مدینتهم فخرجوا منها یریدون مسیرة یوم فإنهم یتمون الصلاة .وإن خرجوا منها یریدون مسیرة ثلاثة أیام فقد صاروا مسافرین یقصرون الصلاة(شرح السیر الکبیر للسرخسی،ص۲۵۰،باب صلاة القوم یخرجون الی العسکر ویریدون لعدو)

یہاں مدینہ سے خروج کے وقت مسافتِ سفر کے ارادہ وعدمِ ارادہ پر مسافر ہونے نہ ہونے اور نماز کے قصر ہونے نہ ہونے کا مدار رکھا گیا ہے۔

فقہائے کرام نے لفظِ خروج کو بہت سی جگہ اسی خروج وتجاوز من عمران المصر پر محمول کیا ہے اور اس کی دلیل بھی پیش کی ہے۔

چنانچہ عنایہ میں ہے:

(ولو حلف لا یخرج إلی مکة) هاهنا ثلاثة ألفاظ :الخروج والإتیان والذهاب والأول شرط الحنث به الانفصال بمجاوزة عمران مصره قاصدا لذلک دون الوصول .قال الله تعالی (ومن یخرج من بیته مهاجرا إلی الله ورسوله) وأراد به الانفصال (العنایة شرح الهدایة ج۵ص۱۰۹،کتاب الأیمان،باب الیمین فی الخروج والاتیان والرکوب وغیر ذلک)

اور شیخ شلبی اسی مسئلہ کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کأنه ضمن لفظ أخرج معنی أسافر للعلم بأن المضی إلیها سفر(حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، ج۳ص۱۲۱، کتاب الأیمان، باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی والإتیان وغیر ذلک)

اسی طرح قرآن مجید میں ''**ولما فصلت العیر**'' میں فصل سے مراد خروج عن البلد

Idara Ghufran

ہے، چنانچہ اس جگہ مفسرین نے ''فصلت'' کی یہی تفسیر کی ہے:

روح المعانی میں ہے:

ولما فصلت العير خرجت من عريش مصر قاصدة مكان يعقوب عليه السلام وكان قريبا من بيت المقدس والقول بأنه كان بالجزيرة لا يعول عليه، يقال: فصل من البلد يفصل فصولا إذا انفصل منه وجاوز حيطانه وهو لازم وفصل الشيء فصلا إذا فرقه وهو متعد(تفسير روح المعانی، ج۷ص ۱ ۵، سورة يوسف)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بلد سے فصل یعنی جدائیگی بول کر اس کی حدود سے تجاوز کرنا مراد لیا جاتا ہے۔

سفرِ شرعی کی تعریف میں مبدء ومنتہائے سفر کیا ہے؟

الجوہرۃ النیرۃ میں سفرِ شرعی کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

(السفر الذى تتغير به الأحكام) أى الأحكام الواجبة عليه وتغيرها قصر الصلاة وإباحة الفطر وامتداد مدة المسح إلى ثلاثة أيام وسقوط الجمعة والعيدين والأضحية وحرمة خروج المرأة بغير محرم (قوله: أن يقصد الإنسان موضعا بينه وبين مصره مسيرة ثلاثة أيام فصاعدا) القصد هو الإرادة لما عزم عليه وإنما شرط القصد فقال أن يقصد ولم يقل أن يسير؛ لأنه لو طاف جميع الدنيا ولم يقصد مكانا بعينه بينه وبينه مسيرة ثلاثة أيام لا يصير مسافرا وكذا القصد نفسه من غير سير لا عبرة به وإنما الاعتبار باجتماعهما فلا معتبر بالقصد المجرد عن السير ولا بالسير

المجرد عن القصد، بل المعتبر اجتماعهما (الجوهرة النيرة، ج ا ص ۸۴، ۸۵، كتاب الصلاة ، باب صلاة المسافر)

اس عبارت سے واضح طور پر ثابت ہورہا ہے کہ مسافر کے موضعِ مقصود اور اس کے شہر کے درمیان مسافت شرعی کا اعتبار ہوگا، اور شہر کی انتہاء شہر کی حدود وآبادی کے اختتام سے ہوتی ہے، لہٰذا مسافت بھی شہر کی حدود اور آبادی کے اختتام سے شروع ہوگی، اور کیونکہ اس میں ''موضع'' کے بجائے ''مصر'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کی تاویل بیت وغیرہ سے کرنا بھی ممکن نہیں، لہٰذا سفرِ شرعی وہ ہے کہ اپنے شہر اور دوسرے موضعِ مقصود کے درمیان مدتِ مسافت ہو۔

دو وطنوں کے درمیان مسافتِ شرعی کا معتبر ہونا

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ صاحب کنز کے اس قول

"قوله ولا تسافر مطلقة بولدها إلا إلى وطنها وقد نكحها ثم"

کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والذى يظهر عدم صحة التعبير بالسفر أو بالخروج على الإطلاق؛ لأن السفر إن كان المراد به الشرعى لم يصح؛ إذ لا يشترط فى منعها عن الخروج به أن يكون بين الوطنين ثلاثة أيام وإن كان المراد به السفر اللغوى لم يصح أيضا؛ لأنه إذا كان بين المكانين تقارب لا تمنع مطلقا فهو كالانتقال من محلة إلى أخرى

(البحر الرائق، ج ۴ ص ۱۸۷، كتاب الطلاق، باب الحضانة)

اور علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:

(قوله والذى يظهر عدم إلخ) قال فى النهر والظاهر أن المراد

www.idaraghufran.org

بالسفر هنا اللغوی الذی هو قطع المسافة لا الشرعی؛ إذ لا یشترط أن یقصد مسیرة ثلاثة أیام غیر أنها لو قربت بحیث یتمکن من مطالعة ولده ویرجع إلی وطنه فی یومه جاز لها النقل (منحة الخالق علی البحرالرائق، ج۴ص۱۸۷، کتاب الطلاق، باب الحضانة)

اورحاشیۃ الشرنبلالی میں ہے کہ:

(قوله :لا تسافر مطلقة بولدها) قال فی البحر الذی یظهر عدم صحة التعبیر بالسفر، والخروج علی الإطلاق لأن السفر إن کان المراد به الشرعی لم یصح لأنه لا یشترط للمنع، وإن أرید به اللغوی لم یصح أیضا لأنها لا تمنع فیما إذا تقارب ما بین المکانین وکذا التعبیر بمطلق الخروج لا یصح والعبارة الصحیحة لیس لها الخروج بالولد من بلدة إلی أخری بینهما تفاوت إلا إذا انتقلت من القریة إلی المصر اهـ(حاشیة الشرنبلالی علیٰ دررالحکام شرح غرر الحکام ،ج ۱ ص ۴۱۲،کتاب الطلاق، باب النفقة)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ دووطنوں کے درمیان‘‘ نہ کہ گھر اور مقصود کے درمیان‘‘ مسافتِ سفر کا ہونا معتبر ہے۔

سفرِ لغوی وشرعی میں فرق

حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی میں ہے:

"والسفر فی اللغة قطع المسافة "التعبیر بالمسافة یشعر بالامتداد فهو بمعنی قول السعد فی التلویح هو فی اللغة الخروج المدید وشرعا خروج من عمران الوطن مع قصد سیر مسافة مخصوصة

www.idaraghufran.org

اھ (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، ص ۴۱۹، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

اس عبارت میں سفر لغوی اور شرعی میں فرق اور سفر شرعی کی تعریف میں ''خروج من عمران الوطن'' کی واضح قید موجود ہے اور جب سفرِ شرعی کو وجود ہی ''خروج من عمران الوطن '' سے ملتا ہے، تو اس سے پہلے کسی خاص سفر کے حصہ کا وجود مان لینا سفرِ شرعی کی تعریف کے معارض ہوگا۔

مجمع الانہر میں ہے:

والسفر فی اللغة قطع المسافة والمراد هنا قطع خاص يتغير به الأحكام وهو لا يتيسر إلا بالقصد فلهذا قال مريدا لأنه لو طاف جميع العالم بلا قصد سير ثلاثة أيام لا يصير مسافرا ولو قصد ولم يظهر ذلک بالفعل (ای خروج عمران المصر، لانه هو الفعل كما فی عبارات متعددة .ناقل) **فكذلک فكان المعتبر فی حق تغيير الأحكام اجتماعهما** (ای القصد والفعل الذی هو خروج عمران المصر .ناقل)(مجمع الانهر، ج ۱ ص ۱۶۰، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

معلوم ہوا کہ سفر شرعی اور سفر خاص جس سے احکام میں تغیر پیدا ہوتا ہے وہ بغیر فعل کے متحقق نہیں ہوتا اور یہ بات سب کو مسلم ہے کہ احکام میں تغیر مثلاً قصر کا حکم خروجِ مصر کے عمل سے پیدا ہوتا ہے، نیز اس فعل و عملِ سفر کا ذکر پہلے بھی کیا جاچکا کہ وہ ''خروج من عمران المصر '' ہے، لہٰذا جب خروجِ مصر سے قبل سفرِ شرعی کی تعریف کا اطلاق ہی نہیں تو سفر کا قائل ہوجانا درست نہ ہوگا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والسفر لغة قطع المسافة من غير تقدير، والمراد سفر خاص وهو الذی تتغير به الأحكام من قصر الصلاة وإباحة الفطر وامتداد مدة

www.idaraghufran.org

المسح إلى ثلاثة أيام وسقوط وجوب الجمعة والعيدين والأضحية وحرمة الخروج على الحرة من غير محرم ط عن العناية(ردالمحتار، ج۲ص۱۲۰، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ سفرِ شرعی وہ ہے جس سے احکام متغیر ہو جائیں، مثل قصرِ صلاۃ کے اور قصرِ صلاۃ کا حکم سب کے نزدیک خروجِ مصر سے متحقق ہوتا ہے، لہٰذا سفرِ شرعی بھی ایسے فعل وعمل کو قرار دیا جائے گا، جس پر قصر وغیرہ کا حکم مرتب ہو اور جس پر قصر کا حکم مرتب نہ ہو (جیسے دوسرے نقطۂ نظر کے قائلین کے مطابق خروجِ مصر سے قبل کی قطعِ مسافت) اس پر سفر کا اطلاق کرنا درست نہ ہوگا۔

حاشیۃ الشرنبلالی علیٰ دررالحکام میں ہے:

والسفر فی اللغة قطع المسافة وهنا قطع خاص (حاشیہ شرنبلالی علیٰ دررالحکام، ج۱ ص۱۳۱، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

اس قطعِ خاص سے وہی مراد ہے "**الذی يتغير به الاحكام**"

الدر المنتقیٰ میں ہے:

وهو لغة قطع المسافة وشرعاً قطع مسافة تتغير به الاحكام (من جاوز بيوت مصره) (الدرالمنتقی شرح الملتقی، مشمولہ مجمع الانہر ج۱ ص۲۳۷،۲۳۸)

اس عبارت کا مطلب بھی واضح ہے کہ سفرِ شرعی نام ہے ایسی قطعِ مسافت کا جس سے احکام میں تغیر پیدا ہو۔

ہدایہ میں ہے:

"السفر الذی يتغير به الأحكام أن يقصد الإنسان مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بسير الإبل ومشى الأقدام "(الهداية فی شرح بداية المبتدی،

www.idaraghufran.org

ج ا ص ۸۰، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

اور فتح القدیر میں ہے:

والسفر لغة قطع المسافة وليس كل قطع يتغير به الأحكام من جواز الإفطار وقصر الرباعية ومسح ثلاثة أيام ولياليها على الخف فبين ذلك السفر الذى يتعلق به تغير هذه الأحكام (فتح القدير، ج۲ ص۲۷، ۲۸، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

سفر لغت میں قطعِ مسافت کو کہتے ہیں لیکن ہر قطعِ مسافت سے احکام میں تغیر پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ خاص قطعِ مسافت ہے، جس کا آغاز مقامِ اقامت کی حدود سے خروج پر ہوتا ہے، کیونکہ اس خروج سے ہی احکام متغیر ہوتے ہیں۔

البحرالرائق میں ہے:

والسفر لغة قطع المسافة من غير تقدير بمدة؛ لأنه عبارة عن الظهور؛ ولهذا حمل أصحابنا -رحمهم الله -قوله -صلى الله عليه وسلم -ليس على الفقير والمسافر أضحية على الخروج من بلد أو قرية حتى سقط الأضحية بذلک القدر كذا فى المجتبى، وذكر فى غاية البيان والسراج الوهاج أن من الأحكام التى تغيرت بالسفر الشرعى سقوط الأضحية وجعله كالقصر وظاهره أنها لا تسقط إلا بالسفر الشرعى (البحر الرائق، ج۲ ص۱۳۸، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

والسفر فى اللغة :قطع المسافة وليس بمراد هنا، بل المراد قطع خاص وهو أن يتغير به الأحكام فقيده بذلک.

www.idaraghufran.org

وذکر القصد وهو الإرادة الحادثة المقارنة لما عزم لأنه لو طاف جميع العالم بلا قصد سير ثلاثة أيام لا يصير مسافرا، ولو قصد ولم يظهر ذلک بالفعل فکذلک، وکان المعتبر فی حق تغيير الأحکام اجتماعهما فإن قيل :الإقامة تثبت بمجرد النية فما بال السفر وهو ضده لم يکن کذلک .أجيب بأن السفر فعل، ومجرد القصد لا يکفی فيه، والإقامة ترک وهو يحصل بمجردها، وسيجیء نظيره فی باب الزکاة فی العبد للخدمة ينوی أن يکون للتجارة وعکسه إن شاء الله تعالى .والأحکام التی تتغير بالسفر هی قصر الصلاة وإباحة الفطر وامتداد مدة المسح إلى ثلاثة أيام وسقوط وجوب الجمعة والعيدين والأضحية وحرمة الخروج على الحرة بغير محرم فإن قيل :فکما أن القصد لا بد منه للتغيير فکذلک مجاوزة بيوت المصر ولم يذکره .أجيب بأنه بصدد بيان تعريف السفر وما ذکرتم من شروط تغييره (العناية شرح الهداية، ج۲ص۲۷، ۲۸، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

جب سفرِ شرعی وہ ہے جس سے احکام میں تغیر پیدا ہوا اور احکام میں تغیر کے لئے خروج مع ارادۂ قطعِ خاص ضروری ہے تو جب تک احکام میں تغیر پیدا نہ ہو (مثلاً حدودِ مصر میں رہتے ہوئے) اس پر (شرعی) سفر کا اطلاق درست نہ ہوگا۔

کشاف اصطلاحات الفنون میں ہے:

السفر بفتح السين والفاء فی اللغة الخروج المديد .وفی الشريعة قصد المسافة المخصوصة کذا فی الکرمانی .والمسافة المخصوصة هی مسافة ثلاثة أيام ولياليها بسير وسط، وهذا أدنى

www.idaraghufran.org

مدة السفر، ولا حد لأكثرها .ولا يخفى أن مجرد القصد لا يكفى في كون الشخص مسافرا .ولذا قال في التلويح :إنه الخروج عن عمرانات الوطن على قصد سير تلك المسافة (كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، لمحمد بن على الفاروقى الحنفى التهانوى، ج ا ص ٩٥٦، ٩٥٧، حرف السين)

یہاں بھی سفرِ شرعی کی تعریف میں ''خروج عن عمرانات الوطن'' کی قید لگی ہوئی ہے۔

اور ''الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ'' میں ہے:

السفر لغة :قطع المسافة، وخلاف الحضر (أى الإقامة) ، والجمع :أسفار، ورجل سفر، وقوم سفر :ذوو سفر.

والفقهاء يقصدون بالسفر :السفر الذى تتغير به الأحكام الشرعية وهو :أن يخرج الإنسان من وطنه قاصدا مكانا يستغرق المسير إليه مسافة مقدرة عندهم، على اختلاف بينهم فى هذا التقدير كما سيأتى بيانها.

والمراد بالقصد :الإرادة المقارنة لما عزم عليه، فلو طاف الإنسان جميع العالم بلا قصد الوصول إلى مكان معين فلا يصير مسافرا.

ولو أنه قصد السفر، ولم يقترن قصده بالخروج فعلا فلا يصير مسافرا كذلك؛ لأن المعتبر فى حق تغيير الأحكام الشرعية هو السفر الذى اجتمع فيه القصد والفعل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧ص ٢٦٦، مادة ''صلاة المسافر'')

معلوم ہوا کہ سفر دراصل حضر وا قامت کی ضد ہے جس جگہ انسان مقیم ہو یعنی اس پر مقیموں

www.idaraghufran.org

والے احکام جاری ہوں، اس جگہ وہ مسافر نہیں ہوسکتا، اور شہر کی حدود میں مقیموں والے احکام جاری ہونا مسلم ہے، لہٰذا شہر میں سفر بھی متحقق نہ ہوگا، کیونکہ وہاں اس پر مسافروں والے احکام جاری نہیں ہوتے، بہر حال سفرِ شرعی کی تعریف میں تغیر احکامِ شرعیہ کی قید موجود ہے جس کا بہرصورت خروجِ مصر سے پہلے وجود میں آنا درست معلوم نہیں ہوتا۔

لسان العرب، مختار الصحاح اور المصباح المنیر میں بھی سفر کے معنٰی ''قطع المسافت'' بیان کئے گئے ہیں۔

جن سب کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص قطع مسافت یا خاص سفر جس کو سفر شرعی کہتے ہیں وہ ہے جس سے احکام میں تغیر پیدا ہو اور احکام میں تغیر خروجِ مصر کے بعد ہوتا ہے لہٰذا قطعِ مسافت پر سفرِ شرعی کا اطلاق بھی خروج من المصر کے بعد ہوگا۔

ایک ہی سفر پر موضع اقامت کی حدود وآبادی میں رہتے ہوئے لغوی یا عرفی معنٰی کا اطلاق اور موضع اقامت کی حدود وآبادی سے خروج کے بعد شرعی معنٰی کا اطلاق حقیقت ومجاز کو جمع کرنا یا فعلِ سفر کی تجزی وتقسیم کر دینا ہے جو کہ درست نہیں۔

مذکورہ عبارات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سفر لغت کے اعتبار سے قطعِ مسافت ہی کا نام ہے کسی اور چیز کا نہیں، سفرِ شرعی سے مراد خاص قطعِ مسافت ہے جس سے احکام میں تغیر پیدا ہو، اس کے علاوہ قطعِ مسافتِ خاص یا بالفاظ دیگر سفرِ شرعی کے آغاز کے بارے میں واضح ہو چکا کہ اس کا آغاز سفر کا فعل وعمل شروع ہونے سے ہوتا ہے اور یہ فعل وعمل ''خروج من عمران المصر'' سے ہوتا ہے۔

پس قطعِ مسافت وانشاءِ سفرِ شرعی بھی وہیں سے شروع ہوگا۔

نیز مذکورہ عبارات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انشاءِ سفر سے سفر کی ابتداء کو وجود ملتا ہے اور انشاءِ سفر، عمرانِ مصر سے تجاوز پر ہوتا ہے اور اسی تجاوز سے پھر مسافر شرعی کو وجود ملتا ہے۔

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہاں قطعِ مسافتِ خاص یعنی تین دن تین رات کے مسئلہ کو بیان

Idara Ghufran

کرنا مقصود ہے اور اسی مقدار سے احکام متغیر ہوتے ہیں، نہ کہ مبدءِ سفر کو، کیونکہ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ کسی شئ کی تعریف میں جو قیود لگی ہوئی ہوتی ہیں، ان کے بغیر اس شئ کا اطلاق ہی درست نہیں ہوتا۔

لہٰذا ان عبارات سے جہاں قطعِ مسافتِ خاص یعنی تین دن تین رات کا ثبوت ہوتا ہے، اسی طرح احکام میں تغیر کا بھی ثبوت ہوتا ہے اور احکام کے تغیر میں جس طرح قطعِ مسافتِ خاص (فقہاء کی بیان کردہ مدتِ مسافت) کو دخل ہے، اسی طرح خروجِ مصر کو بھی دخل ہے، بلکہ اس مسافت کا آغاز ہی خروجِ مصر سے ہوتا ہے، یعنی اس شرعی مسافت کا اطلاق ہی خروجِ مصر سے شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے نہیں، لہٰذا جب تک اس کا اطلاق ہی نہیں، اس کا اعتبار کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

بس سفر کی ابتداء خروج پر موقوف ہے

علامہ سلیمان بن محمد بن عمر بجیرمی شافعی فرماتے ہیں:

قوله :(ببلوغ مبدإ سفر) أی لوصوله إلی ما شرطت مجاوزته وإن لـم يدخل فيه .وإن لـم ينو إقامة ق ل .وإنـمـا توقف ابتداء السفر عـلى الخروج منه لأن الأصل الإقامة، ولا يتحقق قطعها إلا بتحقق السفـر وهـو متوقف عـلى الخروج والسفر على خلاف الأصل، فـانقطع بمجرد الوصول للوطن وإن كان مارا به فی سفره .اهـ .ز ی أ ج.

قوله :(من وطنه) وإن لـم ينو الإقامة بخلاف ما بعده لأن الوطن له قـوـة لا تـوجد فی غيره قوله :(رجـع مـن سفره إليه) كـأن يخرج الشـامـی مـن مـصـر إلـی مكة ثم يرجع من مكة إلی مصر .وقـوله

(أولا) : كأن يخرج الشامي مثلا من مصر قاصدا مكة فإنه ينتهي سفره ببلوغه سور مكة بالنية المذكورة، لأن وصوله سور مكة يصدق عليه أنه بلغ مبدأ سفر أي لغير هذا المسافر (تحفة الحبيب على شرح الخطيب ، المعروف بحاشية البجيرمي على الخطيب، ج٢ص ١٧٢، كتاب الصلاة، فصل في صلاة المسافر)

مذکورہ عبارت سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ ابتداءِ سفر موضع اقامت کی حدود سے تجاوز اور خروج پر موقوف ہے اور اقامت، سفر کے تحقق سے ختم ہوتی ہے، لہٰذا موضع اقامت کی حدود سے خروج وتجاوز ہی مبدءِ سفر ہوا، موضعِ اقامت کی حدود کے اندر سفر کا تحقق موقوف علیہ کے بغیر موقوف کا تحقق ہے۔

اس مسئلہ میں واردشدہ حال، ذوالحال کے صیغوں سے استدلال

مجمع الانہر میں ہے:

(من جاوز بيوت مصره) ولم يذكر القرية لأنها تابعة في الحكم وليس بتغليب كما ظن وهي جمع بيت مأوى الإنسان من نحو حجر أو خشب أو صوف ويدخل ما كان من محله منفصلة وفي القديم كانت متصلة وتدخل في بيوت المصر رابضة لقول علي - رضي الله تعالى عنه -لو جاوزنا هذا الخوص لقصرنا كما في الفتح وأما فناء المصر فظاهر كلام المصنف كالهداية أنه لا يشترط مجاوزته وقد فصل قاضي خان فقال :إن كان بين المصر وفنائه أقل من قدر غلوة ولم تكن بينهما مزرعة تعتبر مجاوزة الفناء أيضا وإن كانت بينهما مزرعة أو كانت المسافة بين المصر

وفنائه قدر غلوة تعتبر مجاوزة عمران المصر وكذا إذا كان الانفصال بين القريتين أو بين قرية ومصر وإن كانت القرى متصلة بربض المصر فالمعتبر مجاوزة القرى هو الصحيح وإن كان متصلة بفناء المصر لا بربض المصر يعتبر مجاوزة الفناء ولا يعتبر مجاوزة القرى.

وقال صاحب الفتح بعدما نقله :والحاصل أنه قد صدق مفارقة بيوت المصر مع عدم جواز القصر ففى عبارة الهداية إرسال غير واقع ولو ادعينا أن بيوت تلك القرى داخلة فى مسمى بيوت المصر اندفع هذا لكنه تعسف ظاهر (من جانب خروجه) وإن كانت بحذائه من جانب آخر أبنية (مريدا) حال من الفاعل (مجمع الانهر، ج ا ص ١٦١، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

وفى الجامع الصغير : اذا جاوز المقيم عمران مصره قاصداً مسيرة ثلاثة ايام ولياليها(خلاصة الفتاوىٰ ج ا ص ١٩٧، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اورالبحرالرائق میں ہے:

(قوله من جاوز بيوت مصره مريدا سيرا وسطا ثلاثة أيام فى بر أو بحر أو جبل قصر الفرض الرباعى) بيان للموضع الذى يبتدأ فيه القصر(البحرالرائق، ج٢ص١٣٨، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اورکشاف اصطلاحات الفنون میں ہے:

فالمسافر من فارق وخرج من بيوت بلده وعماراته أى عن سوره وحده قاصدا مسافة ثلاثة أيام ولياليها بسير وسط (كشاف اصطلاحات

Idara Ghufran

الفنون والعلوم، لمحمد بن علی الفاروقی الحنفی التهانوی، ج ا ص ۹۵۷، حرف السین)

اور تبیین الحقائق میں ہے:

(من جاوز بیوت مصره مریدا سیرا وسطا ثلاثة أيام) أی قدره مسيرة ثلاثة أيام لا حقيقة السير فيها حتى لو قطعه فی يوم واحد قصر (تبیین الحقائق، ج ا ص ۲۰۹، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اور دررالحکام میں ہے:

(هو من جاوز بيوت مقامه) أی موضع إقامته أعم من البلد والقرية فإن الخارج من قريته للسفر مسافر أيضا فهذه العبارة أحسن من قولهم بيوت بلده جمع البيوت إذ لو بقی أمامه بيت لا يكون مسافرا (قاصدا قطع مسافة) فمن جاوز ولم يقصد أو قصد ولم يجاوز لم يكن مسافرا (دررالحکام شرح غرر الاحکام، ج ا ص ۱۳۲، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اور علامہ حموی، ابنِ نجیم کے اس قول:

”التزم صوم شهرين متتابعين وصام رجبا وشعبان، فإذا شعبان نقص يوما؛فالحيلة أن يسافر مدة السفر فينوى اليوم الأول من شهر رمضان عما التزم“ (الاشباه والنظائر)

کے تحت فرماتے ہیں:

قوله :فالحيلة أن يسافر مدة السفر فينوى إلخ .كذا بخط المصنف والصواب أن يقول أن يخرج من وطنه قاصدا مدة السفر فينوى إلخ (غمز عيون البصائر، ج۴ص ۲۲۱، الفن الخامس من الأشباه والنظائر وهو فن الحيل، الثانی فی الصوم)

Idara Ghufran

اور شرح منیہ میں شیخ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں:

من فارق بیوت موضع هو فیه من مصر او قریة ناویاً الذهاب الی موضع بینه وبین ذلک الموضع المسافة المذکورة صار مسافرا فلا یصیر مسافرا قبل ان یفارق عمران ماخرج منه من الجانب الذی خرج منه (ای عمران ماخرج منه .ناقل) (غنیة المستملی ص ۵۳۶، فصل فی صلاۃ المسافر)

ان تمام عبارات میں "قاصداً قطع مسافة" "قاصداً مسیرة او مسافة ثلاثة ایام ولیالیها" "مریداً ثلاثة ایام ولیالیها" "قاصداً مدة السفر" "ناویاً الذهاب" وغیرہ حال واقع ہو رہے ہیں، مفارق، خارج، مجاوز بیوتِ اقامت و وطن اور عمارات مصر، و بلد سے اور خود یہ تمام صیغے ذو الحال واقع ہو رہے ہیں اور حال و ذو الحال کے عامل کا زمانہ ایک ہوتا ہے اور یہ صیغے اور الفاظ خاص ہیں، جن میں بظاہر تاویل بھی مشکل ہے، جس کے پیشِ نظر مذکورہ عبارات کا مطلب یہ ہوگا:

"اس حال میں کہ وہ (یعنی مفارق، خارج و مجاوزِ بیوتِ مصر و وطن) قصد و ارادہ کرنے والا ہو، مسافتِ سفر کا"

اس سے معلوم ہوا کہ شرعاً مسافر بننے کے لئے مفارقتِ بیوتِ مصر و وطن وغیرہ کے وقت مسافتِ سفر کا قصد و ارادہ معتبر ہے، اس سے پہلے نہیں۔

ان عبارات میں کسی جگہ بیوتِ بلد، عماراتِ بلد، حدودِ بلد سے خروج کے وقت، اور کسی جگہ بیوتِ مصر اور کسی جگہ بیوتِ موضعِ اقامت سے تجاوز کے وقت، اور کسی جگہ وطن سے خروج کے وقت، اور کسی جگہ (مطلق) بیوتِ موضع "سواء کان مصراً او قریةً وطنا او غیر وطن" سے مفارق ہوتے وقت قصدِ مسافتِ سفر کا ذکر کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ مسافتِ مذکورہ کا جب اعتبار ہی مع قصد مفارقتِ بیوت کے وقت ہو رہا ہے تو قطع

مسافت کا آغاز بھی اسی وقت سے ہوگا، اور یہ مختلف الفاظ میں دراصل ایک ہی مقصود و مدعیٰ کی مختلف تعبیرات ہیں، کیونکہ سفر کرنے والے کا انشاء سفر کہیں وطنَ اصلی سے، کہیں وطن اقامت سے اور کہیں کسی عام جگہ سے ہوتا ہے، مؤخر الذکر منیہ کی عبارت سب سے زیادہ جامع معلوم ہوتی ہے کہ اس میں بیوتِ موضع کے الفاظ ہیں اور موضع ایک مستقل مقام کو کہتے ہیں۔

چنانچہ الدرالمختار میں ہے:

لکن (بموضعین مستقلین کمکة ومنی) (الدالمختار مع ردالمحتار، ج۲ص ۱۲۶، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

یہاں دو مستقل موضعوں کی مثالوں میں مکہ ومنیٰ کو پیش کرنے سے واضح ہوا کہ اس موقع پر فقہائے کرام جو موضع کا لفظ استعمال فرماتے ہیں وہ کسی منزل یا بیت وغیرہ کے لئے مخصوص نہیں ہوتا، بلکہ ایک مستقل مقام کے لئے ہوتا ہے، جس میں بہت سے بیوت شامل ہوسکتے ہیں، جیسا کہ پورا مکہ شہر۔

اس اعتبار سے ''بیوتِ موضع'' کے الفاظ وطنِ اصلی وطنِ اقامت اور ہر ایسے موضع کو شامل ہیں، جہاں سے انشاءِ سفر اور قطعِ مسافت کی نیت کی گئی ہو:

''سواء کان مصرا اوبلدا، قریة کبیرة اوصغیرة وطنا اصلیا اووطن اقامة''

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مبدءِ سفر و منتہائے سفر دو موضعوں کے درمیان کی حدود ہونگی۔

سفرِ شرعی اور مسافرِ شرعی دونوں کی تعریفات سے واضح ہوگیا کہ خروجِ بلد سے قبل نہ سفر کو وجود ملتا اور نہ مسافر کو یعنی کسی حیثیت سے بھی خروجِ بلد سے قبل مبدءِ سفر متحقق نہیں ہوسکتا۔

اگر کہا جائے کہ لغوی یا عرفی سفر اور مسافر کو تو وجود مل سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جس سفر سے یہاں بحث ہورہی ہے وہ شرعی سفر ہے نہ کہ لغوی یا عرفی، لہٰذا سفرِ شرعی کے مقابلہ میں لغوی یا عرفی سفر کو پیش کرنا سفرِ شرعی سے متعارض اور وضع الشئ فی غیر محلّہ ہوگا۔

www.idaraghufran.org

مجموعۃ الفتاویٰ عبدالحیٔ میں ایک سوال کے جواب کی عبارت یہ ہے:

''رسائل ارکان میں ہے''الحد الشرعی للسفر عندنا ثلاثة ایام فاذا ارادان یسیر من موضع اقامته الیٰ موضع بینه وبین موضع الاقامة مسیرة ثلاثة ایام یصیر مسافرا'' حنفیہ کے نزدیک سفر کی شرعی مدت تین دن ہیں تو جب موضع اقامت سے دوسری جگہ جانے کا قصد کرے اور اس جگہ اور موضع اقامت کے درمیان تین دن کی راہ ہو تو وہ مسافر ہو جائے گا (مجموعہ فتاویٰ عبدالحیٔ ج۱ص۳۱۴ بلفظہٖ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید، کراچی)

اس عبارت میں بھی موضعِ اقامت اور اپنے خروج والے موضع کے درمیان مدتِ مسافت کا ذکر کیا گیا ہے۔

شرح منیہ کی عبارت سے پیدا شدہ ایک شبہ کا جواب

یاد رہے کہ شرح منیہ کی مذکورہ عبارت یعنی:

''من فارق بیوت موضع هو فیه من مصر اوقرية ناوياً الذهاب الى موضع بینه وبین ذلک الموضع المسافة المذکورة صار امسافرا الخ''

سے جو بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ بینہ کی ضمیر مسافر کی طرف راجع ہے۔

یہ استدلال تام اور راجح معلوم نہیں ہوا، کیونکہ اس میں بھی ''ناوياً الذهاب'' حال ہے ''من فارق بیوت موضع'' سے اور ''بینهٔ وبین ذلک الموضع'' میں بینهٔ کی ضمیر مطلق مسافر کی طرف راجع نہیں بلکہ اس مسافر کی طرف راجع ہے جو بیوتِ مصر یا قریہ سے مفارق اور جدا ہو چکا ہو۔

اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من صام رمضان، إيمانا

Idara Ghufran

واحتسابا، غفر له ما تقدم من ذنبه(بخاری، رقم الحدیث ۳۸، کتاب الایمان، باب :صوم رمضان احتسابا من الإیمان)

اس حدیث میں ''ایماناً واحتساباً '' حال واقع ہورہے ہیں ''صائمِ رمضان'' سے، نہ کہ مطلق صائم سے، یعنی یہ فضیلت ایمان واحتساب کی حالت میں مطلق صائم کے حق میں نہیں ہے بلکہ صائمِ رمضان کے حق میں ہے، اور حال وذوالحال کا زمانہ ایک ہوا کرتا ہے نیز حال، ذوالحال کے لئے قید بھی واقع ہوا کرتا ہے۔

اور شرح منیہ کی عبارت میں اس ضمیر کے قریب ترین اسی متصف بمفارقۃ الموضع مسافر ہی کا ذکر ہے نہ کہ مطلق مسافر یا خارج عن المنزل کا اور قاعدہ ہے کہ ضمیر اقرب ترین مرجع کی طرف راجع ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں جب کہ شرح منیہ میں '' **مَنْ فَارَقَ** '' سے فصل کی مستقل بحث کا آغاز ہورہا ہے لہٰذا اس سے پہلے کسی اور چیز کی طرف اس کی ضمیر کو لوٹانا ممکن بھی نہیں۔

اور ''بینهٗ'' کی ''ہ''ضمیر کا مرجع اس سے پہلے متصلاً مذکور لفظِ'' موضع ''ہونے کا بھی احتمال ہے(جیسا کہ آگے فتح القدیر اور بدائع کی عبارت کے ضمن میں آتا ہے کہ وہاں ''**الی قریة مسیرتها** ''اور''**الی قریة بینها** ''میں''**ها**''ضمیر کا مرجع اس سے متصل لفظِ''**قریة**'' ہے، اور الجوہرۃ النیرۃ کی عبارت کے ضمن میں بھی''**ان یقصد الانسان موضعا بینه وبین مصره** ''میں''**بینه**'' کی ضمیر بظاہر اپنے سے متصل''**موضعا**'' کی طرف راجع ہے۔ [1]

---

[1] فتح القدیر، بدائع الصنائع اور الجوہرۃ النیرۃ کی عبارات اور ان پر کلام آگے آرہا ہے۔

اور یہ عبارات بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں:

وکذا إذا قصد مسيرة سفر وخرج فلما وصل إلى قرية مسيرتها من وطنه دون مدة السفر ثم نوى الإقامة بها خمسة عشر لا يصير مقيما ولا تصير تلك القرية وطن إقامة(فتح القدیر ،ج ۲ ص ۴۳، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مذکورہ احتمال کی صورت میں شرح منیہ میں ''بینه'' کے بعد''ذلک الموضع'' سے مراد وہ موضع ہوگا، جس سے مفارقتِ بیوت کر رہا ہے۔

اس صورت میں شرح منیہ کی عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ ''جو شخص اس موضع بیوت سے کہ جس میں وہ ہے''خواہ وہ شہر ہو یا قریہ''اس حال میں جدا ہوا کہ وہ نیت وقصد کرنے والا ہے ایسے موضع کی طرف جانے کا کہ اس موضع مقصود اور اس موضع کے درمیان''جہاں سے کہ وہ مفارقتِ بیوت کر رہا ہے''مسافت مذکورہ ہے تو وہ مسافر ہو جائے گا اور غور کرنے سے شرح منیہ ہی کی عبارت سے اس مسئلہ کی وضاحت ہو جاتی ہے، وہ اس طرح کہ اسی عبارت کے اگلے حصہ میں جو اس مسئلہ پر تفریع کرتے ہوئے اس کے برعکس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے اس میں مذکور ہے کہ:

''فلایصیر مسافرا قبل ان یفارق عمران ماخرج منه''

یہاں مفارقتِ عمران سے قبل مسافر نہ ہونے کی تصریح صاف موجود ہے۔

اور اس کی وضاحت علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس طرح فرمائی ہے:

(من جاوز بیوت مصره)من الجانب الذی خرج منه وان کان بحذائه من جانب آخر بناء حال کونه (مریداسیرا وسطا) (شرح العینی علی الکنز ج ا ص ۹۳، کتاب الصلاۃ،مطبوعۃ: ادارۃ القرآن کراچی)

یعنی جو شخص بیوتِ مصر سے متجاوز ہو جائے، جس جانب سے کہ مصر سے نکلے، معلوم ہوا کہ خروجِ مصر کے بعد کا راستہ مراد ہے اس سے پہلے کا راستہ مراد نہیں۔

الدر المختار میں ہے:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

إلی قریة بینها وبین وطنه الأصلی مسیرة ما دون السفر(بدائع الصنائع، ج ا ص ۱۰۴، کتاب الصلاة، فصل فی بیان مایصیر المسافر به مقیما)

(قوله :أن یقصد الإنسان موضعا بینه وبین مصره مسیرة ثلاثة أیام فصاعدا)(الجوهرة النیرة، ج ا ص ۸۴، ۸۵، کتاب الصلاة ، باب صلاة المسافر)

www.idaraghufran.org

(حتى يدخل موضع مقامه) إن سار مدة السفر (الدرالمختار)

اس کے ضمن میں علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(قوله حتى يدخل موضع مقامه) أي الذي فارق بيوته سواء دخله بنية الاجتياز أو دخله لقضاء حاجة لأن مصره متعين للإقامة فلا يحتاج إلى نية جوهرة، ودخل في موضع المقام ما ألحق به كالربض كما أفاده القهستاني (رد المحتار، ج۲ص۱۲۴، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس بات کی اچھی طرح وضاحت فرمادی کہ جس موضع کے بیوت سے مفارقت پر مسافر ہوا تھا، واپسی پر اسی مقام پر پہنچ کر مقیم ہوجائے گا اور یہ کہ موضع مقام میں تمام بیوت اور یہاں تک کہ اس کے ملحقاتِ ربض بھی داخل ہیں۔

شرح السیر الکبیر میں ہے:

صار مسافرا حين فارق عمران مصره على قصد السفر (شرح السير الكبير للسرخسي، ص۲۴۲، باب صلاة القوم يخرجون الى العسكر ويريدون لعدو)

یہاں بھی عمرانِ مصر سے مفارقت کے وقت قصدِ سفر کی شرط متحقق ہونے پر مسافر ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، لہٰذا شرح منیہ کی عبارت سے جو بعض حضرات نے گھر سے خروج ہوتے ہی مسافت شروع ہونے پر استدلال کیا ہے، وہ بظاہر خطاء پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

سفرِ شرعی کی علت مفارقتِ بیوت ہے

البحرالرائق میں ہے:

وفي المجتبى لا يبطل السفر إلا بنية الإقامة أو دخول الوطن أو الرجوع قبل الثلاثة اهـ.

Idara Ghufran

والمذكور فى الخانية والظهيرية وغيرهما أنه إذا رجع لحاجة نسيها ثم تذكرها، فإن كان له وطن أصلى يصير مقيما بمجرد العزم على الرجوع، وإن لم يكن له وطن أصلى يقصر اهـ.

والذى يظهر أنه لا بد من دخول المصر مطلقا؛ لأن العلة مفارقة البيوت قاصدا مسيرة ثلاثة أيام لا استكمال سفر ثلاثة أيام بدليل ثبوت حكم السفر بمجرد ذلک فقد تمت العلة لحكم السفر فيثبت حكمه ما لم تثبت علة حكم الإقامة (البحرالرائق، ج۲ص ۱۴۲، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اور فتح القدیر میں ہے:

إذا ثبت حكم السفر بالمفارقة ناويا للسفر ثم بدا له أن يرجع لحاجة أو لا فرجع صار مقيما فى المفازة حتى أنه يصلى أربعا، وقياسه أن لا يحل فطره فى رمضان، وإن كان بينه وبين بلده يومان؛ لأنه انتقض السفر بنية الإقامة لاحتماله النقض إذ لم يستحكم إذا لم يتم علة، وكانت الإقامة نقضا للعارض لا ابتداء علة الإتمام.

ولو قيل العلة مفارقة البيوت قاصدا مسيرة ثلاثة أيام لا استكمال سفر ثلاثة أيام بدليل ثبوت حكم السفر بمجرد ذلک فقد تمت العلة لحكم السفر فيثبت حكمه ما لم يثبت علة حكم الإقامة احتاج إلى الجواب (فتح القدير ج ۲ ص ۳۴،۳۵، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

جب سفرِ شرعی کے حکم کی علت مفارقتِ بیوت ہے، تو مسافرِ شرعی ہونے کی علت بھی یہی

www.idaraghufran.org

ہوگی، کیونکہ سفرِ شرعی شروع ہوگا تو مسافر پر شرعی احکام کا نفاذ ہونا شروع ہوگا۔

مسافت دو موضعوں کے درمیان معتبر ہے

علامہ ابنِ عابدین شامی ''البحر الرائق'' کے اس قول:

عن محمد إنما يصير الوطن وطن إقامة بشرط أن يتقدمه سفر (البحر الرائق، ج۲ص۱۴۷، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

کے تحت منحۃ الخالق میں فرماتے ہیں:

(قوله بشرط أن يتقدمه سفر) على تقدير مضاف أي نية سفر كما يدل عليه ما بعده، وحاصله أنه يشترط له شيئان أحدهما تقدم نية السفر والثاني أن تكون مدة سفر بينه أي بين الموضع الذي أنشأ منه السفر وبين ما صار إليه منه أي وبين الموضع الذي صار إليه من الموضع الأول ونوى فيه الإقامة (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲ص۱۴۷، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اس عبارت سے دو موضعوں کے درمیان ''نہ کہ گھر یا مسافر اور اس کے مقصود کے درمیان'' مسافتِ سفر کے ذکر سے واضح ہے کہ مسافت کا اعتبار دو موضعوں کے درمیان ہے۔

وطنِ اقامت بننے کے لئے وطن سے مسافت کا فاصلہ ضروری ہے

علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

وكذا إذا قصد مسيرة سفر وخرج فلما وصل إلى قرية مسيرتها من وطنه دون مدة السفر ثم نوى الإقامة بها خمسة عشر لا يصير مقيما ولا تصير تلك القرية وطن إقامة (فتح القدير ،ج۲ص۴۳، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

www.idaraghufran.org

بدائع میں ہے کہ:

إلى قرية بينها وبين وطنه الأصلي مسيرة ما دون السفر (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۱۰۴، کتاب الصلاۃ، فصل فی بیان مایصیر المسافر به مقیما)

ان دونوں عبارات میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ:

"الٰی بیت او مکان مسیرته من بیته اومکانه دون مدة السفر "

اور" **الی بیت اومکان بینه وبین بیته او مکانه مسیرة مادون مدة السفر**"

بلکہ "**الی قریة مسیرتها من وطنه دون مدة السفر**" اور" **الی قریة بینها وبین وطنه الاصلی مسیرة مادون السفر** "

فرمایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مسافر کے وطن کی حدود سے قریۂ مقصودہ تک مسافت کا اعتبار ہوگا نہ کہ گھر سے کسی خاص مکان تک، کیونکہ وطن اور قریہ کا اطلاق صرف گھر پر نہیں ہوتا بلکہ اگر شہر ہے تو پورے شہر، قصبہ ہے تو پورے قصبہ اور اگر گاؤں ہے تو پورے گاؤں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اور وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت کی حدود وآبادی میں:

" مکان دون مکان، محلةٍ دون محلةٍ"

کا کوئی فرق نہیں ہوتا (جیسا کہ پیچھے بھی گزرا)

لأن نواحي المصر في حكم ناحية واحدة.

(ألا ترى) أن المقيم في ناحية من المصر يكون مقيما في جميع نواحيه؟ وإذا خرج من أهله على قصد السفر لا يصير مسافرا ما لم ينفصل من عمران المصر (المبسوط للسرخسی، ج ۲۲ ص ۶۴، ۶۵، کتاب المضاربة، باب نفقة المضارب)

کچھ مسافت طے کرنے کے بعد وطن واپسی کے ارادہ سے استدلال

فقہائے کرام نے یہ مسئلہ ذکر فرمایا ہے کہ اگر مسافر سفر شروع کرنے کے بعد کہیں پہنچ کر

دوبارہ وطن واپسی کا ارادہ کرلے اور اس جگہ سے اس کے وطن تک مسافتِ سفر نہ بنتی ہو تو وہ بعض فقہاء کے نزدیک مقیم شمار ہوگا اور اس کے بعد اتمام کرے گا۔

چنانچہ علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

بخلاف ما لو عزم على العود إلى الوطن الأصلي فإنه إذا لم يكن بين هذا الموضع الذى بلغ إليه ووطنه مسيرة سفر يصير مقيما

(فتح القدير، ج۲ ص۴۴، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

مبسوط سرخسی میں "بينه وبين وطنه دون مسيرة السفر" کے الفاظ ہیں، اس مسئلہ میں بھی اس جگہ سے جہاں سے واپسی کا ارادہ کیا جائے وطن تک مسافت سفر ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے نہ کہ مسافر کے گھر تک۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسافتِ سفر کا اعتبار وطن کی حدود سے ہوگا نہ کہ گھر سے۔

سفر کی قسم کھانے والے کے بری قرار پانے سے استدلال

علامہ شامی لکھتے ہیں:

يعلم مما قررناه جواب ما يقع كثيرا فيمن حلف ليسافرن فإنه يبر بمجاوزته العمران على قصد السفر إلى مكان بينه وبينه مدة السفر، فإذا بدا له الرجوع رجع بلا ضرر وبه أفتى المصنف وغيره، لكن لا بد من قصد السفر كما قلنا لا مجرد الخروج على قصد الرجوع لأنه لا يتحقق به السفر، والله أعلم (ردالمحتار، ج۳،ص۷۵۷، كتاب الأيمان، باب اليمين فى الدخول والخروج والسكنى والإتيان والركوب وغير ذلك)

اور علامہ حموی فرماتے ہیں کہ:

Idara Ghufran

قوله :الأول السفر، قال بعض الفضلاء :وقعت حادثة في عهدنا، وهي أن شخصا حلف ليسافرن، فهل يعتبر في ذلک مسيرة ثلاثة أيام، أو خروجه بالنية، أو يراد به مطلق الخروج من مصره؟ فأجاب بأنه متى خرج قاصدا للسفر وجاوز عمران مصره صدق عليه أنه مسافر حتى جاز له قصر الصلاة، كما أفاده في شرح الهداية فلا يحنث ولو عاد بعد ذلک (غمز عيون البصائر، ج ۱ ص ۲۴۵،الفن الثالث من الأشباه والنظائر وهو فن الجمع والفرق، تحت القاعدة الرابعة ،المشقة تجلب التيسير)

اس سے معلوم ہوا کہ تجاوزِ عمران ہی سے سفر و قطعِ مسافت شروع ہوتی ہے اسی لئے سفر کی قسم کھانے والا تجاوزِ عمران پر قسم سے بری ہورہا ہے، جس کی وجہ اس کے علاوہ اور کوئی بھی معلوم نہیں ہوتی کہ سفر کا تحقق ہی تجاوزِ عمران پر ہوتا ہے۔

دورانِ سفر عورت کے مطلقہ یا متوفیٰ عنہا زوجہا ہوجانے سے استدلال

فقہائے حنفیہ نے ایک مسئلہ یہ ذکر کیا ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کے ساتھ سفر میں ہو، اور دورانِ سفر شوہر اسے کسی جنگل وغیرہ میں تین طلاق دے دے یا فوت ہوجائے اور اس کے شہر سے اس جگہ (جہاں وہ عورت مطلقہ یا بیوہ بنی ہے) تک مسافتِ سفر نہ بنتی ہو تو وہ اپنے شہر واپس آ کر عدت گذارے اور اگر اس کے شہر سے اس جگہ تک مسافتِ سفر بنتی ہو تو اسے واپسی اور مقصد کی طرف جانے میں اختیار ہے۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے:

وإذا خرجت المرأة مع زوجها إلى مكة فطلقها ثلاثا أو مات عنها في غير مصر فإن كان بينها وبين مصرها أقل من ثلاثة أيام رجعت

www.idaraghufran.org

إلـى مصرها "لأنـه ليـس بـابتداء الخروج معنى بل هو بناء "وإن كـانـت مسيـرـة ثـلاثة أيـام إن شـاء ت رجعت وإن شاء ت مضت (الهداية فی شرح بداية المبتدی، ج۲ ص ۲۷۹، کتاب الطلاق، باب العدة، فصل وعلی المبتونة والمتوفی عنها زوجها إذا كانت بالغة مسلمة الحداد)

اور بدائع میں ہے:

وإذا خرج مع امرأته مسافرا فطلقها فی بعض الطريق أو مات عنها فإن كـان بيـنهـا وبيـن مصرها الذى خرجت منه أقل من ثلاثة أيام وبيـنهـا وبين مقصدها ثلاثة أيام فصاعدا رجعت إلى مصرها؛ لأنها لـو مـضـت لاحـتـاجـت إلى إنشاء سفر وهی معتدة، ولو رجعت ما احتاجت إلى ذلک فكان الرجوع أولى كما إذا طلقت فی المصر خارج بيتها أنها تعود إلى بيتها، كذا هذا۔

وإن كـان بيـنهـا وبيـن مـصـرهـا ثـلاثة أيـام فـصـاعدا وبينها وبين مـقـصـدهـا أقـل مـن ثـلاثة أيام فإنها تـمضی؛ لأنه ليس فی المضی إنشـاء سـفـر، وفـی الـرجـوع إنشـاء سـفـر والمعتدة ممنوعة عن السـفـر، وسواء كان الطلاق فی موضع لا يصلح للإقامة كالمفازة ونـحـوهـا أو فـی مـوضـع يـصـلـح لها كالمصر ونحوها، وإن كان بيـنهـمـا وبيـن مـصـرهـا ثلاثة أيام، وبينها وبين مقصدها ثلاثة أيام فـصـاعـدا فإن كـان الـطـلاق فـی الـمفازة أو فی موضع لا يصلح لـلإقـامة بـأن خـافت على نفسها أو متاعها فهی بالخيار إن شاء ت مضت وإن شاء ت رجعت (بدائع الصنائع، ج۳ص۲۰۷، کتاب الطلاق، فصل فی احکام العدة)

Idara Ghufran

اور تبیین الحقائق میں ہے:

(بانت أو مات عنها فی سفر وبینها وبین مصرها أقل من ثلاثة أیام رجعت إلیه ولو ثلاثة رجعت أو مضت معها، ولی أو لا ولو فی مصر تعتد ثم فتخرج بمحرم) أراد بقوله رجعت أن ترجع إلی مصرها، ومراده فیما إذا کان بینها وبین مقصدها ثلاثة أیام، وأما إذا کان دونه فلها الخیار إن شاء ت رجعت، وإن شاء ت مضت

(تبیین الحقائق، ج۳ص۳۷، کتاب الطلاق، باب العدة، فصل فی الاحداد)

اس مسئلے میں بھی ''وبین مصرها'' فرما کر شہر سے ہی مسافتِ سفر کا اعتبار کیا گیا ہے، نہ کہ گھر سے اور شہر وہاں تک شمار ہوتا ہے جہاں تک اس کی حدود اور آبادی پہنچی ہوئی ہو:

فالمراد بالمصر العمران وما یقرب به مصرا کان أو قریة (حاشیة الشرنبلالی علیٰ دررالحکام شرح غرر الاحکام، ج ۱ ص ۱۶۹، کتاب الصلاة، باب الشهید)

لہٰذا اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ شہر کی حدود کا اختتام ہی مبدءِ سفر ہوگا۔

سفر کے دو راستے ہونے سے استدلال

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

وفی فتاوی قاضی خان أن الرجل إذا قصد بلده وإلی مقصده طریقان :أحدهما مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها، والآخر دونها فسلک الطریق الأبعد کان مسافرا عندنا اھـ.

وإن سلک الأقصر یتم وهذا جواب واقعة الملاحین بخوارزم فإن من الجرجانیة إلی مدانق اثنی عشر فرسخا فی البر، وفی جیحون

www.idaraghufran.org

أكثر من عشرين فرسخا فجاز لركاب السفينة والملاحين القصر والإفطار فيه صاعدا ومنحدرا كذا فى المجتبى وذكر الإسبيجابى المقيم إذا قصد مصرا من الأمصار، وهو ما دون مسيرة ثلاثة أيام لا يكون مسافرا، ولو أنه خرج من ذلك المصر الذى قصد إلى مصر آخر، وهو أيضا أقل (من المصر الاول .ناقل) **من ثلاثة أيام فإنه لا يكون مسافرا، وإن طاف آفاق الدنيا على هذا السبيل لا يكون مسافرا اهـ** (البحر الرائق، ج ٢ ص ١٤٠، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی بلد کا قصد کرے اوراس کے مقصدِ بلد کو دوراستے جاتے ہوں ایک راستہ سے مسافتِ سفر بنتی ہو جبکہ دوسرے سے نہیں تو مسافر جس راستے کو اختیار کرے گا اس کا اعتبار ہوگا، اگر مسافتِ سفر سے کم والا اختیار کرے گا، تو قصر نہیں کرے گا اور اگر مسافت سفر والا اختیار کرے گا، تو قصر کرے گا۔

اس مسئلہ کی وضاحت سے معلوم ہورہا ہے کہ مسافر خواہ کوئی بھی راستہ اختیار کرے مسافت کی ابتدا ایک شہر کے اختتام سے دوسرے شہر تک ہوگی ایک تو اس وجہ سے کہ اس مسئلہ میں جرجانیہ سے مدائق تک مسافت کا اعتبار کیا گیا ہے، اور جرجانیہ و مدائق دو مستقل مواضع کے نام ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایک شہر سے دوسرے شہر تک مسافت کا اعتبار ہوگا نہ کہ مسافر کے گھر سے دوسرے شہر کے کسی خاص مقام تک۔

دوسرے اس وجہ سے کہ اسبیجابی کے ذکر کردہ مسئلہ سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ ایک مصر سے دوسرے مصر تک مسافت سفر کا اعتبار ہے، کیونکہ یہ فرمایا جارہا ہے:

”إذا قصد مصرا من الأمصار، وهو (اى المصر المقصود.ناقل) **ما دون مسيرة ثلاثة أيام لا يكون مسافرا، ولو أنه خرج من ذلك المصر الذى قصد إلى مصر آخر، وهو** (اى مصر آخر.ناقل) **أيضا أقل**

(من المصر الذی قصد.ناقل) من ثلاثة أيام فإنه لا يكون مسافرا، وإن طاف آفاق الدنيا على هذا السبيل لا يكون مسافرا اهـ"

یہاں مبدءِ سفر اور منتہائے سفر یا مقصد کی تعبیر صاف مصر کے الفاظ کے ساتھ کی جارہی ہے، نہ کہ مصر اور قریہ کے کسی خاص بیت وغیرہ کے ساتھ۔

تیسرے بالکل شروع میں ہی اذاقصدبلداً فرما کر بلد کو مقصود بیان کیا گیا ہے اور پھر اس مقصد کے دوراستے ہونے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، جب مقصد سے مراد ہی بلد ہے تو واضح ہوا کہ مراد وہ راستہ ہے جو بلد سے باہر تک ہو۔

اور جب شہر کی حدود میں رہتے ہوئے فعلِ سفر متحقق نہیں ہوتا البتہ ناوی سفر ہوتا ہے تو شہر کی حدود سے خروج کے بعد ہی ادنیٰ فعل سفر شروع ہونے کے بعد فاصلوں کا اعتبار ہوگا، جس طرح ایک راستہ میں حدود سے خروج کے بعد مدتِ مسافت معتبر ہے اسی طرح دوراستوں میں بھی حدود سے نکل کر ہی مسافت کا اعتبار ہوگا کیونکہ دونوں میں مابہ الفرق کوئی چیز بھی نہیں۔

الدرالمختار میں ہے:

(من خرج من عمارة موضع إقامته) من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر .وفى الخانية :إن كان بين الفناء والمصر أقل من غلوة وليس بينهما مزرعة يشترط مجاوزته وإلا فلا (قاصدا) ولو كافرا، ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) من أقصر أيام السنة(الدر المختار)

اورردالمحتار میں ہے:

(قوله قاصدا) أشار به مع قوله خرج إلى أنه لو خرج ولم يقصد أو قصد ولم يخرج لا يكون مسافرا (رد المحتار، ج۲ص ۱۲۲ ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

www.idaraghufran.org

اس عبارت سے جہاں قاصداً کا خارج من عمارۃ موضع الاقامت سے حال ہونا معلوم ہوا، اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسیرۃ ثلاثۃ ایام کے لئے وہ جانبِ خروج معتبر ہے جو کہ موضع اقامت کی عمارت سے ہو۔لہٰذا موضعِ اقامت سے خروج کئے بغیر مبدءِ سفر متحقق نہ ہوگا۔

شرح منیہ کی عبارت اس طرح ہے:

فلا یصیر مسافرا قبل ان یفارق عمران ماخرج منه من الجانب الذی خرج منه (غنیة المستملی ص ۵۳۶،فصل فی صلاۃ المسافر)

اس سے بھی عمران اور آبادی سے خروج کی جانب کا معتبر ہونا واضح ہو رہا ہے۔

واضح رہے کہ دوراستوں والے مسئلہ سے دوسرے نقطۂ نظر کے قائل بعض حضرات نے مبدءِ سفر کے گھر سے ہونے پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ راستوں کے فاصلے گھر سے ہی شروع ہوجاتے ہیں، اور راستوں کا اختلاف بھی گھر سے ہی متحقق ہوجاتا ہے، لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسافر کے اس قطعِ مسافت کا اعتبار ہے، جو کہ گھر سے شروع ہوجاتی ہے۔

اس کا ایک جواب تو اوپر ذکر کردہ تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے تحت ذکر کردہ وضاحت سے ثابت ہو رہا ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر تک مسافت کا اعتبار ہے نہ کہ گھر سے کسی خاص گھر تک۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ماقبل میں ذکر کردہ عبارات سے جب یہ ثابت ہو چکا کہ مسافر کا عملِ سفر ہی تب شروع ہوگا جبکہ وہ حدودِ شہر سے باہر نکل جائے تو مبدءِ سفر یا مبدءِ مسافت بھی شہر کی حدود سے خروج پر ہوگا (مزید تفصیل دوسرے نقطۂ نظر کی بحث کے ضمن میں آ رہی ہے)

مسافر انفصال کے بعد ہی ''مسافر'' ہوتا ہے

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نقول :إن المسافر یصیر مسافرا بعد انفصاله من أبنية

المصر (العرف الشذی شرح سنن الترمذی، ج۲،ص۴۸،باب ما جاء فی التقصیر فی السفر)

اس سے معلوم ہوا کہ شہر سے منفصل ہوئے بغیر انسان مسافر نہیں ہوتا۔

اردو فتاویٰ کا حوالہ

عربی فقہ وفتاویٰ وغیرہ کی کتب سے استدلال کے بعد اب اردو فتاویٰ سے چند حوالہ جات تحریر کئے جارہے ہیں، جس سے پہلے نقطۂ نظر کے راجح ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔
اگرچہ اردو کتب وفتاویٰ میں اس موقف کی مؤید کافی عبارات ہیں، لیکن اختصار کے پیشِ نظر صرف چند حوالہ جات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

امدادالفتاویٰ کا حوالہ

امدادالفتاویٰ میں ہے:

''جب تک وہ کسی مقام کو اپنا وطنِ اصلی نہ بناوے اس وقت تک اس کا وطنِ اصلی سابق اصلی رہے گا، پس وہاں (یعنی جس مقام کو وطنِ اصلی بنایا ہے) پہنچ کر اتمام واجب ہے، اور وہاں (یعنی وطنِ اصلی والے مقام) سے چلنے کے وقت دیکھا جاوے گا کہ کتنی دور کی نیت سے چلی ہے الخ'' (امدادالفتاویٰ ج۱ص۳۹۲، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

یہاں وطن والے پورے مقام کو بنیاد بنا کر اس وطن سے خروج کے وقت ہی فاصلہ کا اعتبار فرمایا گیا ہے، گھر سے نکلنے کے وقت فاصلہ کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

امدادالاحکام کا حوالہ

امدادُالاحکام میں ہے:

رہی یہ صورت کہ کوئی شخص مرکز سے مرکز ہی کی طرف عود کرنے کے ارادے سے

سفر شروع کرے اور بصورت دائرہ سفر کرے، مثلاً ◆ مرکز اور درمیان میں جتنے مواضع ہیں وہ سب مقصود ہیں، اور مرکز سے مرکز تک اڑتالیس میل مسافت ہے، تو اس صورت میں یہ شخص مسافر نہ ہوگا، کیونکہ یہ ''خروج من عمارة البلد'' کے وقت مسافتِ قصر کا قاصد نہیں، اس لئے کہ مسافتِ قصر کا تحقق مرکز سے علاوہ نہیں بلکہ مرکز کو داخل مسافت کر کے مسافتِ قصر کا تحقق ہوگا اور اس سے سفر کا وجود نہیں ہوسکتا، بلکہ وجودِ سفر کے لئے لازم ہے کہ مقامِ اقامت سے نکل کر اس کے علاوہ کسی ایسے مقام کا قصد ہو کہ اس میں اور مقامِ اقامت میں مسافت ۴۸ میل کی ہو، اس راستہ سے جس کو اس نے اختیار کیا ہے، گو دوسرے راستہ سے مسافت کم ہو، اب اگر مقامِ اقامت سے علاوہ مسافتِ قصر نہیں تو یہ مقیم ہوگا اور اس کے علاوہ ۴۸ میل ہو تو مسافر شمار ہوگا۔

قال مالک فی الرجل یدورفی القری ولیس بین منزله وبین اقصاها اربعة بردوفیما یدورمن دوره اربعة بردواکثر قال اذا کان فیما یدورفیه مایکون اربعة برد قصر الصلوة (مدونة مالک ج ۱ ص ۱۱۴)

قلت وقواعدنا توافقه کما لا یخفی .

(امدادالاحکام ، ج ۱ ص ۷۲۲، کتاب الصلاۃ، فصل فی صلاۃ المریض والمسافر)

خط کشیدہ الفاظ سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ مقامِ اقامت سے نکل کر دوسرے مقام تک مسافت سفر کا اعتبار ہوگا اور یہ حکم اس صورت میں بھی ہے، جبکہ دوسرے مقام تک ایک ہی راستہ ہو اور اس صورت میں بھی ہے جبکہ مقامِ اقامت کی حدود وآبادی سے خروج کے بعد دو راستوں میں سے اختیار کئے ہوئے راستے میں مسافتِ سفر بنتی ہو اور دوسرے میں نہ بنتی ہو۔

امداد المفتین کا حوالہ

امداد المفتین میں ہے:

''جب جونپور سے نکلتے ہیں، ۴۸ میل کا قصد نہ ہو'' (امداد المفتین ص ۳۷۳، کتاب

الصلاۃ، فصل فی صلاۃ المریض والمسافر)

مذکورہ فتویٰ میں شہر سے نکلنے کے وقت ہی ۴۸ میل کا اعتبار کیا گیا ہے، گھر سے نکلنے کے وقت کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

فتاویٰ محمودیہ کا حوالہ

فتاویٰ محمودیہ میں ایک سوال وجواب اس طرح مذکور ہے:

سوال: ......قصبۂ نوح سے پرانی دھلی ۴۸ میل تھی اور اب نئی دھلی بڑھتے بڑھتے نوح کے رخ پر تقریباً ۱۵ میل بڑھ چکی ہے، ایسی صورت میں نوح کا رہنے والا پرانی دھلی کو اگر سفر کرے، تو مسافر ہوگا یا نہیں؟............

جواب: ......جب ۴۸ میل کی مسافت نہیں رہی بلکہ صرف ۳۳ میل کی مسافت رہ گئی، تو یہ سفرِ شرعی کے لئے کافی نہیں (فتاویٰ محمودیہ مبوب، ج ۷ص ۴۷۷، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسافت کا اعتبار ایک مقام کی حدود کے اختتام سے دوسرے مقام کی حدود کی ابتداء تک ہوگا۔ اور حدود وآبادی بڑھنے کی وجہ سے فاصلہ مدتِ مسافت سے کم ہوگیا ہو''اگرچہ خاص مقامِ رہائش سے کم نہ ہوا ہو''تو مسافر نہ ہوگا۔

احسن الفتاویٰ کا حوالہ

مفتی رشید صاحب صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ سے پنجگور تحصیل کے متعلق سوال کیا گیا، جس کے اندر بارہ مواضع تھے اور ہر موضع کے درمیان میل، ڈیڑھ میل اور دو میل کا فاصلہ تھا اور ہر ایک موضع کی آبادی کافی مقدار میں تھی۔

مفتی صاحب رحمہ اللہ نے جواب تحریر فرمایا:

''سوال میں مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر موضع مستقل ہے، اور پنجگوران سب مواضع پر شامل علاقہ کا نام ہے، لہٰذا سفر کی ابتداء وانتہاء اور اقامت میں

ہر موضع الگ شمار کیا جائے گا (احسن الفتاویٰ ج۴ ص۷۵، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

مطلب واضح ہے کہ اگر ہر موضع مستقل نہ ہوتا بلکہ ایک ہی موضع کے محلے ہوتے تو سفر کی ابتداء وانتہاء کسی بھی موضع سے نہ ہوتی۔

آپ کے مسائل اوران کا حل کا حوالہ

مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر آپ کراچی کی حدود ختم ہونے کے بعد ۴۸ میل (۷۷ کلومیٹر) یا اس سے زیادہ دور جاتے ہیں تو نماز قصر کریں گے (آپ کے مسائل اوران کا حل ج ۲ ص ۳۸۰، نماز کے مسائل، مسافر کی نماز)

آخر میں یہ بات ذکر کرنا مناسب ہے کہ وطنِ اصلی، وطنِ اقامت، اور وطن سکنیٰ کی حدود سے خروج اور دخول کے اعتبار سے مبدء ومنتہاءِ سفر ہونے کا حکم یکساں ہے، کیونکہ فقہائے کرام نے مطلقاً حدود سے خروج ودخول کو ذکر فرمایا ہے۔

خلاصۂ کلام

ان تمام دلائل اور وجوہ کا تقاضا یہی ہے کہ موضعِ اقامت کی حدود سے سفر اور قطعِ مسافت کی ابتدا وانتہاء معتبر ہوگی اور وہیں سے فاصلوں کو شمار کیا جائے گا، مطلب یہ کہ انشاءِ سفر کا مبدء ومنتہاء موضعِ اقامت کی حدود ہوں گی اور سفر شروع کرتے وقت مبدءِ قصر ومبدءِ سفر ومبدءِ مسافت ایک ہی جگہ متحقق ہوں گے اور منتہائے قصر ومنتہائے سفر یا منتہائے مسافت بھی اسی طرح متحد ہوں گے۔

یہی موقف ہمارے نزدیک راجح ہے، اور اسی کے مطابق اب تک فتاویٰ جاری ہوتے رہے ہیں، اور عمل ہوتا رہا ہے۔

دوسرا نقطۂ نظر اور اس کے مستدلات

اس کے برخلاف جن حضرات نے مبدءِ سفر ومنتہائے سفر وطن اور شہر وغیرہ کے بجائے مسافر کے خاص گھر یا خاص جائے اقامت کو قرار دے کر وہاں سے سفر اور مسافت کی ابتدا اور انتہاء کا اعتبار کیا ہے۔

ان حضرات کے مستدلات اور ان پر تبصرے کی تفصیل درج ذیل ہے۔

پہلا مستدل

منسلکہ استفتاء میں تحریر ہے کہ:

''عبارۃ النص کے طور پر یہ بات دستیاب نہیں ہے کہ مسافتِ سفر کا آغاز مسافر کے گھر سے ہوگا، یا اس کے شہر سے۔ لیکن ''بینہ وبین المقصد'' ''بینھم وبین مقرھم'' وغیرہ کے اشارۃ النص سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار مسافر کے مکان یا مستقر کا ہے''

مگر اس سلسلہ میں عرض ہے کہ گذشتہ کئی عبارات سے بطور اشارۃ النص ودلالۃ النص بلکہ بعض عبارات سے بطور عبارت النص سفر اور مسافتِ سفر کے آغاز کا شہر کی اختتامی حدود سے ہونا واضح کیا جاچکا ''مقصد ومقر'' سے مراد وطن، شہر یا قصبہ اور وہ موضع ہے جس کا ارادہ مسافر کر رہا ہے شہر، قصبہ، گاؤں وغیرہ سب کے عموم کو مراد لینے کے لئے بعض اوقات مقصد وغیرہ کے عام الفاظ سے تعبیر کردی جاتی ہے تاکہ ہر قسم کے موضع کو شامل ہوجائے اور اس کے برخلاف جن عبارات میں مصر، وطن اور بلد وغیرہ کی تصریح ہے وہاں کوئی تاویل ممکن نہیں اس لئے مقصد اور مقر وغیرہ کو وطن شہر وغیرہ یعنی مستقل موضع پر جس کا قصد ہے محمول کرنا زیادہ مناسب بلکہ ضروری ہے، تاکہ اصولوں سے تعارض لازم نہ آئے، جیسا کہ اصولی انداز میں کئی

www.idaraghufran.org

عبارات کے ذیل میں پہلے نقطۂ نظر کی بحث میں گذرا۔

کتب فقہ میں مقر وغیرہ الفاظ کے ساتھ تصریح نہیں ملی، البتہ بعض مقامات پر مسافر کی طرف بینہ یا بینھم کی ضمیر کی تصریح ضرور ملتی ہے، لیکن اولاً تو اسے مفارق بیوتِ موضع وغیرہ کے ساتھ متصف مسافر کی طرف راجع کرنا ممکن ہے، دوسرے عموماً ایسے مقامات پر مطلق ضمیر لانے سے بظاہر یہ فائدہ مقصود ہوتا ہے کہ اگر کسی جنگل وغیرہ سے سفر شروع کیا جائے یا ایسی جگہ سے وطن واپسی کی نیت کی جائے تو اس صورت کو بھی یہ تعریف جامع ہو جائے، ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر خاص اس جگہ سے ہی مسافت کو شمار کیا جائے گا، لہٰذا کوئی تعارض نہ رہا۔

غرضیکہ اولاً تو اس ضمیر کو مفارقتِ بیوتِ موضع وغیرہ کے ساتھ متصف مسافر کی طرف راجع کرنا ممکن ہے۔

دوسرے ایسے مواقع پر مطلق ضمیر عام طور پر اس لئے لائی جاتی ہے کہ بعض اوقات انشاءِ سفر کسی ایسی جگہ سے ہوتا ہے، جہاں انشاءِ سفر کے لئے آبادی وغیرہ کا کوئی مانع نہیں ہوتا، مثلاً صحراء وغیرہ سے انشاءِ سفر کیا گیا ہو یا وہاں سے وطن واپسی کی نیت کی گئی ہو یا ایسی جگہ جانے کا ارادہ کیا گیا ہو۔

ظاہر ہے کہ ایسے مقام پر جہاں کہ آبادی اور بیوت کا وجود نہ ہو، نیز وہ جگہ ایسے وسیع رقبہ پر مشتمل نہ ہو کہ اس پورے رقبہ کو ایک موضع کا حکم حاصل ہو، مثلاً شہری آبادی سے باہر ائرپورٹ، کوئی پارک، کھیل کے میدان وغیرہ تو ایسی صورت میں خاص اسی جگہ سے مسافت کو شمار کیا جائے گا۔

کیونکہ یہ بات اصولی اعتبار سے طے شدہ ہے کہ مبدءِ سفر کا موضع اور اسی طرح منتہائے سفر کا موضع کبھی وسیع رقبہ پر مشتمل ہوتا ہے کالمصر وغیرہ، اور کبھی چھوٹے رقبہ پر مشتمل ہوتا ہے کالقریۃ، اور کبھی آبادی بھی نہیں ہوتی، کما مرّ لہٰذا کوئی تعارض نہ رہا۔

چنانچہ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ ''کتاب الام'' میں فرماتے ہیں:

وإذا أراد الرجل أقل سفر تقصر فيه الصلاة لم يقصر حتى يخرج من منزله الذى يسافر منه وسواء كان المنزل قرية، أو صحراء فإن كانت قرية لم يكن له أن يقصر حتى يجاوز بيوتها ولا يكون بين يديه منها بيت منفردا ولا متصلا وإن كان فى صحراء لم يقصر حتى يجاوز البقعة التى فيها منزله فإن كان فى عرض واد فحتى يقطع عرضه وإن كان فى طول واد فحتى يبين عن موضع منزله وإن كان فى حاضر مجتمع فحتى يجاوز مطال الحاضر ولو كان فى حاضر مفترق فحتى يجاوز ما قارب منزله من الحاضر وإن قصر فلم يجاوز ما وصفت أعاد الصلاة التى قصرها فى موضعه ذلك(كتاب الام للشافعى، ج ا ص ۲۱۲، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

امام شافعی رحمہ اللہ نے خروجِ منزل کی شرط متحقق ہونے کے بعد قصرِ صلوٰۃ کا حکم بیان فرمایا اور پھر اس کے بعد خروجِ منزل کی وضاحت موضعِ اقامت کے ساتھ فرمائی سواء کان قریۃ او صحراء اور اس سے پہلے قصر کرنے کی صورت میں نماز کو واجب الاعادہ قرار دیا۔

معلوم ہوا کہ بعض اوقات منزل و مستقر وغیرہ الفاظ بول کر پورا موضع مراد لیا جاتا ہے۔

دوسرا مستدل

دوسرے نقطۂ نظر کے قائلین نے شرح منیہ کی درج ذیل عبارت:

من فارق بيوت موضع هوفيه من مصرا وقرية ناويا الذهاب الٰى موضع بينه وبين ذلك الموضع المسافة المذكورة صار مسافرا(غنية المستملى ،ص ۵۳۶ ،فصل فى صلوٰة المسافر)

سے بھی استدلال کیا ہے کہ اس میں بینہ کی ضمیر بظاہر مسافر کی طرف راجع ہو رہی ہے۔

www.idaraghufran.org

مگر اس کا جواب تفصیلاً پہلے نقطۂ نظر کے ضمن میں گزر چکا ہے (کہ ضمیر کا مرجع مطلق مسافر نہیں بلکہ وہ مسافر ہے جو ''مفارق مِن بیوتِ موضع'' ہو) جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

تیسرا مستدل

دوسرے نقطۂ نظر کے بعض قائلین کا ایک استدلال یہ ہے کہ اگر کسی جگہ جانے کے لئے دو راستے ہوں ایک راستہ مسافتِ سفر سے کم ہو اور دوسرا مسافتِ سفر کے برابر یا اس سے زائد ہو تو مسافر جو راستہ اختیار کرے گا اس کا اعتبار ہوگا۔

چنانچہ ''الدرالمختار'' میں ہے:

ولو لموضع طریقان أحدهما مدة السفر والآخر أقل قصر فی الأول لا الثانی (الدرالمختار)

اور اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

(قوله قصر فی الأول) أی ولو کان اختار السلوک فیه بلا غرض صحیح خلافا للشافعی کما فی البدائع (ردالمحتار، ج۲ ص ۱۲۳، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

فقہائے کرام کے بیان کردہ مندرجہ بالا مسئلہ کے بارے میں دوسرے نقطۂ نظر کے قائلین نے یہ استدلال کیا ہے کہ:

''اگر ایک شہر جانے کے لئے دو راستے ہوں۔ ایک راستہ مسافت سفر سے کم ہو، اور دوسرا مسافت سفر کے برابر یا اس سے زائد ہو تو فقہاء کرام نے یہ حکم دیا ہے کہ جو راستہ مسافر اختیار کرے اس کا اعتبار ہوگا۔ اس سے بھی فی الجملہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسافر کے قطع مسافت کا اعتبار ہے''

مگر اس کا جواب پہلے نقطۂ نظر کے ضمن میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے جس کے پیش نظر وطن کی حدود و آبادی سے خروج کے بعد ہی فاصلہ کا اعتبار ہوگا نہ کہ خاص گھر سے۔

اور ولو لموضع طریقان الخ کا مطلب ہوگا:

”ولولموضع طریقان احدهما (من بیوت الموضع.ناقل) مدة السفروالاخراقل (من بیوت الموضع.ناقل)قصر فی الاولیٰ لاالثانی الخ.“

چوتھا مستدل

اسی طرح دوسرے نقطۂ نظر کے بعض قائلین کا ایک استدلال فتاویٰ دارالعلوم کے درجِ ذیل فتویٰ سے بھی ہے:

اگر گھر سے نکلنے کے وقت اس نے ارادہ کیا تھا کہ اس دورہ میں منتہائے سفر فلاں مقام ہے جو کہ اڑتالیس میل یا زیادہ جائے رہائش سے ہے تو قصر لازم ہے ورنہ نہیں (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج۴ص۴۸۴، کتاب الصلاۃ، الباب الرابع عشر فی صلاۃ المسافر)

اس عبارت سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ مدتِ مسافت کا اعتبار گھر سے اس مقام تک ہونا چاہئے جو منتہائے سفر ہے۔

لیکن جائے رہائش کو موضعِ اقامت (جو کہ پورا شہر وغیرہ ہوتا ہے) پر محمول کرنا ممکن ہے اور اس قسم کا محاورہ ہمارے ہاں بکثرت رائج ہے۔

پانچواں مستدل

امدادالفتاویٰ میں یہ سوال مذکور ہے کہ:

ہمارے مکان سے چاٹ گام شہر خشکی کی راہ سے تین دن کی راہ پر ہے، اسی طرح معمولی کشتی پر جانے سے تین دن کا راستہ ہے ان دونوں صورتوں میں قصر پڑھے، لیکن اسٹیمر ہی چند سال سے چلتا ہے، جہاز دخانی پر سوار ہونے سے آدمی آدھ گھنٹہ میں پہنچتا ہے، سو اگر ہم جہاز پر سوار ہو کر چاٹگام جاویں تو راہ میں اور وہاں شہر میں پہنچ کر قصر کریں یا نہ کریں؟

www.idaraghufran.org

امداد الفتاویٰ میں مذکورہ سوال کا جواب درجِ ذیل الفاظ میں مذکور ہے:

ہاں قصر کیا جاوے مسافت کا اعتبار ہے گو سواری کے تیز ہونے سے وہ جلدی قطع ہو جائے جیسا کہ ریل کے سفر میں یہی حکم ہے (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۹۴، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

اس سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدتِ مسافت کا اعتبار گھر اور مکان سے ہوگا، کیونکہ سائل نے اپنے مکان سے چاٹگام شہر تک مسافت کا ذکر کیا ہے۔

لیکن ظاہر ہے کشتی یا کوئی جہاز بھی خاص گھر کے باہر سے روانہ نہیں ہوتا اس لئے اس کو بھی اس موضع کی حدود سے خروج پر محمول کرنا ممکن ہے، اور بظاہر سائل کا مقصود تیز اور دیر سے سفر قطع ہونے کا سوال کرنا ہے اور مکان کا لفظ سائل نے ویسے ہی سوال میں لکھ دیا ہے جس سے جواب میں بھی تعرض نہیں کیا گیا بلکہ تیز اور جلدی سفر ہونے سے ہی تعرض کیا گیا ہے۔

چند صفحات کے بعد ایک اور سوال کے جواب میں بھی امداد الفتاویٰ میں مستفتی کے مستقر سے منتہائے سفر تک مسافت کا اعتبار ہونا مذکور ہے (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۹۹، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

مگر یہاں بھی مستقر کو موضع اقامت پر محمول کرنا ممکن ہے اور موضع اقامت صرف گھر ہی شمار نہیں ہوتا بلکہ ایک پوری آبادی موضع اقامت کہلاتی ہے اسی کی تعبیر مستقر سے کر دی گئی ہے۔

اور اس کے برعکس بے شمار سوالات اور جوابات کے ضمن میں شہروں اور قصبوں وغیرہ کے ناموں کی تصریح کے ساتھ مبدءِ سفر و منتہائے سفر کا ذکر موجود ہے، اور ان مقامات پر کہیں بھی مسافر کے گھر یا مکان کو مبدءِ سفر اور اس کے مقصد کو کسی مخصوص مکان کی تصریح کے ساتھ منتہائے سفر قرار نہیں دیا گیا، بلکہ امداد الفتاویٰ ہی میں ایک سوال کے جواب میں مذکور ہے:

''جہاز، گھر یعنی وطن کے حکم میں تو نہیں ہے، یعنی اس کا حکم کوئی جُدا نہیں ہے، جو اور مسافر کا ہے وہی اس کا، یعنی یہ لوگ جب اپنے وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت سے (یعنی جہاں پندرہ روز کے قیام کا قصد ہو) چلتے ہیں، چلنے کے وقت

دیکھنا چاہئے کہ کس قدر مسافت قطع کرنے کا ارادہ مصمم ہوتا ہے الخ'' (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۳۸۹، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

مذکورہ عبارت میں گھر کی تفسیر وطن سے کی گئی ہے، اور پھر مزید تشریح اس طرح کی کہ وطن سے چلتے ہیں، اور پھر اسی چلنے کے وقت سے مدتِ مسافت کے قطع کرنے کی تفصیل بیان کی گئی، گھر سے نکلنے کے وقت کے اعتبار سے مدتِ مسافت کا اعتبار نہیں کیا گیا، جس سے مدعا پوری طرح واضح ہو گیا۔

یاد رہے کہ یہ جواب بھی اسی سوال سے ملتا جلتا ہے جو دوسرے نقطۂ نظر کے قائلین نے پیش کیا ہے یعنی دونوں قضیے جہاز سے متعلق ہیں۔

پس امداد الفتاویٰ سے مذکورہ مدعا کے خلاف حکم معلوم ہوتا ہے۔ [1]

چھٹا مستدل

کفایتُ المفتی میں ایک سوال اس طرح مذکور ہے:

ایک شخص ملازم پیشہ ہے اور مکان سے اس کی ملازمت فاصلہ پر ہے اور ہیڈ کوارٹر

---

[1] پھر اس کے بعد مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہٗ کی درجِ ذیل تحریر بھی نظر سے گزری، جس سے مندرجہ بالا موقف کی تائید ہوتی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

اس سوال و جواب کا تعلق اس مسئلہ سے ہے کہ مسافتِ سفر کسی تیز سواری سے جلد قطع ہو جائے، تو کیا سفر کا حکم پھر بھی جاری ہو گا یا نہیں، یہ مسئلہ کہ مسافتِ سفر آدمی کے گھر سے شمار کی جائے، یا آبادی کے کنارے سے، اس کا سوال و جواب سے سرے سے کوئی تعلق نہیں۔

البتہ دار العلوم والوں نے بظاہر سوال میں مذکور ''ہمارے مکان سے چاٹ گام شہر خشکی کی راہ سے تین دن کی راہ پر ہے'' ان الفاظ سے استدلال کیا ہے، استدلال انتہائی تعجب خیز ہے، مکان سے گھر مراد لینا قطعی نہیں، بلکہ اس میں یہ احتمال زیادہ قوی ہے کہ مکان سے مراد مقام ہو، جو علاقہ اور بستی کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

اس احتمال کے قوی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سوال میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''(ہمارے مکان سے) معمولی کشتی پر جانے سے تین دن کا راستہ ہے'' اور اس کی کوئی دلیل نہیں کہ سائل کا گھر دریا کے کنارے عین اس جگہ پر ہو، جہاں سے کشتی اپنا سفر شروع کرتی ہو (فقہی مضامین، ص ۲۲۹، باب 17: مسافتِ سفر کیا گھر سے شمار ہو گی یا بستی کے کنارے سے'' مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، اشاعت: 2006ء)

www.idaraghufran.org

میں جہاں قیام ہے رہنا پڑتا ہے اور وہیں سے دورہ کرنا ہوتا ہے، اس صورت میں قصر کہاں سے شمار ہوگا؟

اس کا جواب مندرجہ ذیل الفاظ میں مذکور ہے:

''ہیڈ کوارٹر جہاں قیام رہتا ہے وہاں سے مسافت کا اعتبار ہوگا وہاں سے ۳۶ میل کا ارادہ کر کے چلنے پر مسافر ہو جائے گا (کفایت المفتی ج ۳ ص ۳۷۶)

اس سے دوسرے نقطۂ نظر کے قائلین نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جائے اقامت اور مکانِ سکونت سے مسافتِ سفر معتبر ہوگی۔

مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیڈ کوارٹر سے مراد بھی موضع اقامت ہے، کیونکہ سائل کا مقصود یہ معلوم کرنا ہے کہ اصل قیام ہیڈ کوارٹر میں ہے رات کو بھی وہیں ٹھہرتا ہے مگر صرف ملازمت کی غرض سے وہ جائے ملازمت پر جاتا ہے اور جائے ملازمت اور جائے اقامت بالفاظ دیگر موضع اقامت (جسے سائل نے ہیڈ کوارٹر سے تعبیر کیا ہے) کے درمیان فاصلہ ہے، اور سفر کے لئے خروج (جسے دورہ کرنا پڑتا ہے کہا گیا ہے) موضع اقامت (یعنی ہیڈ کوارٹر) سے ہوتا ہے تو مدتِ مسافت کا اعتبار جائے ملازمت سے ہوگا یا موضعِ اقامت سے، جواب دیا گیا کہ موضعِ اقامت (ہیڈ کوارٹر) سے جہاں کہ قیام رہتا ہے، کیونکہ وہی مقامِ اقامت ہے نہ کہ جائے ملازمت۔

یہ جواب اصل عربی عبارات فقہ کے عین مطابق ہے، کیونکہ ہیڈ کوارٹر سے مراد ایک مستقل موضع ہے۔ [1]

---

[1] پھر مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہٗ کی اس سلسلہ میں درجِ ذیل تحریر نظر سے گزری:
ہیڈ کوارٹر سے کیا مراد ہے؟ کیا وہ سائل کے شہر کا حصہ ہے یا ہیڈ کوارٹر شہر سے باہر خاصے فاصلہ پر ہے، یا کسی دوسری بستی میں ہے کہ جہاں سے سائل روزانہ اپنے گھر آ جا نہیں سکتا؟ ان احتمالات کے ہوتے ہوئے استدلال کرنا عجیب وبعید ہے (فقہی مضامین، ص ۲۳۰، باب 17: مسافتِ سفر کیا گھر سے شمار ہوگی یا بستی کے کنارے سے'' مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، اشاعت: 2006ء)

www.idaraghufran.org

پہلے نقطۂ نظر کا راجح اور دوسرے کا مرجوح ہونا

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں عامۃ کتبِ فقہ واصولِ فقہ اور فتاویٰ سے کم از کم اشارۃ النص اور دلالۃ النص واقتضاء النص کے طور پر اور بعض عبارات سے عبارۃ النص کے طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ مسافتِ سفر کی ابتداء گھر کی بجائے مسافر کے وطن اور انشاءِ سفر والے مقام کی حدود کے اختتام سے ہوگی اور اس کی انتہا اس شہر کی آبادی وحدود شروع ہونے پر ہوگی، جس میں مسافر جانا چاہتا ہے، یعنی موضعِ مقصود کی حدود قطعِ مسافت کی انتہا ہوگی، جس کی وجہ یہ ہے کہ ماقبل میں پہلے نقطۂ نظر کی تائید میں جو عبارات پیش کی گئی ہیں، ان سے بالکل واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ جب تک مسافر اپنے وطن کی حدود میں رہے گا وہ ناوی سفر ہے اس کا عملِ سفر وفعلِ سفر بلکہ ادنیٰ فعلِ سفر اور انشاءِ سفر شروع ہی شہر کی حدود سے نکل کر ہوگا، اور قطعِ مسافت بھی سفر ہی کا نام ہے، لہٰذا قطعِ مسافت بھی وہیں سے معتبر ہوگی، جہاں سے انشاءِ سفر ہوا، اپنے وطن کی حدود میں رہتے ہوئے اگرچہ سفر کی نیت کرے نہ وہ مسافر بنے گا اور نہ اس کا انشاءِ سفر ہوگا۔

اور انشاءِ سفر وقطعِ مسافت کی انتہا بھی موضعِ مقصود کی حدود شروع ہونے پر ہوگی۔

اور مسافت کے فاصلوں کا اعتبار بھی مستقل دو موضعوں یعنی مبدء ومقصود کے درمیان ہی معتبر ہوگا اور سفرِ شرعی وقطعِ مسافتِ خاص اور مسافرِ شرعی کا وجود ساتھ ساتھ ہوگا۔ اس نقطۂ نظر پر پیش کردہ عربی واردو عبارات اور مستدلات کافی حد تک صریح اور واضح ہیں۔

احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ پہلے نقطۂ نظر کو ترجیح دی جائے کیونکہ اس کے برخلاف اگر مبدءِ سفر مسافر کے وطن کے بجائے وطن میں موجود اس کی خاص رہائش گاہ کو اور منتہائے سفر بھی وطن یا شہر/بستی وغیرہ کے بجائے اس کے اندر کسی خاص جگہ مکان وغیرہ کو قرار دیا جائے تو اِس نقطۂ نظر کے مطابق جو شخص مسافر ہوگا تو ضروری نہیں کہ وہ پہلے نقطۂ نظر کے مطابق مسافر

ہو، اور یہ ممکن ہے کہ ایک شخص پہلے نقطۂ نظر کے مطابق مسافر نہ بنے اور دوسرے نقطۂ نظر کے مطابق مسافر بن جائے۔

ایسے شخص کے بارے میں دونوں نقطہائے نظر کے اختلاف کی وجہ سے قصر و اتمام کے اندر اختلاف ہوگا اور اس اختلاف کی وجہ سے قصر و اتمام میں اشتباہ پیدا ہوگا اور جہاں قصر و اتمام کے بارے میں اشتباہ پیدا ہوجائے وہاں اتمام کرنا احوط ہوتا ہے، کیونکہ اس سے دونوں صورتوں میں فرض ساقط ہوجاتا ہے، جبکہ قصر کرنے سے ایک صورت میں تو فرض کی ادائیگی ہوجائے گی، مگر دوسری صورت میں نماز ذمہ میں رہ جائے گی وہ یہ کہ فی الواقع اتمام واجب تھا اور اس نے قصر کرلی۔

ردالمحتار میں ہے:

لأنہ اجتمع فی ھذہ الصلاۃ ما یوجب الأربع وما یمنع فرجحنا ما یوجب الأربع احتیاطا اھ (ردالمحتار، ج ۱ ۵۷۹، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

البحرالرائق میں ہے:

لأنہ اجتمع فی ھذہ الصلاۃ ما یوجب الأربع وما یمنع فرجحنا ما یوجب الأربع احتیاطا اھ (البحرالرائق، ج ۲ ص ۱۳۹، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

علاوہ ازیں ایک مستقل آبادی سے دوسری مستقل آبادی اور ایک شہر سے دوسرے شہر تک کے راستے عام طور پر محدود و متعین ہوتے ہیں اور ان کے فاصلے بھی لوگوں میں مشہور و معروف ہوتے ہیں اور ایک شہر سے دوسرے شہر کے فاصلے کی نشاندہی کا عام طور پر حکومت کی طرف سے بھی انتظام ہوتا ہے، جن لوگوں کو ایک شہر سے دوسرے شہر تک کا فاصلہ معلوم نہیں ہوتا وہ بھی بآسانی معلوم کرسکتے ہیں، جبکہ اس کے برخلاف ہر ایک کے گھر سے اسی شہر کی آبادی

www.idaraghufran.org

کے اختتام تک اور اسی طرح موضع مقصود کی آبادی کے اندرونی راستوں کے فاصلے محدود ومتعین اور لوگوں میں مشہور ومعروف نہیں ہوتے اور اختتامِ شہر تک عموماً کئی راستے نکلتے ہیں اور نہ ہی ہر کس وناکس کو اپنے گھر سے خاص مقصدِ سفر تک کا فاصلہ معلوم ہوتا ہے، نیز اندرونی فاصلوں کی نشاندہی کا خاطر خواہ حکومت کی طرف سے بھی کوئی انتظام نہیں ہوتا، اس لئے گھر سے گھر تک مسافتِ سفر کا اعتبار کرنے میں ہر ایک کو الگ الگ مسافت اور فاصلوں کی تحقیق کی مشقت اور تنگی میں ڈالنا لازم آئے گا۔

جبکہ شریعت میں نہ اتنی باریکیوں کا اعتبار کیا جاتا ہے اور نہ انسان کو بے جا مشقت اور تنگی میں ڈالا جاتا ہے، بلکہ عموماً ایک عام ضابطہ اور اصول مقرر کر کے اس پر عامۃ الناس کی سہولت کو چھوڑ دیا جاتا ہے، اور عرف میں بھی ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف سفر کرنے والے کو شہر سے شہر کی طرف سفر کرنے والا ہی کہا اور سمجھا جاتا ہے، نہ کہ ایک شہر کے کسی خاص مقام ومکان سے دوسرے شہر کے کسی خاص مقام ومکان کی طرف سفر کرنے والا، چنانچہ اگر کوئی لاہور شہر کے انارکلی والے علاقہ سے کراچی شہر کے کورنگی والے علاقہ کے لئے سفر کر رہا ہو تو اس کو لاہور سے کراچی کی طرف سفر کرنے والا کہا جاتا ہے، نہ کہ انارکلی سے کورنگی کی طرف سفر کرنے والا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

پہلے نقطۂ نظر کا جامع اور دوسرے کا مفاسد پر مشتمل ہونا

ہمارے نزدیک مبدءِ سفر ومبدءِ قصر کے ایک ساتھ متحقق ہونے کا موقف جامع اور مانع ہے اوراس کے برخلاف مبدءِ سفر کے گھر سے اور مبدءِ قصر کے خروجِ حدودِ موضعِ اقامت سے متحقق ہونے کا جوموقف مذکورہ سوال میں اختیار کیا گیا ہے۔

اس کا اولاً تو سلف وخلف اور کتبِ فقہ وفتاویٰ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا، دوسرے اس موقف پر متفرع ہونے والے مسائل سے کئی مفاسد بھی لازم آتے ہیں مثلاً:

مفسدہ نمبر (1)...... دوسرے نقطۂ نظر کے مطابق مسافتِ سفر یا قطعِ مسافت گھر سے شروع ہونے کی صورت میں جب تک وہ شخص حدودِ مصر میں رہے گا نہ اسے شرعاً مسافر کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس پر احکامِ سفر جاری نہیں ہوتے اور نہ حقیقی مقیم کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس کی قطعِ مسافت شروع ہوچکی ہے، اوروہ عملِ سفر کا آغاز کرچکا ہے۔

لہٰذا اس سے مسافر اور مقیم کے درمیان ایک تیسرے درجہ کا اثبات لازم آتا ہے جس کا کوئی قائل نہیں۔

مفسدہ نمبر (2)...... اگر مطلق قطعِ مسافت کو بنیاد بنایا جائے اور موضع اقامت کی حدود میں چلنے کو بھی قطعِ مسافت اور سفر کا حصہ مانا جائے تو اس سے گھر سے قطعِ مسافت یا عملِ سفر شروع ہوجانے کے باوجود سفر کے احکام شروع نہ ہونے کی خرابی لازم آتی ہے، جبکہ شرعاً سفر شروع ہوجانے کے بعد احکامِ سفر شروع نہ ہونے کی کوئی معقول دلیل نہیں۔

مفسدہ نمبر (3)...... قصر کی علت بنیادی طور پر اگرچہ مشقت تھی مگر اس کا تعین مشکل تھا، اس وجہ سے سفر کو قصر کی علت قرار دیا گیا، اب دوسرے نقطۂ نظر پر لازم آتا ہے کہ بنیتِ سفر چلنے والے کے قصر کی علت تو شہر کی حدود میں شروع ہوگئی ہے مگر اس کا حکم یعنی قصر متحقق نہیں ہوا، اس علت وحکم کے تخلف کا یہاں فقہی قواعد کی روشنی میں کوئی جواز نہیں ملتا۔

مفسدہ نمبر (4)...... اگر ایک شخص مثلاً باہر سے سفر کر کے اپنے شہر میں آنا چاہتا ہے اور مبدء سفر سے اس کے گھر تک تو مسافتِ سفر بنتی ہے، مگر اس کے شہر کی حدود تک نہیں بنتی تو اب یہ شخص اپنے شہر کی حدود میں داخل ہوتے ہی مقیم بن جائے گا مگر اس کا سفر گھر پہنچنے تک پھر بھی جاری رہے گا (جس طرح روانگی کے وقت گھر سے نکلنے کے بعد ہی جاری ہوگیا تھا) حالانکہ مقیم ہوجانے کے بعد سفر کا جاری رہنا غیر معقول اور غیر منقول بلکہ خلافِ منقول ہے۔

مفسدہ نمبر (5)...... اسی طرح اگر مثلاً کوئی شخص کسی بڑے شہر میں باہر سے آنے والا اس شہر کے آخری کنارے پر جانا چاہتا ہے، لیکن اس کی نیت یہ ہے کہ وہ شہر کے ابتدائی حصوں میں کچھ راتیں گزار کر اپنے مقامِ مقصود کی طرف جائے گا اور پھر وہاں بھی چند روز قیام کر کے واپس آجائے گا، اب اس شخص کا اس شہر کی حدود میں مجموعی قیام تو پندرہ دن بن جاتا ہے، لیکن کسی ایک مخصوص مقام پر پندرہ دن نہیں بنتا تو دوسرے نقطۂ نظر کا تقاضا یہ ہوگا کہ اس شخص کو مقیم نہ کہا جائے کیونکہ قطعِ مسافت جاری رہتے وقت اس شہر کے اندر جو قیام پایا گیا وہ دورانِ سفر قیام ہے اور اصل قیام وہ معتبر ہے جو قطعِ مسافت کی انتہاء کے بعد ہو۔

مگر شرعی نقطۂ نظر کے مطابق ایسے شخص کو کسی طرح بھی مسافر قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ کسی ایک شہر کی حدود کے اندر رہتے ہوئے مختلف جگہوں پر قیام کرنا ایک ہی جگہ قیام کرنے کا حکم رکھتا ہے۔

مفسدہ نمبر (6)...... مسافتِ سفر جو کہ نص کی رُو سے فقہ حنفی کے مطابق تین دن تین رات ہے (اور تین دن تین رات کی مسافت نص میں بیان شدہ دیگر مسافتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے) مبدءِ سفر اگر مسافر کے گھر کو قرار دیا جائے اور یہ مدتِ مسافت کسی بڑے شہر کی حدود کے اندر ہی پوری ہورہی ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ہورہی ہو تو دوسرے نقطۂ نظر کے مطابق ایسے شخص پر بہرصورت قصر کا حکم جاری کرنا ضروری ہونا چاہیے، ورنہ لازم آئے گا کہ ایک شخص نے نص میں بیان کردہ پوری مدتِ مسافت قطع کرلی اور اس کے باوجود اس پر قصر کا حکم جاری نہیں ہوا۔

Idara Ghufran

حالانکہ ایسے شخص کا ابھی پہلے نقطۂ نظر کے مطابق سفر ہی شروع نہیں ہوا چہ جائیکہ مکمل بھی ہو گیا ہو۔

مفسدہ نمبر (7)...... فقہائے کرام کے نزدیک عملی سفر خروج من المصر پر شروع ہوتا ہے اور حدودِ مصر میں نیتِ محض ہوتی ہے، اور دوسرے موقف کے مطابق فقہائے کرام کی تفصیل کے علی الرغم عملی سفر حدودِ بلد و مصر میں ہی شروع ہو جاتا ہے۔

مفسدہ نمبر (8)...... سفر و حضر ایک دوسرے کی ضد ہیں، سفر ہوگا تو حضر نہ ہوگا اور حضر ہوگا تو سفر نہ ہوگا اور دونوں کا کبھی بھی بیک وقت اجتماع نہ ہوگا، اس موقف پر اجتماعِ ضدین لازم آتا ہے کہ حدودِ بلد و مصر میں سفر شروع ہو گیا، اور اس کے باوجود وہ حضر میں ہے کیونکہ اس پر احکامِ سفر جاری نہیں ہوئے۔

مفسدہ نمبر (9)...... فقہائے کرام نے مسافتِ شرعی کی قید لگائی ہے جس کا اطلاق حدودِ موضعِ اقامت سے خروج پر ہوتا ہے اور اس موقف کے مطابق مبدءِ سفر میں شرعی کی قید باقی نہیں رہتی، کیونکہ خروج سے پہلے لغوی یا عرفی قطعِ مسافت ہوتی ہے نہ کہ شرعی۔

اس کے علاوہ بھی اور کئی مفاسد اس دوسرے نقطۂ نظر پر پیش آتے ہیں اور ان کی وجہ سے نص کی مخالفت لازم آتی ہے، لہٰذا پہلا نقطۂ نظر ہی زیادہ راجح ہے۔

جبکہ مؤخر الذکر نقطۂ نظر پر پیش کردہ عبارات نہ صرف یہ کہ غیر واضح ہیں بلکہ ان سے بذاتِ خود یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مسافت کی ابتداء شہر کی حدود کے اختتام سے ہوگی، جیسا کہ مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا، اس لئے دوسرا نقطۂ نظر بہت زیادہ مرجوح بلکہ خلافِ منصوص ہے۔

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان۔ ۲۰/ ۶/ ۱۴۲۵ھ

نظرِ ثانی واصلاح واضافہ ۲۱/ ۳/ ۱۴۲۷ھ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

www.idaraghufran.org

اہلِ علم حضرات کی آراء

(1)......ایک مفتی صاحب کی اس سلسلہ میں تحریر

(کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر مکرم جناب مفتی محمد رضوان صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کا گرامی نامہ اور مبدءِ مسافتِ سفر کے بارے میں آپ کی مفصل تحریر موصول ہوئی۔

مبدءِ مسافتِ سفر کے بارے میں اس سے قبل مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کی تحریر موصول ہونے پر قدرے تردد تو پیدا ہو گیا تھا، لیکن رائے میں حتمی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی، لیکن آپ کی تحریر میں ذکر کردہ دلائل پر غور کرنے کے بعد اب رجحان اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء کرام کی عبارات میں مبدءِ مسافت اور مبدأ قصر دونوں خروج من عمارۃ البلد ہی مراد ہیں، اگرچہ بالکل صریح عبارت تو کوئی نہیں، لیکن عبارات کے مجموعے سے قریب بہ صراحت یہی بات مفہوم ہوتی ہے۔

البتہ اس سلسلے میں ایک مسئلہ بندہ کے ذہن میں مدت سے قابلِ غور معلوم ہوتا ہے، جس پر اطمینان سے غور و تحقیق کا موقع نہیں ملا، آپ سے اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ ماشاء اللہ آپ نے اس مسئلے کی تحقیق کی ہے، اور مزید تحقیق کی بھی امید ہے۔

وہ مسئلہ یہ ہے کہ آج کل شہروں میں دو ایسے مسئلے پیدا ہو گئے ہیں جن کی بنا پر مبدءِ مسافت اور مبدءِ قصر دونوں کو عمارتوں کے اختتام سے قرار دینے میں متعدد عملی دشواریاں ہیں۔

پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ بڑے شہروں میں عمارتوں کے نقطۂ انتہا کا تعین بہت مشکل ہو گیا ہے، کیونکہ میل ہا میل تک عمارتوں کا تسلسل چلتا رہتا ہے۔ اور ایسی جگہ جہاں ایک عمارت سے دوسری عمارت نظر نہ آئے، مشکل سے ملتی ہے، بالخصوص مغربی ملکوں میں تو یہ صورت بہت عام ہے اور وہاں کے لوگ اس بارے میں پوچھتے رہتے ہیں وہاں کے علماء بھی پریشان رہتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جیسا آپ نے صفحہ ۱۴ کے آخر میں لکھا ہے کہ ایک آبادی سے دوسری آبادی اور ایک شہر سے دوسرے شہر تک کے فاصلے معروف ہوتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے بھی اسی کے تعین کا انتظام ہوتا ہے۔ [۱]

لیکن عمارات کی انتہاء کا اول تو نقطہ معیّن کرنا ہی مشکل ہو رہا ہے (جیسا کہ اوپر گزرا) دوسرے اگر وہ نقطہ متعین کرلیا جائے تو وہاں سے منزلِ مقصود تک (یعنی اس کی آبادی کے

---

[۱] اس کے جواب میں بندہ نے اپنے دوسرے رسالہ ''بدایۃ السفر والقصر فی حالۃ الحضر والمصر'' میں جو تحریر کیا ہے، اس کا ایک اقتباس ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

''اگرچہ مذکور الصدر بحث پر مسئلہ ہذا کا دارومدار نہیں ہے، اور اس بحث کا ذکر تبرعاً، تقویۃً اور توضیحاً للمسئلۃ ضمنی طور پر آ گیا تھا، تاہم اس سے مراد بھی یہ تھی کہ جس درجہ کی شہرت اور حکومت کی طرف سے انتظام ایک شہر سے دوسرے شہر وغیرہ تک نشان دہی کرنے اور کلومیٹر وغیرہ لکھنے کا ہوتا ہے، اس طرح کی شہرت اور انتظام اندرونِ شہر و اندرونِ آبادی نہیں ہوتا۔

اور یہ بات مشاہدہ میں بھی ہے کہ اندرون شہر میں اختتامِ شہر کی عموماً نشاندہی نہیں ہوتی اور لوگوں کو بھی اختتامِ شہر تک کے فاصلے معلوم و معروف نہیں ہوتے، اور اس کے برخلاف دو مستقل آبادیوں کے درمیانی فاصلے عام طور پر اہلِ علاقہ لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں، خصوصاً روزمرہ سفر کرنے والے حضرات اور اس میں بھی بالخصوص مختلف گاڑیوں کے ڈرائیور حضرات درمیانی فاصلے سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، اور لاعلم لوگوں کو ان سے معلوم کرنا ممکن ہوتا ہے۔

اور شریعت نے بہت سے امور میں اہلِ علم اور واقف لوگوں سے معلومات حاصل کرنے کا مکلّف کیا ہے جس کی بے شمار نظیریں شریعت میں موجود ہیں، چنانچہ وہ مسافر جس کو سفر کے دوران قبلے کی جہت کا علم نہ ہو اسے دوسروں سے معلوم کرنے کا حکم ہے، بصورتِ دیگر قرائن سے اندازہ اور تحری کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

بعینہٖ یہی حال مسافت اور انتہاءِ ابنیۃ البلد کے بارے میں بھی معلومات کا ہے'' (بدایۃ السفر والقصر فی حالۃ الحضر والمصر)

شروع تک) کا فاصلہ متعین کرنا عملاً اس لئے دشوار ہوتا ہے کہ شہروں کے باہم فاصلوں کا جو تعین حکومت کی طرف سے ہوتا ہے، وہ عمارتوں سے عمارتوں تک نہیں، بلکہ شہر کے مرکز (مثلاً میونسپلٹی) سے دوسرے شہر کے مرکز تک ہوتا ہے اس لئے عام آدمی کے لئے عمارتوں سے عمارتوں تک کے فاصلے کا تعین مشکل ہوتا ہے۔

اب قابلِ تحقیق امر یہ ہے کہ مبدأ مسافت یا مبدأ قصر کو جو خروج من ابنیۃ المصر سے شمار کیا گیا ہے، اگر وہ کسی نص پر مبنی ہے، تب تو اس کی پابندی بہر صورت لازمی ہے، لیکن اگر یہ مسئلہ عرف پر مبنی ہے تو آج کل شہروں کی باہمی مسافت جو سرکاری طور پر متعین اور معلَن ہوتی ہے، اس کو عرف پر مبنی قرار دے کر کیا اسی مسافت کو معیار بنانے کی گنجائش موجود ہے؟ نیز انتہاء الابنیہ کا نقطہ متعین کرنا چونکہ بڑے شہروں میں دشوار ہورہا ہے تو کیا ریلوے اسٹیشن، ہوائی اڈے، بس اڈے وغیرہ سے نکلنے کو مبدءِ قصر قرار دینے کی گنجائش موجود ہے کیونکہ جب انسان ان جگہوں سے بقصدِ سفر روانہ ہوجائے تو عرفاً اُسی وقت سے اسے مسافر سمجھا جاتا ہے، خواہ وہ ابھی شہر ہی کے کسی حصے میں سفر کررہا ہو۔

جیسا میں نے عرض کیا، بندہ کو اس مسئلے پر اطمینان سے غور وتحقیق کا موقع نہیں ملا، آپ سے اس امید پر عرض کررہا ہوں کہ اس پر غور بھی فرمائیں، اور تحقیق طلب امور کی تحقیق بھی۔

چونکہ ابھی تک اس مسئلے پر ذہن پوری طرح صاف نہیں ہوا، اس لئے آپ کی تحریر کے بعد اگرچہ فقہائے کرام کے مقصود کے بارے میں اپنے سابق موقف پر رجحان نہیں رہا، لیکن رجوع کا باقاعدہ اعلان ابھی نہیں کررہا، تاکہ اس مسئلہ پر جو اوپر عرض کیا ہے، غور وتحقیق ہوجائے، اگر آپ اپنی رائے اور تحقیق سے بندے کو مطلع کرسکیں، تو مطلع فرمائیں، بندہ بھی اپنے رفقاء سے اس موضوع پر تحقیق کے لئے کہہ رہا ہے، ابھی یہ خط صرف آپ کے لئے ہے، اشاعت مقصود نہیں۔

والسلام

بندہ............ ۱۴/ ۷/ ۱۴۲۵ھ

(2)......مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحب زید مجدہٗ

(مہتمم: جامعہ حقانیہ، ساہیوال، سرگودھا)

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

برادرم مکرم مولانا مفتی محمد رضوان صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

خیریت طرفین نیک مطلوب؟

احوال آنکہ آپ کا مرسلہ ماہنامہ التبلیغ اوراس کا علمی سلسلہ مسلسل مل رہا ہے، لیکن احقر باوجود خواہش کے اس کے بارہ میں آپ کو کچھ بھی نہ لکھ سکا، حتی کہ وصولی کی اطلاع سے بھی بوجوہ قاصر رہا، اوراب اس قدرتاخیر ہوگئی ہے کہ معذرت پر بھی ندامت محسوس کررہاہوں، اگرچہ اب بھی اس بارہ میں کوئی تجویز ارسال نہیں کررہا، لیکن سردست یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو مرسلہ رسائل کی وصولی کی اطلاع کردوں، تاکہ مزید ندامت سے بچ سکوں۔

باقی اس علمی وتحقیقی سلسلہ اورمسائل کے بارہ میں جب بھی موقع ملا اپنی رائے لکھ کر بھیج دوں گا، ان شاء اللہ۔ فقط۔والسلام

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہٗ ۱۵/محرم الحرام/۱۴۲۷ھ، 14/2/2006

(3)......مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب زید مجدہٗ

(مہتمم: جامعہ مفتاح العلوم، سرگودھا)

مکرّم ومحترم حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مزاج گرامی! آنجناب کی طرف سے ارسال کردہ ’’التبلیغ‘‘ کا سلسلہ نمبر۵ ’’النظر والفکر فی

www.idaraghufran.org

مبدءِ السفر والقصر'' موصول ہوا، بندہ نے از اوّل تا آخر حرفاً حرفاً مطالعہ کیا، جواب دینے میں تاخیر ہوگئی ہے، معذرت خواہ ہوں۔

بندہ فریقِ اوّل کی رائے سے اتفاق کرتا ہے، دلائل تو آپ نے ذکر فرما دیئے ہیں۔

ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ آبادی کے اندر اندر چلنا حضر کے حکم میں ہے، سفر نہیں ہے۔

مواہب الجلیل: ۵۲۴/۲، شرح منح الجلیل: ۴۴۰/۱ اور المغنی لابن قدامہ: ۱۹۱/۳ میں ہے:

''لانہٗ حضر ولیس بسفر''

اس بات کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی کہ شریعت کسی کو کسی وصف کے ساتھ متصف کرے اور اس وصف کا حکم موصوف پر نہ لگائے، مثلاً کسی کو حائض، مستحاضہ، صائم، مُحرم وغیرہ قرار دے اور حیض، استحاضہ، صوم اور احرام کے احکامات اس پر نہ لگائے، اسی طرح شہر کی آبادی کے اندر بقصدِ سفرِ شرعی چلنے والے کو اگر شریعت مسافر قرار دیتی ہے تو اس پر حکمِ سفر بھی لگاتی، فریقِ ثانی اس صورت میں شخصِ مذکور کو مسافر تسلیم کرتا ہے مگر حکمِ سفر آبادی سے باہر نکلنے کے بعد لگاتا ہے، تو سفر کا آغاز بھی شرعاً آبادی سے باہر نکلنے پر ہی ہوگا۔ آپ کی علمی وتحقیقی کاوشوں کو دیکھ کر دلی خوشی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ مزید ترقیات سے نوازیں اور قبولیتِ تامّہ عطا فرمائیں۔ والسلام۔ بندہ: طاہر مسعود

خادم الافتاء، جامعہ مفتاح العلوم، سرگودھا۔ ۱۶/۶/۱۴۲۷ھ

(4)......مولانا مفتی ثناء اللہ صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء: جامعہ خلفائے راشدین، ڈیرہ غازی خان)

محترم ومکرم جناب حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب مدظلہٗ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمدللہ ۱۸ جمادی الاوّل کو ماہنامہ ''التبلیغ'' (کے علمی وتحقیقی سلسلہ کا) شمارہ نمبر ۵ موصول

www.idaraghufran.org

ہوا، جسے بہت ہی اہمیت اور گہری توجہ سے پڑھا گیا، ماشاء اللہ مبدءِ سفر اور قصر کے متعلق مکمل ومدلل تحقیق سے مزین بہت ہی قابلِ تحسین اور قابلِ قدر ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں، اور ہمیں اس کی پوری قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے،اس سے پہلے والے تمام شمارے یا ان میں سے بعض اگر باسانی میسر ہوں تو وہ بھی دارالافتاء کے لئے بھیج دیں۔

اس مسئلہ میں ہماری رائے اور قلبی رجحان نظریۂ اول کی طرف ہے کہ سفر اور قصر کی ابتداء خروج حدودِ مصر ہوگی۔

اور اس مسئلہ میں اتنا مزید عرض کریں گے کہ چونکہ دونوں نظریہ والوں نے من وجہٍ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد کر کے امداد الفتاویٰ کی عبارتوں کو بطورِ تائید پیش کیا ہے،اس لئے اگر بہشتی زیور کی درج ذیل عبارت سامنے رکھی جائے تو امداد الفتاویٰ کی عبارتوں کا سمجھنا آسان ہوگا۔

بہشتی زیور کی عبارت: مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان

مسئلہ نمبر ا: اگر کوئی ایک منزل یا دو منزل کا سفر کرے تو اس سفر سے شریعت کا کوئی حکم نہیں بدلتا، اور شریعت کے قاعدے سے اس کو مسافر نہیں کہتے،اس کو ساری باتیں اسی طرح کرنی چاہئے جیسے کہ اپنے گھر کرتی تھی، چار رکعت والی نماز کو چار رکعت پڑھے اور موزہ پہنے ہو تو ایک رات دن مسح کرے پھر اس کے بعد مسح کرنا درست نہیں۔

مسئلہ نمبر ۲: جو کوئی تین منزل چلنے کا قصد کر کے نکلے وہ شریعت کے قاعدے سے مسافر ہے، جب اپنے شہر کی آبادی سے باہر ہوگئی تو شریعت سے وہ مسافر بن گئی، اور جب تک آبادی کے اندر اندر چلتی رہے تب تک مسافر نہیں، اسٹیشن اگر آبادی کے اندر ہے تو آبادی کے حکم میں ہے اور جو آبادی کے باہر ہو تو وہاں

پہنچ کر مسافر ہو جاوے گی (بہشتی زیور، حصہ دوم ص ۴۷)

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

کتبہٗ ثناء اللہ

۴/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

دار الافتاء جامعہ خلفائے راشدین

خیابانِ سرور، بلاک B، ڈیرہ غازی خان

(5)......مولانا مفتی قاری سعید الرحمٰن صاحب زید مجدہٗ

(منتظم ورفیق مجلس العلماء، ضلع سوات)

بخدمت جناب حضرت مولانا محمد رضوان صاحب مدظلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد از سلام مسنون! سفر کے متعلق دلائل وبراہین سے مدلل ومبرہن رسالہ موصول ہوا۔

اس نفسا نفسی کے دور میں آپ نے جس انداز سے علمی تحقیقات کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ یقیناً ایک تجدیدی کارنامہ ہے۔

اور پھر آپ نے ملک بھر کے اہلِ علم کو دعوتِ فکر وتحقیق دے کر بین العلماء بحالی اجتماعیت کی اہم کوشش شروع کی ہے۔ آپ نے جوابی خطوط نہ ملنے پر اہلِ علم سے دبے لفظوں میں جو شکوہ کیا ہے اس میں یقیناً آپ حق بجانب ہیں۔

آپ مجلس العلماء ضلع سوات کے سرپرست اعلیٰ شیخ الحدیث حضرت مولانا حمید اللہ دیروی اور نگران اعلیٰ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور معاون نگران حضرت مولانا قاری مسلم صاحب کے نام بھی اعزازی رسالہ ارسال فرمائیں۔ فقط والسلام

سعید الرحمٰن منتظم ورفیق مجلس العلماء، ضلع سوات

www.idaraghufran.org

(6)......مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء جامعہ خیرالمدارس، ملتان)

محترم المقام حضرت مولانا محمد رضوان صاحب زید مجدہٗ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مزاجِ گرامی! مسائل کی تحقیق کا سلسلہ جو جناب نے شروع کیا ہے وہ بہت مبارک ہے، اللہ پاک استقامت نصیب فرمائیں اور شرفِ قبولیت بخشیں۔

مسافتِ قصر کہاں سے شروع ہوگی اور انسان کب مسافر کہلائے گا اس سلسلہ میں جامعہ خیرالمدارس کے مفتی صاحبان کی رائے یہ ہے کہ اپنے شہر کی متصل آبادی ختم ہوتے ہی مسافر بن جائے گا، البتہ آبادی کی حدود میں مسافر ہونے کا حکم جاری نہ ہوگا۔

چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ ایک مسئلہ کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لان الخروج الی مکۃ سفر والانسان لایعد مسافرا اذالم یجاوز عمران مصرہ (ج۳ص ۸۱)

جناب کا موقف بھی یہی ہے، ہم اسی کی تائید کرتے ہیں۔ فقط والسلام

بندہ محمد عبداللہ عفااللہ عنہ ۲۶/۶/۱۴۲۷ھ خادم الافتاء بجامعہ خیرالمدارس، ملتان

(7)......مولانا مفتی منظور احمد صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء: جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد)

محترم جناب حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے، اور یہی دعاء بھی ہے۔

Idara Ghufran

ماہنامہ التبلیغ کا تحقیقی سلسلہ نمبر ۵ ''النظر والفکر فی مبدء السفر والقصر'' اور نمبر ۶ ''بدایۃ السفر والقصر فی حالۃ الحضر والمصر'' اس وقت میرے سامنے ہیں۔

سلسلہ نمبر ۵ کے بنیادی مواد کی ترتیب میں چونکہ میں آپ کے ساتھ شریک تھا، اس وجہ سے اس کے بارے میں میری یہی رائے ہے کہ مسافتِ سفر کا مبدأ اور منتہیٰ بھی وہی ہونا چاہئے جو قصر کا ہے، یعنی ''خروج من عمران المصر ودخول فی عمران المصر'' گھر کو مبدأ سفر قرار دینا بظاہر صحیح معلوم نہیں ہوتا............والسلام

منظور احمد

۱۲/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

دارالافتاء جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد

(8)......مولانا مفتی محمد زکریا اشرف صاحب زید مجدہٗ

(مکان نمبر 1395 گلی نمبر 14، I-10-2، اسلام آباد)

محترم ومکرم جناب حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے کہ جناب بخیر وعافیت ہوں گے، مبدءِ سفر وقصر سے متعلق مجلّہ التبلیغ موصول ہوا، اس کے متعلق رائے ارسال کرنے میں تاخیر پر معذرت، ماشاء اللہ اس موضوع پر کافی وافی شافی دلائل جمع فرمائے گئے ہیں اور اشارات النص سے مسئلہ کو کافی واضح کیا گیا ہے جس سے ایک خالی الذہن شخص کو راجح موقف معلوم کرنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔......

فقط والسلام

طالبِ دعا

بندہ زکریا اشرف

www.idaraghufran.org

(9)......مولانا مفتی محمد یونس صاحب زید مجدہ

(دارالافتاء ادارہ غفران، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت اقدس مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم کا علمی و تحقیقی مقالہ موسوم بہ ''النظر والفکر فی مبدء السفر والقصر ''یعنی سفر اور قصر کی ابتداء وانتہاء کا مطالعہ کیا۔

میرے ذہن میں شروع سے یہ مسئلہ اسی طرح ہے کہ وطن کی آبادی کی انتہاء سے لے کر منزلِ مقصود کی آبادی کی ابتداء تک کا فاصلہ اگر مسافتِ شرعی بنتا ہو، تو وطن کی آبادی سے نکلتے ہی قصر کا حکم ہوگا، اور یہی حکم رہے گا، تا آنکہ مسافر لوٹ کر اپنے وطن کی آبادی میں داخل ہوجائے یا کسی دوسری جگہ پندرہ دن یا زیادہ کے قیام کی نیت کرلے۔

اور اسی مؤقف پر حضرت والا نے بھی اپنا رجحان مذکورہ رسالے میں بیان فرمایا ہے، اور اسی مؤقف کے دلائل جمع فرمائے ہیں، دوسرے مؤقف کا مرجوح ہونا اور اس کے دلائل کا اس مؤقف کے لیے مخدوش ہونا بیان فرمایا ہے، نیز ان دلائل کا صحیح محمل بھی بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے آپ کے علوم میں برکت عطا فرمائے، اور تادیر امت کو آپ کے علوم سے مستفید فرمائے۔

آمین یا رب العالمین

کتبہٗ

محمد یونس

خادم الافتاء ادارہ غفران راولپنڈی

22/ ربیع الآخر/ 1437ھ

www.idaraghufran.org

(10)......مولانا مفتی محمد امجد حسین صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء ادارہ غفران، راولپنڈی)

باسمہٖ تعالیٰ

حضرت مفتی صاحب دام فضلہٗ کے مقالہ ''سفر وقصر کی ابتداء وانتہاء'' کا مطالعہ کیا، یہ مقالہ اس بارے میں تحقیق پر مشتمل ہے کہ قصر کی طرح سفر کا آغاز بھی شہر یا قریہ وغیرہ کی آبادی کے اختتام سے ہوگا، موضعِ اقامت کی آبادی وحدود کے اندر کی مسافت، سفر میں شمار نہ ہوگی، نہ ہی یہ مسافت طے کرنے والا مسافر شمار ہوگا۔

موضوع پر متعلقہ فقہی عبارات، درایات و روایات کافی وافی مقدار و تعداد میں جمع و یکجا ہوگئیں، نتیجہ وثمرہ ان کا مربوط ومنضبط طور پر، سلیقے وقرینے سے نکالا گیا ہے، اس تحقیق سے مسئلہ زیرِ بحث میں بھرپور بصیرت واذعان حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قبول ومقبول فرمائے۔

فقط

محمد امجد حسین

دارالافتاء: ادارہ غفران

22/ربیع الآخر/1437ھ 2/2/2016ء بروز منگل

ختم شد

Idara Ghufran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

بِدَايَةُ السَّفَرِوَالْقَصْرِفِیْ حَالَةِ الْحَضَرِوَالْمِصْرِ

یعنی

شہر کی حدود اور مقیم ہونے کی حالت میں سفر وقصر شروع ہوجانے کا حکم

بعض اہلِ علم حضرات کا یہ خیال تھا کہ مبدءِ قصر وسفر یا ان میں سے کوئی ایک اگر نص پر مبنی ہو تو اس کی پابندی بہر صورت لازمی ہے، اور اگر ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک کا مدار عرف پر ہو تو آج کل شہروں کے وسیع اور آبادیوں میں تسلسل ہوجانے کی وجہ سے شہر کے مرکز ''جہاں سے دو آبادیوں کے درمیانی فاصلہ کا اعتبار کیا جاتا ہے'' کو یا پھر بس اڈے، اسٹیشن، ائرپورٹ وغیرہ جہاں سے سوار ہوا جاتا ہے کو مبدءِ قصر وسفر یا کوئی ایک قرار دینے کی گنجائش ہونی چاہیے، کیونکہ ان مقامات سے سوار ہونے کے بعد عرف میں انسان مسافر سمجھا جاتا ہے۔

اس کے جواب میں یہ مضمون ''بِدَايَةُ السَّفَرِوَالْقَصْرِفِیْ حَالَةِ الْحَضَرِ وَالْمِصْرِ'' کے نام سے مرتب کیا گیا، جس کے ضمن میں مزید کئی اہم اور پیچیدہ مسئلوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

مصنّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین
114	**تمہید** (از مؤلف)
117	(مقدمہ) **مبدءِ سفر وقصر کے بارے میں تحقیق طلب امور**
118	مبدءِ سفر ومبدءِ قصر کے متحد ومختلف اور عرف پر مبنی ہونے سے متعلق وضاحت
123	(پہلا باب) **''خروجِ بلد''**
//	مبدأِ قصر وسفر کا خروج عن البلد ہونا منصوص ومتفق علیہ ہے
//	آیاتِ قرآنی
128	''ضارب فی الارض ''یا مسافر خروجِ بلد کے بعد ہوتا ہے
130	بیوتِ قریہ سے خروج پر ضارب فی الارض یا مسافر ہوتا ہے
131	آیت میں ''ضرب'' کی صراحت ہے، اور حدیث میں اس ''ضرب'' کی تقدیرِ زمانی ومکانی کی صراحت ہے
132	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین سے مبدءِ قصر ومنتہائے قصر کا ثبوت

Idara Ghufran

www.idaraghufran.org

www.idaraghufran.org

Idara Ghufran

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

بندہ محمد رضوان نے ایک استفتاء کا تفصیلی جواب ''النظر والفکر فی مبدءِ السفر والقصر'' کے نام سے تحریر کر کے بعض اہلِ علم حضرات کی خدمت میں پیش کیا تھا، جس پر متعدد اہلِ علم حضرات کی آراء موصول ہوئی تھیں، اور اس تحریر کے جواب میں ایک قابلِ قدر بزرگ کی طرف سے مؤرخہ ۱۴/۷/۱۴۲۵ھ کی لکھی ہوئی ایک تحریر بھی موصول ہوئی تھی، جس میں انہوں نے اپنا رجحان اس طرف ظاہر فرمایا تھا کہ آپ کی پیش کردہ فقہائے کرام کی عبارات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مبدءِ مسافت اور مبدءِ قصر دونوں میں خروج من عمارۃ البلد ہی مراد ہیں، آپ کی نقل کردہ عبارات کے مجموعہ سے قریب بصراحت یہی مفہوم ہوتا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے چند امور پر مزید غور کرنے کی طرف متوجہ فرمایا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنی تحریر میں فرمایا تھا کہ:

آج کل شہروں میں دو ایسے مسئلے پیدا ہو گئے ہیں جن کی بنا پر مبدأِ مسافت اور مبدأِ قصر دونوں کو عمارتوں کے اختتام سے قرار دینے میں متعدد عملی دشواریاں ہیں۔

پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ بڑے شہروں میں عمارتوں کے نقطۂ انتہا کا تعین بہت مشکل ہو گیا ہے، کیونکہ میل ہا میل تک عمارتوں کا تسلسل چلتا رہتا ہے۔ اور ایسی جگہ جہاں ایک عمارت سے دوسری عمارت نظر نہ آئے، مشکل سے ملتی ہے، بالخصوص مغربی ملکوں میں تو یہ صورت بہت عام ہے اور وہاں کے لوگ اس بارے میں پوچھتے رہتے ہیں وہاں کے علماء بھی پریشان رہتے ہیں۔

www.idaraghufran.org

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جیسا آپ نے......لکھا ہے کہ ایک آبادی سے دوسری آبادی اور ایک شہر سے دوسرے شہر تک کے فاصلے معروف ہوتے ہیں۔حکومت کی طرف سے بھی اسی کے تعین کا انتظام ہوتا ہے۔لیکن عمارات کی انتہا کا اول تو نقطہ معیّن کرنا ہی مشکل ہو رہا ہے (جیسا کہ اوپر گذرا) دوسرے اگر وہ نقطہ متعین کرلیا جائے تو وہاں سے منزلِ مقصود تک (یعنی اس کی آبادی کے شروع تک) کا فاصلہ متعین کرنا عملاً اس لئے دشوار ہوتا ہے کہ شہروں کے باہم فاصلوں کا جو تعین حکومت کی طرف سے ہوتا ہے، وہ عمارتوں سے عمارتوں تک نہیں، بلکہ شہر کے مرکز (مثلاً میونسپلٹی) سے دوسرے شہر کے مرکز تک ہوتا ہے، اس لئے عام آدمی کے لئے عمارتوں سے عمارتوں تک کے فاصلے کا تعین مشکل ہوتا ہے۔اب قابلِ تحقیق امر یہ ہے کہ مبدأ مسافت یا مبدأ قصر کو جو خروج من ابنیۃ المصر سے شمار کیا گیا ہے، اگر وہ کسی نص پر مبنی ہے، تب تو اس کی پابندی بہر صورت لازمی ہے، لیکن اگر یہ مسئلہ عرف پر مبنی ہے تو آج کل شہروں کی باہمی مسافت جو سرکاری طور پر متعین اور معلَن ہوتی ہے، اس کو عرف پر مبنی قرار دے کر کیا اسی مسافت کو معیار بنانے کی گنجائش موجود ہے؟ نیز انتہاء الابنیہ کا نقطہ متعین کرنا چونکہ بڑے شہروں میں دشوار ہو رہا ہے تو کیا ریلوے اسٹیشن، ہوائی اڈے، بس اڈے وغیرہ سے نکلنے کو مبدأِ قصر قرار دینے کی گنجائش موجود ہے، کیونکہ جب انسان ان جگہوں سے بقصدِ سفر روانہ ہو جائے تو عرفاً اُسی وقت سے اسے مسافر سمجھا جاتا ہے، خواہ وہ ابھی شہر ہی کے کسی حصے میں سفر کر رہا ہو" (انتھیٰ کلامہ)

مندرجہ بالا اُمور کی تحقیق کے لئے بندہ نے ابتدائی تحریر جو مرتب کر کے اس کے جواب میں ارسال کی تھی، اُس کو **بِدایۃُ السفرِ والقصرِ فی حالۃالحضرِ والمصرِ** کا عنوان دیا تھا، یہ عنوان قائم کرنے کی وجہ یہ تھی کہ میونسپلٹی، بس اڈہ، اسٹیشن اور ائیر پورٹ وغیرہ

کومبدءِ سفر وقصر قرار دیا جائے تو سفر اور قصر کا اپنی ضد حضر اور اقامت کی حالت میں پایا جانا لازم آتا ہے اور یہ ناممکن ہے۔

یہ تحریر پہلے بھی شائع ہوچکی ہے، اور اب مسئلہ کی اہمیت اور ہمہ گیریت کے پیشِ نظر اس تحریر کو اصلاحات کے بعد دوبارہ پیش کیا جارہا ہے۔

اس مضمون کو ایک مقدمہ دو بابوں اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا گیا ہے، مقدمہ میں ہم چند ابتدائی اہم امور پر اور پہلے باب میں منصوص ومتفق علیہ مسئلہ یعنی خروجِ بلد پر کلام کیا گیا ہے، اور دوسرے باب میں حدودِ بلد پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور اس کے بعد خاتمہ میں اپنی معروضات کا خلاصۂ کلام ذکر کیا گیا ہے۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

13/ جمادی الاخریٰ/ 1427ھ

نظرِ ثانی واصلاح

5/ رمضان المبارک/ 1437ھ۔ 11/ 6/ 2016، بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی۔ پاکستان۔

www.idaraghufran.org

(مقدمہ)

مبدءِ سفر وقصر کے متعلق تحقیق طلب امور

اس مقصود کو شروع کرنے سے پہلے عرض ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل چیزوں کی تحقیق کی ضرورت ہوگی۔

(1)......مبدأِ قصر ومبدأِ سفر نص پر مبنی ہے یا عرف پر مبنی ہے؟

(2)......آبادیوں کے تسلسل والے بڑے بڑے شہروں اور ملکوں میں نقطۂ انتہاء کے تعین میں آج کل مشکلات ودشواریاں پیش آرہی ہیں، ان کا حل کیا نکالا جائے؟

(3)......اگر یہ مسئلہ عرف پر مبنی ہے تو کیا بس اڈے، ریلوے اسٹیشن، ائیر پورٹ (جہاں سے سوار ہوا جارہا ہے) مبدأ سفر ومبدأ قصر قرار دینا درست ہوگا؟ کیونکہ گاڑی، ریل، جہاز وغیرہ میں سوار ہوتے ہی انسان عرف میں مسافر سمجھا جاتا ہے۔

(4)......عرف پر اس مسئلہ کے مبنی ہونے کی صورت میں کیا عرف میں مشہور ومعروف فاصلوں کی ابتداء وانتہاء کے نقطہ کو مبدأ سفر ومبدأ قصر قرار دینا درست ہے؟ کیونکہ آج کل حکومت وانتظامیہ کی طرف سے فاصلوں کی تعیین ایک شہر کے مرکز سے دوسرے شہر کے مرکز تک کی ہی معروف ومشہور ہوتی ہے۔

مگر آگے بڑھنے سے پہلے یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ نمبر 3 اور نمبر 4 کی رو سے سفر پر روانہ ہوتے وقت سفر اور قصر کی مشروعیت کا خروجِ بلد سے قبل متحقق ہونا اور سفر سے واپس آتے وقت سفر وقصر کی مشروعیت کا دخولِ بلد کے بعد بھی جاری رہنا لازم آتا ہے کیونکہ مرکز کا شہر

میں ہونا تو واضح ہے اور بس اڈے وغیرہ بھی آجکل شہر میں ہوتے ہیں، اور اگر شہر سے باہر ہوں تو پھر حضر و سفر کا جاتے وقت خروجِ بلد کے بعد بھی متحقق نہ ہونا اور واپسی پر سفر و قصر کا دخولِ بلد سے قبل ہی ختم ہو جانا لازم آتا ہے۔

مبدءِ سفر و مبدءِ قصر کے متحد و مختلف اور عرف پر مبنی ہونے سے متعلق وضاحت

ہم نے اپنے رسالہ ''النظر والفکر فی مبدءالسفر والقصر'' میں ایسی متعدد عبارات تحریر کر دی ہیں، جن میں سفر و قصر کا متحد ہونا مذکور ہے، اور کسی بھی جگہ مبدءِ سفر و قصر کے ایک دوسرے سے مختلف ہونے کا ذکر نہیں، لہٰذا مبدءِ سفر کو مبدءِ قصر سے الگ قرار دینے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے، اور جو حضرات دونوں کو الگ قرار دینے کا مؤقف رکھتے ہیں، ان کی طرف سے اس مؤقف پر ابھی تک کوئی معقول دلیل پیش نہیں کی گئی، البتہ اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح کی صراحت کے ساتھ نصوص اور فقہائے کرام کی عبارات میں مبدءِ قصر کا ثبوت ملتا ہے اس طرح کی صراحت کے ساتھ مبدءِ سفر کا ثبوت نہیں ملتا، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو غور کرنے سے اس کی وجوہات درجِ ذیل معلوم ہوتی ہیں:

(**الف**)......مبدءِ سفر و مبدءِ قصر کا خروج من البلد ہونا فقہاء کے درمیان متفق علیہ اور مشہور ہے اور جو چیز فقہاء کے درمیان متفق علیہ اور مشہور ہوتی ہے اسے مفصّلاً اور بار بار ذکر کرنے کے بجائے اُصولی انداز میں کسی خاص جگہ ذکر کر دیا جاتا ہے۔

> ''فقہاء کا اصول یہ ہوتا ہے کہ جو بات اُن کے یہاں متفق علیہ اور معروف و مشہور ہو، اسے تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بجائے کسی ایک جگہ اصولی طور پر بیان کر دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص فقہاء کی عبارتوں میں یہ مسئلہ تلاش کرنا چاہے کہ ''طلاق کا اختیار صرف مرد کو ہے، عورت کو نہیں'' تو ان الفاظ

www.idaraghufran.org

کے ساتھ اسے فقہاء کی تصریحات بہت کم ملیں گی، اس لئے کہ یہ بات اتنی طے شدہ ہے کہ اس کے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں'' (فقہی مقالات جلد۲ صفحہ ۱۶۴، اسلام میں خلع کی حقیقت، مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز کراچی)

(ب)......جب سفرِ شرعی کی تعریف کردی گئی اور اس تعریف میں خروج عن البلد و تغییرِ احکام کی قید واضح طور پر موجود ہے، تو اس سے مبدءِ سفر کا خود بخود ثبوت ہوجاتا ہے، کیونکہ کسی چیز کی تعریف میں جو قیود مذکور ہوتی ہیں وہ تعریف کو جامع کرنے کے ساتھ ساتھ مانع کرنے کے لئے بھی ہوا کرتی ہیں، اگر سفر کی بعض انواع پر یہ تعریف صادق نہ آئے تو تعریف جامع نہیں کہلائے گی، اور اگر بعض غیر سفر کی انواع اس میں داخل ہوجائیں تو تعریف مانع نہیں کہلائے گی۔ [1]

(ج)......مبدءِ سفر کو اگر مبدءِ قصر سے الگ کردیا جائے تو اس پر شرعی قطعِ مسافت سمیت کوئی بھی شرعی حکم مرتب نہیں ہوتا اور جس چیز پر کوئی شرعی حکم ہی مرتب نہ ہو تو اس سے تعرض کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی، جتنی ضرورت کہ اس کے مقابلے میں ایسی چیز کی ہوتی ہے جس پر شریعت کا ایک بلکہ کئی اہم احکام مرتب ہوں۔

(د)......مبدءِ قصر کے مسئلہ کی پوری وضاحت ہوجانے کے بعد مبدءِ سفر کا خود بخود اس مسئلہ ہی سے سمجھ میں آجانا ایک واضح امر ہے جس کی الگ سے زیادہ وضاحت وصراحت کی

---

[1] سفرِ شرعی کی تعریف مفصلاً ہم نے اپنے رسالہ ''النظر والفکر فی مبدءِ السفر والقصر'' میں بیان کردی ہے، یہاں صرف دو حوالوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے:

السفر :فی اللغة :قطع المسافة، وشرعًا :فهو الخروج علی قصد مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها، فما فوقها بسیر الإبل ومشی الأقدام(کتاب التعریفات للجرجانی ،صفحه ۱۱۹، باب السین)

السفر لغة :قطع المسافة، وخلاف الحضر (أی الإقامة) ، والجمع :أسفار، ورجل سفر، وقوم سفر :ذوو سفر.

والفقهاء یقصدون بالسفر :السفر الذی تتغیر به الأحکام الشرعیة وهو :أن یخرج الإنسان من وطنه قاصدا مکانا یستغرق المسیر إلیه مسافة مقدرة عندهم(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۷ ص ۲۶۲، مادة ''صلاة المسافر'')

www.idaraghufran.org

ضرورت نہیں۔

(ھ)...... پہلے زمانے میں اتنے بڑے بڑے شہروں کا وجود شاذ و نادر تھا جتنے بڑے بڑے شہر آج کے دور میں آباد ہوگئے ہیں، اور شاذ و نادر چیزوں پر اس طرح کی صراحت ووضاحت کی عموماً ضرورت نہیں ہوتی، جس طرح کی ضرورت کثیر الوقوع مسائل کے لئے ہوتی ہے۔

(و)......اس طرح کے سفر کی انواع کا وجود پہلے تو بہت کم تھا اور آج بھی ہر مسافر کو اس صورتِ حال سے دوچار نہیں ہونا پڑتا کہ گھر سے فاصلے کا اعتبار کیا جائے تو مدتِ مسافت بن جاتی ہو اور خروجِ بلد سے فاصلے کا اعتبار کیا جائے تو نہ بنتی ہو۔

ان وجوہات کی بناء پر اگر مبدءِ سفر کی وضاحت وصراحت اس انداز کی دستیاب نہ ہو سکے، جس انداز کی مبدءِ قصر کے بارے میں موجود ہے تو کوئی تعجب نہ ہونا چاہئے۔

اس کے بعد عرض ہے کہ اگر یہ بات طے ہوجائے کہ مبدءِ سفر وقصر منصوص ہے، اور جمہور فقہائے کرام کا مبدءِ سفر ومبدءِ قصر کے خروج عن البلد کے ساتھ متحقق ہونے پر اتفاق ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ فقہائے کرام کے درمیان یہ اختلاف کیوں پایا جاتا ہے کہ شہر کے فلاں حصے مثلاً سور البلد سے تجاوز پر قصر شروع ہوگی، یا سور البلد سے باہر کی متصل آبادی سے تجاوز پر شروع ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مبدءِ سفر ومبدءِ قصر کے خروج عن البلد ہونے پر اتفاق کے باوجود حدودِ بلد طے ومتعین کرنے میں اختلاف ہوجانا اصل مبدءِ سفر ومبدءِ قصر میں اختلاف کو مستلزم نہیں، یعنی اگر فقہاء کے درمیان یہ اختلاف ہوجائے کہ شہر کی حدود کہاں پر ختم ہو رہی ہیں اور کہاں پر نہیں اور کون سا حصہ شہر کی حدود میں داخل یا شہر کے تابع ہے اور کونسا حصہ شہر کی حدود سے باہر یا اپنی ذات میں مستقل ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصل مبدءِ سفر ومبدءِ قصر میں اختلاف ہوگیا۔ اس کو مندرجہ ذیل مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے:

www.idaraghufran.org

پہلی مثال: صدقۂ فطر کے صاع یا نصف صاع ہونے پر اتفاق اور اس مسئلہ کے منصوص ہونے کے باوجود اگر اختلاف ہوجائے کہ فلاں جگہ یا فلاں زمانے میں صاع یا نصف صاع کی قیمت اتنے روپے تھی، اور فلاں علاقہ یا فلاں زمانہ میں اتنی تھی، تو اس قیمت کے اختلاف کو منصوص یعنی نصف صاع میں اختلاف نہیں کہا جائے گا بلکہ اپنے اپنے دور اور علاقے کی رائج قیمت سے اس منصوص چیز کے انطباق کا اختلاف کہا جائے گا۔

بعینہٖ اسی طرح یہاں بھی زمان اور مقام کے رواج وعرف اور اجتہاد کے اختلاف سے حدودِ بلد کے تعین میں اختلاف ہوجانے کو اصل منصوص مسئلہ یعنی مبدءِ سفر ومبدءِ قصر کے خروج عن البلد ہونے کا اختلاف قرار نہیں دیا جائے گا۔

دوسری مثال: اگر زوجۂ موطوءۃ کو تین صریح رجعی طلاقیں عدت کے اندر اندر دی جائیں تو نص کی رو سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، لیکن کس وقت کون سے الفاظ صریح بن گئے ہیں، یہ مسئلہ عرف پر مبنی ہے، اب اس چیز میں اختلاف ہونا کہ یہ الفاظ عرف میں صریح بن گئے ہیں یا نہیں بنے، یہ اختلاف نص میں اختلاف نہ کہلائے گا بلکہ عرف کا اختلاف کہلائے گا، چنانچہ کسی خاص لفظ میں عرف کی تبدیلی کو نص کی تبدیلی قرار نہیں دیا جائے گا۔

اور یہاں بھی بعینہٖ یہی کہا جائے گا کہ پہلی چیز اس درجہ کی مجتہد فیہ نہیں جس درجہ کی دوسری چیز مجتہد فیہ ہے۔

تیسری مثال: نص کی رو سے یمین کے ٹوٹنے پر کفارہ واجب ہے، لیکن کون سے الفاظ سے قسم منعقد ہوتی ہے اور کون سے الفاظ سے نہیں، یہ مسئلہ عرف سے متعلق ہے، چنانچہ جن الفاظ سے قسم کے منعقد ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہوجائے تو یہ نص میں اختلاف نہ کہلائے گا بلکہ عرف کا اختلاف کہلائے گا۔

ان مذکورہ مثالوں کی طرح بعینہٖ معاملہ یہاں پر بھی ہے کہ خروجِ بلد کی شرط متحقق ہونے پر مبدءِ قصر ومبدءِ سفر کا تحقق ہوجائے گا، جو کہ منصوص وجمہور کے درمیان متفق علیہ ہے، لیکن

حدودِ بلد کہاں تک پہنچ چکی ہیں، اس کا تعین عرف سے کیا جائے گا اور جب عرف سے حدودِ بلد کا تعین ہو جائے گا تو خروجِ بلد پر مرتب ہونے والا منصوص حکم ''مبدءِ سفر و مبدءِ قصر'' کا بھی حکم لگا دیا جائے گا۔

مختصر الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ حدودِ بلد سے خروج پر مبدءِ قصر و مبدءِ سفر کا مدار نص پر اور حدودِ بلد کا مدار عرف پر ہے۔

اور کسی شہر یا آبادی کی حدود کہاں تک شمار ہوتی ہے، اس میں زمان و مکان کے عرف سے حکم مختلف ہو سکتا ہے، یعنی یہ بات ممکن ہے کہ کسی عرف میں حدودِ بلد کسی نوعیت کی شمار ہوتی ہوں، اور کسی علاقہ میں کسی اور نوعیت کی شمار ہوتی ہیں۔

Idara Ghufran

(پہلا باب)

’’خروجِ بلد‘‘

مبدأِ قصر وسفر کا خروج عن البلد ہونا منصوص ومتفق علیہ ہے

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مبدأِ قصر ومبدأِ سفر کے’’ خروج عن البلد‘‘ ہونے کا مدار بنیادی طور پر نص پر ہے اور کم از کم اس کا مدار عرف پر نہیں ہے، اور اس پر جمہور امت کا اتفاق ہے۔

محدثین ومفسرین اور شراحِ حدیث کی صراحتوں اور کتبِ فقہ کی طرف مراجعت سے ثابت ہوتا ہے کہ مبدأِ قصر وسفر کا اصل مدار نص پر مبنی ہے، کسی عرف وغیرہ پر نہیں۔

آیاتِ قرآنی

قرآن مجید کی رو سے قصر کی رخصت’’ضرب فی الارض‘‘ کے ساتھ مشروط ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

و اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاۃ(سورۃ النساء ، رقم الآیۃ ۱۰۱)

ترجمہ: اور جب تم ضرب کرو زمین میں، تو نہیں ہے تم پر کوئی حرج یہ کہ قصر کرو تم نماز میں (نساء)

ضربتم کی تفسیر مفسرین نے’’سافرتم‘‘ کے ساتھ فرمائی ہے۔

تو مطلب ہوگا کہ جب تم سفر کرو، تو تمہیں نماز کے قصر کرنے میں گناہ نہیں، اس سلسلہ میں چند عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

واذاضربتم ”سافرتم“ (تفسیر الجلالین ،جلد ۱ صفحہ۸۵، سورۃ النسآء، رقم الآیۃ ۱۰۱)

وإذا ضربتم فی الأرض أی سافرتم أی سفر کان(روح المعانی، ج۳ص ۱۳۱، سورۃ النسآء)

وإذا ضربتم فی الأرض أی سافرتم (التفسیرالمظھری جلد۲صفحہ۲۱۱، سورۃ النساء)

وإذا ضربتم فی الأرض أی :سافرتم(تفسیرالبغوی، جلد ۱ صفحہ ۶۸۷، سورۃ النسآء)

وإذا ضربتم فی الأرض یعنی إذا سافرتم فیھا (تفسیرالخازن، جلد ۱ صفحہ ۴۱۷،سورۃ النسآء)

والضرب فی الأرض :السفر(تفسیر زادالمسیرلابن جوزی ،جلد ۱ صفحہ۴۵۹،سورۃ النسآء)

أی إذا سافرتم أی مسافرۃ کانت(تفسیر ابوالسعود،جلد ۲ صفحہ۲۲۴، سورۃ النسآء)

الضرب فی الأرض :ھو السفر(تفسیر الکشاف ،جلد ۱ صفحہ ۵۵۸، سورۃ النسآء)

مذکورہ نص کی رُو سے ضرب فی الارض یا سفر کی شرط پائی جانے پر قصر کا حکم ثابت ہورہا ہے۔

”واذاضربتم“ شرطٌ ”فلیس الخ“جواب (تفسیر حقانی جلد ۲ صفحہ ۱۹۶، سورۃ النسآء)

شرط کے پائے جانے کے وقت مشروط کا پایا جانا مفہوم ہوتا ہے (تفسیر حقانی جلد۲صفحہ ۱۹۷)

Idara Ghufran

ومعنى قوله تعالى وإذا ضربتم أى سافرتم ومفهومه أن القصر مختص بالسفر وهو كذلك (فتح البارى لابنِ حجر، جلد ۲ صفحة ۴۲۹، قوله ابواب صلاة الخوف)

یہ تو سفر کے ایک حکم قصر کا مسئلہ ہے۔ [1]

علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال الله تعالى وإذا ضربتم فى الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة إن خفتم أن يفتنكم الذين كفروا فأباح الله تعالى القصر المذكور فى هذه الآية بمعنيين أحدهما السفر وهو الضرب فى الأرض (احكام القرآن للجصاص) [1]

[1] ج۳ص ۲۲۹، ۲۳۰، سورة النسآء، باب صلاة المسافر.

معلوم ہوا کہ ضرب فی الارض سے مراد سفر ہے۔

اور قرآن مجید کی دوسری آیت کی رو سے سفر کے ایک دوسرے حکم روزہ کے افطار کی رخصت ''سفر'' کے الفاظ کی تصریح کے ساتھ مشروط ہے ''والقرآن يفسر بعضه بعضاً''۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى أَوْ عَلَى سَفَرٍ (سورة النسآء، رقم الآية ۴۳)

فإن كان فى سفر وهو الضرب فى الأرض (تفسير القرطبى، ج۶ ص ۳۴۹، سورة المائدة)

---

[1] اذا ضربتم میں لفظِ اذا جو استعمال ہوا ہے، یہ نحوی اعتبار سے ہمیشہ معنیٰ کے لحاظ سے دو نسبتوں (یعنی جملے) کے لئے ظرف ہوا کرتا ہے اور لفظوں کے اعتبار سے ایک کی طرف مضاف اور دوسرے کے لئے مفعول فیہ ہوا کرتا ہے، پس اذا اپنے مضاف اور مضاف الیہ سے ملکر فلیس علیکم (یعنی حکمِ قصر) کا لفظاً و معناً مفعول فیہ ہے اور وہ ضربتم ہے، جس سے ثابت ہوا کہ قصر کا وقت اذا ضربتم ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جو سفر کا ظرف و وقت ہے وہی قصر کا بھی ظرف و وقت ہے اور مبدءِ قصر بلاشبہ خروج عن البلد کا وقت ہے لہٰذا خروج عن البلد سے قبل سفر کا وجود ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ قصر کا نہ ہونا سفر کے نہ ہونے کو مستلزم ہے اور اگر بالفرض خروج عن البلد سے پہلے کوئی لغوی یا عرفی سفر مان بھی لیا جائے تو اس کا تعلق کسی شرعی حکم یعنی تقصروا۔ تفطروا۔ تمسحوا۔ ثلاثۃ ایام ولیالیھا۔ وغیرہ سے نہیں اور جب اس کا تعلق کسی شرعی حکم سے نہیں تو یہ ہماری بحث سے خارج ہے۔

www.idaraghufran.org

(أو علی سفر) أی مسافرا سفر القصر (تفسیر جلالین ، سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ ۱۸۴)

پس اذاضربتم الخ کا معنیٰ ہوا اذاسافرتم (الیٰ قولہ)تقصروا

اوراحادیث وروایات کی رُو سے واضح طور پرخروجِ بلد سے قبل قصر ثابت نہیں، بلکہ خروج بلد کے بعد ہی ثابت ہے(کماسیأتی)

اوراحادیث کا قرآن مجید کی تشریح ہونا واضح اور مسلمہ اصول ہے،جس کا مطلب یہی ہے کہ سفراوراس کا حکم قصر خروجِ بلد سے ہی متحقق ہوتا ہے۔لہٰذا آیات واحادیث کے مجموعہ سے مبدأ قصروسفروہ کہلائے گا،جس میں خروج عن البلد متحقق ہوگا۔

اس کودوسرے لفظوں میں ہم اس طرح بھی تعبیر کرسکتے ہیں کہ نصِ قرآنی کی رُو سے سفروہ ہے جس سے احکام میں تغیر پیدا ہواورنصِ احادیث کی رُو سے احکام میں تغیر کا ہونا خروجِ بلد سے قبل ثابت نہیں۔

فلھٰذا ایسا سفر جس سے احکام میں تغیر پیدا نہ ہووہ نصوص کی نظر میں سفر نہیں اور جونصوص کی نظر میں سفر ہے،اُس سے احکام میں تغیر پیدا ہوتا ہے،دونوں میں تخلف نہیں ہوتا۔

اور یہ تمام بحث شرعی سفر سے متعلق ہے، برخلاف عُرفی سفر کے کہ وہ مذکورہ نصوص کے موضوع سے خارج ہے،لہٰذامنصوص موقع پراس کے مخالف عرف کوپیش کرنا"وضع الشیئ فی غیر محلہٖ" کے قبیل سے ہے۔

ثبت بالنص أن المراد السفر، وقد قال فی آیۃ أخری :(فمن کان منکم مریضا أو علی سفر)(المبسوط للسرخسی، ج ا ص ۲۳۵،کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

فإن الإقامۃ ضد السفر، والانتقال من أرض إلی أرض یکون ضربا فی الأرض(المبسوط للسرخسی، ج ا ص ۲۳۶،کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

معلوم ہوا کہ ضرب فی الارض یعنی سفر موضعِ اقامت سے منتقل ہونے پر متحقق ہوتا ہے۔

اور بعض فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق جو چیز عبارۃُ النص یا اس سے بھی کم درجہ کے دلالۃُ النص سے ثابت ہو اس میں عرف کی رعایت نہیں کی جاتی، اور عرف کی وجہ سے اس کو ترک نہیں کیا جاتا۔

وما يثبت بدلالة النص فهو كالمنصوص عليه (المبسوط للسرخسي جلد ١٨، كتاب الاقرار، باب الاقرار في المرض)

وما ثبت بالنص أو بدلالته لا يراعى فيه العرف (تبيين الحقائق ج٣ ص ١٠٩، كتاب الايمان)

وما ثبت بالنص أو بدلالته لا يراعى فيه العرف (مجمع الانهر ج ١ ص ٥٤٣، كتاب الأيمان، فصل حروف القسم)

فكان ثابتا بدلالة النص، ومثله لا يترك بالعرف .اهـ (فتح القدير، ج٩ ص ١٠٨، كتاب الاجارات، باب اجارة الفاسدة)

فكان ثابتا بدلالة النص، ومثله لا يترك بالعرف (العناية شرح الهداية، ج٩ ص ١٠٨، كتاب الاجارات، باب الاجارة الفاسدة)

أحدهما أنه ثابت بدلالة النص فلا يترك بالعرف، وهو مختار شمس الأئمة السرخسي (فتح القدير، ج٩ ص ١٠٨، كتاب الاجارات، باب اجارة الفاسدة)

اگر کسی مسئلہ میں ثابت ہو جائے کہ اُس میں وارِدشُدہ نص یا اجماع کسی عرف یا علت پر مبنی تھا اور وہ عرف یا علت بدل جائے تو دوسرے عرف یا علت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

مگر خروجِ بلد کے مسئلہ میں نص واجماع کا مبنیٰ عُرف پر نہیں ہے۔

البتہ حدودِ بلد کا مبنیٰ عرف پر ہے، جیسا کہ آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا۔ [1]

---

[1] ہم نے اپنے مضمون ''النظر والفکر فی مبدءِ السفر والقصر'' میں اس کی وضاحت کردی ہے کہ مبدءِ سفرِ شرعی کی علت ''مفارقت بیوت بقصدِ مسیرۃ معتبرۃ عندالفقهاء'' ہے۔

لأن العلة مفارقة البيوت قاصدا مسيرة ثلاثة أيام لا استكمال سفر ثلاثة أيام بدليل ثبوت حكم السفر بمجرد ذلك فقد تمت العلة لحكم السفر فيثبت حكمه ما لم تثبت علة حكم الإقامة (البحر الرائق، ج٢ ص ١٤٢، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

www.idaraghufran.org

العرف يتغيرمرة بعد مرة فلو حدث عرف آخرلم يقع فى الزمان السابق فهل يسوغ للمفتى مخالفةالمنصوص واتباع العرف الحادث؟قلت نعم......لكن بعد ان يكون المفتى لمن له رأى ونظر صحيح ومعرفة بقواعد الشرع حتى يميز بين العرف الذى يجوز بناء الاحكام عليه وبين غيره (شرح عقود رسم المفتى ،مشمولة مجموعه رسائل ابنِ عابدين ج ا ص ۴۵)

”ضارب فی الارض “یا مسافر خروجِ بلد کے بعد ہوتا ہے

المغنی لابنِ قدامہ میں ہے:

مسألة؛ قال :(إذا جاوز بيوت قريته) . وجملته أنه ليس لمن نوى السفر القصر حتى يخرج من بيوت قريته ، ويجعلها وراء ظهره. وبهذا قال مالک، والشافعي، والأوزاعي، وإسحاق، وأبو ثور، وحكى ذلک عن جماعة من التابعين .وحكى عن عطاء ، وسليمان بن موسى، أنهما أباحا القصر في البلد لمن نوى السفر. وعن الحارث بن أبى ربيعة، أنه أراد سفرا، فصلى بهم فى منزله ركعتين، وفيهم الأسود بن يزيد، وغير واحد من أصحاب عبد الله .وروى عبيد بن جبر، قال :كنت مع أبى بصرة الغفارى فى سفينة من الفسطاط، فى شهر رمضان، فدفع، ثم قرب غذاؤه، فلم يجاوز البيوت حتى دعا بالسفرة، ثم قال :اقترب .فقلت :ألست ترى البيوت؟ قال أبو بصرة :أترغب عن سنة رسول الله -صلى الله عليه وسلم -.فأكل .رواه أبو داود.

ولنا، قول الله تعالى :(وإذا ضربتم فى الأرض فليس عليكم جناح

www.idaraghufran.org

أن تقصروا من الصلاة) ولا يكون ضاربا فى الأرض حتى يخرج، وقد روى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه كان يبتدء القصر إذا خرج من المدينة .قال أنس :صليت مع النبى -صلى الله عليه وسلم -الظهر بالمدينة أربعا، وبذى الحليفة ركعتين . متفق عليه، فأما أبو بصرة فإنه لم يأكل حتى دفع، وقوله :لم يجاوز البيوت :معناه -والله أعلم -لم يبعد منها؛ بدليل قول عبيد له : ألست ترى البيوت؟

قال ابن المنذر :أجمع كل من نحفظ عنه من أهل العلم، أن للذى يريد السفر أن يقصر الصلاة إذا خرج من بيوت القرية التى يخرج منها (المغنى لابنِ قدامة الحنبلى ، ج٢ص ١٩١، ١٩٢، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

فائدہ:......نماز کا قصر ہونا قرآن مجید کی صراحت کے مطابق ضارب فی الارض ہونے کے ساتھ مشروط ہے: لقوله تعالیٰ واذا ضربتم الخ اور ضارب فی الارض اس وقت سمجھا اور قرار دیا جائے گا جبکہ خروج عن بلد ہو جائے گا۔

احادیث وروایات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، اور اس سے پہلے ضارب فی الارض قرار دینے کی صورت میں احادیث وروایات سے تعارض لازم آتا ہے۔

جبکہ قرآن مجید کی تفسیر میں احادیث وروایات کو بڑا دخل ہے، لہٰذا ان احادیث وروایات کو ضارب کی تفسیر مان کر خروج بلد سے تفسیر کی جائے گی، اور ضارب بمعنی خارج کو احادیث وروایات سے اعتضاد حاصل ہونے کی وجہ سے اس معنی کی تعیین کو ترجیح دی جائے گی۔

ابن المنذر کے بقول اہلِ علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ قصر صلاۃ خروج من بیوتِ قریۂ اقامت پر جائز ہے، اس سے پہلے نہیں، گویا کہ مبدأ قصر پر اہل علم کا اجماع ہے اور اجماع

Idara Ghufran

سے ثابت ہونے والی چیز کا جو مقام ہوتا ہے وہ واضح ہے۔

بیوتِ قریہ سے خروج پر ضارب فی الارض یا مسافر ہوتا ہے

قال الامام القرطبی رحمه الله :

واختلفوا متى يقصر، فالجمهور على أن المسافر لا يقصر حتى يخرج من بيوت القرية، وحينئذ هو ضارب في الأرض ، وهو قول مالك في المدونة .ولم يحد مالك في القرب حدا .وروى عنه إذا كانت قرية تجمع أهلها فلا يقصر أهلها حتى يجاوزوها بثلاثة أميال، وإلى ذلك في الرجوع .وإن كانت لا تجمع أهلها قصروا إذا جاوزوا بساتينها .وروى عن الحارث بن أبي ربيعة أنه أراد سفرا فصلى بهم ركعتين في منزله، وفيهم الأسود بن يزيد وغير واحد من أصحاب ابن مسعود، وبه قال عطاء بن أبي رباح وسليمان بن موسى .قلت :ويكون معنى الآية على هذا :(وإذا ضربتم في الأرض)أي إذا عزمتم على الضرب في الأرض والله أعلم(تفسير القرطبي، ج۵ص ۳۵٦، سورة النسآء)

فائدہ:......خروجِ بلد سے قبل قصر کا قول ضعیف اور مرجوح بلکہ سنت واجماع کے خلاف ہے، لہٰذا ”اذا ضربتم“ کے معنیٰ ”اذا عزمتم“ مراد لینا بھی مرجوح ہے، کیونکہ اس معنیٰ کو کسی حدیث وروایت سے اعتضاد حاصل نہیں، اور اس کے برخلاف جمہور سلف وخلف کے قول کو کئی احادیث وروایات سے اعتضاد حاصل ہے۔

لہٰذا ”اذا سافرتم“ کے معنیٰ کو ترجیح حاصل ہوگی، اور قصر کے لئے خروج لازم ہے۔

اس لئے اذا سافرتم کے بجائے ”اذا خرجتم“ سے بھی تفسیر کرنا درست ہوگا۔

Idara Ghufran

آیت میں ’’ضرب‘‘ کی صراحت ہے، اور حدیث میں اس ’’ضرب‘‘ کی تقدیرِ زمانی ومکانی کی صراحت ہے

علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لأن الضرب فی الأرض فی اللغة: عبارة عن السیر فیها مسافرا، یقال ضرب فی الأرض أی: سار فیها مسافرا، فکان الضرب فی الأرض عبارة عن سیر یصیر الإنسان به مسافرا لا مطلق السیر، والکلام فی أنه هل یصیر مسافرا بسیر مطلق من غیر اعتبار المدة؟ وکذا مطلق الضرب فی الأرض یقع علی سیر یسمی سفرا، والنزاع فی تقدیره شرعا والآیة ساکتة عن ذلک وقد ورد الحدیث بالتقدیر فوجب العمل به "والله الموفق "(بدائع الصنائع، ج ا ص ۹۴، کتاب الصلاۃ، فصل بیان ما یصیر به المقیم مسافرا)

فائدہ:......مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی مذکورہ آیت اگرچہ مدتِ مسافت کی تحدید بیان کرنے کے اعتبار سے تو ساکت ہے، لیکن اس بارے میں ناطق ہے کہ سفر ایسے سیر کو کہا جاتا ہے کہ جس میں انسان مسافر بن جائے اور اس کے سیر کو سفر قرار دیا جاسکے۔

مگر جب احادیث خروج بلد سے قصر شروع ہونے اور مدت مسافت پر ناطق ہیں تو نہ صرف یہ کہ ناطق سے ساکت کی تشریح وتفسیر کی جائے گی بلکہ ’’**فوجب العمل به**‘‘ اور پھر اس کے نتیجہ میں خروج بلد کا مبدأ قصر ومبدأ سفر ہونا معلوم ہوگا۔

Idara Ghufran

نبی ﷺ اور شیخین سے مبدءِ قصر و منتہائے قصر کا ثبوت

عن جابر بن زید قال :زعم أبو هريرة أنه كان يسافر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، ومع أبي بكر وعمر من المدينة إلى مكة، كلهم صلى ركعتين حين خرج من المدينة حتى رجع إلى المدينة، في المسير والإقامة بمكة (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۴۵۶۲)

عن جابر بن زيد، قال :كان أبو هريرة يقول :سافرت مع النبي صلى الله عليه وسلم ومع أبي بكر وعمر كلهم صلى حين خرج من المدينة إلى أن يرجع إليها ركعتين في المسير، والمقام بمكة (مسند ابی یعلیٰ الموصلی، رقم الحدیث ۵۸۶۲) [1]

وقال العلامة ظفر احمدعثمانی رحمه الله :

قلت محل الترجمة منه قوله "كلهم صلى من حين يخرج من المدينة" ففيه دلالة ظاهرة على معنى الباب ان القصر ابتداءه من حين يخرج المسافر من بلده، والخروج من البلد انما يتحقق بمفارقة بيوته وعمرانه.والله تعالىٰ اعلم (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۱۰، كتاب الصلاة، باب القصر اذافارق البيوت)

و قال ابن حجر العسقلانی:

ويدل على اختيار الجمهور ما رواه أبو يعلى والطبراني بإسناد

---

[1] قال حسين سليم أسد: إسناده حسن لولا أنه منقطع(حاشية مسند ابی یعلیٰ)

وقال الهيثمي: رواه أبو يعلى والطبراني في الأوسط ورجال أبي يعلى رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۲۹۴۶)

Idara Ghufran

جيد عن أبى هريرة أنه سافر مع النبى صلى الله عليه وسلم ومع أبى بكر وعمر فكلهم كان يصلى ركعتين من حين يخرج من المدينة إلى مكة حتى يرجع إلى المدينة فى السير وفى المقام بمكة (فتح البارى لابنِ حجر، ج۲ص ۵۷۱، ابواب التقصير، قوله باب يقصر إذا خرج من موضعه)

فائدہ:...... مذکورہ بالا دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین مدینہ منورہ شہر سے خروج کے بعد قصر فرمایا کرتے تھے،اور مدینہ منورہ شہر میں واپسی پر داخل ہوتے وقت قصر کی انتہاء ہوتی تھی۔

گویا کہ مبدأ قصر ومنتہائے قصر خروجاًودخولاًمدینہ شہر تھا۔

اسی سے فقہ کا مشہور قاعدہ:

"الاقامة يتعلق بدخول البلدة فالسفريتعلق بخروجها "

بھی ماخوذ ہے۔

اور علامہ ظفر احمد عثمانی کے بیان کردہ الفاظ"**فـفيـه دلالة ظاهرة الخ** "سے واضح ہوا کہ مبدأ قصر کا شہر سے خروج ہونا منصوص ہے،اور جمہور کا یہی مسلک ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بلد سے خروج ''مفارقتِ بیوتِ بلدوعمرانِ بلد کے بغیر''متحقق نہیں ہوتا، اوراس کے تحقق کے بغیر قصر ممکن نہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مدینہ شہر کی جوانتہاءُالابنیۃ تھی،اس میں حضرت ابوبکراور پھراس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور ہوا ہوگا،اوراس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جس مقام کوخروج عن المدینہ سمجھا جاتا تھا،شیخین کے دور میں اس آبادی سے متجاوز ومتعدی مقام کوخروج عن المدینہ سمجھا جاتا ہوگا۔

www.idaraghufran.org

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مبدءِ قصر کا ثبوت

عَنْ أَبِی حَرْبِ بْنِ أَبِی الْأَسْوَدِ :أَنَّ عَلِیًّا خَرَجَ مِنَ الْبَصْرَةِ فَصَلَّى الظُّهْرَ أَرْبَعًا ، ثُمَّ قَالَ :أَمَا إِنَّا إِذَا جَاوَزْنَا هَذَا الْخُصَّ صَلَّيْنَا رَكْعَتَيْنِ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۸۲۵۳، کتاب الصلاة، باب من کان یقصر الصلاة)

قال العلامة ظفراحمد عثمانی رحمه الله :

دلالته على الباب ظاهرة فان عليا رضی الله عنه علق القصر على مجاوزة العمران ومفارقة البيوت (اعلاء السنن ج۷ص ۳۱۰)

فائدہ:......اس سے مبدأ قصر کا مجاوزۃِ عمران ومفارقتِ بیوت پر معلق ہونا منصوص طریقے پر معلوم ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کہ ” انا لو جاوزنا هذاالخص الخ“معلوم ہوا کہ ان کے پاس اس بات کی کوئی سند نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگی۔ [1]

عبد الرزاق عن الثورى عن داود عن أبى حرب بن أبى الأسود الديلى أن عليا لما خرج إلى البصرة رأى خصا فقال لولا هذا الخص لصلينا ركعتين فقلت ما خصا قال بيت من قصب (مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث ۴۳۱۹، کتاب الصلاة، باالمسافر متى يقصر إذا خرج مسافرا؟)

قال العلامة العينى رحمه الله :

---

[1] قال فی اعلاء السنن:

والموقوف فی مثله له حكم الرفع لمافيه من تخصيص الصلاة بمكان دون مكان وهوخلاف القياس المستمرّ فی الصلوات كماقدمنا وقول الصحابی فی مالايدرک بالرأی مرفوع حكماً كماتقرر فی الاصول(اعلاء السنن ج۸ ص ۳۰، ابواب الجمعة، تحقيق قول الصحابی كنا نفعل كذا)

قلت :هو بضم الخاء المعجمة وتشديد الصاد المهملة .قال أبو عمر :روى سفيان بن عيينة وغيره عن أبى إسحاق عن عبد الرحمن بن يزيد، قال :(خرجت مع على بن أبى طالب إلى صفين، فلما كان بين الجسر و القنطرة صلى ركعتين)قال :وسنده صحيح(عمدة القارى، ج۷ص ۱۳۱، كتاب تقصير الصلاة، باب يقصر إذا خرج من موضعه)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد کہ:

" لولاهذاالخص لصلينا ركعتين"

واضح کررہا ہے کہ قصر صلاۃ کے لئے وہاں مانع بیوت وابنیہ کا وجود تھا اور اگران بیوت وابنیہ کا وہاں وجود نہ ہوتا تو آپ وہاں قصر فرماتے ،جس سے صاف طریقہ پرمصراور بلدکی آبادی وابنیہ کی حدود میں مبدأِقصر کا عدمِ جواز ثابت ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جیسے ارشاد کے مستنداور منصوص درجہ کے حامل ہونے کی طرف پہلے اشارہ کیا جاچکا۔

قال العلامة ظفر احمدعثمانى رحمه الله :

بيان ابتداء السفر وانتهائه : مسئلة اذا فارق المسافر بيوت المصر صلى ركعتين عندالائمة الاربعة ، وفى رواية عن مالك : اذاكان من المصرعلى ثلاثة اميال ،وحكى عن الحارث بن ربيعة انه ارادسفراً فصلى بهم ركعتين فى منزله وفيهم الاسود وغيرواحدمن اصحاب عبدالله ، ولناان الاقامة يتعلق بدخول المصر ، فالسفر يتعلق بالخروج منها ، روى ابن ابى شيبة عن على رضى الله عنه انه خرج من البصرة فصلى الظهر اربعاً يعنى قبل التجاوزمن بيوت المصر ، ثم قال لوجاوزناهذاالحصن (وفى

www.idaraghufran.org

رواية "هذا الخص "ولعله تصحيف ، حاشيه) صلينا ركعتين وكذااذا رجع من السفر واراد دخول بلده صلى ركعتين مالم يدخل بيوت مصره ، فاذا دخل البيوت صلى اربعاً اجماعاً ،ذكر البخارى تعليقاً قال "خرج على رضى الله عنه فقصر وهو يرى البيوت ، فلمارجع قيل له هذه الكوفة ،قال لا حتى ندخلها ، يريد انه صلى ركعتين والكوفة بمرأى منهم ، وروى عبدالرزاق قال : اخبرناالثورى عن وقاء بن اياس الاسدى .قال خرجنامع على رضى الله عنه ونحن ننظر الكوفة فصلى ركعتين ،ثم رجعنا فصلى ركعتين وهوينظر الى القرية ،فقلنا: لاتصلى اربعاً ؟ قال لاحتى ندخلها "كذافى المظهرى ج٢ص ٢١٥" (احكام القرآن للتهانوى ج ٢ ص ٣٣٦مولفة: العلامة ظفراحمدعثمانى رحمه الله)

فائدہ:......اس سے بھی معلوم ہوا کہ قصر کی مشروعیت وجوازاورابتداء کے لئے خروج من بیوت المصر اورقصر کی انتہاء کے لئے دخولِ مصرضروری ہے،اور یہ کہ مسئلہ ہذا پرنص موجود ہے،قابلِ غورنکتہ یہ ہے کہ مسئلہ کاعنوان" بيان ابتداء السفر وانتهائه "یعنی"مبدءِ سفرومنتہائے سفرکابیان" قائم کیا گیاہے،نہ کہ"بيان ابتداء القصر وانتهائه "

اوراس عنوان کے تحت معنون میں ابتدائے قصروانتہائے قصریعنی مبدأقصرومنتہائے قصرکاذکر کیا گیاہے،جس کا مطلب سوائے اس کے اورکیا ہوسکتا ہے کہ مبدأسفرکی تعبیرمبدأقصر سے اورمبدأقصرکی تعبیرمبدأسفرسے کرنا دوالگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ مآل کے اعتبار سے دونوں ایک ہی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ مبدءِقصرومنتہائے قصرسے چونکہ مبدءِسفرومنتہائے سفرثابت ہوتا ہے،اس لئے مبدءِقصرومنتہائے قصرکاعنوان مبدءِسفرومنتہائے سفرقائم کیا گیا۔

اور پھر ”الاقامة یتعلق بدخول المصر، فالسفر یتعلق بالخروج منها“ کا اصول مسئلہ کے ضمن میں بیان کرنا ”جبکہ یہ اصول نص سے ہی ماخوذ ہے“ مزید وضاحت کررہا ہے کہ اقامت اور اتمام اور سفر اور قصر ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں۔

لہٰذا سفر وقصر ابتداءً وانتہاءً کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا، نیز ”فاذا دخل البیوت صلی اربعاً اجماعاً“ میں ”اجماعاً“ کے لفظ سے اس مسئلہ کی مضبوطی واضح ہے، منتہائے سفر کے موقع پر ”اجماعاً“ فرمانے اور ”مبدأِ سفر“ کے موقعہ پر نہ فرمانے کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ مبدأ قصر میں حضرت امام مالک کا اختلاف ہے، اور یہ اختلاف بھی ”خروجِ بلد کی بعدیت میں ہے، نہ کہ قبلیت میں“

لہٰذا خروج بلد سے قبلیت میں بھی قصر کے عدمِ جواز میں یقیناً اسی طرح کے اجماع کا موجود ہونا لازم آتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مبدءِ قصر کا ثبوت

عن أنس بن مالک رضی الله عنه، قال :صلی النبی صلی الله علیه وسلم بالمدینة أربعا، وبذی الحلیفة رکعتین، ثم بات حتی أصبح بذی الحلیفة، فلما رکب راحلته واستوت به أهل(بخاری، رقم الحدیث ۱۵۴۶، کتاب الحج، باب من بات بذی الحلیفة حتی أصبح)

قال العلامة ابن حجر رحمه الله :

فیه مشروعیة قصر الصلاة لمن خرج من بیوت البلد (فتح الباری لابنِ حجر، ج ۳ ص ۴۰۷، قوله باب من بات بذی الحلیفة حتی اصبح)

فائدہ:...... معلوم ہوا کہ قصرِ صلاۃ خروجِ بلد کے بعد ہی مشروع ہے اس سے پہلے نہیں۔

اور علامہ عینی اثرِ علی وانس رضی اللہ عنہما کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

مطابقته للترجمة ظاهرة لأن أنسا يخبر في حديثه أن النبی صلى الله عليه وسلم قصر صلاته بعدما خرج من المدينة ، والترجمة هكذا .والمناسبة بينه وبين أثر علی رضی الله تعالى عنه، المذكور من حيث إن أثر علی يدل على أن القصر يشرع بفراق الحضر، وحديث أنس كذلک، لأنه يدل على أنه صلى الله عليه وسلم ما قصر حتى فارق المدينة ، وكان قصره فی ذی الحليفة، لأنه كان أول منزل نزله ولم تحضر قبله صلاة، ولا يصح استدلال من استدل به على إباحة القصر فی السفر القصير لكون بين المدينة وذی الحليفة ستة أميال، لأن ذا الحليفة لم تكن منتهی سفر النبی صلی الله عليه وسلم، وإنما خرج إليها يريد مكة، فاتفق نزوله بها و كانت صلاة العصر أول صلاة حضرت بها فقصرها، واستمر على ذلک إلى أن رجع

(عمدة القاری شرح البخاری ،ج۷ ص ۱۳۱ ،كتاب تقصير الصلاة ،باب يقصر إذا خرج من موضعه)

فائدہ:......اثرِعلی اورحدیث انس کی دلالت قصر کی مشروعیت کے فراق عن الحضر ہونے پر ظاہر ہے، اور یہ شان منصوص کی ہوتی ہے،اورفراقِ حضر بلد میں رہتے ہوئے ممکن نہیں، کیونکہ حضروا قامت کوفراق خروج بلد سے قبل حاصل نہیں ہوتا،حضرسفر کی ضد ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج من المدینہ کے بعد ذوالحلیفہ میں قصر فرمانے کی وجہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر نماز کا وقت ذوالحلیفہ میں داخل ہونے سے پہلے اورخروج مدینہ کے بعد آ جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے بھی قصر فرما سکتے تھے،کیونکہ مبدأِ قصر مدینہ سے خروج ہی تھا۔

www.idaraghufran.org

مبدءِ قصر حدیث کے فوائد سے ظاہر ہے

عون بن أبی جحیفة، عن أبیه، قال :أتیت النبی صلی الله علیه وسلم بمكة وهو بالأبطح فی قبة له حمراء من أدم، قال :فخرج بلال بوضوئه، فمن نائل وناضح، قال :فخرج النبی صلی الله علیه وسلم علیه حلة حمراء كأنی أنظر إلی بیاض ساقیه، قال :فتوضأ وأذن بلال، قال :فجعلت أتتبع فاه ها هنا وها هنا -یقول :یمینا وشمالا -یقول :حی علی الصلاة حی علی الفلاح .قال :ثم ركزت له عنزة، فتقدم فصلی الظهر ركعتین، یمر بین یدیه الحمار والكلب، لا یمنع ثم صلی العصر ركعتین، ثم لم یزل یصلی ركعتین حتی رجع إلی المدینة (مسلم ،رقم الحدیث ۵۰۳ "۲۴۹"، کتاب الصلاۃ، باب سترۃ المصلی)

فی فتح الباری شرح البخاری:

وفی الحدیث من الفوائد: التماس البركة مما لامسه الصالحون ووضع السترة للمصلی حیث یخشی المرور بین یدیه والاكتفاء فیها بمثل غلظ العنزة وأن قصر الصلاة فی السفر أفضل من الإتمام لما یشعر به الخبر من مواظبة النبی صلی الله علیه وسلم علیه وأن ابتداء القصر من حین مفارقة البلد الذی یخرج منه

(فتح الباری ج ۱ ص ۵۷۴، کتاب الصلاۃ ،باب سترۃ الامام سترۃ من خلفهٗ)

فائدہ:......مبدأ قصر کا مفارقتِ بلد سے ہونا حدیث کے فوائد سے ظاہر ہو رہا ہے، جو عرف کے بجائے نص پر مبنی ہونے کی دلیل ہے۔

www.idaraghufran.org

قصر، سفر متحقق ہونے پر اور اتمام، حضر متحقق ہونے پر ہوگا

وخرج على بن أبى طالب عليه السلام :فقصر وهو يرى البيوت، فلما رجع قيل له هذه الكوفة قال :لا حتى ندخلها.

حدثنا أبو نعيم، قال :حدثنا سفيان، عن محمد بن المنكدر، وإبراهيم بن ميسرة، عن أنس بن مالک رضی الله عنه، قال : صليت الظهر مع النبى صلى الله عليه وسلم بالمدينة أربعا، وبذى الحليفة ركعتين.

حدثنا عبد الله بن محمد، قال :حدثنا سفيان، عن الزهرى، عن عروة، عن عائشة رضى الله عنها، قالت :الصلاة أول ما فرضت ركعتين، فأقرت صلاة السفر، وأتمت صلاة الحضر (صحيح بخارى،رقم الحديث ١٠٨٩، ١٠٩٠،كتاب تقصير الصلاة ،باب يقصر إذا خرج من موضعه)

قال الحافظ ابن حجر:

ومناسبة أثر على لحديث أنس ثم لحديث عائشة أن حديث على دال على أن القصر يشرع بفراق الحضر وكونه صلى الله عليه وسلم لم يقصر حتى رأى ذا الحليفة إنما هو لكونه أول منزل نزله ولم يحضر قبله وقت صلاة ويؤيده حديث عائشة ففيه تعليق الحكم بالسفر والحضر فحيث وجد السفر شرع القصر وحيث وجد الحضر شرع الإتمام(فتح البارى ،جلد٢ ص ٥٧٠،كتاب تقصير الصلاة ، باب يقصر اذاخرج من موضعه)

www.idaraghufran.org

فائدہ:...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ قصر مشروع ہے فراقِ حضر پر۔

اور حدودِ بلد میں سفر کے شروع ماننے سے ،قصر کا حضر میں شروع ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ حضر کے لئے اتمام لازم ہے اور سفر کے لئے قصر لازم ہے۔

حضرت علی ،حضرت انس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں سے سفر اور حضر کے حکم کی تعلیق معلوم ہوتی ہے ،جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں اور جب بھی سفر پایا جائے گا قصر مشروع ہوگا ،اور جہاں اور جب بھی حضر پایا جائے گا اتمام مشروع ہوگا، حضر و سفر ایک دوسرے کی ضد ہیں اور تیسری کسی حالت کا وجود نہیں ہے۔

لیس إلا سفر أو إقامة بالنص والمعقول (المحلیٰ بالآثار لابنِ حزم، ج۳ص ۲۱۲، کتاب الصلاۃ، صلاۃ المسافر)

ما لا تقصر الصلاۃ فیه أحکامه أحکام الحضر (المغنی لابن قدامۃ، ج۸ص۱۶۷، کتاب العدد، مسألۃ خرجت المرأۃ إلی الحج فتوفی عنها زوجها وهی بالقرب)

معلوم ہوا کہ سفر اور قصر کا وجود اور عدم ایک ساتھ ضروری ہے، خواہ حقیقی سفر ہو یعنی مباشرۃً یا حکمی مثلاً وطنِ سفر میں مدتِ اقامت سے کم قیام کی صورت میں ہو۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں قصر فرمانا

وفی الموطأ:

مالک، عن نافع؛ أن عبد الله بن عمر، کان إذا خرج حاجا، أو معتمرا، قصر الصلاة بذی الحلیفة (موطأ امام مالک، رقم الحدیث ۴۸۹، کتاب السھو، ما یجب فیه قصر الصلاۃ)

یہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ہے، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ

www.idaraghufran.org

وسلم کے ساتھ سفر کیا ہے۔

عن عيسى بن حفص بن عاصم، قال :حدثني أبي :أنه سمع ابن عمر، يقول :صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان لا يزيد في السفر على ركعتين، وأبا بكر، وعمر، وعثمان كذلك رضي الله عنهم (بخارى، رقم الحديث ١١٠٢، ابواب تقصير الصلاة، باب من لم يتطوع فى السفر دبر الصلاة وقبلها)

وفی الاوجز:

(قصر الصلوٰة بذی الحليفة) احدالمواقيت للحج قال ياقوت الحموى بالتصغير والفاء قرية بينها وبين المدينة ستة اميال اوسبعة وهومن مياه جشم بينهم وبين خفاجة من عقيل اه قال ابوعمر كان ابن عمر يتبرک بالمواضع الماثورة بكل مايمكنه ولماعلم انه ﷺ قصر العصر بذى الحليفة حين خرج الى الحج فعل مثله واما اذاخرج ابن عمر فى غير الحج والعمرة يقصر اذاخرج من بيوت المدينة كمارواه عنه نافع اه مختصراً .فعلم بذالک ان قصره بذى الحليفة كان لمجرد اتباعه ﷺ لالاجل انه لايبيح القصر قبل ذالک (اوجز المسالک ج ٢ ص ٧٠و ٧١، کتاب الصلاة، باب مايجب فيه قصر الصلاة، مطبوعه: مكتبه امداديه ملتان)

فائدہ:......معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حج وعمرہ کے سفر میں ذوالحلیفہ میں قصر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع حاصل کرنے کے لئے فرمائی تھی، ورنہ اس سے پہلے بھی خروج من المدینہ کے بعد قصر فرما سکتے تھے، کیونکہ اصلاً مبدأِ قصر وہی تھا۔

یہی وجہ ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ دیگر اسفار میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیوتِ مدینہ سے

خروج کے وقت یعنی اصل مبدأ سے ہی قصر فرماتے تھے۔

اور یہ دونوں عمل اپنی جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی وجہ سے تھے۔

لہٰذا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے بھی مبدأ قصر کا اصلاً خروجِ بلد ہونا معلوم ہوا (وکفیٰ بنا قدوۃً)

حدیث ”من تأهل فی بلد“

حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن بن أبی ذباب، عن أبيه :أن عثمان بن عفان صلى بمنى أربع ركعات، فأنكره الناس عليه، فقال :يا أيها الناس، إنی تأهلت بمكة منذ قدمت، وإنی سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول " :من تأهل فی بلد فليصل صلاة المقيم(مسند احمد، رقم الحديث ۴۴۳)

فائدہ:......اس حدیث میں بلد کی قید بتلا رہی ہے کہ مقیم اپنے شہر کی حدود میں اتمام کرے گا نہ کہ قصر۔ مگر اس حدیث کو بعض اہلِ علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

حضرت ابنِ عمر کا بیوتِ مدینہ سے خروج ودخول پر قصر کی ابتداء وانتہاء کرنا

عبد الرزاق،عن عبد الله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر، أنه كان يقصر الصلاة حين يخرج من بيوت المدينة، ويقصر إذا رجع حتى

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده ضعيف، عكرمة بن إبراهيم الباهلی، قال الحسينی :ليس بالمشهور، وقال أبو زرعة العراقی :لا أعرف حاله، وعبد الرحمن بن أبی ذباب لم يعرف(حاشية مسند احمد)

www.idaraghufran.org

یدخل بیوتها " (مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث ۴۳۲۳، کتاب الصلاۃ، باب: المسافر متی یقصر إذا خرج مسافرا؟)

دلالتهٗ علی الباب ظاهرة (اعلاء السنن ج۷ ص ۳۱۱باب القصر الیٰ ان یدخل موضع الاقامۃ)

فائدہ:......ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا بیوتِ مدینہ سے خروج سے قصر کی ابتداء اور رجوع پر قصر کی انتہاء فرمانے سے معلوم ہوا کہ اقامت والے شہر کی حُدود میں قصر نہیں ہے، بلکہ اس کی حدود سے باہر ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یقیناً گھر سے خروج، خروج من بیوتِ المدینہ سے قبل ہی ہوتا ہے۔

اثر ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کہ مبدءِ سفر ''خروج عن البلدۃ'' ہے

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ :إِنِّي لَأُسَافِرُ السَّاعَةَ مِنَ النَّهَارِ فَأَقْصُرُ (مصنف ابنِ ابی شیبۃ، رقم الحدیث ۸۲۲۳، کتاب الصلاۃ، باب فی مسیرۃ کم تقصر الصلاۃ)

حَدَّثَنَا يَحْيَى، ثنا أَبُو بَكْرٍ، ثنا وَكِيعٌ، ثنا مِسْعَرٌ، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ، قَالَ :سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ، يَقُولُ :إِنِّي لَأُسَافِرُ السَّاعَةَ مِنَ النَّهَارِ فَأَقْصُرُ(الاوسط لابن المنذر، رقم الحدیث ۲۲۷۰)

وروى بن أبي شيبة عن وكيع عن مسعر عن محارب سمعت بن عمر يقول إني لأسافر الساعة من النهار فأقصر وقال الثوري سمعت جبلة بن سحيم سمعت بن عمر يقول لو خرجت ميلا قصرت الصلاة إسناد كل منهما صحيح (فتح الباری لابنِ حجر،

Idara Ghufran

ج۲ص۷۶۵، قوله باب فی کم یقصر الصلاۃ)

المراد به ان ابتداء السفر بالخروج عن البلدة وان القصر لایتوقف علی قطع مسافة السفر بل یجب بابتدائه وهذاظاهرمن الفاظ الاثرین کمالایخفی علی عاقل فعبرالابتداء بالسفر بقوله "لاسافرالساعة من النهار" مرة وبالخروج میلااخری (اعلاء السنن ج ۷ ص ۲۷۳، بیان مسافة القصر، کتاب الصلاة)

فائدہ:......اس سے معلوم ہوا کہ مبدأِ سفر خروج عن البلدۃ ہے اور قصر کا وجوب مبدأ سفر کے ساتھ وابستہ ہے۔

لہٰذا مبدأِ قصر و مبدأِ سفر ایک ہی ہے اور وہ خروج عن البلدۃ ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک مسافر ہونے کے لئے ''مفارقت عن بُنیانِ بلد'' ضروری ہے

قال الامام النووی رحمه الله :

وأما ابتداء القصر فیجوز من حین یفارق بنیان بلده أو خیام قومه إن کان من أهل الخیام هذا جملة القول فیه وتفصیله مشهور فی کتب الفقه هذا مذهبنا ومذهب العلماء کافة إلا روایة ضعیفة عن مالک أنه لا یقصر حتی یجاوز ثلاثة أمیال وحکی عن عطاء وجماعة من أصحاب بن مسعود أنه إذا أراد السفر قصر قبل خروجه وعن مجاهد أنه لا یقصر فی یوم خروجه حتی یدخل اللیل وهذه الروایات کلها منابذة للسنة وإجماع السلف والخلف .... والأحادیث المطلقة مع ظاهر القرآن متعاضدات علی

Idara Ghufran
www.idaraghufran.org

جواز القصر من حين يخرج من البلد فإنه حينئذ يسمى مسافرا، واللہ اعلم (شرح النووی علیٰ مسلم، ج۵ص۲۰۰، ۲۰۱، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا)

فائدہ:......محدثِ عظیم امام نووی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ مبدأِ قصر علماءِ کافہ کے مذہب کے مطابق مفارقتِ بنیانِ بلد ہے اور اس کے خلاف مبدأ قصر کو خروجِ بلد سے قبل قرار دیئے جانے والی روایت سمیت دیگر روایات سنت، اور اجماعِ سلف وخلف کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا قابلِ اعتبار ہیں، نیز اس مسئلہ کو احادیثِ مطلقہ کے ساتھ ظاہرِ قرآن سے بھی تقویت حاصل ہے اور انسان مسافر ہونے کے ساتھ بھی اس وقت مسمّٰی ومتصف ہوتا ہے، جب آبادی سے نکل جائے، اور سفر کا آغاز بھی اسی وقت ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ انسان شہر میں رہتے ہوئے سواری میں بیٹھنے کے بعد مسافر سمجھا جاتا ہے، محلِّ نظر ہے۔

مبدءِ قصر کا مفارقتِ بیوت ہونا متفق علیہ ہے

فتح الباری شرح بخاری میں ہے:

قال بن المنذر أجمعوا على أن لمن يريد السفر أن يقصر إذا خرج عن جميع بيوت القرية التي يخرج منها واختلفوا فيما قبل الخروج عن البيوت فذهب الجمهور إلى أنه لا بد من مفارقة جميع البيوت وذهب بعض الكوفيين إلى أنه إذا أراد السفر يصلي ركعتين ولو كان في منزله ومنهم من قال إذا ركب قصر إن شاء ورجح بن المنذر الأول بأنهم اتفقوا على أنه يقصر إذا فارق البيوت واختلفوا فيما قبل ذلك فعليه الإتمام على أصل ما كان

علیه حتی یثبت أن له القصر قال ولا أعلم النبی صلی الله علیه وسلم قصر فی شیء من أسفاره إلا بعد خروجه عن المدینة

(فتح الباری لابنِ حجر، ج۲ ص ۵۶۹،قوله باب یقصر إذا خرج من موضعه)

علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے،اور بعض دیگر حضرات سے بھی اس طرح کی تفصیل منقول ہے۔ [1]

فائدہ:......اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک قصر کے لئے مفارقت جمیعِ بیوت ضروری ہے،سواری پرسوار ہونا معتبر نہیں اور جب اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ مفارقتِ بیوت پر قصر متحقق ہوجاتا ہے اوراس سے پہلے بعض حضرات کا اختلاف ہے تو اصول اور قاعدہ کا تقاضا اتمام کرنے کا ہے،کیونکہ اتمام اصل ہے اوراصل سے ہٹنے کے لئے ثبوت درکار ہے اور مفارقتِ بیوت سے پہلے ثبوت ندارد ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوراسی طرح صحابۂ کرام وخلفائے راشدین سے خروج مدینہ سے قبل کسی بھی سفر میں قصر کا ثبوت نہیں ملتا،جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف غزوات وغیرہ اور صحابۂ کرام کا مختلف سریات وغیرہ کے لئے بکثرت اسفار کرنا ثابت ہے۔

آبادی کی حدود سے نکلے بغیر قصر جائز نہیں

قال الملا علی القاری رحمه الله:

السفر لغة :قطع المسافة، ولیس کل قطع تتغیر به الأحکام من جواز الإفطار وقصر الرباعیة وغیرهما ، فاختلف العلماء فیه

---

[1] اجمعوا علیٰ ان ابتداء قصر الصلاۃ یجوز من حین یفارق المسافر بنیان بلدہ اوخیام قومہٖ ان کان من اهل الخیام وفی روایة ضعیفة عن مالک انہٗ لایقصر حتی یجاوز ثلاثة امیال (موسوعة الاجماع فی الفقه الاسلامی،جلد۲ صفحة ۶۶۰،للسعدی ابو الجیب . مطبوعة:دارالفکر دمشق، و نیل الاوطار للشوکانی، ج۳ص۲۴۷،ابواب صلاۃ المسافر،باب الرد علی من قال إذا خرج نهارا لم یقصر إلی اللیل)

www.idaraghufran.org

شرعا فقال أبو حنيفة :هو أن يقصد مسافة ثلاثة أيام ولياليها بسير وسط، وقال مالک، والشافعی، وأحمد :هو مسيرة مرحلتين بسير الأثقال، وذلک يومان أو يوم وليلة ستة عشر فرسخا أربع برد، وقال الأوزاعی :يقصر فی مسيرة يوم، وقال داود :يجوز القصر فی طويل السفر وقصيره......اعلم أنه لا يجوز القصر إلا بعد مفارقته بنيان البلد عند أبی حنيفة، والشافعی، وأحمد، ورواية عن مالک، وعنه أنه يقصر إذا كان من المصر على ثلاثة أميال، وقال بعض التابعين :إنه يجوز أن يقصر من منزله (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح، ج۳ص ۹۹۹، كتاب الصلاه،باب صلاة السفر)

فائدہ:......ملا علی قاری کی مذکورہ تصریح سے واضح ہوا، کہ بے شک سفر لغت میں قطعِ مسافت کو کہتے ہیں، لیکن ہر قطع مسافت سے شرعی احکام (مثلاً قصر وغیرہ) میں تغیر پیدا نہیں ہوتا، بلکہ وہ قطعِ خاص ہے، جس میں اگرچہ فقہائے کرام کے مابین اختلاف ہے لیکن جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قصر مفارقتِ بنیانِ بلد کے بعد ہی جائز ہوتی ہے۔

البتہ بعض تابعین کے قول کے مطابق سفر کا ارادہ کر لینے کے بعد گھر سے ہی قصر کرنا جائز ہے۔

لیکن یہ قول مرجوح بلکہ مہجور ہے۔

سفر کا تحقق آبادی سے نکلنے پر ہوگا

المجموع شرح المہذب میں ہے:

لم يجز له القصر حتى يفارق بنيان ذلک البلد نص عليه الشافعی واتفق عليه الأصحاب لأنه صار مقيما فلا يصير مسافرا إلا

بالشروع فی حقیقة السفر (المجموع شرح المهذب، ج۴ص۳۶۴، باب صلاۃ المسافر)

اورالفقه علی المذاهب الاربعة میں ہے:

لا یصح للمسافر أن یقصر الصلاة قبل أن یشرع فی سفره ویفارق محل إقامته بمسافة مفصلة فی المذاهب (الفقه علی المذاهب الاربعة للجزیری، ج۱ ص۴۳۱، کتاب الصلاة، مباحث قصر الصلاة الرباعیة،المکان الذی یبدأ فیه المسافر صلاة القصر)

فائدہ: مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ بنیانِ بلدومحل اقامت سے مفارقت سے قبل قصرکرنااس لئے جائز نہیں کہ اس سے پہلے حقیقتِ سفرکاآغاز ہی نہیں ہوتایعنی مبدءِ سفرکاتحقق نہیں ہوتا۔

کیا قصرسواری پرسوار ہونے سے متحقق ہوگا یا آبادی سے نکلنے پر؟

وقال العلامة الشیخ خلیل احمد سهارنبوری رحمه الله :

اذا خرج الرجل من بیته اورکب راحلته لقصد السفر هل یجوزله القصر او اذا فارق بیوت بلده او اذابلغ ستة امیال اوثلاثة امیال ......قال العینی ماحاصله ان العلماء اختلفوا فی هذاالباب فعندنا اذا فارق المسافر بیوت المصر یقصر وقال الشافعی فی البلد یشترط مجاوزة السور لامجاوزة الابنیة المتصله بالسور خارجة ......وان لم یکن فی جهة خروجه سور اوکان فی قریة یشترط مفارقة العمران (بذل المجهود ج ۲ ص

۱۲۳۱، کتاب الصلاۃ، باب متی یقصر المسافر)

فائدہ:......اس عبارت سے معلوم ہوا کہ گھر سے نکلنے اور یہاں تک کہ سواری پر سوار ہوجانے کے باوجود بھی جمہور کے نزدیک قصر کی اجازت نہیں، بلکہ بیوت بلد سے مفارقت ضروری ہوگی۔

لہٰذا شہر کی حدود میں رہتے ہوئے بس اڈے وغیرہ سے سواری میں سوار ہوجانے کے بعد سفر اور قصر کا حکم لگانا جمہور کے خلاف کہلائے گا۔

مسافر کا اطلاق ہونے پر قصر کا حکم لاگو ہوگا

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقال تعالى :(وإذا ضربتم في الأرض :فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة) فكان لهم :أن يقصروا مسافرين وكان -في شرط القصر لهم :بحال موصوفة -.

دليل :على أن حكمهم في غير تلك الصفة :غير القصر

(احکام القرآن للشافعی، ج ۱ ص ۲۵۹، سورۃ البقرۃ)

فائدہ:......امام شافعی رحمہ اللہ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ قصر مسافرت کی حالت کے ساتھ متصف ہونے کی صورت میں خاص ہے اور یہ حالت نہ ہو تو پھر قصر نہیں۔

اور قصر کا مبدأ خروجِ بلد ہے، لہٰذا مسافرت کے ساتھ متصف بھی خروج کے بعد ہی قرار دیا جاسکتا ہے اس سے پہلے نہیں۔

محض چل پڑنے یا سوار ہوجانے سے مسافر نہ ہوگا

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

IdaraGhufran

النوع الثالث :في اختلاف العلماء في هذا الباب، فعندنا إذا فارق المسافر بيوت المصر يقصر ، وفي (المبسوط) : يقصر حين يخلف عمران المصر، وفي (الذخيرة) : إن كانت لها محلة منتبذة من المصر وكانت قبل ذلك متصلة بها فإنه لا يقصر ما لم يجاوزها، ويخلف دورها بخلاف القرية التي تكون بفناء المصر، فإنه يقصر وإن لم يجاوزها .وفي (التحفة) : المقيم إذا نوى السفر ومشى أو ركب لا يصير مسافرا ما لم يخرج من عمران المصر، لأن بنية العمل لا يصير عاملا ما لم يعمل ، لأن الصائم إذا نوى الفطر لايصير مفطرا .وفي (المحيط) : والصحيح أنه تعتبر مجاوزة عمران المصر إلا إذا كان ثمة قرية أو قرى متصلة بربض المصر، فحينئذ تعتبر مجاوزة القرى (عمدة القارى شرح البخارى، ج ٧ ص ١٣١، كتاب تقصير الصلاة ،باب يقصر اذاخرج من موضعه)

فائدہ:......محدث عظیم علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی خروجِ بلد کو ہی مبدأ قصر قرار دیا ہے، اور اس سے اختلاف کرنے والوں کی رائے کا مرجوح ہونا معلوم ہو ہی چکا۔

اور یہاں " لان بنية العمل لايصير عاملاً مالم يعمل " ایک فقہی قاعدے اور اصول کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ عمرانِ مصر سے خروج سے قبل مشی اور رکوب کے باوجود مسافر نہ ہوگا، یعنی مبدءِ سفر خروج مصر سے قبل نہ ہوگا۔

قصر، سفر کا حکم ملحق ہونے سے خصوصیت رکھتا ہے

امام طحاوی رحمہ اللہ چند روایات تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ولـما ثبت أن التقصير إنما يجب له بحكم السفر خاصة لا بغيره ، ثبـت أنـه يـقـصر ما كان مسافرا فی الأمصار وفی غيرها لأن العلة التی لهـا تـقـصـر فی السفر الذی لم يخرج منه بدخوله الأمصار . وجميع ما بينا فی هذا الباب وصححنا ، هو قول أبی حنيفة ، وأبی يوسف ، ومحمد ، رحـمهم الله تعالی (شرح معانی الآثار، ج ۱ ص ۴۲۷، کتاب الصلاة باب صلاة المسافر)

اورعلامہ ابنِ ہمام فرماتے ہیں کہ:

حيـث لـم تثبـت فيـه رخـصة السفر ولا هو سفر حقيقة (فتح القدير، ج ۲ ص ۲۹، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

فائدہ:......اس سے بھی معلوم ہوا کہ تقصیر کا حکم روایات کی روشنی میں سفر کے ساتھ خاص ہے اور قصر کی علت بھی سفر ہے، قصر اور سفر کا الگ ہونا ممکن نہیں، مبدأ سفر سے مبدأ قصر ہوگا اور منتہائے سفر پر منتہائے قصر ہوگا خواہ سفر کا عمل (غیر اقامت والی) آبادی میں ہو یا جنگل میں اور ''لم يخرج منه بدخوله الامصار '' کے ذریعہ سے امام طحاوی دراصل اس قول کی تردید فرمارہے ہیں جس کے مطابق قصر کا حکم کسی بھی قسم کی آبادی اور شہر میں لاگو نہ ہوگا۔ بلکہ آبادی کے علاوہ جنگل وغیرہ میں ہوگا آپ نے اس قول کی اس طرح تردید فرمائی'' ثبت انه يقصر الخ ''اور جب سفر اور قصر ایک دوسرے کے ساتھ خاص اور گویا کہ لازم ملزوم ہیں تو مبدأ و منتہاء بھی دونوں کا متحد ہوگا۔

قصر، آبادی سے نکل جانے کی قید سے مقید ہے

علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ مختلف روایات مدتِ مسافت کے بارے میں لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

ثم إن الصحيح فی ذلک (ای القصر. ناقل) أنه لا يتقيد بمسافة بل

www.idaraghufran.org

بـمجاوزة البلد الذی یخرج منها (فتح الباری لابنِ حجر، ج ۲ ص ۵۶۷، ابواب التقصیر، قوله باب فی کم یقصر الصلاة)

فائدہ:......مدتِ مسافت سے اختلاف کے باوجود قصر کے بارے میں علامہ ابن حجر کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ:

”انہٗ......بمجاوزة البلد الذی یخرج منها“

آبادی سے نکلتے ہی مسافر ہوجائے گا

مبسوط سرخسی میں ہے:

(وإذا ضربتم فی الأرض فلیس علیکم جناح)الآیة، فإثبات التقدیر یکون زیادة ولکنا نقول :ثبت بالنص أن المراد السفر ، وقد قال فی آیة أخری :(فمن کان منکم مریضا أو علی سفر)والخارج إلی حانوت أو إلی ضیعة لا یسمی مسافرا، فلا بد من إثبات التقدیر لتحقیق اسم السفر .

وإنما قدرنا بثلاثة أیام لحدیثین :أحدهما قوله -صلی الله علیه وسلم -لا تسافر المرأة فوق ثلاثة أیام ولیالیها إلا ومعها زوجها أو ذو رحم محرم منها معناه ثلاثة أیام، وکلمة فوق صلة کما فی قوله تعالی :(فاضربوا فوق الأعناق)وهی لا تمنع من الخروج لغیره بدون المحرم، وقال -صلی الله علیه وسلم :-یمسح المقیم یوما ولیلة والمسافر ثلاثة أیام ولیالیها فهو تنصیص علی أن مدة السفر لا تنقص عما یمکن استیفاء هذه الرخصة فیها............فإذا جاوز عمران المصر صار مسافرا لاقتران النیة بعمل السفر،

Idara Ghufran

والأصل فيه حديث علی -رضی الله تعالى عنه -حين خرج من البصرة يريد الكوفة صلى الظهر أربعا ثم نظر إلى خص أمامه فقال :لو جاوزنا ذلک الخص صلينا ركعتين (المبسوط للسرخسی، ج ۱ ص ۲۳۶، کتاب الصلاة ، باب صلاة المسافر)

فائدہ:......مذکورہ عبارت میں ضربتم کی تفسیر''**سافرتم**'' سے کی گئی ہے اور خود اس تفسیر کی دلیل قرآن مجید کی دوسری آیت''**على سفر** '' سے پیش کی گئی ہے جہاں اگر چہ رخصتِ صلاۃ کے بجائے رخصتِ صوم کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، لیکن کیونکہ رخصتِ صلاۃ ورخصتِ صوم دونوں سفرِ شرعی پر مرتب ہونے والے احکامات میں سے ہیں، اسی لئے جس مقام پر قصرِ صلاۃ کے لئے شرعاً رخصت ہوگی ، اسی جگہ صوم کے لئے بھی شرعاً رخصت ہوگی، یعنی دونوں رخصتوں کا مبدأ ایک ہی ہوتا ہے۔

پھر اس کے بعد مدتِ مسافت''تین دن اور تین رات'' پر جن دو روایات سے مذکورہ عبارت میں استدلال کیا گیا ہے، ان میں بھی سفر کی تصریح ہے۔''**فی قوله : لاتسافر** ''''وفی **قوله : المسافر** ''جب قرآن مجید کی مذکورہ دونوں آیات اور دونوں حدیثوں کے مجموعہ پر نظر کی جائے گی تو واضح طور پر معلوم ہوگا کہ سفر ہی وہ چیز ہے جس کے نتیجہ میں (صلاۃ وصوم وغیرہ) احکام میں رخصت ملتی ہے۔

لہٰذا جہاں سے رخصت ملے گی وہ اس سفر کا تقاضہ اور اثر اور گویا کہ مبدأ ہوگا۔

اور مذکورہ عبارت میں پھر جو آگے ''**فاذا جاوز عمران المصر صار مسافرا** ''فرما کر یہ فرمایا گیا کہ:

'' **والاصل فيه حديث علی الخ**''

اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ عمران المصر سے تجاوز کی بنیاد عرف وغیرہ کے بجائے مذکورہ نص پر ہے۔

Idara Ghufran

آبادی سے نکل جائے، تو قصر کرے

علامہ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أما الأول فإنه يقصر إذا فارق بيوت المصر لما روى أنه -عليه الصلاة والسلام -قصر العصر بذى الحليفة وروى عن على -رضى الله عنه -أنه قال لو جاوزنا هذا الخص لقصرنا (تبيين الحقائق ، ج ا ص ۲۰۹ ،كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر)

فائدہ:......"اذا فارق بیوت المصر" کے بعد "لماروی" فرما کر بیوتِ مصر سے مفارقت کی بنیاد مذکورہ نص پیش کی گئی ہے۔

ایک اور مقام پر بھی اسی نص کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

روى ابن أبى شيبة عن على -رضى الله عنه -أنه خرج من البصرة فصلى الظهر أربعا ثم قال إنا لو جاوزنا هذا الخص لصلينا ركعتين (تبيين الحقائق، ج ا ص ۲۲۳ ، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

تبیین الحقائق میں ہی ہے:

ثم الأصل فى القصر قوله تعالى (وإذا ضربتم فى الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة)الآية وقد انتسخ التعليق بخوف الفتنة بالإجماع فبقى عاما وبعمومه أخذ نفاة القياس فلم يقدروه بمدة، وهو مذهب داود والصحيح أنه مقدر به؛ لأن مطلق الضرب فى غير الأرض غير مراد بالإجماع .اهـ (تبيين الحقائق ، ج ا ص ۲۰۹ ، كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر)

فائدہ:......علامہ زیلعی نے یہاں بھی قصر کے سلسلہ میں نص کو پیش فرمایا ہے اور یہ بھی بتلادیا

کہ مذکورہ نص میں مطلق ضرب فی الارض بالاجماع مراد نہیں ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خاص ضرب وسفر ہے جس سے قصر ثابت ہو اور قصر خروج کے بعد ہی ثابت ہے، لہٰذا سفر بھی یہیں سے ثابت ہوگا، تاکہ ضرب فی الارض یعنی سفر کے تحقق پر حکمِ الٰہی ''قصر'' کی جزا مرتب ہو۔

اقامت کا تحقق آبادی کی حدود میں داخل ہونے پر ہے، تو قصر کا تحقق اس سے خروج پر ہوگا

ہدایہ میں ہے:

"وإذا فارق المسافر بيوت المصر صلى ركعتين "لأن الإقامة تتعلق بدخولها فيتعلق السفر بالخروج عنها،وفيه الأثر عن علي -رضي الله عنه -، لو جاوزنا هذا الخص لقصرنا (الهداية فى شرح بداية المبتدى، ج ا ص ٨٠، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اور ہدایہ کی شرح عنایہ میں ہے:

(وفيه الأثر عن علي -رضي الله عنه -) روى أنه خرج من المصر يريد السفر فحان وقت الصلاة فأتمها، ثم نظر إلى خص أمامه وقال (لو جاوزنا هذا الخص لقصرنا) والخص :بيت من قصب . واختلفوا في قدر الانفصال من المصر فقال الإمام التمرتاشي: الأشبه أن يكون قدر غلوة (العناية شرح الهداية، ج٢ ص ٣٣، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

فائدہ:...... یہاں بھی وفیہ الاثر فرما کر بیوتِ مصر سے مفارقت پر قصر کا مدار بتلایا گیا ہے، اور بقدرِ غلوہ انفصال کی بحث آگے آتی ہے۔

www.idaraghufran.org

جو حکم شرط کے ساتھ مشروط ہو، شرط نہ پائی جائے، تو منفی ہوگا

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

(وإذا ضربتم فی الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة) علق القصر بالضرب فی الأرض ، ومن نوى الإقامة فقد ترك الضرب، والمعلق بالشرط معدوم عند عدمه (العناية شرح الهداية، ج٢ ص٣٥، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

فائدہ:...... یہاں بھی آیتِ مذکورہ پیش کر کے قصر کے ضرب فی الارض یعنی سفر پر معلق ہونے پر استدلال فرمایا گیا۔

اور پھر ایک فقہی اصول بیان فرمایا گیا کہ شئی معلق بالشرط، شرط کے معدوم ہونے سے معدوم ہو جایا کرتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ضرب فی الارض یعنی سفر متحقق نہ ہوگا تو قصر بھی متحقق نہ ہوگا اور سفر متحقق ہوتا ہے، خروجِ بلد سے اور معدوم ہوتا ہے، اقامت پر لہٰذا قصر بھی اسی ترتیب سے متحقق و معدوم ہوگا۔

آبادی کی حدود میں ملحقہ کچی آبادی شامل ہے

مجمع الانہر میں ہے:

وتدخل فی بيوت المصر رابضة لقول علی -رضی الله تعالى عنه -لو جاوزنا هذا الخوص لقصرنا كما فی الفتح (مجمع الانهر، ج١ ص١٦٠، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

فائدہ:...... یہاں ملحقہ کچی آبادی اور جھونپڑیوں کو بیوتِ مصر میں شامل کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔

قصر کا جواز ’’ضرب فی الارض‘‘ یعنی سفر کے ساتھ مشروط ہے

علامہ محمد بن احمد شربینی خطیب شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لأن الله تعالى أباح القصر بشرط الضرب فی الأرض ، والمقيم والعازم على الإقامة غير ضارب فی الأرض (مغنی المحتاج الی معرفة الفاظ المنهاج ، ج ا ص ۵۱۹، کتاب الصلاة،باب صلاة المسافر)

فائدہ:......قصر کی اباحت قرآن مجید کی صراحت کے مطابق ضرب فی الارض کے ساتھ مشروط ہے۔

اور ضرب فی الارض متحقق ہوتا ہے خروجِ مصر کے بعد (اذا ضربتم کی تفسیر ابوبکر جصاص اور علامہ قرطبی رحمہما اللہ وغیرہ کے حوالہ سے پہلے گزر چکی ہے)

آبادی سے نکلے بغیر نہ ’’ضارب فی الارض‘‘ ہے نہ مسافر

علامہ منصور بن یونس بہوتی حنبلی فرماتے ہیں:

لقوله تعالى :(إذا ضربتم فی الأرض) وقبل مفارقة ما ذكر (ای خيام قومه وغيره .ناقل) لا يكون ضاربا ولا مسافرا، لأنه صلى الله عليه وسلم إنما كان يقصر إذا ارتحل "(دقائق اولی النهی لشرح المنتهٰى المعروف بشرح منتهى الارادات، ج ا ص ۲۹۳، کتاب الصلاة، باب صلاة اهل الاعذار، فصل فی القصر)

فائدہ:......مفارقتِ بیوتِ بلد سے قبل ضارب اور مسافر نہ ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارتحال سے قبل قصر نہ فرمانا نص ہونے کے لئے کافی ہے۔

www.idaraghufran.org

قصر کا جواز موضعِ اقامت کی حدود سے نکلے بغیر نہیں

المجموع شرح المہذب میں ہے:

(ولا يجوز القصر إلا أن يفارق موضع الإقامة لقوله تعالى (وإذا ضربتم فى الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة) فعلق القصر على الضرب فى الأرض فإن كان من أهل بلد لم يقصر حتى يفارق بنيان البلد (المجموع شرح المهذب، ج٤ص ٣٤٦، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

وقوله تعالى (إذا ضربتم فى الارض) الضرب فى الأرض هو السفر (المجموع شرح المهذب، ج٤ص ٣٢٢، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

فائدہ:...... مذکورہ عبارت کا مطلب بھی واضح ہے کہ ضرب فی الارض سے سفر مراد ہے اور ضرب فی الارض کے بغیر قصر جائز نہیں۔اور قصر کا مبدأ بلد کی عمارات سے خروج ہے۔

نصِ قرآنی، قصر کا حکم سفر پر ہی لگاتی ہے

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(قال الشافعى -رحمه الله تعالى -) : قال :الله عز وجل (وإذا ضربتم فى الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة إن خفتم أن يفتنكم الذين كفروا)الآية، قال :فكان بينا فى كتاب الله تعالى أن قصر الصلاة فى الضرب فى الأرض والخوف تخفيف من الله عز وجل عن خلقه لا أن فرضا عليهم أن يقصروا كما كان قوله (لا جناح عليكم إن طلقتم النساء ما لم تمسوهن أو تفرضوا لهن فريضة)رخصة لا أن حتما عليهم أن يطلقوهن فى

www.idaraghufran.org

هذه الحال و كما كان قوله (ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلا من ربكم)يريد والله تعالى أعلم أن تتجروا فى الحج لا أن حتما عليهم أن يتجروا و كما كان قوله (فليس عليهن جناح أن يضعن ثيابهن)و كما كان قوله (ليس عليكم جناح أن تأكلوا جميعا)الآية لا أن حتما عليهم أن يأكلوا من بيوتهم ولا بيوت غيرهم.

(قال :الشافعى) : والقصر فى الخوف والسفر بالكتاب، ثم بالسنة والقصر فى السفر بلا خوف سنة والكتاب يدل على أن القصر فى السفر بلا خوف رخصة من الله عز وجل لا أن حتما عليهم أن يقصروا كما كان ذلك فى الخوف والسفر (كتاب الام للشافعى،ج ا ص ۲۰۷،۲۰۸، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

(وإذا ضربتم فى الأرض فليس عليكم جناح) الآية (قال الشافعى) فأذن الله عز وجل بالقصر فى الخوف، والسفر (كتاب الام للشافعى،ج ا ص ۲۴۲، كتاب صلاة الخوف)

قال الله تعالى (وإذا ضربتم فى الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة)الآية فكان لهم أن يقصروا مسافرين و كان فى شرط القصر لهم بحال موصوفة دليل على أن حكمهم فى غير تلك الصفة غير القصر (كتاب الام للشافعى،ج۵ ص ۳۰،أبواب متفرقة فى النكاح والطلاق وغيرهم)

فائدہ:......فقیہِ امت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذکورہ فرامین سے معلوم ہوا کہ قصر کا حکم قرآن وحدیث سے سفر میں ثابت ہے،آپ نے بھی ضرب فی الارض کی تفسیر سفر کے ساتھ فرمائی ہے،اور مجاوزۃِ عمران کے بغیر ضرب فی الارض یا سفر متحقق نہیں ہوتا،کما مرّ۔

عملاً سفر شروع ہوکر آبادی سے نکلے بغیر قصر جائز نہیں

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی فرماتے ہیں:

لا تكفى نية السفر لقصر الصلاة قبل مباشرة السفر وتجاوز حدود البلد، بل لا بد من مباشرة السفر حتى يحق له القصر والفطر، وقد اتفق الفقهاء،على أن أول السفر الذى يجوز به القصر ونحوه :هو أن يخرج المسافر من بيوت البلد التى خرج منها ويجعلها وراء ظهره، أو يجاوز العمران من الجانب الذى خرج منه ، وإن لم يجاوزها من جانب آخر؛ لأن الإقامة تتعلق بدخولها، فيتعلق السفر بالخروج عنها، لقوله تعالى :(وإذا ضربتم فى الأرض، فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة) ولا يكون ضارباً فى الأرض حتى يخرج (الفقه الاسلامى وادلتهٗ ، ج ۲ ص ۱۳۴۶ ، الباب الثانى الصلاة، الفصل العاشر، المبحث الثالث، المطلب الاول)

فائدہ:......ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی کی مذکورہ وضاحت سے معلوم ہوا کہ فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اولِ سفر یا مبدأِ سفر جہاں سے قصر وغیرہ جائز ہوتی ہے وہ خروج من بیوت البلد یا بالفاظ دیگر تجاوزِ عمرانِ مصر ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ’’ **واذا ضربتم فی الارض** الخ ‘‘ ہے۔

اور خروج من ابنیۃ البلد سے پہلے ضارب فی الارض کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

اس عبارت سے جہاں مبدأِ سفر ومبدأِ قصر کا ایک ہونا معلوم ہوا، اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مبدأین خروج عن ابنیہ وعمرانِ مصر سے پہلے باتفاقِ ائمہ اربعہ متحقق نہیں ہوسکتے۔

اور جس طرح اقامت کا تعلق آبادی میں دخول سے ہے، اسی طرح سفر کا تعلق بھی آبادی سے خروج سے ہوگا۔

جب تک گھر سے نکل کر آبادی سے نہ نکلے، قصر جائز نہیں

المجموع شرح المہذب میں ہے:

(فرع) فی مذاهب العلماء :ذكرنا أن مذهبنا أنه إذا فارق بنيان البلد قصر ولا يقصر قبل مفارقتها وإن فارق منزله وبهذا قال مالک وأبو حنيفة وأحمد وجماهير العلماء (المجموع شرح المهذب، ج۴ص ۳۴۹، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

فائدہ:...... مذکورہ عبارت میں صاف طور پر مذکور ہے کہ مبدءِ قصر مفارقتِ بنیانِ بلد ہے نہ کہ مفارقتِ منزل۔

’’سفر‘‘ نامی عمل کے تحقق پر ہی قصر کا جواز معلق ہے

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وما قدمنا من الأحاديث المفيدة تعليق القصر على مسمى السفر فوجب إعمال إطلاقها إلا بمقيد ولم يوجد (فتح القدير، ج۲ص۴۷، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

فائدہ: معلوم ہوا قصر کی تعلیق کا سفر پر ہونا احادیث سے ثابت ہے۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا کہ مبدأ قصر یا مبدأ سفر کا ’’خروج من البلد‘‘ سے ہونا نصوص سے ماخوذ ہے، اور اس کا مدار عرف پر نہیں، اور بس اڈہ، اسٹیشن، ائیرپورٹ وغیرہ اگر شہر کی یقینی حدود اور اس کی آبادی کے اندر ہوں یا آبادی سے باہر ہوں تو ان مقامات کو مبدأ قصر وسفر قرار دینے میں نصوص کی تقدیماً یا تاخیراً مخالفت لازم آتی ہے اور میونسپلٹی (شہر کے مرکز) کو

مبدأ قصر قرار دینے میں بھی یقینی طور پر نصوص کی تقدیماً مخالفت لازم آتی ہے۔

مقیم ایک دن رات، مسافر تین دن رات مسح کرے گا

قصر دراصل سفر شرعی پر مرتب ہونے والے احکام میں سے ایک حکم ہے، اور سفر شرعی پر مرتب ہونے والے اور بھی احکام ہیں، مثلاً مسافر کے لئے تین دن وتین رات مسح کرنا۔

حضرت ابوعبداللہ جدلی سے روایت ہے کہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، أَنَّہٗ سُئِلَ عَنِ الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ؟ فَقَالَ: لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَۃٌ، وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمٌ (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۹۵، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خفین پر مسح کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسافر کے لئے تین دن، اور مقیم کے لئے ایک دن (تک مسح کرنا جائز ہے) (ترمذی)

حضرت شریح بن ھانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

رَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْمَسْحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ ثَلَاثَۃَ أَیَّامٍ لِلْمُسَافِرِ وَیَوْمًا وَلَیْلَۃً لِلْحَاضِرِ (صحیح ابن حبان) [2]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفین پر مسح کی مسافر کے لئے تین دن اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات کی اجازت دی (ابنِ حبان؛ نسائی)

---

[1] قال الترمذی:
وذکر عن یحیی بن معین أنہ صحح حدیث خزیمۃ بن ثابت فی المسح، وأبو عبد اللہ الجدلی اسمہ عبد بن عبد، ویقال :عبد الرحمن بن عبد :ھذا حدیث حسن صحیح وفی الباب عن علی، وأبی بکرۃ، وأبی ھریرۃ، وصفوان بن عسال، وعوف بن مالک، وابن عمر، وجریر.

[2] رقم الحدیث ۱۳۲۲، کتاب الطھارۃ، باب المسح علی الخفین وغیرھما.
قال شعیب الارنؤوط:إسنادہ صحیح علی شرط مسلم(حاشیۃ ابنِ حبان)

www.idaraghufran.org

اور حضرت شریح بن ھانی رحمہ اللہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَتَیْتُ عَائِشَۃَ أَسْأَلُھَا عَنِ الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ، فَقَالَتْ : عَلَیْکَ بِابْنِ أَبِیْ طَالِبٍ، فَسَلْہُ فَإِنَّہٗ کَانَ یُسَافِرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْنَاہُ فَقَالَ: جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَۃَ أَیَّامٍ وَلَیَالِیَھُنَّ لِلْمُسَافِرِ، وَیَوْمًا وَلَیْلَۃً لِلْمُقِیْمِ (مسلم) [1]

ترجمہ: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس خفین پر مسح کے بارے میں سوال کرنے کے لئے آیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اس کے متعلق سوال کیجئے، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے (ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر میں بھی خفین پر مسح کی تفصیل اچھی طرح معلوم ہوگی) پھر ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن تین رات، اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات (مسح کے لئے) مقرر فرمائی (مسلم)

مذکورہ احادیث میں موزوں پر مسح کی مدت مقیم کے مقابلے میں مسافر کے لئے تین دن تین رات بیان کی گئی ہے، جو شخص مسافر ہوگا اس کے لئے یہ رخصت حاصل ہوگی اور اس رخصت کا زمانہ سفر کے زمانے کے ساتھ شروع ہوگا، اگر مبدءِ سفر اور مبدءِ قصر کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے اور سفر کا آغاز خروجِ بلد سے قبل مان لیا جائے اور قصر و دیگر احکامِ سفر کا آغاز خروجِ بلد پر مانا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ سفر کا یہ زمانہ حکمِ سفر سے کم ہو گیا جبکہ نص کا تقاضا سفر (تین دن یا اڑتالیس میل) کے استیعاب کا ہے۔

ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنہ رخص فی المسح للمقیم یوما ولیلۃ

[1] رقم الحدیث ۲۷۶ "۸۵" کتاب الطھارۃ، باب التوقیت فی المسح علی الخفین.

www.idaraghufran.org

وللمسافر ثلاثة أيام ولياليها.

ومعلوم أن ذلك ورد مورد بيان الحكم لجميع المسافرين لأن ما ورد مورد البيان فحكمه أن يكون شاملا لجميع ما اقتضى البيان من التقدير فما من مسافر إلا وهو الذى يكون سفره ثلاثا ولو كان ما دون الثلاث سفرا فى الشرع لكان قد بقى مسافر لم يتبين حكمه ولم يكن اللفظ مستوعبا لجميع ما اقتضى البيان وذلك يخرجه عن حكم البيان ومن جهة أخرى أن المسافر اسم للجنس لدخول الألف واللام عليه فما من مسافر إلا وقد انتظمه هذا الحكم فثبت أن من خرج عنه فليس بمسافر يتعلق بسفره حكم وفى ذلك أوضح الدلالة على أن السفر الذى يتعلق به الحكم هو سفر ثلاث وأن ما دونه لا حكم له فى إفطار ولا قصر (احكام القرآن للجصاص ،ج ا ص۲۱۸، سورة البقرة،باب فرض الصيام)

جعل لكل مسافر أن يمسح ثلاثة أيام ولياليها ولن يتصور أن يمسح المسافر ثلاثة أيام ولياليها ومدة السفر أقل من هذه المدة (بدائع الصنائع، ج ا ص۹۳، كتاب الصلاة،فصل بيان ما يصير به المقيم مسافرا)

فهو تنصيص على أن مدة السفر لا تنقص عما يمكن استيفاء هذه الرخصة فيها (المبسوط للسرخسى،ج ا ص۲۳۵، كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر)

ووجه التمسك به أنه يقتضى أن كل من صدق عليه أنه مسافر شرع له مسح ثلاثة أيام إذ اللام فى قوله، والمسافر للاستغراق كما فى جانب المقيم، ولا يتصور ذلك إلا إذا قدر أقل مدة السفر بثلاثة أيام؛ لأنه لو قدر بأقل من ذلك لا يمكنه استيفاء مدته لانتهاء سفره فاقتضى تقديره به ضرورة وإلا لخرج بعض المسافرين عنه (تبيين الحقائق ،ج ا ص۲۱۰، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

قصر اور افطارِ صوم وغیرہ سفر کے احکام میں سے ہیں

اسی طرح سفرِ شرعی پر مرتب ہونے والے اور بھی احکام ہیں۔

چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

والسفر لغة قطع المسافة من غير تقدير، والمراد سفر خاص وهو الذى تتغير به الأحكام من قصر الصلاة وإباحة الفطر وامتداد مدة المسح إلى ثلاثة أيام وسقوط وجوب الجمعة والعيدين والأضحية وحرمة الخروج على الحرة من غير محرم ط عن العناية(قوله من إضافة الشىء) أى الصلاة إلى شرطه أى المسافر فإنه شرط لها ح .وفيه أن الشرط السفر لا المسافر ط عن الحموى(ردالمحتار، ج۲ ص ۱۲۰، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

فائدہ:......اس کا حاصل یہ ہے کہ سفرِ شرعی کے ذریعہ سے بہت سے شرعی احکام بدل جاتے ہیں، چنانچہ:

(1)......نماز کے قصر ہونے کا حکم عائد ہو جاتا ہے۔

(2)......روزہ نہ رکھنے کی رخصت مل جاتی ہے۔

(3)......موزوں پر مسح کی مدت ایک دن ایک رات سے بڑھ کر تین دن تین رات تک ہو جاتی ہے۔

(4)......جمعہ اور عیدین کی نماز واجب نہیں رہتی۔

(5)......حنفیہ کے نزدیک قربانی واجب نہیں رہتی۔

(6)......آزاد عورت کو بغیر محرم کے نکلنا جائز نہیں رہتا۔

اب یہ بات ممکن نہیں کہ نماز کے قصر ہونے کا حکم تو شہر کی حدود کے اندر (بس اڈے، اسٹیشن یا

مرکز وغیرہ سے) لگادیا جائے، لیکن سفر کے دیگر احکام ابھی نافذ نہ ہوں، اور نہ ہی سفر کا متحقق ہونا مانا جائے۔

یہ خرابی تو شہر کی حدود میں مبدأ قصر ماننے کی صورت میں لازم آتی تھی اور اگر مبدأ سفر کو شہر کی حدود میں متحقق مانا جائے تو اس سے پھر قصر سمیت سفر کے تمام احکام کا شہر میں متحقق ہونا لازم آتا ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اپنے شہر کی حدود میں موجود شخص کو جمعہ، عیدین، قربانی اور روزے وغیرہ کے وجوب اور فرضیت سے مستثنٰی کرنا کسی طرح بھی درست نہیں اسی طرح عورت کو محرم کے بغیر شہر کی حدود میں رہتے ہوئے سفر کی ممانعت کا حکم لگا دینا بھی درست نہیں۔

اس لئے کہ عورت اپنے شہر میں رہتے ہوئے اگر محرم کے بغیر چلے اور گھر سے خروج کرے تو وہ شرعاً مقیم ہے اور اس کے لئے اس میں سفر شرعی کی وجہ سے ممانعت نہیں، کیونکہ سفر شرعی جس سے احکام بدلتے ہیں وہ خروج من عمارات البلد سے متحقق ہوتا ہے اور شہر کی حدود میں رہتے ہوئے اس کا تحقق ممکن نہیں، لہٰذا ایسی چیز کے وجود سے پہلے کہ جس پر احکام کا تغیر موقوف ہے بعض چیزوں (مثلاً قصر) میں تغیر کا حکم لگا دینا اور بعض چیزوں (مثلاً روزے وغیرہ) میں نہ لگانا کسی طرح بھی درست نہیں، موقوف اور موقوف علیہ میں فرق کرنا ضروری ہے۔

معلوم ہوا کہ شہر کی حدود میں رہتے ہوئے تنہا قصر یا سفر یا دونوں کے مجموعہ کا حکم لگانا درست نہیں اور اس میں چند در چند مفاسد ہیں۔

سفر مشقت کا سبب ہے، اور وہ خود مشقت کے قائم مقام ہے

علی ما عرف فی أصلنا فی تعلیق الرخصة بنفس السفر لا حقیقة المشقة؛ لأن السفر سبب المشقة فأقیم مقامها (البحر الرائق، ج۲ ص ۱۸۲، کتاب الصلاة، باب صلاة الاستسقاء)

www.idaraghufran.org

وذلک أی کون السفر علة اسما وحکما أن السفر تعلق به فی الشرع الرخص أی ثبت متصلة به حتی إذا جاوز ثبوت المصر قصر الصلاة فکان علة حکما.

ونسبت الرخص إلی السفر شرعا یقال رخصة السفر القصر والإفطار فکان علة اسما أیضا ألا تری إیضاحا لکونه علة اسما لم یحل له الفطر یعنی فی هذا الیوم (کشف الاسرارشرح اصول البزدوی، ج۴ص ۱۹۹، باب تقسیم العلة)

فائدہ:......مؤخر الذکر عبارت سے سفر اوراس کی رخصت (قصر) کا اتصال بھی معلوم ہوا ،جس سے مبدأ سفروقصر کا ایک ساتھ متصلاً متحقق ہونا ثابت ہوا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(قال الشافعی -رحمه الله تعالی -) : وإن نسی صلاة فی سفر فذکرها فی حضر فعلیه أن یصلیها صلاة حضر؛ لأن علة القصر هی النیة والسفر فإذا ذهبت العلة ذهب القصر (مختصر المزنی، ج۸ص۱۱۸، کتاب الصلاة،باب صلاة المسافروالجمع فی القصر)

اصولِ فقہ کی رو سے قصر کی علت بنیادی طور پر مشقت ہے اور مشقت ایک امر اضافی ہے جس کی تعیین ضروری ہے اس لئے سفر شرعی کو مشقت کے قائم مقام قرار دے کر علت قرار دیا گیا ہے،اب جہاں سے علت یعنی سفر شرعی متحقق ہوگا وہیں سے اس کا حکم یعنی قصر بھی متحقق ہوگا، اور قصر یعنی حکم نقل وعقل کی روشنی میں خروج من ابنیۃ المصر سے متحقق ہوتا ہے لہٰذا اس کی علت یعنی سفر بھی وہیں سے متحقق ہوگا،حکم علت کے تابع ہوتا ہے۔

علت یعنی سفر کے متحقق ہونے سے پہلے حکم یعنی قصر کا متحقق ہونا درست نہ ہوگا،اسی طرح علت متحقق ہونے کے باوجود حکم کا متحقق نہ ہونا بھی خلافِ اصول ہوگا،اور شہر میں موجود بس اڈے، اسٹیشن یا مرکز کو مبدأ قصر وسفر اور اسی طرح منتہائے سفر وقصر یا کوئی ایک قرار دینا درست نہ ہوگا۔

آبادی کی حدود سے نکلتے ہی مسافر ہو جائے گا

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فإذا نوی السفر وخرج من العمران حتی صار مسافرا تجب علیه صلاة المسافرین (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۹۵، کتاب الصلاة، فصل بیان ما یصیر به المقیم مسافرا)

فائدہ:...... علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے ''حتی صار مسافرا'' فرما کر ''تجب علیہ صلاۃ المسافرین'' جو فرمایا اس سے اس بات کی نشاندہی ہوگئی کہ مسافر ہونے کی شرط متحقق ہوگی تو مسافروں والی نماز یعنی قصر واجب ہوگی، گویا کہ مبدأ سفر متحقق ہونے پر مبدأ قصر کا تحقق ہوگا۔

شہر کی حدود میں موجود بس اڈے، اسٹیشن یا مرکز کو مبدأ قصر قرار دینا اس لئے صحیح نہیں کہ ابھی تک وہ مسافر نہیں۔

بلد سے نکلے بغیر مسافر کا اطلاق نہیں ہوتا

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولا یوصف بکونه مسافرا حتی یخرج من البلد، ومهما کان فی البلد فله أحکام الحاضرین، ولذلک لا یقصر الصلاة (المغنی لابنِ قدامة، ج۳ ص ۱۱۸، کتاب الصیام، مسألة للمسافر أن یفطر فی رمضان وغیرہ)

فائدہ:...... ملاحظہ فرمائیے کہ خروج بلد سے قبل انسان سفر اور مسافرت کے ساتھ متصف نہیں ہوسکتا اور جب تک بلد میں موجود ہو اس وقت تک اس کو حضر اور حاضرین کے احکام حاصل ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے اس کو قصر کرنا جائز نہیں ہوتا۔

لہٰذا شہر کی حدود میں رہتے ہوئے گاڑی وغیرہ میں سوار شخص یا بغیر سوار ہوئے مرکز سے سفر کے ساتھ متصف کرنا یا قصر کا حکم عائد کرنا راجح نہیں ہوا۔

خروجِ بلد سے قبل سفر وقصر شروع نہ ہونے پر مزید دلائل اور خلاف ورزی پر پیش آمدہ مفاسد ونقائص

خروجِ بلد سے قبل سفر شروع نہ ہونے کے مزید دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

سفر واقامت کا تعلق مصر میں دخول وخروج سے ہے

اکثر فقہائے کرام نے قصر وسفر اور اتمام واقامت سے متعلق یہ ضابطہ ذکر فرمایا ہے:

”الاقامة يتعلق بدخول المصر فالسفر يتعلق بالخروج منها“

اور خروج عن البلد سے قبل بس اڈے وغیرہ کے شہر میں ہونے کی صورت میں یا شہر کے مرکز کو مبدأ سفر یا مبدأ قصر قرار دینے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ واپسی پر بھی وہ شخص دخولِ بلد کے بعد مقیم نہ بنے بلکہ مسافر ہی رہے اور اتمام کے بجائے قصر کرے۔اور بس اڈہ وغیرہ شہر سے باہر ہونے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ وہ دخولِ مصر سے پہلے ہی مقیم ہو جائے۔

اتحادِ موضعین کے مسئلہ سے استدلال

اگر دو موضعے ایک مصر یا ایک قریہ شمار ہوتے ہوں تو دونوں کو اتحاد کا حکم حاصل ہے اور اسی وجہ سے اگر کوئی شخص ان میں سے ایک موضع سے سفر کی نیت کر کے دوسرے موضع کی طرف خروج کرے تو اس کو قصر کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ اتحادِ موضعین کی وجہ سے موضع اقامت میں چلنا پایا جائے گا اور یہ چلنا سفر میں شمار نہیں ہوتا،اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ایک شہر کی آبادی میں چلنے کو خروج بلد سے قبل سفر اور چلنے والے کو مسافر قرار نہیں دیا جانا چاہیے،اور اس پر قصر وغیرہ کے احکام جاری نہیں ہونے چاہیے۔

لہٰذا شہر کے اڈے یا مرکز کو مبدأ قصر و سفر قرار دینا درست نہ ہوگا۔

چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ بحر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفی البحر لو کان الموضعان من مصر واحد أو قریة واحدة فإنها صحیحة لأنهما متحدان حکما ألا تری أنه لو خرج إلیه مسافرا لم یقصر .اھ .ط(ردالمحتار، ج۲ص۱۲۶، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

سفر، مصالحِ مصر سے متعلق نہیں

قصرِ صلاۃ کو حوائج اہل مصر میں سے شمار نہیں کیا گیا اور اسی طرح سفر کو مصر کے مصالح سے متعلق قرار نہیں دیا گیا، بلکہ سفر کو غیر مصر کے مصالح سے متعلق قرار دیا گیا ہے، کیونکہ داخل مصر میں سفر کا تحقق ممکن نہیں، چنانچہ فرمایا گیا:

"لیس السفرمن المصالح المتعلقة بالمصر"

لہٰذا اس اصول کے پیش نظر حدود شہر میں بس اڈے وغیرہ یا مرکز سے سفر یا قصر کا تحقق ممکن نہیں:

فاما قصر الصلاۃ فلیس من حوائج اھل المصر ......قال الشیخ...... فاما السفر فلیس من المصالح المتعلقة بالمصر......بل السفر من المصالح المتعلقة بغیر المصر لعدم امکان تحققه داخل المصر فافھم فامه کلام نفیس (اعلاء السنن ج۷ص۳۱۱، کتاب الصلاۃ، باب القصر اذا فارق البیوت)

مسافر، مقیم شمار نہیں ہوتا، خواہ کسی آبادی میں بھی آجائے

مسافر بحالتِ سفر مصر میں آکر بھی غیر مصر میں شمار کیا گیا ہے، جبکہ وہ مصر اس کا وطنِ اصلی یا

www.idaraghufran.org

وطنِ اقامت نہ ہو:

والمسافر ليس من أهل المصر فالتحق المصر فی حقه بالعدم

(بدائع الصنائع، ج ا ص ۱۹۸، کتاب الصلاۃ، فصل بیان من یجب علیه تکبیر التشریق)

تو اس کے برعکس مقیم اپنے مصر میں رہتے ہوئے مسافر قرار نہیں پائے گا۔اور خروج بلد سے قبل بس اڈے یا مرکز سے ہی اس کے حق میں قصرو سفر کو متحقق کرنا درست نہ ہوگا۔

مقامِ اشتباہ میں اتمام کے احوط ہونے سے استدلال

جس مقام پر قصرو اتمام میں اشتباہ ہو جائے وہاں فقہائے کرام نے اتمام کا حکم بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے کہ:

لأنه اجتمع فی هذه الصلاة ما يوجب الأربع وما يمنع فرجحنا ما يوجب الأربع احتياطا اهـ (ردالمحتار، ج۲ ص ۱۲۲، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

اور البحرالرائق میں ہے کہ:

لأنه اجتمع فی هذه الصلاة ما يوجب الأربع وما يمنع فرجحنا ما يوجب الأربع احتياطا اهـ (البحرالرائق، ج۲ ص ۱۳۹، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

جب قصرو اتمام میں اجتماعِ اشتباہ کے وقت اتمام کو ترجیح ہے تو شہر کی حدود کا اتمام کے لئے مقتضی ہونا تو اشتباہ سے زیادہ متیقن ہے، لہٰذا حدود شہر کے اندر (بس اڈے وغیرہ یا مرکز) سے مبدءِ قصر متعین کرنا درست نہیں ہوگا۔

مبیح ومحرم میں تعارض کے قاعدہ سے استدلال

خروج من البلد سے پہلے مقیم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اتمام واجب ہو اور مسافر ہونے کا تقاضا

www.idaraghufran.org

یہ ہے کہ قصر واجب ہو (جبکہ قصر دراصل رخصت ہے جو کہ عندالبعض مباح اور عندالحنفیہ زیادہ سے زیادہ اسقاط ہے، مگر غیرِ سفر میں اتمام کا وجوب قصر کے وجوب سے زیادہ اہم بلکہ اس کی فرضیت متفق علیہ ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ شہر کی حدود میں اتمام فرض اور اس کی خلاف ورزی حرام ہو) اس طرح شہر کی حدود میں رہتے ہوئے یہ تعارض مبیح ومحرم کے تعارض کے قبیل سے ہوگا اور مبیح ومحرم کے تعارض کے وقت محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ شہر کی حدود میں رہتے ہوئے اتمام لازم ہو نہ کہ قصر، اور شہر کے مرکز یا بس اڈے کو مبدأ قصر وسفر قرار دینے میں اس اصول کی مخالفت لازم آتی ہے۔

چنانچہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ مسافر کے دخول فی المصر بنیتِ اقامت کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولو أراد المسافر دخول مصره أو مصرا آخر ينوى فيه الإقامة يكره له أن يفطر فى ذلك اليوم، وإن كان مسافرا فى أوله لأنه اجتمع المحرم للفطر وهو الإقامة والمرخص والمبيح وهو السفر فى يوم واحد فكان الترجيح للمحرم احتياطا (بدائع الصنائع، ج۲ص۱۰۸، کتاب الصوم، فصل بيان ما يسن وما يستحب للصائم وما يكره له أن يفعله)

اور علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لأنه اجتمع فى اليوم المبيح وهو السفر والمحرم وهو الإقامة فرجحنا المحرم احتياطا (البحر الرائق، ج۲ص۳۰۴، کتاب الصوم،باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده،فصل فى عوارض الفطر فى رمضان)

اگرچہ مندرجہ بالا مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے جس کو علامہ شامی رحمہ اللہ نے ردالمحتار میں

Idara Ghufran

مفصلاً بیان فرمایا ہے، لیکن اس سے مبیح ومحرم کے مذکورہ اصول کے مسلم ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اس اصول کے تحت متفرع ہونے والے احکام کی بے شمار نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں۔

اتمام وقصر میں اتمام کو ترجیح ہونے سے استدلال

اور اگرچہ فقہائے کرام کے درمیان قصر کا رخصتِ اباحت اور رخصتِ اسقاط ہونا مختلف فیہ ہے لیکن قعدۂ اولیٰ اختیار کر لینے کے بعد نماز کا فریضہ ذمہ سے ساقط ہونے میں اتفاق ہے، دوسری طرف جمہور کے نزدیک مبدأ قصر کا خروج مصر ہونا متفق علیہ ہے، اس کا تقاضا بھی یہ ہوگا کہ اختلاف سے بچ کر احوط اور متفق علیہ پہلو کو ایسے موقع پر اختیار کیا جائے۔ اور شہر کی حدود میں اتمام کا حکم دیا جائے۔

قاعدہ ''الیقین لا یزول بالشک'' سے استدلال

پہلے سے مقیم ہونا یقینی اور اس کے بعد گاڑی وغیرہ میں سوار ہو کر مسافر ہونا مشکوک سے بھی کمزور ہے اور قاعدہ ہے کہ ''الیقین لا یزول بالشک''

لہٰذا شہر کی حدود میں سفر وقصر کے وجود کو معدوم قرار دیتے ہوئے اتمام کا حکم ہوگا، شہر میں دخول کے وقت اتمام ہی واجب ہوگی، اور یہاں پہلے سے مسافر ہونا یقینی اور مقیم ہونا مشکوک قرار دے کر ''الیقین لا یزول بالشک'' والا اصول ایک اور اس سے اہم پہلو کے پائے جانے کی وجہ سے کارفرما نہ ہوگا۔

اور وہ اس طرح کہ اتمام یعنی چار میں قصر یعنی دو کا وجود یقینی اور قصر یعنی دو میں اتمام یعنی چار کا وجود شک سے بھی نیچے بلکہ عدمِ وجود یقینی درجہ رکھتا ہے۔ لہٰذا دخولِ بلد کے وقت اتمام کا حکم ہوگا۔

www.idaraghufran.org

قصر حالتِ عارضہ ہے

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والذی یظھر للعبد الضعیف، واللہ اعلم، ان الاصل فی الصلوٰۃ ھو الاتمام ولایجوز القصر الا بعارض السفر (فتح الملھم، بتعلیق جدید ج۴ ص ۵۴۲، مطبوعۃ مکتبہ دار العلوم کراچی)

معلوم ہوا کہ نماز میں اصل اتمام ہے اور قصر سفر کے عارض سے ہی جائز ہوتی ہے، اور شہر کی حدود میں اصل سے عارض کی طرف عدول کی کوئی دلیل نہیں۔

اور علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولأن الإقامة للرجل أصل، والسفر عارض (ردالمحتار، ج۲ ص ۱۲۷، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

معلوم ہوا کہ انسان کے لئے اقامت اصل ہے اور سفر عارض۔

لہٰذا اصل سے عارض کی طرف عدول کرنے کے لئے قوی دلیل ضروری ہے، اور وہ شہر کی حدود میں ندارد ہے۔

ابنِ سبیل کو زکاۃ دینے کا مسئلہ

فقہائے کرام نے زکوٰۃ کے مصارف کو بیان کرتے ہوئے ''ابن سبیل'' کی تعریف یہ کی ہے کہ ''جس کے پاس سفر میں بقدر ضرورت مال نہ ہو اگرچہ اس کے وطن میں اس کے پاس کتنا ہی مال ہو'' (معارف القرآن ج۴ ص ۴۰۹)

اور سوار ہونے کے بعد شہر کی حدود میں مسافر قرار دینے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ ایسے شخص کو اپنے شہر میں رہتے ہوئے ہی ''ابنِ سبیل'' قرار دے کر مستحق زکوٰۃ سمجھا جائے۔

اور اگرچہ فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق جو مسافر ایسا ہو کہ وہ اپنے شہر یا جائے اقامت

سے باہر ہو، خواہ شرعی مسافت پر ہو، یا اس سے کم پر، اور اس کے پاس نصاب کے بقدر مال نہ ہو، اور جتنا مال اس کے ساتھ ہو، وہ اس کے سفر کی ضروریات (مثلاً کھانے، پینے اور گھر تک پہنچنے کے اخراجات) کے لئے کافی نہیں، تو اس کو اپنی ضرورت کے بقدر زکاۃ لینا جائز ہے، تاکہ وہ بخیر و عافیت اپنے شہر یا جائے اقامت تک پہنچ سکے۔ [1]

لیکن یہ حکم بھی صرف زکوۃ کے مستحق ہونے کے ساتھ خاص ہے، باقی احکام میں وہ مقیم ہی سمجھا گیا ہے (احکام السفر ص ۲۳۵، مصنفہ مولانا مفتی طاہر مسعود صاحب زیدمجدہٗ)

بس اڈے یا اسٹیشن کو مبدءِ قصر و سفر قرار دینے کے مفاسد

اگر مبدأِ سفر و قصر بس اڈے وغیرہ کو قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر بڑے شہر کی حدود میں ہی مسافت شرعی مکمل ہو جاتی ہو تو اس پر قصر سمیت دیگر احکامِ سفر بھی سوار ہوتے ہی شہر کی حدود میں لاگو ہو جائیں، اور پھر اس طرح بہت سے لوگ اپنے شہر کی حدود میں رہ کر بھی (اڈے سے نکل کر خروج بلد سے پہلے پہلے مسافت شرعی کی مقدار پوری ہو جانے پر) مسافر قرار پائیں گے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہوگا جس کے نتیجہ میں شریعت کے بہت سے احکام میں خلل واقع ہوگا۔

کیونکہ بس اڈے وغیرہ کو معیار بنانے کی صورت میں بعض اوقات ایک شہر کے اندر ہی ۴۸ میل پورے ہو جائیں گے، اس طرح شہر کے اندر اندر سفر کرنے والا (جبکہ باہر جانے

---

[1] (لانه لايقدر على الوصول الى ماله فلم يكن فى يده)

وهذا الصنف ضربان: الضرب الأول: المتغرب عن وطنه الذى ليس بيده ما يرجع به إلى بلده: وهذا الضرب متفق على أنه من أصحاب الزكاة، فيعطى ما يوصله إلى بلده، إلا فى قول ضعيف عند الشافعية: أنه لا يعطى، لأن ذلك يكون من باب نقل الزكاة من بلدها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۳۲۴، مادة "زكاة")

(ومنها ابن السبيل) وهو الغريب المنقطع عن ماله كذا فى البدائع. جاز الأخذ من الزكاة قدر حاجته، ولم يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف)

کی بھی نیت نہ ہو) مسافر قرار پائے گا۔

جبکہ ایک شہر کی حدود میں چکر کاٹنے والے کو ''اگر چہ مدت مسافت کی مقدار کیوں نہ قطع کر لے'' فقہائے کرام نے مسافر قرار نہیں دیا (کما ھو مصرح فی کتب الفقہ والفتاویٰ)

پھر تمام لوگ بس اڈے، ریلوے سٹیشن سے سفر شروع نہیں کرتے بلکہ بہت سے لوگ اڈے سے بس وغیرہ روانہ ہونے کے بعد شہر کے دوسرے حصہ سے اس میں بیٹھتے ہیں، بڑے بڑے شہروں میں ریلوے اسٹیشن بھی ایک سے زیادہ ہوتے ہیں (اور زیر بحث مسئلہ بڑے شہروں سے ہی متعلق ہے) کوئی مسافر کسی اسٹیشن سے بیٹھتا ہے اور کوئی کسی اسٹیشن سے، اسی طرح بہت سے لوگ اپنی ذاتی گاڑی سے سفر شروع کرتے ہیں انہیں بس اڈے وغیرہ پر جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، بلکہ وہ بس اڈے کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے بڑی شاہراہ پر آ جاتے ہیں۔

لہٰذا بس اڈے کو سب کے حق میں یکساں طور پر معیار بنانا درست نہ ہوگا۔

نیز بڑے شہروں میں عموماً ایک سے زیادہ بس اڈے ہوتے ہیں، کوئی کسی اڈے سے سفر کرتا ہے اور کوئی کسی اڈے سے، بعض لوگ قریب والے اڈے کو چھوڑ کر (سروس کے معیار میں فرق ہونے کی وجہ سے) دور والے اڈے سے سفر شروع کرتے ہیں اس لئے قریب والے اڈے کو بھی معیار بنانا مشکل ہے۔

بعض اوقات سٹیشن یا اڈے سے روانگی کے بعد گھر کے قریب سے گذر ہوتا ہے، اور فقہائے کرام نے وطن کی حدود سے گذرنے کو سفر کے لئے مسقط کہا ہے، یہاں اگر گھر کو بھی مسقط نہ کہیں تو پھر کس چیز کو مسقط کہیں گے؟

فقہائے کرام نے شہر سے باہر اس سفر کو بھی معتبر نہیں مانا جس میں مسافتِ شرعی طے کرنے سے پہلے وطنِ اقامت واقع ہو (ملاحظہ ہو امداد الاحکام ج۱ص۲۹۹ وغیرہ)

اور یہاں شہر یعنی وطن کے اندر رہتے ہوئے بلکہ گھر کے قریب سے گذرنے کو بھی معتبر اور سفرِ

شرعی کا حصہ مانا جا رہا ہے۔

اگر ایک شخص لوکل سواری پر سوار ہو کر ایسے بس اڈے پر جائے جو شہر کے آخری کنارے پر ہو اس کے بارے میں اڈے سے مسافر قرار دینے کا تصور درست نہ ہوگا، کیونکہ جس طرح کا مسافر شہر کی حدود میں بس اڈے سے روانہ ہونے کے بعد سمجھا جاتا ہے، اسی طرح کا گھر سے بس اڈے تک؟

اس طرح بس اڈے، اسٹیشن وغیرہ کو مبدأ بنانا سب مسافروں کے لئے لگا بندھا نقطہ متعین نہ ہوگا، اور اس میں پھر ہر ایک کو الگ الگ نقطوں کا مکلّف کرنا لازم آئے گا جو شریعت کے تقاضوں اور مزاج کے خلاف ہوگا۔

شہر کے مرکز کو مبدءِ قصر وسفر قرار دینے کے مفاسد

شہر کے مرکز مثلاً میونسپلٹی وغیرہ کو مبدأ قصر وسفر قرار دینے میں گھر اور بس اڈے وغیرہ کو مبدأ قرار دینے سے بھی زیادہ بڑا مفسدہ لازم آتا ہے، کہ مثلاً جس نے میونسپلٹی کے بعد والے شہر کے حصہ سے دوسری سمت کو سفر شروع کیا اور درمیان میں میونسپلٹی سے گزرنا بھی نہ ہوا، اس کا مبدءِ قصر ومبدءِ سفر ایسی جگہ کو بنانا لازم آتا ہے کہ جس حصہ کو اس نے قطع ہی نہیں کیا اور کسی حصہ کو قطع کئے بغیر قطع مسافت اور سفر کا حصہ بنانا اور اس سے پہلے سفر وقصر یا صرف سفر کا حکم مرتب کر دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس پر مزید دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ لغوی سفر وقطع مسافت (یا جو کچھ بھی نام دیا جائے) کے بغیر کسی جگہ کو سفر کا حصہ یا مبدأ سفر قرار دے دینا ممکن ہی نہیں اور مبدأ قصر قرار دینے کا تو خارج میں کوئی وجود ہی نہیں، کہ جو مقام انسان کو سفر میں میسر ہی نہیں اس میں وہ کیسے قصر کر سکتا ہے؟

بس اڈے یا میونسپلٹی سے اگر فاصلوں کا اعتبار کریں اور تین دن تین رات کی مسافت بلکہ اس

www.idaraghufran.org

سے زیادہ ہی شہر کے اندر اندر ہی پوری ہو جائے تو کیا اس کو مسافر قرار دیں گے، اگر نہیں تو کونسی نص ایسی ہے جو تین دن سے زائد کی قطعِ مسافت پر بھی مسافر نہ قرار دیتی ہو جبکہ حنفیہ نے سب سے زائد مسافت والی روایت (یعنی تین دن، تین رات) کو لیا ہے۔

اگر میونسپلٹی پیچھے ہے اور اس سے مخالف سمت میں سفر کیا اور جس شہر میں گئے وہاں بھی میونسپلٹی سے پہلے ہی جا کر قیام کر لیا، جبکہ یہ فاصلہ مسافتِ شرعی سے کم تھا، تو اب ابتداءً وانتہاءً جن حصوں میں ضــــربتــــم کی منصوص شرط بھی نہیں پائی جا رہی، اس کی مخالفت کرتے ہوئے تقصروا من الصلاۃ کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے؟

شہروں کے وسیع ہو جانے کے شبہ کا جواب

اگرچہ پہلے زمانہ کے مقابلہ میں آج شہروں کے وسیع ہو جانے کی وجہ سے ایک طرف مشکلات میں اضافہ ہو گیا ہے، تو دوسری طرف سفر کی سہولیات میں بھی اضافہ ہو گیا ہے، جو سفر پہلے (اصل مسافتِ شرعیہ) تین دن اور تین رات میں با مشقت طے ہوتا تھا، آج کی تیز ترین سواریوں میں وہ بآسانی پہلے جیسی مشقت کے بغیر گھنٹوں بلکہ اس سے بھی کم وقت میں طے ہو جاتا ہے، فقہائے احناف نے تین دن اور تین رات والی احادیث کو بنیاد بناتے ہوئے ۴۸ میل سے اس کی تحدید کی ہے۔

اس سہولت وآسانی کے ہوتے ہوئے شہروں کی حدود کو سفر وقصر میں داخل کرنے کے بجائے خارج کرنے کی ضرورت اس کے مقابلہ میں زیادہ ہے، لہٰذا جب سفر کے اندر سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں تو اس کے مقابلہ میں موجودہ دشواریاں بھی کوئی وزن نہیں رکھتیں۔

اسی طرح پہلے زمانہ کے مقابلہ میں اگر آج شہر بڑے ہونے کی وجہ سے کچھ مشکلات پیدا ہو گئی ہیں تو پہلے زمانہ کے مقابلے میں فاصلوں کی تعیین بھی بہت سہل ہو گئی ہے، چنانچہ آج کل موٹر سائیکل سے لے کر تقریباً ہر سواری میں مسافت معلوم کرنے کے لئے آلات (میٹر) نصب

www.idaraghufran.org

ہوتے ہیں، شہر کی حدود سے نکلنے والے کو بآسانی ان ذرائع کی مدد سے مسافت معلوم کرنا ممکن ہے۔

کسی بھی قطعِ مسافت اور سیر کرنے والے کو زبردستی مسافر قرار دینے کا نہ تو شریعت نے مکلّف بنایا اور نہ ہی اس کی خواہ مخواہ ضرورت ہے، غور فرمایئے کہ اگر ایک شخص شہر کے اندر اندر چکر لگاتا ہے اور اس چکر لگانے کا دورانیہ مل کر ۴۸ میل بن جاتا ہے، اس کو فقہائے کرام نے مسافر قرار نہیں دیا، خواہ وہ ڈرائیور ہو اور روزانہ اتنا سفر کرتا ہو، جیسا کہ شہر کے اندر صبح سے شام تک لوکل گاڑیوں کے ڈرائیوروں اور معاونین (کنڈیکٹروں) کا حال ہے، تو جس طرح ایسے شخص کی قطع مسافت سفر شرعی یا اس سے بھی زیادہ مقدار میں ہونے کے باوجود مسافر قرار دینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، یہی حال بڑے شہر میں ایک سمت سے دوسری سمت سفر کرنے والے کا بھی ہے۔

دوسری طرف نماز کا وقت نماز کے لئے اصطلاحی معیار نہیں، بلکہ اصطلاحی ظرف ہے، لہٰذا نماز کو مشکوک مقام سے آگے پیچھے ادا کیا جاسکتا ہے، اور تعین نہ ہونے کی صورت میں خود فقہائے کرام نے اتمام کا حکم بیان فرمادیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

لہٰذا مشکوک موقع پر قعدہ اولیٰ کے باہتمام ادائیگی کے ساتھ اتمام اور مقیمین کی امامت سے اجتناب کا حکم مناسب ہوگا۔

پھر یہ دشواری بھی عموماً بڑے بڑے اور خاص خاص شہروں میں پیش آتی ہے، جہاں آبادی کا تسلسل میل ہا میل تک چلتا رہتا ہے، ہر شہر اور ہر مسافر کو یہ دشواری پیش نہیں آتی۔

تمام مسافروں کا سفر اتنی مسافت پر مشتمل نہیں ہوتا کہ شہر کی حدود طے کرنے اور نقطہ متعین کرنے کی وجہ سے شہر کی حدود سے باہر نکل کر اس کا مسافر ہونا نہ ہونا موقوف ہو، البتہ بعض مسافروں کو یہ دشواری پیش آسکتی ہے۔

اسی طرح اندرون شہر کی آبادی کو شامل کرنے نہ کرنے سے عموماً کوئی فرق مسافت سفر پر واقع

نہیں ہوتا، البتہ بعض مسافروں کو یہ دشواری ضرور پیش آسکتی ہے، جبکہ حدودِ شہر کے اندر اور باہر سے مدتِ مسافت ہونے نہ ہونے میں فرق واقع ہورہا ہو۔اور بعض مسافروں کی مشکلات کا حل اصولوں کو بدلنے کی صورت میں نکالنا درست نہیں۔

کسی شہر میں رہنے والے باشندہ کو عموماً اپنے شہر کی انتہاء الابنیۃ کی حددود کا علم ہوتا ہے، اور جسے علم نہ ہو وہ وہاں کے باشندوں سے بآسانی معلوم کرسکتا ہے۔اگر کوئی اتنی بات معلوم کرنے میں بھی غفلت سستی لاپرواہی اور مشکل محسوس کرے تو اس میں شریعت کا کیا قصور ہے۔

چنانچہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں اس زمانے کے بارے میں کراچی شہر کی آبادی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

کراچی کی عمارات غالباً پپری اسٹیشن تک پہنچ چکی ہیں، سٹی اسٹیشن اور لانڈھی اسٹیشن پر بہر صورت قصر جائز نہیں پوری نماز پڑھے (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۷۲)

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ جس طرح اسٹیشن، بس اڈے، ائیر پورٹ وغیرہ کو مبدءِ سفر وقصر یا کسی ایک چیز کو قرار دیا جائے گا، اسی طرح دوسرے شہر جس میں مسافر جانا چاہتا ہے، اس کا مبدء بھی اسی چیز کو قرار دینا ضروری ہوگا اور اس صورت میں لازماً واپسی کے وقت بھی منتہائے سفر وقصر یا کوئی ایک بھی اسی چیز کو قرار دینا لازم ہوگا جس کو مبدءِ قصر وسفر یا کوئی ایک قرار دیا تھا اور اس طرح وہ تمام مفاسد اپنی ضد کے ساتھ واپسی پر بھی لازم آئیں گے۔

النظر و الفکر کی ایک عبارت پر کلام

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ پہلی تحریر ’’النظر و الفکر فی مبدءِ السفر و القصر‘‘ میں جو یہ تحریر کیا گیا تھا کہ:

’’علاوہ ازیں ایک مستقل آبادی سے دوسری مستقل آبادی اور ایک شہر سے

www.idaraghufran.org

دوسرے شہر تک کے راستے عام طور پر محدود و متعین ہوتے ہیں اور ان کے فاصلے بھی لوگوں میں مشہور و معروف ہوتے ہیں اور ایک شہر سے دوسرے شہر کے فاصلے کی نشاندہی کا عام طور پر حکومت کی طرف سے بھی انتظام ہوتا ہے، جن لوگوں کو ایک شہر سے دوسرے شہر تک کا فاصلہ معلوم نہیں ہوتا وہ بھی بآسانی معلوم کر سکتے ہیں، جبکہ اس کے برخلاف ہر ایک کے گھر سے اسی شہر کی آبادی کے اختتام تک اور اسی طرح موضع مقصود کی آبادی کے اندرونی راستوں کے فاصلے محدود و متعین اور لوگوں میں مشہور و معروف نہیں ہوتے اور اختتامِ شہر تک عموماً کئی راستے نکلتے ہیں اور نہ ہی ہر کس و ناکس کو اپنے گھر سے خاص مقصدِ سفر تک کا فاصلہ معلوم ہوتا ہے، نیز اندرونی فاصلوں کی نشاندہی کا خاطر خواہ حکومت کی طرف سے بھی کوئی انتظام نہیں ہوتا، اس لئے گھر سے گھر تک مسافتِ سفر کا اعتبار کرنے میں ہر ایک کو الگ الگ مسافت اور فاصلوں کی تحقیق کی مشقت اور تنگی میں ڈالنا لازم آئے گا۔

جبکہ شریعت میں نہ اتنی باریکیوں کا اعتبار کیا جاتا ہے اور نہ انسان کو بے جا مشقت اور تنگی میں ڈالا جاتا ہے، بلکہ عموماً ایک عام ضابطہ اور اصول مقرر کر کے اس پر عامۃ الناس کی سہولت کو چھوڑ دیا جاتا ہے'' (النظر والفکر فی مبدءِ السفر والقصر)

اگرچہ مذکور الصدر بحث پر مسئلہ ہذا کا دارومدار نہیں ہے، اور اس بحث کا ذکر تبرعاً، تقویۃً اور توضیحاً للمسئلۃ ضمنی طور پر آ گیا تھا، تاہم اس سے مراد بھی یہ تھی کہ جس درجہ کی شہرت اور حکومت کی طرف سے انتظام ایک شہر سے دوسرے شہر وغیرہ تک نشان دہی کرنے اور کلومیٹر وغیرہ لکھنے کا ہوتا ہے، اس طرح کی شہرت اور انتظام اندرونِ شہر و اندرونِ آبادی نہیں ہوتا۔

اور یہ بات مشاہدہ میں بھی ہے کہ اندرون شہر میں اختتامِ شہر کی عموماً نشاندہی نہیں ہوتی اور لوگوں کو بھی اختتامِ شہر تک کے فاصلے معلوم و معروف نہیں ہوتے، اور اس کے برخلاف

دو مستقل آبادیوں کے درمیانی فاصلے عام طور پر اہلِ علاقہ کو معلوم ہوتے ہیں، خصوصاً روزمرہ سفر کرنے والے حضرات اور اس میں بھی بالخصوص مختلف گاڑیوں کے ڈرائیور حضرات درمیانی فاصلے سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، اور لاعلم لوگوں کو ان سے معلوم کرنا ممکن ہوتا ہے۔

اور شریعت نے بہت سے امور میں اہلِ علم اور واقف لوگوں سے معلومات حاصل کرنے کا مکلّف کیا ہے جس کی بے شمار نظیریں شریعت میں موجود ہیں، چنانچہ وہ مسافر جس کو سفر کے دوران قبلے کی جہت کا علم نہ ہو اسے دوسروں سے معلوم کرنے کا حکم ہے، بصورتِ دیگر قرائن سے اندازہ اور تحری کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

بعینہٖ یہی حال مسافت اور انتہاءُ ابنیۃِ البلد کے بارے میں بھی معلومات کا ہے۔

عموماً مشاہدہ ہے کہ اختتامِ حدودِ شہر وغیرہ پر حکومت کی طرف سے کوئی علامت نصب کردی جاتی ہے، مثلاً وہاں کوئی چیک پوسٹ یا چونگی وغیرہ قائم ہوتی ہے اختتام حدود پر عموماً خدا حافظ وغیرہ لکھا ہوا نظر آتا ہے، ممکن ہے کہ دوسرے ملکوں اور علاقوں کا کچھ اور عرف ہو۔

البتہ وقت کے ساتھ آبادی بڑھتے رہنے کا مسئلہ کیونکہ ابتدائے آفرینش سے ہی مسلم ہے اس لئے آئے دن اس کی تبدیلی کے انتظام میں حکومت کو دشواری ہوتی ہے اس لئے بعض اوقات کچھ فرق بھی آجاتا ہے اور سالہا سال تک باوجود آبادی کے اس نقطہ سے تجاوز کے تبدیلی عمل میں نہیں آتی اور نہ ہی حکومت شرعی باریکیوں اور نزاکتوں کی بنیاد پر ان چیزوں کا تعین کرتی، اس لئے صرف ان چیزوں کے رحم وکرم پر مبدءِ قصر ومبدءِ سفر کے مسئلہ کو موقوف نہیں رکھا جا سکتا، البتہ ان علامات واشاروں سے اس سلسلہ میں مدد ضرور حاصل کی جاسکتی ہے۔

اور تھوڑے بہت فرق سے مسافر ہونے نہ ہونے پر عموماً کوئی فرق نہیں پڑتا، اور نماز کو مشکوک مقام سے آگے پیچھے بھی ادا کیا جا سکتا ہے، ورنہ قصر واتمام میں تعارض کے وقت اتمام کو تو ویسے ہی ترجیح ہے، تفصیل انشاءاللہ تعالیٰ آگے ذکر کی جائے گی۔

معلوم ہوا کہ جس مشکل سے نکلنے کے لئے اڈے اور شہر کے مرکز وغیرہ کے نقطہ کے تعین کی

www.idaraghufran.org

ضرورت محسوس کی جاتی ہے، اس سے زیادہ مشکلات ومفاسد خود تجویز کردہ اور حل کردہ نقطوں میں لازم آتے ہیں۔

اور جو موانع اور خرابیاں گھر کو مبدءِ سفر ماننے میں پیش آتی تھیں، وہی بلکہ اس سے مِنْ وجہٍ کچھ زائد بس اڈے وغیرہ کو معیار ومبدأ بنانے میں لازم آتی ہیں، اور جب مبدءِ سفر گھر کو ماننے کی صورت میں پیش آمدہ موانع ومفاسد کی وجہ سے اس نقطہ یعنی گھر کو مبدأ قرار دینے سے عدول کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی، تو اس موجودہ حل کردہ نقطہ سے عدول کی بدرجۂ اولیٰ ضرورت پیش آئے گی، خصوصاً جبکہ مبدءِ قصر کا مسئلہ مبدءِ سفر سے زیادہ مصرح ہے۔

پس مبدءِ قصر وسفر بس اڈے، سٹیشن اور ائرپورٹ یا شہر کے مرکز کو قرار دینا مشکل اور دشواری کا حل نہیں، بلکہ مزید مشکلات کا باعث ہے۔ لہٰذا اس کا ایسا حل نکالنا چاہئے جس میں مذکورہ مفاسد ونقائص اور مشکلات سے حفاظت رہے۔ اور شرعی ضابطہ پر بھی کوئی قدغن نہ لگے اور وہ حل بھی عرف عام ہی سے نکلتا ہے، بس فرق اتنا ہے کہ مذکورہ دونوں عرف اور نقطے (بس اڈے وغیرہ اور مرکز) عرفِ فاسد یا عرف بے محل ہیں اور اس کے مقابلہ میں دوسرا عرف عرفِ صحیح ہے۔ جس کی تفصیل انشاءاللہ تعالیٰ آخر میں ذکر کی جائے گی۔

سوار ہونے کے بعد عرف میں مسافر سمجھے جانے کا مسئلہ

اس مسئلہ میں نص، اجماع وغیرہ کی موجودگی میں عرف کا غیر معتبر ہونا کیونکہ مسلم ہے، اور مسئلہ ہٰذا کا نص پر مبنی ہونا مفصلاً پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، اس لئے مزید کلام کرنے کی ضرورت نہیں۔

البتہ یہاں اس پر کلام کی گنجائش ممکن ہے کہ کیا شہر کی حدود میں رہتے ہوئے بس اڈے وغیرہ سے سوار ہو جانے والے کو عرف میں بھی شرعی مسافر سمجھا جاتا ہے یا نہیں؟

تو غور کرنے سے ناقص رائے میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ حدودِ شہر سے خروج سے قبل انسان عرف میں بھی شرعی مسافر شمار نہیں کیا جاتا، وجوھات مندرجہ ذیل ہیں۔

شہر کی حدود سے سواری پر سوار ہونے کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے، تقریباً ہر دور میں مسافر اس میں مبتلا رہے ہیں، ظاہر ہے کہ جس وقت پیدل یا گھوڑوں وغیرہ کے ذریعے سفر ہوتا تھا، اور قافلے روانہ ہوتے تھے، اس وقت بھی بہت سے لوگ اپنی سواریوں پر گھروں سے اور بہت سے کرایہ وغیرہ کے گھوڑوں، بیلوں وغیرہ سے سفر کرتے تھے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اُس وقت بھی روانگی اور سواری ملنے کا کوئی نہ کوئی ٹھکانہ اور جگہ مقرر ہوتی ہوگی (کہ اس کے بغیر نظم وضبط اور ضرورت کا پورا ہونا مشکل ہے) خصوصاً قافلے میں شریک ہونے کی جگہ کی تعیین تو ضرور ہوتی ہوگی، اور جب وہاں سے کوئی قافلہ روانہ ہوتا تھا، یا سواری پر سفر شروع ہوتا تھا، اس وقت بھی لوگوں کے ذہنوں میں سفر اور مسافر کا تصور قائم ہوتا ہوگا، کیونکہ ظاہری حلیہ وہیئت سفر اور مسافروں والی شہر کی حدود میں ہی متحقق ہوجاتی تھی۔

لیکن ایک چیز تو ہے سفر کی نیت اور تیاری کرنا یا سفر کے لئے چلنا اور دوسری چیز ہے سفر کا شروع ہوجانا، ظاہر ہے کہ سفر یا مسافر کا مذکورہ تصور پہلی چیز کے اعتبار سے ہوتا تھا نہ کہ دوسری چیز کے اعتبار سے۔ جیسا کہ ایک شخص بنیتِ احرام تلبیہ پڑھے بغیر احرام کی صرف چادریں پہن لیتا ہے اور گھر سے روانہ ہوجاتا ہے، تو ظاہری اعتبار سے اگرچہ وہ محرِم نظر آرہا ہے، مگر شرعاً وہ محرِم شمار نہیں ہوتا، فقہائے کرام نے اپنے دور میں بھی دابۃ پر سوار ہوجانے والے کو مطلقاً مسافر قرار نہیں دیا اور قصر کی اجازت نہیں دی (جیسا کہ ماسبق میں کئی محدثین اور فقہائے کرام کے حوالوں سے گزرا)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ منورہ سے ہی سواری پر سوار ہوجایا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے سواری پر نماز پڑھی تو فقہاء ومحدثین کے مابین ”صلاۃ التطوع علی الدابۃ“ کا مسئلہ زیر بحث آیا تو بعض فقہائے کرام نے سفر کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے بحالتِ حضر اور شہر کی حدود میں بھی جواز کا قول اختیار کیا، لیکن دیگر فقہائے کرام نے اس سے اختلاف کیا:

واستدل أبو يوسف ومن ذكرنا معه من جواز التنفل على الدابة في

الحضر بعموم حديث الباب، لأنه لم يصرح فيه بذكر السفر، ومنع أبو حنيفة ومحمد من ذلك فى الحضر، واحتجا على ذلك بحديث ابن عمر الآتى فى :باب الإيماء على الدابة، عقيب هذا الباب (عمدة القارى، ج۷ص۱۳۸، كتاب تقصير الصلاة، باب صلاة التطوع على الدواب حيثما توجهت به)

فائدہ:...... یہاں بھی مجوزین نے عرف کو اپنے استدلال میں پیش نہیں کیا اور جن فقہاء کو حدود شہر میں رہتے ہوئے صلاۃ التطوع علی الدابۃ میں اختلاف ہوا، ان فقہائے کرام نے قصر کے باب میں شہر کے اندر رہتے ہوئے اختلاف نہیں کیا، کیونکہ قصر کے بارے میں اتنی گنجائش بھی روایات میں نظر نہیں آتی، جتنی اس مسئلہ میں نظر آتی ہے۔

فقہائے کرام نے حلف ویمین کے بارے میں یہ مسئلہ ذکر فرمایا ہے:

يعلم مما قررناه جواب ما يقع كثيرا فيمن حلف ليسافرن فإنه يبر بمجاوزته العمران على قصد السفر إلى مكان بينه وبينه مدة السفر، فإذا بدا له الرجوع رجع بلا ضرر وبه أفتى المصنف وغيره، لكن لا بد من قصد السفر كما قلنا لا مجرد الخروج على قصد الرجوع لأنه لا يتحقق به السفر، والله أعلم (ردالمحتار، ج۳ ص ۷۵۷، كتاب الأيمان، باب اليمين فى الدخول والخروج والسكنى والإتيان والركوب وغير ذلك)

قال بعض الفضلاء :وقعت حادثة فى عهدنا، وهى أن شخصا حلف ليسافرن، فهل يعتبر فى ذلك مسيرة ثلاثة أيام، أو خروجه بالنية، أو يراد به مطلق الخروج من مصره؟ فأجاب بأنه متى خرج قاصدا للسفر وجاوز عمران مصره صدق عليه أنه مسافر حتى

جاز له قصر الصلاة، كما أفاده فى شرح الهداية فلا يحنث ولو عاد بعد ذلك (غمز عيون البصائر فى شرح الاشباه والنظائر، ج ا ص ۲۴۵،الفن الثالث من الأشباه والنظائر وهو فن الجمع والفرق، تحت القاعدة الرابعة ،المشقة تجلب التيسير)

(ألا ترى) أن المقيم بالكوفة إذا خرج من أبيات الكوفة على قصد السفر كان مسافرا يقصر الصلاة فعرفنا أن التزوج فى هذا الموضع لا يكون تزويجا بالكوفة(المبسوط للسرخسى، ج۳۰ص ۲۲۹، مسائل متفرقة، بعد باب الصلح، قبل باب الأيمان)

تبیین الحقائق میں ہے:

ويشترط للحنث أن يجاوز عمران مصره على قصد الخروج إلى مكة حتى لو رجع قبل أن يجاوز العمران لا يحنث بخلاف الخروج إلى الجنازة حيث يحنث فيه بمجرد الخروج من بيته لأن الخروج إلى مكة سفر ولا سفر قبل مجاوزة العمران (تبيين الحقائق، ج۳ص ۱۲۱، كتاب الأيمان، باب اليمين فى الدخول والخروج والسكنى والإتيان وغير ذلك)

فائدہ:......دیکھئے یہ مسئلہ یمین کا ہے اور کلام الناس سے متعلق ہے، مگر یہاں بھی کسی عرف وغیرہ کے بجائے نص پر ہی مسئلہ کا مدار رکھا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تجاوزِ عمران ہی سے سفر وقصر شروع ہوتی ہے اسی لئے سفر کی قسم کھانے والا تجاوزِ عمران پر قسم سے بری ہو رہا ہے۔
اگر شہر کے مرکز یا آبادی کے اندر اسٹیشن وغیرہ سے سوار ہونے کے بعد مسافر سمجھا جائے گا تو گاڑی وغیرہ میں سوار ہونے والا حانث نہ ہوگا۔

العنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

وقوله (ولو حلف لا يخرج إلى مكة) هاهنا ثلاثة ألفاظ :الخروج والإتيان والذهاب والأول شرط الحنث به الانفصال بمجاوزة عمران مصره قاصدا لذلک دون الوصول .قال الله تعالى (ومن يخرج من بيته مهاجرا إلى الله ورسوله)وأراد به الانفصال (العناية شرح الهداية، ج۵ص ۱۰۹، كتاب الأيمان، باب اليمين فى الخروج والإتيان والركوب وغير ذلک)

اور علامہ شلبی اسی مسئلہ کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كأنه ضمن لفظ أخرج معنى أسافر للعلم بأن المضى إليها سفر (حاشية الشلبى علىٰ تبيين الحقائق، ج۳ص ۱۲۱، كتاب الأيمان، باب اليمين فى الدخول والخروج والسكنى والإتيان وغير ذلک)

علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقال عمر بن أسد :سألت محمدا عن رجل حلف ليخرجن من البلدة ما الخروج؟ قال إذا جعل البيوت خلف ظهره؛ لأن من حصل فى هذه المواضع جاز له القصر، ولا يجوز له القصر إلا بالخروج من البلد فعلم أنه خرج من البلد (بدائع الصنائع، ج۳ص ۴۲، كتاب الأيمان، فصل فى الحلف على الخروج من إقامته)

یہاں بھی مسئلہ کا مدار خروج بلد پر ہی رکھا گیا ہے اور دلیل بھی قصر کی ہی پیش کی گئی ہے، جبکہ حلف ویمین کے باب میں عرف کا دخل بہت زیادہ ہے۔

اگر شہر کے اندر چلنے والے کو عرف میں مسافر سمجھا جاتا تو امام محمد رحمہ اللہ جیسے عرف شناس فقیہ اور بعد کے دیگر فقہا اس کا ضرور اعتبار فرماتے۔

اگر کہا جائے کہ یہ مسئلہ تو خروج کے بارے میں ہے نہ کہ سفر کے بارے میں اور ہمارے زیر

www.idaraghufran.org

بحث مسئلہ کا تعلق سفر سے ہے نہ کہ خروج سے۔

تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اصل بنیاد اس مسئلہ میں وہی ہے جو یہاں خروج بلد کے بارے میں قصر کی بابت بیان کی گئی ہے کہ یہاں نص سے ثابت شدہ وجہ کو حجت کے طور پر بیان کیا جارہا ہے، نہ کہ عرف کو، دوسرے یہ کہ فقہائے کرام نے سفر کے بارے میں بھی یہی مسئلہ بیان فرمایا ہے جیسا کہ شامی کے حوالہ سے گزرا۔

جب فقہائے کرام نے حلف ویمین کے باب میں عرف وغیرہ کے بجائے شرعی اصولوں پر مبدأِ سفر کا مدار رکھا ہے تو اس سے ظاہر ہوا کہ سفر کا مدار شرعی سفر پر ہی ہے، اور اگر شرعی اصولوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو پھر عرف میں تو ۴۸ میل سے کم سفر کرنے والے کو بھی مسافر کہنا پڑے گا کیونکہ اگر بس وغیرہ میں روانہ ہونے والے کو شہر کی حدود میں رہتے ہوئے مسافر کہا جا سکتا ہے تو شہر سے خارج ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ اسے مسافر قرار دیا جانا چاہئے، پھر اس طرح قسم سے بری ہونے کا کوئی بھی معیار باقی نہیں رہے گا۔

اسی لئے آج بھی اگر کوئی سفر کرنے کی قسم کھالے تو اسے شہر سے خروج بنیت مدت مسافت پر ہی قسم سے بری قرار دیئے جانے کا فتویٰ دیا جائے گا نہ کہ اس سے قبل صرف بس اڈے وغیرہ سے سوار ہو لینے پر یا مرکز سے، جس سے اس نے سیر کا آغاز بھی نہیں کیا۔

اسی طرح اگر کوئی قسم کھالے کہ وہ فلاں شہر میں نکاح نہیں کرے گا اور پھر وہ مذکورہ شہر کی آبادی سے بنیتِ سفر نکل کر نکاح کرے تو حانث نہ ہوگا اس کی وجہ بھی یہی بیان فرمائی گئی ہے، کہ وہ اس مقام پر نکاح کرنے والا قرار نہیں دیا جائے گا بوجہ مسافر ہو جانے کے، اور مذکورہ شہر کی آبادی سے خروج سے قبل وہ مذکورہ شہر میں ہی نکاح کنندہ شمار ہوگا، اگر چہ بنیتِ سفر اس نے چلنا ہی کیوں نہ شروع کر دیا ہو۔

اگر وہ عرف میں مسافر سمجھا جاتا تو شہر کی آبادی میں بنیتِ سفر روانہ ہو کر نکاح کرنے سے بھی حانث نہیں ہونا چاہئے تھا، اور حنث سے بچنے کے لئے خروج من البلد کو ضروری قرار نہ دیا جاتا۔

اس مسئلہ میں بھی فقہائے کرام نے کسی عرف پر مسئلہ کا مدار رکھنے کے بجائے شرعی ضابطہ پر ہی مدار رکھا، اور عرف وغیرہ کو یہاں پیش نہیں فرمایا۔

(ألا ترى) أن المقيم بالكوفة إذا خرج من أبيات الكوفة على قصد السفر كان مسافرا يقصر الصلاة فعرفنا أن التزوج فى هذا الموضع لا يكون تزويجا بالكوفة(المبسوط للسرخسي، ج٣٠ص ٢٢٩، مسائل متفرقة، بعد باب الصلح، قبل باب الأيمان)

حلف لا يسافر بحرا شمل النهر العظيم كما أفتى به بعضهم لتصريح الصحاح بأنه يسمى بحرا قال :ويبر من حلف ليسافرن بقصير السفر بأن يصل لمحل لا تلزمه فيه الجمعة لكونه لا يسمع النداء منه .اهـ .وأخذ هذا من رأى من ضبط قصير السفر الذى يتنفل فيه لغير القبلة، وفيه نظر بل قضية كلامهم بره (أى من حلف ليسافرن بقصير السفر) بمجرد مجاوزة ما مر فى صلاة المسافر بنية السفر؛ لأنه الآن يسمى مسافرا لغة وشرعا وعرفا وإنما قيدوا نحو التنقل على الدابة بالميل أو عدم سماع النداء ؛ لأن ذاك رخصة تجوزها الحاجة ولا حاجة فيما دون ذلك فتأمله (تحفة المحتاج فى شرح المنهاج، ج١٠ ص ٢١، كتاب الأيمان، فصل فى صور منثورة ليقاس بها غيرها)

فائدہ:......یعنی لغۃً شرعاً اور عرفاً تینوں اعتبار سے مجاوزۃِ بلد سے پہلے مسافر نام نہیں رکھا جاتا۔ بس اڈے وغیرہ سے سوار ہونے کے بعد اگر کوئی شخص دوسروں سے اپنے حاجت مند ہونے کا سوال کرے اور اپنے آپ کو مسافر قرار دے جبکہ ابھی تک شہر کی حدود میں ہو تو اسے مسافر نہیں سمجھا جائے گا، جبکہ معلوم ہو کہ یہ اسی شہر کا باشندہ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ عرف میں بھی شرعی مسافر شہر کی حدود سے خروج کے بعد ہی سمجھا جاتا ہے، اور جس طرح کہ عرف میں اڈے وغیرہ سے روانہ ہونے والے کو آج مسافر سمجھا جاتا ہے، اس طرح کا عرف پہلے بھی تھا مگر پہلے بھی اس عرف پر کوئی شرعی حکم مرتب نہیں کیا گیا، لہٰذا اسے عرف حادث قرار دے کر اس پر کوئی نیا حکم متفرع کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔

ایک شبہ کا جواب

بعض حضرات نے اڈے، اسٹیشن وغیرہ سے سوار ہونے والے پر سفر وقصر وغیرہ احکام جاری ہونے پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ ان مقامات سے سوار ہو جانے کے بعد سواری کو روکنا یا چلتی ہوئی حالت میں اس سے نیچے اترنا انسان کے اپنے اختیار میں نہیں رہتا، اس لئے سفر وقصر وغیرہ کا حکم سوار ہوتے ہی عائد ہو جانا چاہئے۔

مگر یہ استدلال اولاً تو نص واجماع وغیرہ کی موجودگی میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، دوسرے سفر وقصر کا مدار اختیار ہونے نہ ہونے پر نہیں ہے، بعض اوقات شہر میں رہتے ہوئے بھی انسان کو یہ اختیار نہیں ہوتا اور اس کے برعکس شہر سے نکلنے کے بعد یہ اختیار حاصل ہوتا ہے (کما لایخفٰی) اور فقہائے کرام نے بھی سواری کی انواع واقسام کے اعتبار سے سفر وقصر کے سلسلہ میں کوئی فرق نہیں فرمایا۔

بر سبیلِ تسلیم بھی آخری درجے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سوار ہونے کے بعد اگرچہ انسان عرفاً مسافر سمجھا جاتا ہے، مگر اس کے باوجود اس کو شرعاً پھر بھی مسافر قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ زیرِ بحث مسئلے کا تعلق ''سفرِ شرعی'' سے ہے نہ کہ ''سفرِ عرفی'' سے، مبدأ قصر کے الفاظ سے بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ مسئلہ ہٰذا ''سفرِ شرعی'' سے متعلق ہے اور جب خود فقہائے کرام نے ''سفرِ شرعی'' کو ''سفرِ لغوی'' وغیرہ سے الگ کر کے بیان کیا ہے اور اس قسم کی قیود جا بجا لگا کر سفرِ شرعی کی تعریف فرمائی ہے کہ ''السفر الذی یتغیر بہ الاحکام'' وغیرہ۔

تواس سے معلوم ہوا کہ سواری میں بیٹھنے کے بعد عرف میں مسافر سمجھے جانے سے بھی مسئلہ ہذا پر کوئی فرق نہیں پڑے گا اور مبدأ سفر وقصر کا تعلق ''سفرِ شرعی'' سے ہوگا اور اس کے مقابلے میں سفرِ عرفی پر کوئی شرعی حکم مرتب نہیں ہوگا، کالقصر والفطر،فلا یتحقق به مبدأ القصر
ایک شہر کے مرکز سے دوسرے شہر کے مرکز تک کے فاصلے کو عرف عام قرار دینا ویسے بھی محلِ نظر ہے، کیونکہ یہ فاصلہ زیادہ سے زیادہ حکومت کے کاغذوں میں اور خاص انتظامی معاملات میں درج ہوتا ہے اور عوام الناس عموماً اصل اور حقیقی فاصلوں سے واقف ہوتے ہیں، دوسرے اس فاصلے کا تعلق مسافر ہونے سے نہیں ہے۔
مسافرت کا تعلق قطع مسافت سے ہے نہ کہ کسی اور چیز سے۔اور مرکز کا تعلق کسی طرح بھی قطعِ مسافت سے قائم نہیں کیا جاسکتا۔

عقلی دلائل اور حکمتوں کی حیثیت

فقہائے کرام اپنی عادت کے مطابق بے شمار مقامات پر مسائل بیان کرتے وقت حکمتوں اور عقلی نکتوں کو بھی تتمیماً للفائدہ ذکر کردیتے ہیں،لیکن ان کی حیثیت ثانوی درجہ کی حامل ہوتی ہے،ان پر احکام کا مدار نہیں ہوتا۔
اسی طرح اگر کسی نے عرف کو سفر کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے پیش کیا ہو تو اس کی حیثیت بھی ثانوی درجہ کی ہی ہوگی۔
حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہٗ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں ایک اصولی بات کی طرف مختصر اشارہ کردینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔تمام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ عموماً یہ ہے کہ وہ صرف احکام اور ان کی علتیں بیان کرتے ہیں،حکمتوں اور مصلحتوں کا ذکر نہیں کرتے،اور اگر کہیں اتفاقاً

ان کا ذکر آئے تو الفقه فيه یا ألسرّ فيه کے الفاظ سے اس کو ممتاز کر دیتے ہیں، ایسی صورت میں مسلمہ اصول یہ ہے کہ فقہاء کا قانونی منشاء معلوم کرنے کے لئے ان کے بیان کردہ اسباب وعِلل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور جو بات وہ حِکمت ومصلحت کے طور پر بیان کرتے ہیں اُسے کسی قانونی حکم کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا اس لئے کہ احکامِ فقہیہ کا مدار علّتوں پر ہوتا ہے، حِکمتوں پر نہیں'' (فقہی مقالات جلد۲ صفحہ ۱۷۹، اسلام میں خلع کی حقیقت، مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز کراچی)

خروج عن البلد میں بلد سے مراد محلِ اقامت وموضعِ اقامت ہے

یہاں یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیئے کہ جہاں کہیں مصر یا بلد سے خروج کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد موضعِ اقامت ومحلِ اقامت ہے، خواہ وہ کوئی قریہ ہو یا قصبہ وشہر۔

جیسا کہ المعتصر الضروری میں ہے:

وليس المراد بالمصر حقيقيته بل المراد اقامته اعم من البلد مجاوزا فان الخارج من القرية للسفر مسافر "فتح المعين" (المعتصر الضروری علی مختصر القدوری ص ۱۵۰)

اور مجمع الانہر میں ہے:

(من جاوز بيوت مصره) ولم يذكر القرية لأنها تابعة في الحكم وليس بتغليب كما ظن وهي جمع بيت مأوى الإنسان من نحو حجر أو خشب أو صوف (مجمع الانهر، ج ا ص ۱۶۰، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

www.idaraghufran.org

(دوسرا باب)

''حدودِ بلد''

مبدءِ قصر وسفر میں خروجِ بلد کا مدار نص پر اور حدودِ بلد کا مدار عرف پر ہے

جیسا کہ شروع میں گزرا کہ خروج من البلد یا خروج من المصر سے قصر وسفر کی ابتداء ہونا منصوص ومتفق علیہ ہے جس کی تفصیل ماسبق میں ذکر کی جا چکی، لیکن کسی مقام (مثلاً خاص آبادی یا قریہ وغیرہ) کا بذاتِ خود دوسرے مقام (شہر وقریہ وغیرہ) کا حصہ ہونا یا نہ ہونا یہ مسئلہ عرف پر مبنی ہے۔

بالفاظ دیگر خروج بلد اور حدود بلد دو الگ الگ چیزیں ہیں پہلی چیز کا مدار منصوص (یعنی نص) پر اور دوسری چیز کا مدار معروف (یعنی عرف) پر ہے، یا یوں کہئے کہ مبدءِ سفر ومبدءِ قصر کا تحقق تو بے شک نص کی رو سے خروج بلد (موضعِ اقامت سے خروج) سے ہوگا، لیکن خود خروج بلد کہاں سے متحقق ہوگا؟ اس کا مدار نص کے بجائے عرف پر ہے، یعنی جس مقام سے عرف میں خروج عن حدود البلد سمجھا جاتا ہو، وہیں سے یہ خروج متحقق ہوگا، اور یہ دونوں مسئلے الگ الگ ہیں۔

اسی لئے پہلی چیز جمہور فقہا کے درمیان متفق علیہ اور دوسری چیز مختلف فیہ ہے، کیونکہ زمان ومکان کے اختلاف سے عرف کا اختلاف ممکن ہے۔

اسی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی چیز اس درجہ کی مجتہد فیہ نہیں ہے جس درجہ کی دوسری چیز مجتہد فیہ ہے۔ اور مجتہد فیہ چیز میں اختلاف کا ہو جانا ایک بدیہی بات ہے۔

اب اگرفقہائے کرام کا حدودِ بلد کی تعیین میں اختلاف ہو جائے تو اس کو منصوص حکم یعنی ”مبدءِ سفرومبدءِ قصر“ میں اختلاف کا ہونا نہیں کہا جائے گا، کیونکہ یہ تو منصوص حکم ہے اور پہلے سے متفق علیہ ہے، البتہ عرف وغیرہ کے تناظر میں اس منصوص حکم کے انطباق کا اختلاف قرار دیا جائے گا۔

ان دونوں باتوں میں باریک فرق کی وجہ سے بعض اوقات خلط ہو جاتا ہے، اور پھر اس کی وجہ سے کئی قسم کے مفاسد اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور ہو رہی ہیں۔

اس لئے ان دونوں باتوں کو الگ الگ رکھنا ضروری ہے چنانچہ فقہائے کرام کی عبارات میں غور کرنے سے یہ فرق ظاہر ہوتا ہے، جہاں تک پہلی چیز کا تعلق ہے یعنی خروجِ بلد سے سفر وقصر ہونا، اس پر تفصیلی کلام کیا جا چکا، اس لئے اس پر مزید کلام کی ضرورت نہیں البتہ دوسری چیز کہ خود خروجِ بلد کہاں سے متحقق ہوگا، اس کی قدرے تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی فقہائے اربعہ کے بیان فرمودہ مبدأ قصر وسفر کو اس طرح نقل فرماتے ہیں:

مجاوزة العمران من موضع إقامته : كما بينا، وللفقهاء تفريعات في توضيح هذا الشرط.

فقال الحنفية :أن يجاوز بيوت البلد التي يقيم فيها من الجهة التي خرج منها، وإن لم يجاوزها من جانب آخر .وأن يجاوز كل البيوت ولو كانت متفرقة متى كان أصلها من البلد، وأن يجاوز ما حول البلد من مساكن، والقرى المتصلة بالبلد .ويشترط أن يجاوز الساحة (الفناء) المتصلة بموضع إقامته :وهو المكان المعد لصالح السكان كركض الدواب ودفن الموتى وإلقاء التراب.

ولا يشترط أن تغيب البيوت عن بصره، ولا مجاوزة البيوت

www.idaraghufran.org

الخربة، ولا مجاوزة البساتين؛ لأنها لا تعتبر من العمران، وإن اتصلت بالبناء أو سكنها أهل البلدة.

وإذا كان ساكنا فى الأخبية (الخيام) فلا بد من مجاوزتها، وإذا كان مقيما على ماء أو محتطب فلا بد من مفارقته، ما لم يكن المحتطب واسعا جدا، والنهر بعيد المنبع أو المصب، وإلا فالعبرة بمجاوزة العمران.

وقال المالكية:المسافر إما حضرى، أو بدوى، أو جبلى.

فالحضرى :الساكن فى مدينة أو بلد أو قرية ولولا جمعة فيها، لا يقصر إلا إذا جاوز بنيانها والفضاء الذى حولها والبساتين المتصلة بها ولو حكما :بأن يرتفق أو ينتفع سكانها بها بنار أو خبز أو طبخ، والمسكونة بأهلها ولو فى بعض العام .ولا يشترط مجاوزة المزارع والبساتين المنفصلة، أو غير المسكونة فى وقت من العام.

والبدوى :ساكن البادية أو الخيام، لا يقصر إلا إذا جاوز جميع خيام أو بيوت القبيلة أو القبائل المتعاونة فيما بينها، ولو كانت متفرقة، حيث جمعهم اسم الحى والدار ، أو الدار فقط.

والجبلى :ساكن الجبال يقصر إذا جاوز محله أو مكانه.

وساكن القرية التى لا بساتين فيها مسكونة :يقصر إذا جاوز بيوت القرية والأبنية الخراب التى فى طرفها.

وساكن البساتين :يقصر بمجرد انفصاله عن مسكنه، سواء أكانت تلك البساتين متصلة بالبلد أم منفصله عنها.

www.idaraghufran.org

وقال الشافعية :إن كان للبلد أو القرية سور، فأول السفر مجاوزة السور، وإن كان وراء ه عمارة فى الأصح.

وإن لم يكن للبلد أو القرية سور :فأول السفر مجاوزة آخر العمران، وإن تخلله نهر أو بستان أو خراب، حتى لا يبقى بيت متصل أو منفصل عن محل الإقامة، ولا يشترط مجاوزة الخراب المهجور الخارج عن العمران؛ لأنه ليس محل إقامة، كما لا يشترط مجاوزة البساتين والمزارع، وإن اتصلت بما سافر منه .

ولا بد من مجاوزة المقابر المتصلة بالقرية التى لا سور لها.

وساكن الخيام :يقصر إن جاوز الحلة، أى البيوت التى يجتمع أهلها فيها للسمر، ويستعير بعضهم من بعض، سواء أكانت مجتمعة أم متفرقة، وجاوز أيضا مرافق الخيام كمطرح الرماد وملعب الصبيان ومرابط الخيل؛ لأنها معدودة من مواضع إقامتهم.

ويعتبر مع مجاوزة المرافق عرض الوادى إن سافر فى عرضه، ومجاوزة المهبط إن كان فى ربوة (مرتفع)، والمصعد إن كان فى وهدة (منخفض)، هذا إن اعتدلت الثلاثة (الوادى والمهبط والمصعد)، فإن اتسعت اكتفى بمجاوزة الحلة عرفا.

وساكن غير الأبنية والخيام يبتدء سفره بمجاوزة محل رحله ومرافقه .هذا كله فى سفر البر، أما السفر فى البحر :فيبتدء من أول تحرك أو جرى السفينة أو الزورق، فإن جرت السفينة محاذية للأبنية التى فى البلدة فلا بد من مجاوزة تلك الأبنية.

Idara Ghufran

وينتهى السفر بوصوله سور وطنه، أو عمرانه إن كان غير مسور.

وقال الحنابلة :يقصر المسافر إذا فارق خيام قومه، أو بيوت قريته العامرة، سواء أكانت داخل السور أم خارجه، بما يعد مفارقة عرفا؛ لأن الله تعالى إنما أباح القصر لمن ضرب فى الأرض، وسواء اتصل بها بيوت خربة أو صحراء ، فإن اتصل بالبيوت الخربة بيوت عامرة أو بساتين يسكنها أهلها ولو ضيفا مثلا وقت النزهة، فلا يقصر إلا بمفارقة الجميع من الخراب والعامر والبساتين المسكونة.

ولو كان للبلد محال، كل محلة منفردة عن الأخرى، كبغداد فى الماضى، فمتى خرج من محلته، أبيح له القصر إذا فارق أهله .

وإن كان بعضها متصلا ببعض كاتصال أحياء المدن المعاصرة، لم يقصر حتى يفارقها جميعها.

ولو كانت قريتان متدانيتين (متقاربتين)، واتصل بناء إحداهما بالأخرى، فهما كالواحدة، وإن لم يتصل بناؤهما، فلكل قرية حكم نفسها.

والملاح الذى يسير بسفينته وليس له بيت سوى سفينته، فيها أهله وتنوره وحاجته، لا يباح له الترخص (الفقه الاسلامى وادلتهٗ، ج۲ص ۱۳۵۰ الیٰ ۱۳۵۳، القسم الاول، الباب الثانی، الفصل العاشر، المبحث الثالث، المطلب الاول)

فائدہ:......موضعِ اقامت سے تجاوزعمران کی شرط کے متفق علیہ ومجمع علیہ ہونے کے بعد یہ فرمانا کہ:

Idara Ghufran

"وللفقهاء تفريعات فی توضيح هذا الشرط"

واضح کررہا ہے کہ پہلی چیز اور ہے جو کہ متفق علیہ شرط کا درجہ رکھتی ہے، اور اس شرط کی توضیح کی تفریع اس سے علیٰحدہ چیز ہے جو کہ متفق علیہ نہیں ہے۔

اس کے بعد فقہائے امت کے مذکورہ اختلاف کا بنظرِ غائر جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سفر وقصر کے لئے خروجِ بلد کی شرط پائے جانے کے نکتہ پر اتفاق کے باوجود اس شرط کی توضیح کی تفریعات میں اختلاف دراصل اس لئے ہوا کہ انہوں نے خروج بلد کی شرط متحقق ہونے کا عرف وغیرہ کے تناظر میں جب اپنے اپنے اجتہاد کی روشنی میں جائزہ لیا، تو اس سے جو نتیجہ نکلا وہ بیان فرمادیا اور اگر کوئی عرف لگا بندھا ایسا متعین ہوجاتا جو سب کے لئے مسلم ہوتا، تو شاید یہ اختلاف بھی باقی نہ رہتا، لیکن کیونکہ زمان ومکان کا اختلاف عرف کے اختلاف کا باعث بنتا ہے اس سے مذکورہ اختلاف کی حقیقت بھی سمجھی جاسکتی ہے۔

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:

قال جمهور الفقهاء :إن من سافر من قرية لها سور فأول سفره الذی يجوز له الأخذ برخص السفر -من قصر للصلاة الرباعية وجمع بين الصلوات وغير ذلک -هو مجاوزة سورها المختص بها وإن تعدد السور أو كان فی داخله مزارع وبساتين وخراب؛ لأن ما فی داخل السور معدود من نفس القرية محسوب من موضع الإقامة، ومثل السور الخندق، أو الحاجز الترابی الذی يحوطه أهل القرى بقراهم فإن لم يكن للقرية سور أو نحوه أو لها سور غير خاص بها، كأن جمع معها قرية أخرى أو أكثر ولو مع التقارب، فأول سفره مجاوزة العمران بأن يخرج من بيوت قريته ويجعلها وراء ظهره؛ لأن الضرب فی الأرض المذكور فی قوله

www.idaraghufran.org

تعالى (وإذا ضربتم فى الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة)الآية، يتحقق بذلك.

قال ابن المنذر :أجمع كل من نحفظ عنه من أهل العلم أن للذى يريد السفر أن يقصر الصلاة إذا خرج من بيوت القرية التى يخرج منها.

قال الشافعية :ولا يشترط مجاوزة البساتين والمزارع المتصلة بالقرية لأنها ليست من القرية، ولأنها لا تتخذ للإقامة عادة.

وقال المالكية :يشترط مجاوزة البساتين المسكونة المتصلة أو ما فى حكمها كالبساتين التى يرتفق أهلها بالمرافق المتصلة من أخذ نار وطبخ وخبز وما يحتاج إلى شرائه، وأما المزارع والبساتين المنفصلة حقيقة حكما فلا يشترط مجاوزتها.

والقريتان المتصلتان -قال المالكية :ومثلهما المتقاربتان بحيث يرتفق أهل كل واحد منهما بأهل الأخرى -يشترط مجاوزتهما لأنهما فى حكم القرية الواحدة.

وأما المنفصلتان -قال الشافعية :ولو كان الانفصال يسيرا -فلا يشترط تجاوزهما بل يكفى لتحقق سفره مجاوزة قريته فقط، قال المالكية :ومثل المنفصلتين المتعاديتان بحيث لا يرتفق أهل إحداهما بالأخرى بسبب العداوة التى بينهما فلا يشترط مجاوزتهما.

وينتهى سفر المسافر إذا رجع إلى قريته ببلوغه ما اشترط مجاوزته ابتداء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٣ص١٦٤ ،مادة "قرية")

Idara Ghufran

فائدہ:......موسوعہ کی عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ ضرب فی الارض یا سفر دراصل مجاوزۃ العمران یعنی خروج من بیوت القریۃ سے ہی متحقق ہوتا ہے، لیکن خود مجاوزۃ عمران یا خروج من بیوت القریۃ کہاں سے متحقق ہوتا ہے، اس کا فیصلہ فقہائے کرام نے اپنے اپنے اجتہاد کی روشنی میں عرف وغیرہ کو دیکھ کر کیا ہے، اور عرف واجتہاد کے مختلف ہونے سے اس میں بھی اختلاف ہوگیا۔

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہی دوسری جگہ ہے:

يصير المقيم مسافرا إذا تحققت الشرائط الآتية:

الشريطة الأولى :الخروج من المقام، أى موطن إقامته، وهو أن يجاوز عمران بلدته ويفارق بيوتها، ويدخل فى ذلك ما يعد منه عرفا كالأبنية المتصلة، والبساتين المسكونة،والمزارع، والأسوار، وذلك على تفصيل بين المذاهب سيأتى بيانه.

ولا بد من اقتران النية بالفعل؛ لأن السفر الشرعى لا بد فيه من نية السفر كما تقدم، ولا تعتبر النية إلا إذا كانت مقارنة للفعل، وهو الخروج؛ لأن مجرد قصد الشىء من غير اقتران بالفعل يسمى عزما، ولا يسمى نية، وفعل السفر لا يتحقق إلا بعد الخروج من المصر، فما لم يخرج لا يتحقق قران النية بالفعل، فلا يصير مسافرا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧ ص ٢٦٩ ،مادة "صلاة المسافر")

فائدہ:......مذکورہ عبارت سے صراحت اور وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہوگئی کہ مقیم شخص کے مسافر بننے (اوراس پر احکامِ سفر، قصر وغیرہ جاری ہونے) کے لئے وطنِ اقامت کی آبادی سے خروج شرط ہے، اور کسی حصہ کے وطنِ اقامت کی آبادی شمار ہونے میں عرف کا اعتبار ہے (ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ سفر کی نیت کا فعلِ سفر کے ساتھ مقارن ہونا ضروری

ہے۔اور فعلِ سفر مصر سے خروج کے بعد ہی متحقق ہوتا ہے، لہٰذا قصر اور سفر کا مبدأ خروج عن البلد ہی ہوا)

طحطاوی علی المراقی میں ہے:

قوله" :إذا جاوز بيوت مقامه "عبر بالجمع ليفيد اشتراط مجاورة الكل فيدخل فيه محلة منفصلة وفى القديم كانت متصلة لأنها تعد من المصر كما فى الخانية قوله" :ولو بيوت الأخبية "متصلة أو متفرقة فإن نزلوا على ماء أو محتطب يعتبر مفارقة الماء والمحتطب قال فى الشرح ولعله ما لم يكن محتطبا واسعا جدا اهـ ولا يشترط غيبوبة البيوت عن بصره لما روى عن على بن ربيعة الأسدى خرجنا مع على ونحن ننظر إلى الكوفة فصلى ركعتين ثم رجعنا فصلى ركعتين وهو ينظر إلى القرية فقلنا ألا نصلى أربعا فقال :حتى ندخلها (حاشية الطحطاوى على المراقى، ص ۴۲۳، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

فائدہ:......اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قصر کے لئے مقامِ اقامت کے تمام بیوت سے تجاوز ضروری ہے یہاں تک کہ منفصل محلّہ سے بھی جو کہ پہلے متصل تھا کیونکہ ایسا منفصل محلّہ (عرف میں) مصر کا حصہ شمار کیا جاتا ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ قریہ سے باہر تھے اور اپنی نظروں سے اس کو دیکھ رہے تھے مگر پھر بھی قصر نہیں فرمائی، لہٰذا ایک مصر کا جو محلّہ کچھ فاصلے پر ہو لیکن عرف میں وہ اسی شہر کا حصہ شمار کیا جاتا ہو تو دونوں کو اتحادِ آبادی کا حکم حاصل ہے۔اور مبدأ قصر وسفر اس محلّہ وحصہ سے تجاوز پر ہی متحقق ہوگا۔

علامہ منصور بن یونس بہوتی حنبلی لکھتے ہیں:

Idara Ghufran

فيقصر إذا فارقها (بما يقع عليه اسم المفارقة بنوع من البعد عرفا) ؛ لأن الله تعالى إنما أباح القصر لمن ضرب في الأرض وقبل مفارقته ما ذكر لا يكون ضاربا فيها ولا مسافرا ولأن ذلك أحد طرفي السفر أشبه حالة الانتهاء ولأن النبي -صلى الله عليه وسلم -إنما كان يقصر إذا ارتحل وقال تعالى (لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة)(كشاف القناع عن متن الاقناع،ج ا ص٥٠٧، كتاب الصلاة، باب صلاة اهل الاعذار، فصل فى القصر)

فائدہ:......اس عبارت سے مفارقتِ بلد کا مبدأ قصر ہونا اوراس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول (کہ مفارقت سے پہلے ضارب اورمسافرنہیں ہوتا)اور نبی علیہ السلام کاعمل(کہ نبی علیہ السلام آبادی سے کوچ کرنے پرہی قصرفرمایا کرتے تھے)ہونا معلوم ہوااورساتھ ہی یہ بھی ظاہرہوا کہ مفارقت میں عرف کا اعتبار ہوگا۔

علامہ مصطفیٰ بن سعد بن عبدۃ الرحیبانی حنبلی لکھتے ہیں:

إذا فارق (خيام قومه) إن استوطنوا الخيام بما يقع عليه اسم المفارقة بنوع من البعد عرفا، لأن الله تعالى أباح القصر لمن ضرب في الأرض، وقبل مفارقته ما ذكر لا يكون ضاربا فيها، ولا مسافرا، ولأن ذلك أحد طرفي السفر، أشبه حالة الانتهاء (مطالب اولى النهىٰ فى شرح غاية المنتهىٰ ،كتاب الصلاة، باب صلاة اهل الاعذار، فصل فى قصر الصلاة)

فائدہ:......اس کی وضاحت پہلے گزرچکی مفارقت بنوع من البعد کاتعین عرف سے کیا جائے گا اورجب تک عرفاً مفارقت بلد نہ ہوجائے اس وقت تک وہ شرعاً ضارب فی الارض اور مسافرنہ ہوگا۔

اور یہی عرفی نقطۂ خروج آمدورفت دونوں کے لحاظ سے مبدأ ومنتہاء ہوگا۔

آبادی کے مستقل ومتحد ہونے اور حدودِ بلد کے متعلق فقہاء کی تصریحات

بعض فقہائے کرام نے عمارات کومختلف حصوں میں تقسیم کرکے ان کی تعریف کی ہے۔

چنانچہ علامہ شربینی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(قوله :لقيط بلدة) اعلم أن العمارة إن قلت فقرية أو كثرت فبلد أو عظمت فمدينة وقيل غير ذلک كما ذكره الفقهاء في الجمعة وهو أن البلد ما فيه حاكم شرعي أو شرطي أو أسواق معاملة وإن جمعت الكل فمصر ومدينة أو خلت عن الكل فقرية .اهـ .ق ل على الجلال (حاشية الشربيني على الغرر البهية في شرح البهجة الوردية، ج۳ص۴۰۸، باب اللقطة واللقيط، اركان اللقيط)

اور علامہ احمد سلامہ قلیوبی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قوله :(والبلدي إلخ) حاصله أن العمارة إن قلت فقرية، أو كثرت فبلد أو عظمت فمدينة، وقيل غير ذلک كما ذكره الفقهاء في الجمعة وهو أن البلد ما فيه حاكم شرعي أو شرطي أو أسواق للمعاملة، وإن جمعت الكل فمصر ومدينة وإن خلت عن الكل فقرية وعلم من كلامه أن البلدي أخص من الحضري (حاشية قليوبي على منهاج الطالبين، ج۳ص۱۲۶، كتاب اللقيط)

فائدہ:...... یہاں مدینہ یا مصر کو قریہ اور بلد وغیرہ سے بڑا اور وسیع قرار دیتے وقت کوئی حد بندی وغیرہ نہیں کی گئی، بلکہ کثرت ،عظمت وان جمعت الكل وغیرہ فرما کر تکثیر، تعظیم

www.idaraghufran.org

اوراجتماعیت سے تعبیر کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر (جو ہمارے عرف میں مدینہ، بلد اور مصر کو عام ہے) کے بڑا ہونے کی کوئی انتہاء اور حد نہیں ہے، ادنیٰ چیز اعلیٰ میں مدغم ہوسکتی ہے۔

آبادی میں اضافہ کا مسئلہ عموماً ہر دور میں پیش آتا رہا ہے، لہٰذا کسی شہر کے بحیثیت شہر اضافہ ہوجانے اور بڑا ہوجانے سے اتحاد کا حکم اسی طرح برقرار رہے گا جس طرح شروع میں تھا۔

اور قریہ کے قصبہ یا شہر وغیرہ بن جانے سے قصر وسفر وغیرہ کے اعتبار سے موجودہ آبادی (قصبہ یا شہر کی حدود سے) سے خروج کا وہی حکم رہے گا جو قریہ ہونے کی صورت میں اُس وقت کی آبادی کے خروج کے وقت تھا، کیونکہ اصل خروج موضعِ اقامت سے معتبر ہے اور موضع اقامت کبھی قریۂ صغیرہ ہوتا ہے، کبھی قریۂ کبیرہ، کبھی بلد صغیر اور کبھی بلدِ کبیر (اور بڑا ہونے کی پھر کوئی حد وانتہا نہیں) اور خروج وہی معتبر ہے جو بالفعل وبالعمل اور بالمباشرت سفر کے ساتھ ہو، قطع نظر اس سے کہ اس موضع اقامت سے، پہلے زمانے کے مسافروں کا خروج کس جگہ سے متحقق ہوتا تھا اور آئندہ زمانے کے مسافروں کا کس جگہ سے متحقق ہوگا۔

ناقص معلومات کے مطابق فقہائے احناف میں سے سب سے پہلے تیسری صدی میں قاضی خان رحمہ اللہ کی طرف سے قدرِ غلوہ اور مزرعۃ کے حائل ہونے کو فاصل ومانعِ الحاق بالمصر والبلد اوالقریۃ معتبر ہونے کی بحث کا آغاز ہوا، جس کے بعد دیگر بیشتر فقہائے احناف نے اس کو قبول اور نقل کیا۔

البتہ بعض فقہاء نے قدر طول السکۃ وغیرہ کے فصل کو بھی مانع الحاق کے لئے معتبر مانا ہے، غالباً یہ اپنے اپنے علاقہ کے عرف کے اختلاف پر مبنی ہے۔

اور غالباً صاحبِ فتاویٰ قاضی خان رحمہ اللہ نے اپنے دور اور علاقے کے عرف کو بنیاد بناتے ہوئے مقدار غلوۃ اور مزرعہ کے حائل ہونے کا اعتبار کیا ہوگا، اور تیسری صدی اور آج کے دور کے تمدنی ومعاشرتی تقاضوں میں بڑا فرق ہے، اس لئے بقدر غلوۃ اور مزرعت کے حائل

Idara Ghufran

ہونے کو آج کے دور میں تمام علاقوں کے لئے یکساں طور پر معتبر ماننا خلافِ اصولِ فتویٰ ہے، کیونکہ فتویٰ ہر دور اور علاقے کے عرف کو سامنے رکھ کر ہی دیا جاتا ہے، اکثر و بیشتر فقہائے کرام نے قریہ کے قریہ کے ساتھ اور قریہ کے مصر کے ساتھ نیز محلّہ کے قریہ اور مصر کے ساتھ الحاق وعدمِ الحاق کی بحث تو چھیڑی ہے، لیکن بلَد و مصر کے، بلَد اور مصر کے ساتھ الحاق وعدمِ الحاق کی بحث سے تعرض نہیں کیا۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آبادی میں تیزی سے اضافے اور تقارب بین البلدان کا جو سیلاب گزشتہ چند صدیوں میں اور خاص کر اس صدی میں رونما ہوا ہے وہ شاید اس سے پہلی صدیوں میں نہ ہوگا، ورنہ فقہائے کرام اس کا ذکر ضرور فرماتے، خصوصاً جبکہ فقہائے کرام اپنے اجتہاد کی روشنی میں فرضی مسائل تک کا بھی حکم بیان فرما دیتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ شہر کا دوسرے شہر میں عموماً تداخل نہیں ہوتا اور فقہائے کرام نے زیادہ تر ادغام اور تداخل والی صورتوں ہی سے تعرض فرمایا ہے، **وسيأتي بقية التفصيل في الخاتمة**۔

عموماً فقہائے سابقین نے آبادی کے متحد ہونے میں ظاہری قرب واتصال کے وجود کو ہی بنیاد بنایا ہے، اور عرف کا موقع بموقع صراحتاً ذکر نہیں فرمایا جس کی وجہ بھی بظاہر یہی نظر آتی ہے کہ اُس زمانے میں ظاہری قرب واتصال کے علاوہ کوئی دوسرا لگا بندھا عرف نہ ہوتا ہوگا اور آج کل کی طرح کی باضابطہ حد بندیاں بھی عموماً نہ ہوتی ہونگی۔

اسی وجہ سے آج بھی جس جگہ کے الحاق وعدم الحاق کی عرف کے ذریعے سے تعیین نہ ہو سکے وہاں بھی ظاہری اتصال وانفصال (رؤیتِ ظاہری) ہی پر مدار رکھا جائے گا اور اس سلسلے میں فقہائے کرام کے بیان کردہ بقدرِ غلوہ اور کھیتی کے فصل وعدم فصل کو بھی فیصل بنانے کی گنجائش ہوگی (کما سیأتی بحوالہ امداد الفتاویٰ واحسن الفتاویٰ)

فقہائے احناف کی اس سلسلے میں عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

www.idaraghufran.org

امام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی رحمہ اللہ (المتوفیٰ ۲۹۵ھ) اپنے مجموعہ فتاویٰ قاضی خان میں فرماتے ہیں:

وهل يعتبر مجاوزة الفناء إن كان بين المصر وفنائه أقل من قدر غلوة ولم يكن بينهما مزرعة أو كانت المسافة بين المصر وفنائه قدر غلوة يعتبر مجاوزة عمران المصر ولا يعتبر فى مجاوزة الفناء وكذلك إذا كان هذا الانفصال بين قريتين أو بين قرية ومصر وإن كانت القرى متصلة بربض المصر فالمعتبر مجاوزة القرى هو الصحيح وإن كانت القرية متصلة بفناء المصر لا بربض المصر يعتبر مجاوزة الفناء ولا يعتبر مجاوزة القرية(فتاویٰ قاضیخان، ج ا ص ۱۳۳، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

فائدہ:...... مذکورہ عبارت میں دوقریوں یا قریہ اور مصر کے درمیان انفصال کی بحث کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ دو قریے باہم متصل ہونے سے عموماً ایک موضع کا حکم حاصل کر لیتے ہیں اسی طرح قریہ مصر کے ساتھ متصل ہونے سے مصر کا حکم حاصل کر لیتا ہے۔

اورعلامہ ابنِ علاء اندریتی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۸۶) فرماتے ہیں:

نوع آخر فى بيان ان المسافرمتى يقصر الصلاة:فنقول :القصر حكم ثابت فى حق المسافر فلا بد من بيان ان الشخص متى يصير مسافرا حتى يثبت له حكم السفر ؟ فنقول لا يصير شخص مسافرا بمجرد نية السفر بل يشترط مع الخروج قال محمد: يقصر حين يخرج من مصره ويخلف دور المصر ،وفى الغيائية:والمعتبر من الخروج ان يجاوز المصر وعمراناته هو المختار وعليه الفتوىٰ م:وان كانت المحلة بعيدة من المصر وكانت قبل ذلك متصلة

www.idaraghufran.org

بـالـمـصـر فانه لايقصر حتى يجاوز تلك المحلة ويخلف دورها بـخـلاف الـقـرية يـكـون بـفـنـاء المصر وانه يقصر الصلاة وان لم يجاوزها تلك القرية ،لان القرية لا تكون من المصر وانما تكون مـن الـقـرى ،وربـمـا تتـرادف القرى وتتقارب من فناء المصر الى فـرسـخ او فـرسـخين من فناء المصر ،فلو نهى عن القصر فى هذه الـقرى ايضاً وهذا بعيد،فعرفنا ان الشرط ان يتخلف عن عمرانات المصر لاغير،ثم يعتبر الجانب الذى منه يخرج المسافر من البلدة لا الـجـوانـب بـحذاء البلدة ،حتى انه اذا اخلف البيان الذى خرج مـنـه قـصـر الصلاة وان كان بحذائه بنيان آخر من جانب آخر من الـمـصـر ، وفـى الخلاصة الخانية:سواء كان ذلك فى اول وقت الـصـلـاة او آخـره:م: وعـن الـحسن فى القرى اذا كانت متصلة بـالـربـض الـى ثلاثة فرسخ قال :لا يقصر حتى يجاوز البيوت وان كـانـت ثـلاثة فـرسخ ،وان كانت بين البلدة والقرية مقدار السكة ،وفـى الـجامع الجوانب :طولا.لايكون مجاوزا وان كان قدر مائة ذراع كـان مجاوزا ،ومن مشائخنا من المعتبر مجاوزة فناء المصر ان كـان بيـن الـمـصـر وبيـن فنائه اقل من قدر غلوة ولم يكن بينها مـزرعة لـغيـر مـجـاوزـة الـفـنـاء، وان كان بينها مزارعة ا وكانت الـمسافة بين المصر وفنائه قدر غلوة لا تعتبر مجاوزة الفناء ،وفى الـخـانية: وكـذلـك اذ كـان هذا الانفصال بين قريتين اوبين قرية ومـصـر:م:وهذا القائل يقول :اذا اكنت قرية متصلة(بفناء المصر لا بـربـض المصر تعتبر مجاوزة الفناء لا غير بخلاف ما اذا كانت

القرى متصلة)بربض المصر فحينئذ تعتبر مجاوزة القرى،والصحيح ما ذكرنا انه يعتبر عمران المصر الا اذا كان ثمة قرية او قرى متصلة بربض المصر فحينئذ يعتبر مجاوزة القرى ، وفى السغناقى:والاشبه ان يكون الانفصال من المصر قدر غلوة فحينئذ يقصر (فتاویٰ التتار خانية ج۲ص۴،۵،كتاب الصلاة ،صلاة المسافر متى يقصر)

علامہ سید احمد الطحاوی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حاصل ما تحرر من كلام الشرنبلانى فى رسالته تحفة الفنا بصحة الجمعة والعيدين فى الفناء ومن امداد الفتاح وغيره انه اذ اكان فى جانب خروجه جبل او بحر او مزارع متصل كل منها بالعمران قصر بمجرد مجاوزته العمران وعليه قول المتن وغيره من خرج من بيوت مقامه واذا كان فى جانب خروجه ربض وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن لا بد من مجاوزته ايضا ومن مجاوزة القرية المتصلة به واذا كان فى جانب خروجه فناء وهو المكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب ودفن الموتى والقاء التراب فهو ما قاله الشرح من الشرطين بخلاف الجمعةحيث تصح فى الفناء قرب او بعد فصل بمزارع او لا لا ن الجمعة من مصالح البلد بخلاف السفر كما حققه الشرنبلانى فى رسالته المذكورة حلبى (قوله اقل من غلوة)ذكر فى المجتبى ان قدر الغلوة ثلث مائة ذراع الى اربع مائة وهو الاصح (حاشية الطحطاوى على الدر ج ا ص ۳۳۰،كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر)

www.idaraghufran.org

ردالمحتار میں ہے:

وأشـار إلـى أنـه يشتـرط مفارقة ما كان مـن تـوابع موضع الإقامة كـربـض الـمصر وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن فإنه فى حـكـم المصر وكـذا الـقـرى الـمتـصـلة بـالربض فى الصحيح، بـخـلاف البسـاتيـن، ولو متصلة بالبناء لأنها ليست من البلدة ولو سـكـنهـا أهـل البـلـدة فى جميع السنة أو بعضها، ولا يعتبر سكنى الحفظة والأكرة اتفاق إمداد.

وأمـا الـفـنـاء وهـو الـمكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب ودفـن الـمـوتـى وإلقاء التراب، فإن اتصل بالمصر اعتبر مجاوزته وإن انـفـصـل بـغـلـوة أو مـزرعة فـلا كـما يأتى، بخلاف الجمعة

(ردالمحتار، ج۲ص ۱۲۱، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

النہرالفائق شرح کنزالدقائق میں ہے:

ويـدخـل فـى بيوت المصر ربضه، وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن.

وأمـا الـقـرية الـمتـصـلة بـالـربض فظـاهر كلامـه أنـه لا يشترط مـجـاوزتها، وصحح الشارح بقرب المصر لا يـقـصر وإلا قصر، والـمـختار أنه يقصر فيهما؛ لأنه جاوز الربض، ومتى جاوز الربض فـقـد جاوز البلد، وكلامه يعطى عدم اشتراط مجاوزة الفناء فكان ينبغى اشتراطه؛ لأنهم لما جوزوا الجمعة والعيدين فيه فقد ألحقوه بالمصر، وأجاب فى (الدراية) بأنه إنما ألحق بالمصر فيما هو من حـوائـج أهـله المقيدين لا مطلقًا، وفى (الخانية)إن كـان بينه وبين

Idara Ghufran

المصر أقل من غلوة ولم يكن بينهما مزرعة اشترطت مجاوزته، وإلا فلا(النهر الفائق ،ج ا ص ۳۴۴، كتاب الصلاة ،باب صلاة المسافر)

الجوہرۃ النیرہ میں ہے:

(قوله :ومن خرج مسافرا صلى ركعتين إذا فارق بيوت المصر) يعنى من الجانب الذى خرج منه لا جوانب كل البلد حتى لو كان قد خلف الأبنية التى فى الطريق الذى خرج منه قصر وإن كان بحذائه أبنية أخرى من جانب آخر من المصر (الجوهرة النيرة، ج ا ص ۸٦، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

حاشیۃ الشلبی علیٰ تبیین الحقائق میں ہے:

وفى قاضى خان فصل فى الفناء فقال إن كان بينه وبين المصر أقل من غلوة ولم يكن بينهما مزرعة تعتبر مجاوزة الفناء أيضا، وإن كان بينهما مزرعة أو كانت المسافة بينه وبين المصر قدر غلوة يعتبر مجاوزة عمران المصر هذا وإذا كانت قرية أو قرى متصلة بالمصر لا يقصر حتى يجاوزها (حاشية الشلبى علىٰ تبيين الحقائق، ج ا ص ۲۲۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

مجمع الانہر میں ہے:

وأما فناء المصر فظاهر كلام المصنف كالهداية أنه لا يشترط مجاوزته وقد فصل قاضى خان فقال :إن كان بين المصر وفنائه أقل من قدر غلوة ولم تكن بينهما مزرعة تعتبر مجاوزة الفناء أيضا وإن كانت بينهما مزرعة أو كانت المسافة بين المصر وفنائه قدر غلوة تعتبر مجاوزة عمران المصر وكذا إذا كان الانفصال بين

القريتين أو بين قرية ومصر وإن كانت القرى متصلة بربض المصر فالمعتبر مجاوزة القرى هو الصحيح وإن كان متصلة بفناء المصر لا يربض المصر يعتبر مجاوزة الفناء ولا يعتبر مجاوزة القرى(مجمع الانهر، ج ا ص ۱ ۶ ۱ ، كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر)

علامہ طاہر بن عبدالرشید البخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وفى الاصل ويعتبر مجاوزة عمران المصر من الجانب الذى خرج ولا يعتبر محلة بحذائه من الاجانب الآخر فان كان فى الجانب الذى خرج محلة منفصلة عن المصر وفى القديم كانت متصلة بالمصر لا يقصر الصلاة حتى تجاوز تلك المحلة واما مجاوزة الفناء ان كان بين المصر وفنائه اقل من غلوة ولم يكن بينهما مزرعة يعتبر مجاوزة الفناء ايضا وان كان بينهما مزرعة او كانت المسافة بين المصر وفنائه قدر الغلوة يعتبر مجاوزة عمران المصر ولا يعتبر مجاوزة الفناء وكذا لو كان هذا الانفصال بين قريتين او بين قرية ومصر وان كانت القرى متصلة بربض المصر يعتبر مجاوزة الفناء ولا يعتبر مجاوزة القرية(خلاصة الفتاوىٰ ج ا ص ۱۹۸،الفصل الثانى والعشرون فى صلاة المسافر)

علامہ ابراہیم حلبی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وان كان هناك قرية متصلة بربض المصر فلا بد من مجاوزتها على الصحيح وان كانت متصلة بفنائه دون ربضه لا تعتبر مجاوزتها على الصحيح اما فناء المصر فان كان بينه وبينه اقل من غلوة وليس بينهما مزرعة تعتبر مجاوزته ايضا والا فلا والاصل

Idara Ghufran

فی ھذا ما روی انس قال صلیت الظھر مع رسول اللہ ﷺ بالمدینۃ اربعا والعصر بذی الحلیفۃ رکعتین متفق علیہ فدل ان بمجرد النیۃ لا یصیر مسافرا والا لصلی الظھر با لمدینۃ رکعتین وما ذکرہ البخاری قال خرج علی فقصر وھو یری البیوت بالمدینۃ فلما رجع قیل لہ ھذہ الکوفۃ قال لا حتی ندخلھا فدل انہ بالخروج یصیر مسافرا وان لم یغب المصرعن بصرہ وعنہ انہ لما خرج الی صفین وقال لو جاوزنا ھذا لخص لقصرنا فالخص کان امامہ فی جانب خروجہ رواہ البیھقی(حلبی کبیر ص۵۳۶،۵۳۷، کتاب الصلاۃ ،فصل فی صلاۃ المسافر)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

ولایعتبر مجاوزۃ الفناء الااذاکان بینہ وبین المصر اقل من غلوۃ لیس بینھما مزرعۃ اوکانت القریٰ متصلۃ بربض المصر یعتبر حینئذ مجاوزۃ الفناء لاالقریٰ(الفتاویٰ البزازیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ ،ج ۴ ص ۷۱، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

حاشیۃ الشرنبلالی علیٰ دررالحکام میں ہے:

وإن کان بینھما مزرعۃ أو کانت المسافۃ بین المصر وفنائہ قدر غلوۃ یعتبر مجاوزۃ عمران المصر ولا یعتبر مجاوزۃ الفناء ، وکذا إذا کان ھذا الانفصال بین قریتین أو بین قریۃ ومصر، وإن کانت القری متصلۃ بربض المصر فالمعتبر مجاوزۃ القری ھو الصحیح، وإن کانت القریۃ متصلۃ بفناء المصر لا بربض المصر یعتبر مجاوزۃ الفناء ولا یعتبر مجاوزۃ القریۃ اھـ (حاشیۃ الشرنبلالی علیٰ

Idara Ghufran

دررالحکام شرح غرر الاحکام، ج ۱ ص ۱۳۲، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

قاضی القضاۃ محمد بن حسین حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۹۸ء) فرماتے ہیں:

وهل يعتبر مجاوزة الفناء ان كان بين المصر وفنائه اقل من قدرغلوة ولم يكن بينهما مزرعة يعتبر مجاوزة الفناء ايضاً وان كان بينهما مزرعة اوكانت المسافة بين المصر وفنائه قدرغلوة تعتبرمجاوزة عمران المصر ولاتعتبر مجاوزة الفناء من المحل المزبور (الفتاویٰ الانقروية، ج ۱ ص۸، ۹، باب صلاۃ المسافر)

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

اذا خرج المسافر عن عمران البلدة قصر الصلاة ......المسافر اذاخرج من المصر ويقرب من المصر قرية فان كانت متصلة بالمصر لايقصر مالم يجاوز عنها وان كانت منفصلة يقصر ومقدار الاتصال قدرطول السكة فاذا زادفهو منفصل (الفتاویٰ السراجية ،ص ۱۱، باب صلاۃ المسافر)

علامہ محمد بن احمد الشربینی الخطیب الشافعی لکھتے ہیں:

(ومن سافر من بلدة) لها سور (فأول سفره مجاوزة سورها) المختص بها وإن تعدد كما قاله الإمام وغيره أو كان داخله مزارع وخراب؛ لأن ما فى داخل السور معدود من نفس البلد محسوب من موضع الإقامة، وإن كان لها بعض سور وهو صوب سفره اشترط مجاوزته (فإن كان وراء ه عمارة) كدور ملاصقة له عرفا (اشترط مجاوزتها) أيضا (فى الأصح) لأنها من مواضع الإقامة المعدودة من توابع البلد فيثبت لها حكمه (قلت :الأصح

www.idaraghufran.org

لا يشترط) مجاوزتها (والله أعلم) لأن ذلک لا يعد من البلد، ألا ترى أنه يقال :سكن فلان خارج البلد (مغنى المحتاج الىٰ معرفة الفاظ المنهاج، ج ا ص ۵۱۷، كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر)

اورنہایۃ المحتاج إلی شرح المنہاج میں ہے:

(والقرية) كبلدة فيما تقرر والقريتان المتصلتان عرفا (كبلدة واحدة وإن اختلف اسمهما وإلا اكتفى بمجاوزة قرية المسافر، وقول الماوردى :يكفى فى الانفصال ذراع جرى على الغالب، والمعول عليه العرف (نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج للرملى، ج۲ص ۲۵۱، كتاب الصلاة، باب كيفية صلاة المسافر)

فائدہ:......دو متصل قریوں کوعرف کی وجہ سے بلدۂ واحدہ کا حکم دیا گیا۔

تحفۃ المحتاج میں ہے:

(والقرية كبلدة) فى جميع ما ذكر والقريتان إن اتصلتا عرفا كقرية، وإن اختلفتا اسما وإلا كفى مجاوزة قرية المسافر وقول الماوردى أن الانفصال بذراع كاف فى إطلاقه نظر

والوجه ما ذكرته من اعتبار العرف ثم رأيت الأذرعى وغيره اعتمدوه (تحفة المحتاج فى شرح المنهاج، ج۲ص ۳۷۲، كتاب الصلاة، باب كيفية صلاة المسافر)

(قوله :ثم رأيت الأذرعى وغيره اعتمدوه) عبارة شرح العباب ثم رأيت الأذرعى استحسن الضبط بالعرف (حاشية ابن قاسم العبادى علىٰ تحفة المحتاج فى شرح المنهاج، ج۲ص ۳۷۲، كتاب الصلاة، باب كيفية صلاة المسافر)

فائدہ:......معلوم ہوا کہ دوقریوں میں ایسا اتصال جوعرف میں دونوں کوایک بنادے اس کا

www.idaraghufran.org

اعتبار ہے۔

حاشیۃ البجیرمی میں ہے:

فإن لم یکونا متصلتین اکتفی بمجاوزۃ قریۃ المسافر والمرجع فی الاتصال والانفصال العرف (التجرید لنفع العبید، المعروف بحاشیۃ البجیرمی علیٰ شرح المنہج، ج ۱ ص ۳۵۱، کتاب الصلاۃ، باب کیفیۃ صلاۃ المسافر)

فائدہ:...... یہاں بھی دو قریوں کے اتصال وانفصال کا مدار عرف پر رکھا گیا ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے مدینہ شہر کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کانت محلات المدینۃ اذ ذاک منفصلۃ بعضھا عن بعض ولم تکن متصلۃ فکان ماذافان اتصال المحلات بعضھاببعض لایشترط للمصریۃ وقد اعترف ابن الحزم بان لفظ المدینۃ کان یطلق علی المجموع المشتمل علی قریٰ صغار متفرقۃ فنقول وھذہ امارۃ اتحادھا مع تفرقھا وانفصالھافلایجوز اطلاق القریٰ علیھابل کانت کلھا محلات للمدینۃ متفرقۃ بدلیل ماذکرنا (اعلاء السنن ج۸ص۱۳، ابواب الجمعۃ، باب حرم جواز الجمعۃ فی القریٰ)

فائدہ:...... جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے مدینہ شہر کے محلے بھی ایک دوسرے سے جُدا تھے اور ان میں باوجود کسی قدر فصل کے مدینہ کی پوری آبادی کو ایک ہی موضع کا درجہ دیا گیا تو اس سے واضح ہو گیا کہ اتحادِ موضع کے لئے درمیان میں کسی قدر فصل ہونا مانع نہیں۔

فقہائے کرام کی مذکورہ بالا عبارات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مسافر بننے اور سفر متحقق ہونے کے لئے خروج پر متفق ہونے کے باوجود آبادی کے مختلف قسم کے حصوں سے تجاوز کرنے نہ کرنے کا اعتبار اور آبادی کے متحد و مستقل ہونے کا مدار اپنے دور اور زمانے

Idara Ghufran

کے عرف پر رکھا ہے اور کھیتی، اور بقدر غلوۃ فاصلہ کو مانع الحاق قرار دیا ہے، قدیمی زمانوں کے عرف کا آجکل کے عرف سے مختلف ہونا کوئی بعید نہیں، جیسا کہ فقہاء نے اپنے دور میں شہر سے ملحق جھونپڑیوں کا اور شہر سے ملحق مصالحِ مصر کا ذکر کیا ہے، مگر آج کل عموماً شہر کے آخری کنارے سے متصل اس طرح کی جھونپڑیاں دیکھنے میں نہیں آتیں، بعض اوقات اس قسم کی چیزیں (جن کو فقہائے کرام نے مصالحِ مصر وفنائے مصر قرار دیا ہے) شہر کے کنارے کے بجائے اندرونِ شہر ہوتی ہیں۔

چنانچہ آج کل بڑے بڑے شہروں میں عیدگاہ، کھیل کے میدان، کوڑا ڈالنے کی جگہ، قبرستان وغیرہ عام طور پر فناءِ مصر کے بجائے جگہ جگہ عینِ مصر میں ہی ہوتے ہیں، اور آج کل بڑے بڑے شہروں کی اندرونی آبادی کے درمیان ہی بقدرِ غلوۃ فاصلہ ہوتا ہے، اور کھیتی وغیرہ بھی بعض اوقات آبادی کے اندر ہی ہوتی ہے، مگر یہ چیزیں آجکل عرف کے متحد ہوتے ہوئے مانع الحاق شمار نہیں کی گئیں (جیسا کے آگے آتا ہے)

تاہم اگر کسی جگہ کے بارے میں عرف سے فیصلہ نہ ہو سکے وہاں رؤیتِ ظاہری پر ہی فیصلہ کرنا ہوگا اور فقہائے کرام کے بیان فرمودہ عرفِ سابق کو معیار بنا کر بقدرِ غلوۃ اور کھیتی کے حائل ہونے کو فصلِ معتبر اور اس سے کم کو فصل غیر معتبر سمجھا جائے گا، کیونکہ جب عرفِ حادث نہ ہو تو عرفِ سابق پر ہی مدار رکھا جاتا ہے۔ کما مر

اتصالِ آبادی واتحادِ مواضع سے متعلق اکابر ومعاصر کی آراء

اب ذیل میں اُردو فتاویٰ کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت باقی ہے کہ اتصال آبادی، انتہاءُ الابنیۃ اور اتحادِ موضع اور الغرض ایک آبادی کے اپنی ذات میں مستقل یا دوسری آبادی کے ساتھ متحد ہونے کا مفہوم انہوں نے اپنے زمانے کے عرف کی روشنی میں کیا سمجھا اور مراد لیا ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ

(1)......حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

اگر کوئی آبادی ایسی ہو کہ اہلِ عرف اس کے مجموعۂ اجزاء کو باوجود کسی قدر فصل کے ایک آبادی سمجھتے ہوں وہاں مجموعہ کا اعتبار کیا جائے گا، لیکن صرف ایک نام ہونا کافی نہیں کیونکہ ضلع وقسمت (غالباً تحصیل) کا نام بھی ایک ہی ہوتا ہے بلکہ وحدۃ تسمیہ کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو ایک آبادی سمجھتے ہوں (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۴۱۷، کتاب الصلاۃ، صلاۃ الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

فائدہ:...... یہاں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اتحادِ آبادی کا مدار عرف پر رکھا ہے۔ لہٰذا جس آبادی کو اہلِ عرف متحد سمجھتے ہوں وہ باوجود کسی قدر فصل کے متحد ہوگی۔ اور اس آبادی کے مجموعے سے خروج پر ہی مبدأ سفر وقصر متحقق ہوگا۔

(2)......ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

اگر ایک قریہ اتنا بڑا نہیں ہے مگر اس کے قریب دوسرا قریہ بھی ہے کہ مجموعہ دونوں کا اس سابق ایک کے مثل ہے تو دیکھنا چاہئے کہ اس دوسرے قریہ کو پہلے قریہ سے کیسا اتصال ہے اگر ایسا اتصال ہو کہ دیکھنے والے کو اگر یہ نہ بتلا دیا جاوے کہ فلاں جگہ سے دوسرا قریہ شروع ہوا ہے تو دونوں کو ایک ہی سمجھے ایسے اتصال سے ان دونوں کو متحد سمجھا جائے گا (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۴۵۳، کتاب الصلاۃ، صلاۃ الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

فائدہ:......حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے یہاں ''اتحادِ موضعین'' کا مدار ''رویتِ ظاہری'' پر رکھا ہے، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رویتِ ظاہری پر مدار اس وقت ہے جبکہ اس

Idara Ghufran

کا فیصلہ عرف وغیرہ سے نہ ہو سکے، ایسی صورت میں مدار رویتِ ظاہری پر رکھا جانا ہی ظاہر ہے۔

اس کے علاوہ جب دو قریے اس طرح مل جاتے ہیں کہ دیکھنے میں ایک محسوس ہوتے ہوں اس وقت عرف میں بھی ایک ہی سمجھے جاتے ہیں، برخلاف دو شہروں کے، لہٰذا دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

(3)......ایک اور سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

قصر و عدمِ قصر کا مدار تو بالاتفاق اتحادِ موضعین پر ہے اور وجوبِ جمعہ و عدمِ وجوب کے مدار میں اختلاف ہے، بعض اقوال میں اتحادِ موضعین پر ہے اور سماعِ اذان و عدمِ سماع کا اس میں کوئی دخل نہیں جس کے کلام سے اس کے ساتھ تحدید مفہوم ہوتی ہے مقصود اس سے محض تمثیل کے طور پر امارۃ کا بیان کرنا ہے اور بعض اقوال میں عدمِ لحوق مشقت پر (آگے درمختار کی عبارت درج فرمانے کے بعد لکھتے ہیں) پس قولِ اول پر ان دونوں موضعوں کو دیکھا جاوے گا کہ عرفاً دونوں مستقل سمجھے جاتے ہیں یا متحد (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۴۵۱، کتاب الصلاۃ، صلاۃ الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی)

فائدہ:......حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اتحادِ موضعین کے مسئلہ میں یہاں بھی عرف کا اعتبار کیا ہے، نہ کہ کسی اور چیز کا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دو مقام عرف میں موضعِ واحد سمجھے جاتے ہوں (جس کی پہچان یہ ہے کہ وہ دونوں ایک آبادی کے محلوں کے قائم مقام ہوں، کما سیأتی) تو مبدأ قصر مجموعہ موضعین سے خروج پر متحقق ہوگا۔

(4)......اسی طرح کے ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اگر یہ مقام جس کی نسبت سوال ہے مستقل آبادی شمار کی جاتی ہے تب تو بوجہ قریہ ہونے کے اس میں جمعہ جائز نہیں اور اگر مستقل آبادی نہیں سمجھی جاتی بلکہ شہر کے متعلق قرار دی جاتی ہے اور شہر کے مصالحِ عامہ اس سے متعلق ہیں جیسے گھوڑ

www.idaraghufran.org

دوڑ اور چاند ماری اور لشکر کا پڑاؤ اور گورستان ومثل ذلک تو اس میں جمعہ جائز ہے اورظہرِ احتیاطی کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔۴ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ

(امدادالفتاویٰ ج۱ص۴۲۷، کتاب الصلاۃ، صلاۃ الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

فائدہ:......امدادالفتاویٰ میں یہاں اگرچہ قیامِ جمعہ کا مسئلہ زیرِ بحث ہے، لیکن اس سے اتنی بات ضرور واضح طور پر معلوم ہورہی ہے کہ آبادی کے مستقل یا دوسری آبادی کا حصہ ہونے میں عرف کا اعتبار ہے کیونکہ آپ فرمارہے ہیں ''مستقل آبادی شمار کی جاتی ہے'' ''اور اگر مستقل آبادی نہیں سمجھی جاتی'' شمار کئے جانے اور سمجھے جانے کے الفاظ عرف میں ہی شمار کئے جانے اور سمجھے جانے کے لئے مشعر ہیں، اور اس سے پہلے فتوے میں یہ صراحتاً گذر چکا ہے کہ ''قصر وعدمِ قصر کا مدار اتحادِ موضعین پر ہے''

لہٰذا عرف میں جو آبادی دوسری آبادی کا حصہ اور محلّہ سمجھی جاتی ہو اس سے خروج پر ہی مبدأ قصر وسفر متحقق ہوگا، البتہ اگر کوئی جگہ آبادی سے کچھ ہٹ کر ہو اور اس جگہ سے صرف شہر کے مصالح متعلق ہوں اور وہ جگہ وہاں کے عرف میں اس آبادی کا باضابطہ محلّہ وحصہ نہ سمجھی جاتی ہو تو وہاں صرف جمعہ جائز ہوگا اور سفر وقصر متحقق ہونے میں وہ جگہ مانع نہ ہوگی۔

(5)......حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک اور سوال کے جواب میں اس سلسلہ میں مزید وضاحت فرمادی ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

عبارتِ سوال سے تو ان آبادیوں کی صورت وحالت اچھی طرح ذہن میں نہیں آئی البتہ ایک دوست سے جو اس نواح کے رہنے والے ہیں تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ گو آبادی وہاں کی متفرق حصے ہوکر بستی ہے اور ہر حصہ کا نام بھی جدا ہے لیکن تاہم کئی کئی حصے مل کر اس سب کا مجموعہ ایک نام سے مشہور ہے اور وہ حصہ پارہ کہلاتے ہیں مثلاً دولت پور عرف میں ایک آبادی کا نام ہے جس میں چھوٹے چھوٹے کئی حصے ہیں اور ہر حصہ بھی جدا نام سے موسوم ہے لیکن جس حصہ میں کوئی مسافر جانا چاہتا ہو پوچھنے پر بجائے اس حصہ کے نام کے یہ کہتا ہے کہ دولت پور

www.idaraghufran.org

جاؤں گا اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ پارے بجائے محلوں کے ہیں اور مجموعہ ان پاروں کا ایک آبادی ہے گو ان کے اندر باہم کسی قدر فصل بھی ہے لیکن ظاہر ہے کہ ایک آبادی کے اجزاء میں کچھ فصل ہونا اس آبادی کے واحد ہونے کے منافی نہیں جیسے عموماً جن شہروں کے متعلق انگریزی چھاؤنیاں ہیں ان کی یہی حالت ہے اور بعض امصار وقصبات کی بلا چھاؤنی بھی خود یہ حالت ہے جیسے شاہجہانپور اور بعض قصبات ضلع سہارنپور ومظفر نگر کے کہ ان کی متفرق آبادی کے مختلف حصے ہیں اور درمیان میں میدان اور کھیت اور باغ فاصل ہیں مگر جدا جدا آبادی نہیں سمجھی جاتی سو ہمارے ان اضلاع میں جیسے بعض آبادیوں کی حالت ہے اس نواح میں کل یا اکثر آبادیاں ایسی ہی ہیں (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۴۱۳، کتاب الصلاۃ، صلاۃ الجمعۃ و العیدین، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی)

فائدہ:......دیکھئے! ایک شہر اور ایک موضع کے درمیان کھیت، باغ، میدان وغیرہ کے فاصل ہونے کو اتحادِ آبادی کے منافی نہیں سمجھا گیا اور اتحادُ الابنیۃ کا مدار عرف پر رکھا گیا ہے، بقدرِ غلوہ اور کھیتی وغیرہ کے حائل ہونے نہ ہونے کا یہاں اعتبار نہیں کیا گیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانے میں بقدرِ غلوہ اور کھیتی وغیرہ کے فصل کی وجہ بھی اس زمانے کا عرف تھی، اور عرف زمان ومکان کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔

ظاہر ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں آبادی کے درمیان آج کل اس قدر فصل عام طور پر ہوتا ہی ہے، لہٰذا آبادی کے جو حصے عرفاً ایک ہی آبادی کے بجائے محلوں کے ہوں وہ سب ملا کر مجموعی طور پر ایک ہی آبادی مانے جائیں گے، گو ان کے درمیان کھیتی اور بقدرِ غلوہ فاصلہ ہو، اور ان محلوں میں سے کسی محلّہ میں بھی مبدأ سفر وقصر متحقق نہ ہوگا۔

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ

(6)......حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عباراتِ فقہ میں اتصالِ آبادی کا کوئی معیار نظر سے نہیں گزرا، بظاہر اس کا مدار رویتِ ظاہرہ پر ہے یعنی دیکھنے میں اتصال نظر آئے، مگر وجودِ مزارع یا قدرِ غلوہ بہر کیف موجبِ انقطاع ہے کیونکہ فناءِ مصر صحتِ جمعہ میں اگرچہ مطلقاً بحکمِ مصر ہے مگر حکمِ قصر میں وجودِ مزارع یا قدرِ غلوہ الحاق بالمصر سے مانع ہے، حالانکہ فناء متعلقاتِ مصر سے ہے تو قریۂ مستقلہ میں یہ فصل بطریقِ اولیٰ مانع الحاق ہوگا، البتہ فصلِ مذکور کے باوجود اگر عام عرف میں دو مقام ایک ہی شہر کے دو محلے سمجھے جاتے ہوں تو حکم اتحاد ہوگا (احسن الفتاویٰ ج۴ص۷۳، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

فائدہ:......اس سے معلوم ہوا کہ اتصالِ آبادی واتحادِ موضعین کا کوئی لگا بندھا معیار کتبِ فقہ میں عام طور پر مذکور نہیں اور اس کا مدار رؤیتِ ظاہری پر ہے، مگر فقہائے کرام نے وجودِ مزارع اور قدرِ غلوہ کو (عام حالات میں) موجبِ انقطاع یعنی ''فصلِ معتبر'' قرار دیا ہے، لیکن اس فصل کے باوجود بھی اگر عرفِ عام میں دو مقام ایک موضع اور ایک آبادی کے دو محلے سمجھے جاتے ہوں تو ان کو اتحاد کا حکم حاصل ہوگا اور مبدأ سفر وقصر دونوں مقامات میں سے کسی ایک مقام میں بھی متحقق نہ ہوگا۔

لعدم الفرق فی ھذاالباب من محلة دون محلة

(7)......دوسری جگہ لکھتے ہیں:

دو بستیوں کے درمیان وجود مزارع یا قدر غلوہ (۱۶ء۱۳۷ میٹر) علامت انقطاع ہے۔ معہٰذا اگر دو مواضع عرفِ عام میں ایک ہی شہر کے دو محلے سمجھے جاتے ہوں تو فصلِ مذکور کے باوجود دونوں کو ایک موضع قرار دیا جائے گا (احسن الفتاویٰ ج۴ ص۷۵، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

فائدہ:......حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ دونوں فتاویٰ سے معلوم ہوا کہ

www.idaraghufran.org

اتحادِ موضعین واتحادِ ابنیۃ کا اصل مدار عرفِ عام پر ہے اور عرفِ عام کے ہوتے ہوئے بقدرِ غلوہ اور مزارعت کے فصل وعدمِ فصل سے حکم تبدیل نہ ہوگا۔

اب خواہ یہ کہا جائے کہ عرفِ عام کا درجہ وحیثیت بقدرِ غلوہ اور کھیتی کے مقابلہ میں زیادہ ہے یا یہ کہا جائے کہ بقدرِ غلوہ اور کھیتی وغیرہ کے فصل کو معتبر ماننے نہ ماننے کا مدار بھی عرف پر تھا اور عرفِ حادث عرفِ سابق کے مقابلہ میں آ جائے تو عرفِ حادث وحال کا اعتبار ہوگا نہ کہ عرفِ سابق وماضی کا، بہر صورت عرفِ عام کی حجیت ہی کا اس سلسلہ میں اصل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس آبادی کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے لئے عرفاً بمنزلہ ایک آبادی کے ''محلّہ'' کے ہو وہ دونوں متحد ہیں ورنہ نہیں۔

اور جب اصل مدار عرفِ عام پر ہوا تو عرفِ عام کے ہوتے ہوئے اس کے مقابلہ میں رؤیتِ ظاہری یا ظاہری اتصال وانفصال کو حجت اور معیار نہیں سمجھا جائے گا۔اور جب عرف ''ظاہری انفصال'' کو بھی معدوم قرار دے دیتا ہے اور اتحادِ آبادی کے لئے مانع نہیں ہوتا بعینہٖ اسی طرح ''ظاہری اتصال'' کو بھی معدوم قرار دے گا اور آبادی کے مستقل ہونے میں مانع نہ ہوگا واقعہ بھی یہی ہے کہ مثلاً اگر عرف میں دو شہر مستقل آبادیاں شمار ہوتی ہوں اور ایک کو دوسرے کا محلّہ نہ سمجھا جاتا ہو لیکن وہ باہم ایک دوسرے سے متصل ہوں تو صرف اتصال کی وجہ سے ان دونوں کو متحد قرار نہیں دیا جاتا اور ان میں سے ہر ایک کا باشندہ جدا جدا شہر کا باشندہ کہلاتا ہے (مزید تفصیل آگے خلاصۂ کلام کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں)

فتاویٰ رحیمیہ کا حوالہ

(8)......فتاویٰ رحیمیہ میں ایک سوال اور جواب اس طرح مذکور ہے:

سوال:......آج کل شہر اتنے وسیع ہوگئے ہیں کہ بہت سی بستیاں اور گاؤں جو پہلے الگ تھے اب شہر سے ملحق ہو کر شہر کا ایک حصہ بن گئے ہیں مثال کے طور پر دہلی

www.idaraghufran.org

اور بمبئی اور دیگر شہر، البتہ پورا شہر مختلف محلوں اور حلقوں اور کالونیوں پر مشتمل ہوتا ہے جن کے نام جدا جدا ہوتے ہیں، اب سفر میں جانے والا شخص اپنے محلّہ یا حلقہ کے حدود سے نکل کر مسافر بنے گا یا شہر دہلی کے حدود سے نکل کر مسافر بنے گا؟ اگر مسافرت شہر دہلی کے حدود سے نکل جانے پر شروع ہوتی ہو تو مزید ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہر دہلی کی آبادی دوسرے شہر غازی آباد کی آبادی سے ملی ہوئی ہے آبادی کا تو تسلسل ہے مگر آبادی کا نام حتی کہ ضلع اور صوبہ بھی بدل جاتا ہے، اب شہر دہلی کی حد کہاں تک مانی جائے جہاں تک سرکاری اعتبار سے اس کی حد ہے یا جہاں تک آبادی کا تسلسل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ......وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت کی آبادی سے باہر ہوجانے پر شرعی مسافر کا اطلاق ہوگا دوسری آبادی اگر چہ متصل ہو مگر وہ دوسری آبادی ہے، دونوں کے نام الگ ہیں ،حکومت اور کارپوریشن (یعنی میونسپلٹی ، نگر پالیکا) نے دونوں آبادیوں کے حدود الگ الگ مقرر کئے ہیں اس لئے وہ دونوں دو مستقل آبادیاں (یعنی شہر) شمار ہوں گی اور شرعی مسافر کا اطلاق اس وقت ہوگا جب کہ اپنی آبادی (یعنی شہر) کے حدود سے تجاوز کر جائے اور اگر متصل ہونے کی وجہ سے کارپوریشن نے دونوں کو ایک کر دیا ہو تو اب وہ آبادی شہر کا محلّہ ہے اور وہ محلّہ شہر کا جز ہے لہٰذا اب اس سے تجاوز ہونے پر مسافرت کے احکام جاری ہوں گے۔شامی میں ہے:

واشارالی انه یشترط مفارقة ماکان من توابع موضع الا قامة کربض المصر وهو ماحول المدینة من بیوت ومساکن فانه فی حکم المصر وکذالقریٰ المتصلة بالربض فی الصحیح (شامی ج۱ص۷۳۲باب صلوۃ المسافر) مراقی الفلاح میں ہے:

ویشترط ان یکون قد(جاوز ایضاً ماتصل به) ای بمقامه (من فنائه) کما یشترط مجاوزة ربضه وهو ماحول المدینة من بیوت ومساکن فانه فی حکم المصر

www.idaraghufran.org

یشترط مجاوزتها فی الصحیح (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص۲۳۰باب صلاۃ المسافر)

(فتاویٰ رحیمیہ ج۵ص۱۸۰،۱۸۱،احکام المسافر ترتیب جدید)

فائدہ:......حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے مذکورہ فتوے سے معلوم ہوا کہ عرف میں دو آبادیاں جبکہ الگ الگ اور مستقل سمجھی جاتی ہوں اور دونوں کی حدود بھی علیٰحدہ علیٰحدہ متعین ہوں تو باوجود اتصال کے دونوں کو الگ الگ شمار کیا جائے گا اور ایک آبادی کو دوسری کے تابع شمار نہیں کیا جائے گا، گویا کہ عرف منفصل ہونے کی صورت میں دو آبادیوں کے صرف اتصال کی وجہ سے دونوں کو ایک آبادی کا حکم نہیں دیا جائے گا، اور ایسی صورت میں باوجود آبادی کے اتصال کے صرف اپنے موضع اقامت سے خروج پر ہی مبدأ سفر وقصر متحقق ہوجائے گا اور اس کے متحقق ہونے میں دوسرے موضع کی آبادی کا اتصال مانع نہ ہوگا۔

اور اگر دو آبادیوں کے اتصال کی وجہ سے عرف میں دونوں کو ایک آبادی کی حیثیت قرار دے دی گئی ہو گویا کہ دونوں مقامات کو ایک شہر کے دو محلوں کی سی حیثیت حاصل ہوگئی ہو تو دونوں آبادیوں کو متصل سمجھ کر ایک ہی موضع یا مصر قرار دیا جائے گا۔

ظاہراً اتصال کے مقابلہ میں عرفاً انفصال کا اور ظاہراً انفصال کے مقابلہ میں عرفاً اتصال کا اعتبار ہوگا۔

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے بھی کتبِ فقہ میں مذکور ''بقدرِ غلوہ'' کے فصل کا اعتبار کرنے کے بجائے آج کل کے عرف پر ہی مدار رکھا ہے۔

فتاویٰ حقانیہ اکوڑہ خٹک کا فتویٰ

(9)......فتاویٰ حقانیہ (اکوڑہ خٹک، پاکستان) میں ہے:

جائے اقامت کی آبادی کی حدود سے نکلتے ہی سفر شروع ہوگا، بڑے شہروں میں محصول چونگی کے مراکز سے عموماً شہر کے حدود شروع ہوتے ہیں، تاہم بعض جگہوں

میں تقدیم وتاخیر بھی ممکن ہے (فتاویٰ حقانیہ ج ۴ ص ۳۵۲، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر،

مطبوعہ: جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک نوشہرہ)

فائدہ:...... یہاں مبدأ سفر موضع اقامت کی آبادی کی حدود سے خروج کو ہی قرار دیا گیا ہے اور محصول چونگی کے مراکز کو انتہاء الابنیۃ شمار کر کے تقدیم وتاخیر کے امکان کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ بعض شہروں میں آبادی بڑھتے بڑھتے ان مراکز سے تجاوز کر جاتی ہے، مگر مرکز کی تبدیلی بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے عمل میں نہیں آتی اور بعض اوقات مراکز کا قیام ہی آبادی سے غیر معمولی فاصلہ پر ہوتا ہے، جیسا کہ اہلِ نظر پر مخفی نہیں۔

''احکامِ مسافر'' کتاب کا حوالہ

(10)......مولانا مفتی انعام الحق صاحب سیتامڑھی قاسمی (گجرات، ہند) ''احکام مسافر'' میں لکھتے ہیں:

دو گاؤں اور دو آبادی دیکھنے میں متصل معلوم ہوتے ہوں لیکن دونوں کے درمیان کھیتی یا ایک غلوہ ۱۶ء۱۳۷ میٹر کے بقدر یا اس سے زائد خلا ہے تو یہ دونوں مستقل آبادی شمار ہوں گی لہٰذا صرف اپنی آبادی سے نکلنے پر قصر کرے چاہے قریبی آبادی میں ہی کیوں نہ ہو اور اگر دونوں اس طرح متصل ہوں کہ درمیان میں کھیتی یا ایک غلوہ کے بقدر فاصلہ نہیں یا فاصلہ تو ہے مگر عرف میں دونوں مقام ایک ہی شہر کے دو حصے سمجھے جاتے ہیں تو دونوں ایک ہی شہر کے حکم میں ہوں گے چنانچہ بمبئی کے ہر وہ دو علاقے جن کے درمیان بقدرِ غلوہ یا اس سے زائد فاصلہ ہے اور ہر ایک کا نام الگ الگ ہے مگر چونکہ عرف اور بمبئی نگر پالیکا میں شہر کے ہی حصے سمجھے جاتے ہیں لہٰذا بمبئی کا پورا رقبہ ایک ہی شہر کے حکم میں ہوگا............بعض شہر اتنے وسیع ہوتے جا رہے ہیں کہ پہلے جو علاقے اور گاؤں جداگانہ تھے اب وہ شہر میں

www.idaraghufran.org

شامل ہو چکے ہیں بلکہ بعض شہر دوسرے شہر سے اس طرح متصل ہوتے جارہے ہیں کہ دونوں کے درمیان کوئی واضح فاصلہ نہیں معلوم ہوتا مثلاً دہلی اور غازی آباد دونوں بظاہر ایک شہر معلوم ہوتے ہیں، ایسی جگہ سے نکلنے پر مسافرت کے احکام کب جاری ہوں اور وہ شخص مسافر کب کہلائے گا؟

اگر کوئی شہر پھیلتے ہوئے کسی علاقہ یا دوسرے شہر سے متصل ہوکر اپنے اندر اس کو شامل کر لے تو اس کی دوصورتیں ہوں گی ، اگر وہ علاقہ اور شہر عرف اور کارپوریشن میں اسی شہر کا حصہ سمجھا جانے لگے تو اب دونوں ایک شہر کے حکم میں ہوں گے اور مسافرت کا حکم اس قدیم شہر اور شامل شدہ شہر سے نکلنے کے بعد جاری ہوگا اور اگر عرف یا کارپوریشن میں دونوں کے حدود الگ الگ ہیں تو گو کہ رویتِ ظاہرہ میں دونوں ایک نظر آتے ہوں پھر بھی دونوں مستقلاً الگ الگ شہر کہلائیں گے، لہٰذا اپنے شہر سے نکلنے کے بعد مسافرت کے احکام جاری ہوں گے۔ اگرچہ وہ اس سے متصل آبادی ہو، دوجداگانہ محلّہ یا شہر کے متصل ہونے میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب زید مجدہ لدھیانوی نے عرف کا اعتبار کیا ہے اور حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب نے کارپوریشن کے ملحق کرنے کا اعتبار کیا ہے، دونوں بزرگ کے الفاظ گرچہ مختلف ہیں مگر حقیقت ایک ہی ہے کیونکہ عموماً کارپوریشن سے ملحق عرف میں بھی ملحق متصور ہوتا ہے (احکامِ مسافر ص۲۷ تا ۲۸)

فائدہ:...... مفتی انعام الحق صاحب کی تطبیق بھی کافی وزنی معلوم ہوتی ہے، جس کا حاصل بھی یہی ہے کہ آبادی کے مستقل ومتحد ہونے کے بارے میں ظاہری اتصال وانفصال کے مقابلہ میں عرفِ عام ہی کا اعتبار ہوگا۔

عمدۃ الفقہ کا حوالہ

(11)...... مولانا سید زوار حسین صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

شہر کی آبادی میں کھیت یا میدان وغیرہ کا فاصل ہوجانا اتصال کو مانع نہیں ہے جبکہ اس ساری آبادی پر عرفاً اس شہر کا اطلاق ہوتا ہو۔ فافہم (عمدۃ الفقہ/حصہ۲/صفحہ۴۳۹)

اگر دو گاؤں بہت قریب قریب ہوں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کی آبادی بڑے گاؤں یا قصبے کی مانند نہیں ہے لیکن دونوں کی آبادی مل کر قصبہ کی مانند ہوجاتی ہے تو دیکھا جائے گا کہ عرفِ عام میں یہ دونوں الگ الگ مستقل موضع سمجھے جاتے ہیں یا متحد سمجھے جاتے ہیں، پہلی صورت میں یعنی جبکہ عرفاً ہر ایک موضع مستقل ہے تو ان میں کسی میں جمعہ جائز نہیں، اذان کی آواز سنائی دینے یا نہ دینے کا کوئی اعتبار نہیں اور دوسری صورت میں یعنی جبکہ وہ دو موضعے عرفاً متحد ہوں اور دونوں مل کر قریۂ کبیرہ کی حد کو پہنچتے ہیں تو اگر ان دونوں میں سے گاؤں میں بازار وغیرہ بھی ہوں جن سے قصبات کی سی شان پیدا ہوجائے تو ان دونوں میں جمعہ جائز ہوجائے گا ورنہ نہیں (عمدۃ الفقہ/حصہ۲/صفحہ۴۳۹و۴۴۰)

دیکھئے مولانا موصوف رحمہ اللہ بھی عرف کا اعتبار کرتے ہوئے آبادی کے اتحاد وعدمِ اتحاد کا حکم بیان فرمارہے ہیں، اور عرفِ عام کے ہوتے ہوئے فصل وعدمِ فصل کو معتبر نہیں مان رہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی ہند کی آراء

اسلامک فقہ اکیڈمی ہند نے حج سے متعلق جو سوالات دسویں فقہی سیمینار منعقدہ بمبئی میں پیش کیے، ان میں سوال نمبر۱۲ کا مضمون یہ تھا:

”۱۲۔حج کا سفر کرنے والا ایامِ حج یعنی ۷،۸ ذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ یوم قیام سے پہلے ہی ایامِ حج شروع ہوجاتے ہیں اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے، تو وہ مقیم ہوگا یا نہیں؟ جبکہ پہلے دونوں آبادیاں الگ الگ تھیں مگر اب مکہ مکرمہ شہر پھیلتے ہوئے منیٰ کی آبادی کے متصل ہوگیا ہے“ (حج وعمرہ کے

www.idaraghufran.org

جدید مسائل اوران کا حل/ص ۱۷۰۔ناشر: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی)

اس سیمینار کے لئے جن علمائے کرام نے مقالات تحریر فرمائے ان میں سے مسئلۂ مذکورہ سے متعلق چند تصریحات ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا حوالہ

(1)......مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب زید مجدہٗ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد، اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

اس حقیر کا خیال یہ ہے کہ دوشہروں کا اتصال ان کو ''ایک شہر'' نہیں بناتا، بلکہ وہ دوالگ الگ شہروں ہی کے حکم میں ہے، شہر کی تحدید بنیادی طور پر عرف پر موقوف ہے، اوراس زمانہ کا عرف یہ ہے کہ بلدیہ شہر کے جو حدود متعین کرتی ہے اس کو شہر کی حد سمجھا جاتا ہے، تو جب تک بلدیہ مکہ اور منیٰ کو دوعلیٰحدہ شہر تصور کرے ان کا حکم دوشہروں کا ہوگا، فقہاء کی ان جزئیات سے غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہئے جن میں شہر سے متصل دیہات کو شہر کے حکم میں رکھا گیا ہے، کیوں کہ دیہات کی حیثیت شہر کے تابع کی ہے اور دوشہروں کی حیثیت مستقل شہر کی ہے (حج وعمرہ کے جدید مسائل اوران کا حل ص ۱۳۶)

فائدہ:......مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب زید مجدہٗ کی رائے میں بھی اتحادِ موضعین وعدمِ اتحادِ موضعین کا مدار عرف پر ہے، آپ نے ظاہری اتصال وعدمِ اتصال کو اس سلسلہ میں زیادہ مؤثر نہیں مانا، نیز آپ نے دیہات کے شہر کے ساتھ اتصال کو بوجہ تابع ہونے کے اتحاد کا درجہ دیا ہے مگر دوشہروں کے اتصال کے باوجود ان کو دو مستقل مواضع شمار کیا ہے، کیونکہ دوشہروں کا اتصال بوجہ ہر ایک کے اپنی ذات میں مستقل ہونے کے عموماً ایک کو دوسرے کے تابع نہیں بناتا۔

مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب ہتھورا باندہ کا حوالہ

(2)......مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب ہتھورا باندہ اپنے مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

منیٰ کی آبادی مکہ مکرمہ سے اتصال کے باوجود اگر انتظاماً الگ ہے تو دونوں دو متصل شہروں کی طرح ہیں، لہٰذا اگر حاجی مکہ مکرمہ میں ۱۵/دن کے قیام سے پہلے منیٰ جاتا ہے تو وہ مکہ مکرمہ میں مقیم نہیں ہوگا، اور اگر انتظاماً ایک ہیں کہ ایک ہی کارپوریشن وغیرہ کے تحت ہیں تو دونوں ایک شہر کے دو حصوں کی طرح ہیں، اس لئے مکہ مکرمہ آنے پر اگر شہر مکہ میں ۱۵/دن سے کم رہا تو بھی منیٰ کی مدت قیام ملا کر وہ مقیم سمجھا جائے گا، اور خیال یہ ہے کہ دونوں کا بلدیہ وکارپوریشن ایک ہی ہے (حج وعمرہ کے جدید مسائل اور ان کا حل ص ۸۱و۸۲)

فائدہ:......مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب زید مجدہٗ نے بھی عرف کا اعتبار کرتے ہوئے انتظاماً بلدیہ، کارپوریشن پر اتحاد وعدمِ اتحاد کا مدار رکھا ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی صاحب کا حوالہ

(3)......مفتی محبوب علی وجیہی صاحب زید مجدہٗ، رامپور، اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

اگر سعودی حکومت نے منیٰ کو مکہ میں شامل کرلیا ہے اور وہ حدود مکہ میں داخل ہوگیا ہے اور حاجی کے دونوں مقامات پر قیام کی مدت ۱۵/دن یا اس سے زائد ہوجاتی ہے تو وہ مقیم ہوگا، اور اگر حکومت نے منیٰ کو مکہ سے علیٰحدہ رکھا ہے تو پھر وہ مقیم نہیں ہوگا بلکہ احکامِ قصر اس پر جاری ہوں گے (حج وعمرہ کے جدید مسائل اور ان کا حل ص ۲۲۰)

فائدہ:......آپ نے بھی اتحادِ موضعین کا مدار حکومت کی طرف سے ایک کو دوسرے میں شامل ہونے پر رکھا ہے، اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ اس سلسلہ میں اصل مدار عرف پر ہے اور حکومت کی تعیین عرف کو معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی صاحب کا حوالہ

(4)......مولانا اشتیاق احمد اعظمی صاحب زید مجدہٗ ''دارالعلوم مئو'' اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

کیونکہ اب مکہ مکرمہ کی آبادی بڑھ کر منیٰ سے متصل ہوچکی ہے اور مکہ مکرمہ اور منیٰ دونوں، دوجگہ متصور نہیں ہوتیں۔ بلکہ دونوں کو ایک ہی جگہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ منیٰ، اب مکہ ہی کا ایک محلّہ بن چکا ہے، چنانچہ منیٰ کا علاقہ حی العزیزیۃ کے ذیل میں آتا ہے، بلدیہ بھی ایک ہے اس لئے منیٰ کو اب مکہ مکرمہ سے الگ اور علیحدہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں دو علیحدہ شہروں اور مستقلاً دو مختلف مقامات پر ملا کر مجموعی طور پر اگر ۱۵ یوم اقامت کی نیت ہو تو وہ شرعاً مقیم نہ ہوگا جیسا کہ ماضی میں منیٰ اور مکہ مکرمہ کا یہی حکم تھا لیکن اب حالات کی تبدیلی سے احکام میں تبدیلی آچکی ہے (حج وعمرہ کے جدید مسائل اوران کا حل ص۳۰۲)

فائدہ:......آپ نے بھی دو مختلف مواضع کے دو الگ الگ جگہ متصور نہ ہونے اور دونوں کو ایک ہی سمجھے جانے اور ایک جگہ کو دوسری کا محلّہ بن جانے پر اتحادِ موضعین کا مدار رکھا ہے، اور یہ تمام امور عرف ہی سے طے ہوتے ہیں۔

مولانا عبدالقیوم پالنپوری صاحب کا حوالہ

(5)......مولانا عبدالقیوم پالنپوری صاحب جامعہ نذیریہ کاکوسی، گجرات اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

اگر حکومتِ سعودیہ نے منیٰ کی آبادی کو مکہ مکرمہ کے ساتھ لاحق کردیا ہے اور مکہ مکرمہ کی بلدیت (کارپوریشن یا میونسپلٹی) کے ساتھ ملا دیا ہے تو منیٰ کی آبادی بھی مکہ مکرمہ کا ایک محلّہ شمار ہوگی، اور یہ شخص مقیم رہے گا، اور اگر حکومت کے اعتبار سے اس کا انتظام مکہ مکرمہ سے علیحدہ ہے اور اس کا انتظام مکہ مکرمہ کے ساتھ ملحق نہیں تو

یہ شخص مقیم نہیں ہوگا (حج وعمرہ کے جدید مسائل اوران کا حل ص ۳۱۰)

فائدہ:......آپ نے اتحادِ موضعین کا مدار حکومت کے الحاق اور بلدیت (کارپوریشن یا میونسپلٹی) کے ایک ہونے پر رکھا ہے اور اس صورتِ حال میں ایک مقام کو دوسرے مقام کا محلّہ تصور کیا ہے، اس سے بھی عرف پر مدار ہونا معلوم ہوا۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی صاحب کا حوالہ

(6)......مولانا محمد ارشاد القاسمی صاحب جونپور لکھتے ہیں:

منٰی کی آبادی کے اتصال سے اس وقت توابع شہر اور فناء شہر میں داخل ہوکر مقیم ہوگا جبکہ اتصال سے وہاں عرفاً اور حکومت وسرکاری امور میں بھی اسے شہر مکہ کے تابع سمجھا جانے لگے، مطلق اتصال مؤثر نہیں، جن کے نام اور احکام اور تمام کاروبار جدا ہوں ایک جگہ متصور نہ ہوں گے (حج وعمرہ کے جدید مسائل اوران کا حل ص ۳۹۱و۳۹۲)

فائدہ:......آپ نے بھی مطلق اتصال کو اتحاد کے لئے مؤثر نہیں سمجھا بلکہ ایسا اتصال کہ جو ایک موضع کو عرفاً اور قانوناً دوسرے کے تابع بنادے اس کا اعتبار کیا ہے۔

مولانا محمد ابوالحسن علی صاحب گجرات کا حوالہ

(7)......مولانا محمد ابوالحسن علی صاحب، دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ، گجرات اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

فقہاء کرام نے منٰی کو فنائے مکہ میں سے شمار نہیں کیا ہے، لیکن سب کے نزدیک علت اس کا فنائے مکہ میں سے نہ ہونا تھا، اب جبکہ مکہ مکرمہ کی آبادی اور منٰی کی آبادی متصل ہوگئی ہے تو وہ علت نہیں رہی جس کی بنیاد پر دونوں دو علیٰحدہ موضع سمجھے گئے تھے، لہٰذا اب دونوں کو ایک موضع سمجھتے ہوئے اقامت سفر میں دونوں کو شمار کیا جانا چاہئے۔

پھر بھی اس سلسلہ میں سعودی حکام، یا وہاں کے مقیمین حضرات سے اس کی تحقیق کر لی جائے کہ وہاں کے بلدیہ کے اعتبار سے دونوں کا حکم کیا ہے، کیونکہ بظاہر ابھی بھی دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ تو ضرور نظر آتا ہے، لیکن اب تو ترقی کے طور پر بھی لوگ دور دور تک مکانات بناتے ہیں اور ایک ہی شہر اپنے رقبہ کے اعتبار سے دور تک پھیلا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا اس سلسلہ میں مسئلہ کا مدار وہاں کے ذمہ داروں سے تحقیق پر منحصر رہے گا (حج وعمرہ کے جدید مسائل اوران کا حل ص۴۵۶ و ۴۵۷)

فائدہ:......دیکھئے آپ بھی وہی بات فرمارہے ہیں کہ بسا اوقات ظاہری طور پر اتصال نہیں ہوتا کیونکہ آج کل لوگ کچھ فاصلوں پر مکانات بناتے ہیں اور ایک شہر کا رقبہ درمیان میں آبادی کے فصل کے باوجود دور تک پھیلا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا اصل مدار عرف پر ہے، جس کو وہاں کے لوگ اور حکام زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب کا حوالہ

(8)......مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب، مفتاح العلوم مئو اپنے مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

صورتِ مسئولہ میں حج کا سفر کرنے والا یعنی ۷۔۸/ ذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ پہنچا ہے کہ مکہ میں پندرہ یوم سے قبل ہی ایامِ حج شروع ہوجاتے ہیں اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مقیم نہیں ہوگا بلکہ مسافر ہی رہے گا اگر چہ مکہ شہر پھیلتے ہوئے منیٰ کی آبادی سے متصل ہوگیا ہے کیونکہ وہ اس کے باوجود دو مستقل شہر ہیں کہ (منیٰ) مکہ کے نام سے نہیں جانا جاتا ہے نہ مکہ کا کوئی محلّہ ہی ہے (حج وعمرہ کے جدید مسائل اوران کا حل ص۱۸۵)

فائدہ:......معلوم ہوا کہ اگر منیٰ کو مکہ کے محلّہ کی حیثیت حاصل ہو تو پھر دونوں متحد ہوں گے، مطلب یہ ہوا کہ جب تک ایک چھوٹی آبادی (قریہ وغیرہ) بڑی آبادی (بلد، مصر وغیرہ)

Idara Ghufran

کے محلّہ کی حیثیت اختیار نہ کر لے اس وقت دونوں پر اتحاد کا حکم نہ لگے گا۔

مولانا راشد حسین ندوی صاحب کا حوالہ

(9)......مولانا راشد حسین ندوی صاحب رائے بریلی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

اگر دونوں آبادیاں بالکل متصل ہوگئی ہیں تو اب منیٰ کی حیثیت مکہ کے ایک محلّہ جیسی ہوگی، اور مذکورہ شخص مقیم کے حکم میں ہوگا (شامی، ہندیہ اور بحر کی عبارات سے یہی معلوم ہوتا ہے) (حج وعمرہ کے جدید مسائل اوران کا حل ص ۳۸۶و ۳۸۷)

فائدہ:......ایسا اتصال کہ جو ایک مقام کو دوسرے مقام کا محلّہ بنادے اس کا اعتبار ہے اور ظاہر ہے کہ ایک شہر عام طور پر دوسرے شہر کے ساتھ متصل ہونے کے باوجود دوسرے شہر کے محلّہ کی حیثیت اختیار نہیں کرتا، لہٰذا وہ مستقل شمار ہوگا، جیسا کہ ماقبل میں گذرا۔

مولانا خورشید احمد اعظمی صاحب کا حوالہ

(10)......مولانا خورشید احمد اعظمی صاحب زید مجدہٗ، رگھوناتھ پورہ، مئو اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

آج کل جب کہ منیٰ کی آبادی مکہ سے متصل ہو چکی ہے تو منیٰ کا قیام بھی مکہ کا ہی قیام مانا جائے گا (حج وعمرہ کے جدید مسائل اوران کا حل ص ۳۳۸)

آج جبکہ مکہ مکرمہ کی آبادی پھیلتے پھیلتے منیٰ کی آبادی سے جالگی ہے اور منیٰ مکہ مکرمہ شہر کے تابع ہوگیا ہے، اس حالت میں اگر کوئی حاجی ایسے وقت مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ یوم ترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ تک بھی اس کے پندرہ دن نہیں ہوتے تو وہ مسافر ہی رہے گا اور مذکورہ مدت تک مدتِ اقامت پوری ہوجاتی ہے تو وہ مقیم ہوگا (حج وعمرہ کے جدید مسائل اوران کا حل ص ۳۴۳)

فائدہ:......آپ نے آبادی کے ایسے اتصال کو کہ جو ایک مقام کو دوسرے شہر کے تابع بنادے

www.idaraghufran.org

اتحادِ موضعین قرار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ مذکورہ اتصال عرف ہی سے طے ہوتا ہے۔

مولانا سید اسرار الحق سبیلی صاحب کا حوالہ

(11)......مولانا سید اسرار الحق سبیلی صاحب، حیدر آباد لکھتے ہیں:

منیٰ کا شمار اب شہر مکہ میں ہی ہوتا ہے (حج وعمرہ کے جدید مسائل اور ان کا حل ص ۵۰۳)

فائدہ:......آپ کا یہ فرمانا کہ ''منیٰ کا شمار اب شہر مکہ میں ہی ہوتا ہے'' اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ اتحاد کا مدار عرف وعادت پر ہے۔

مولانا مفتی جمیل احمد نذیری صاحب کا حوالہ

(12)......مولانا مفتی جمیل احمد نذیری صاحب زید مجدہٗ، مبارک پور، اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

جن مختلف آبادیوں کو ملا کر حکومت نے کسی ایک آبادی کا نام دے دیا ہو، اس آبادی کے مکانات سے نکلنے پر سفر کا اور اس آبادی میں داخل ہونے پر مقیم ہونے کا حکم ہوگا (حج وعمرہ کے جدید مسائل اور ان کا حل ص ۲۵۱)

نیز لکھتے ہیں:

اولاً حکومتِ سعودیہ نے منیٰ کو مکہ میں داخل کر کے دونوں آبادیوں کو مکہ کا نام دے کر منیٰ کو مکہ کا محلّہ نہیں بنا دیا (حج وعمرہ کے جدید مسائل اور ان کا حل ص ۶۳و۶۴)

آپ کے نزدیک بھی اگر ایک آبادی حکومت کے قانون میں دوسرے کا محلّہ سمجھی جانے لگے تو اتحاد کا حکم حاصل ہوگا۔

(13)......اس سیمینار میں پیش کردہ مقالات کی تلخیص کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد فہیم اختر ندوی صاحب زید مجدہٗ لکھتے ہیں:

''اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ چونکہ شہروں کا اتصال اور عدمِ اتصال

بلدیہ عرف اور کارپوریشن کی حد بندی پر مبنی ہے‘‘ (حج وعمرہ کے جدید مسائل اور ان کا حل ص ۳۱و۳۲)

فائدہ:...... معلوم ہوا کہ سیمینار کے اکثر حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ دو مختلف مواضع کا اتصال وعدمِ اتصال عرف پر مبنی ہے، اور آج کل اتصال وعدمِ اتصال میں عُرف بلدیہ اور کارپوریشن وغیرہ کی حد بندیوں سے معلوم ہوتا ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی، ہند کا اس سلسلہ میں فیصلہ اس رسالہ کے آخر میں ’’ضمیمہ‘‘ کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

Idara Ghufran

(خاتمہ)

خلاصہ

اب تک جتنی بحث کی گئی، آگے اس کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

خلاصۂ کلام در خروجِ بلد وحدودِ بلد

خروجِ بلد سے سفر اور قصر کا آغاز منصوص اور جمہور فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے، کسی عرف کو پیش کر کے اس کی مخالفت درست نہیں اور دو شہروں کے مرکزوں کے درمیان کی مسافت کا سفرِ شرعی میں اعتبار نہیں، اسی طرح بس اڈے، ریلوے اسٹیشن اور ائیر پورٹ کو مبدءِ قصر وسفر قرار دینا درست نہیں، البتہ اتحادِ آبادی وعدمِ اتحادِ آبادی کا مدار عرف پر ہے، عرف کے ہوتے ہوئے صرف ظاہری اتصال پر نہیں۔

خلاصۂ کلام در اتحاد وعدمِ اتحادِ آبادی

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ عرفِ عام سے جس آبادی کا اتحادِ موضع ہونا طے ہو جائے تو اس آبادی کے درمیان معمولی فاصلہ اور بقدرِ غلوہ اور کھیتی وغیرہ کے حائل ہونے کا اعتبار نہیں، لہٰذا عرف عام میں جو منتشر و متفرق آبادی ایک شہر کی آبادی کہلاتی ہو یعنی متفرق حصوں کو موضع واحد کے محلوں کا درجہ دیا جاتا ہو، اس میں درمیان میں خلاء ہونا اور آبادی کا نہ ہونا اس آبادی کے انقطاع کی دلیل نہیں بنے گا، جیسا کہ بمبئی اور کراچی وغیرہ جیسے بڑے شہروں کی حالت ہے کہ ان کی آبادی دور دراز بلکہ سینکڑوں میل تک پھیلی ہوئی ہے اور درمیان میں کچھ کھیتی وغیرہ بھی ہے۔

اسی طرح مثلاً اسلام آباد شہر کے بعض حصے حکومت کے قانون میں خالی میدان اور گرین

علاقے قرار دیے گئے ہیں، جو کئی کئی مربع کلومیٹر پر واقع ہیں اور ہر طرف یا بعض اطراف سے اسلام آباد شہر کی آبادی واقع ہے، تو قصر وسفر کا حکم شہر سے خروج کے بعد ہی لگایا جائے گا خواہ شہر کے اندر کتنا ہی چلنا پایا جائے یہ فعل سفرِ شرعی میں شمار نہ ہوگا۔

اور جو آبادی دوسری آبادی میں مدغم نہ ہوئی ہو یعنی ایک کا دوسرے میں تداخل نہ ہوا ہو، اور ایک آبادی دوسری آبادی کا محلّہ نہ بنی ہو، وہ دونوں باوجود متصل ہونے کے بھی الگ الگ شمار کی جائیں گی، جیسا کہ پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد اور راولپنڈی دونوں شہر ایک دوسرے سے بالکل متصل ہیں مگر دونوں کی حدود الگ الگ متعین ہیں اور دونوں کو آج کل کے عرف میں ''جڑواں شہروں'' کا نام دیا جاتا ہے، عرفِ عام میں دونوں شہروں کے تقاضے بھی بھی الگ الگ اور جدا جدا ہیں، چنانچہ اسلام آباد کی کچہری اور عدالت الگ ہے اور راولپنڈی کی الگ ہے، اسلام آباد کا مرکزی پوسٹ آفس (جی۔پی۔او) الگ ہے اور راولپنڈی کا الگ ہے، اسلام آباد کی پولیس الگ ہے اور راولپنڈی کی الگ، اسلام آباد کے دارالحکومت ہونے کی وجہ سے ٹریفک کے قوانین الگ ہیں، اور راولپنڈی کے الگ (مثلاً آٹو رکشہ، ٹریکٹر ٹرالی، اور اسی طرح بعض دوسری گاڑیوں وغیرہ کے قوانین) اسلام آباد کے مکینوں اور مکانوں کی رجسٹریشن الگ نام سے قائم ہے اور راولپنڈی کی الگ نام سے، دونوں شہروں کے رہائشی اور مکین بھی الگ الگ شہروں کے ہی شمار کئے جاتے ہیں، وھلم جرا!

تو یہ دونوں آبادیاں الگ الگ اور اپنی ذات میں مستقل ہوں گی صرف اتصال کی وجہ سے دونوں متحد نہ کہلائیں گی، الا یہ کہ کسی وقت دونوں کو ایک شہر قرار دے دیا جائے۔

لہٰذا اگر اسلام آباد کا رہائشی مسافتِ شرعی کا ارادہ کر کے اسلام آباد سے راولپنڈی شہر کی طرف خروج کرے تو وہ راولپنڈی میں قصر کرے گا اور اسی طرح راولپنڈی کا رہائشی اسی نیت سے اسلام آباد کی حدود میں داخل ہوتے ہوئے گزرے تو وہ اسلام آباد میں قصر کرے گا۔

مطلب یہ کہ دونوں کا مبدأ قصر وسفر اپنے اپنے شہر کی آبادی سے خروج ہوگا۔ بہت سے لوگوں کو اصل غلط فہمی یہیں سے پیدا ہوئی کہ انہوں نے عرف کے مقابلہ میں رؤیتِ ظاہری (یعنی ظاہری اتصال وانفصال) کو ہی اصل معیار سمجھ لیا اور فرض کرلیا ہے، پھر اس کے نتیجے میں یہ تصور قائم کرلیا کہ جب تک آبادی کا تسلسل ختم نہ ہو (خواہ ایک شہر کی حدود ختم ہونے کے بعد دوسرے مستقل شہر کی حدود بھی کیوں نہ شروع ہوگئی ہوں) اس وقت تک مبدأ سفر وقصر کا تحقق نہیں ہوگا۔

حالانکہ مطلق آبادی کا تسلسل اتحادِ موضع کی اور مطلق آبادی کا انقطاع اختلاف مواضع کی دلیل نہیں، اس سلسلہ میں یہ اصول ملحوظ رہنا چاہیے کہ سفر وقصر متحقق ہونے کے لئے ہر قسم کی متصل ''مطلق'' آبادی سے خروج ضروری نہیں بلکہ خاص موضع اقامت کی آبادی سے خروج کافی ہے، اور موضع اقامت کبھی بلد ومصر ہوتا ہے، کبھی قصبہ، اور کبھی عام قریہ وغیرہ۔

اگر اس غلط فہمی کا ازالہ نہ ہوا تو آبادی کی بڑھتی ہوئی موجودہ رفتار شاید آگے چل کر کسی زمانے میں دور دراز والے شہروں بلکہ پورے ملکوں کی آبادیوں کو باہم متصل کردے اور پھر اس مفروضے کے نتیجہ میں پورے پورے ملکوں میں سفر کرنے والوں کو بھی مسافر نہ ماننا پڑے (جیسا کہ پہلے زمانہ میں لوگوں کی عمارتوں کی دیواروں اور چھتوں میں فاصلہ ہوا کرتا تھا مگر اب خاص طور پر شہروں کی اکثر عمارتوں کی دیواریں اور چھتیں ایک دوسرے کے ساتھ متصل وملحق بلکہ بہت سوں کی مشترک ہوچکی ہیں)

اور یہ بھی ایک واضح سی بات ہے کہ سفر وقصر کے تحقق کے لئے ہر قسم کی آبادی سے خروج ضروری نہیں بلکہ سفر شروع کرنے والے کے اپنے موضعِ اقامت کی آبادی سے خروج ضروری ہے، گویا کہ مبدءِ سفر وقصر کے تحقق کے لئے خاص موضع اقامت کی آبادی مانع ہے نہ کہ ہر قسم کی آبادی اور موضع اقامت کی آبادی سے خروج متحقق ہونے کے بعد پھر خواہ مبدأ سفر کا ظہور کسی آبادی میں ہو یا جنگل وغیرہ میں دونوں کا حکم برابر ہے یعنی سفر وقصر متحقق ہونے کے لئے موضع اقامت کے علاوہ دوسری اور اجنبی آبادی مانع نہیں، کیونکہ مسافر کے

حق میں بحالت سفر اجنبی آبادی معدوم سمجھی گئی ہے اور قصر کا حکم سفر کے ساتھ (آبادی وغیر آبادی میں) برابر سمجھا گیا ہے (کمامر بحوالہ "بدائع الصنائع، وشرح معانی الآثار")

لہٰذا اب نقل وعقل کی روشنی میں سفر وقصر متحقق ہونے کے لئے صحیح صورت یہی باقی رہی کہ صرف موضع اقامت کی آبادی سے خروج کو کافی سمجھا جائے، قطع نظر اس سے کہ اس خروج کے بعد دخول کسی آبادی میں ہو یا پھر جنگل وغیرہ میں اور خواہ اپنی آبادی سے خروج کے متحقق ہونے کے بعد دوسری آبادی میں دخول متحقق ہو یا جنگل میں۔

لہٰذا مطلقاً ہر قسم کی آبادی کا تسلسل سفر وقصر کے تحقق کے لئے مانع نہ ہوا۔ اور نہ ہی مطلقاً ہر قسم کا انقطاع تحققِ سفر وقصر کو مستلزم ہوا، بالفاظِ دیگر ہر جگہ اتصالِ آبادی اتحادِ مواضع کی اور انقطاعِ آبادی اختلافِ مواضع کی دلیل نہیں۔

ہر قسم کی دشواریوں سے بچنے اور حفاظت کا بھی اسی میں حل ہے کہ مذکورہ عرفِ عام کو اس سلسلہ میں بنیاد بنایا جائے، اور اس عرفِ عام اور عرفِ صحیح کے مقابلے میں جس کا خود شریعت بھی اعتبار کرتی ہے، کسی دوسرے عرف بلکہ عرفِ فاسد کو معتبر مان کر عرفِ صحیح کی مخالفت نہ کی جائے، اس عرفِ عام اور عرفِ صحیح سے یورپ جیسے بڑے بڑے شہروں اور مسلسل آبادیوں کے تسلسل والے مقامات کا بھی حکم اور پیش آمدہ دشواریوں کا حل نکل آیا کہ جو شہر دوسری آبادی اور دوسرے شہر کے مقابلہ میں عرفِ عام میں مستقل سمجھا جاتا ہو صرف اس کی حدود سے خروج سفر وقصر متحقق ہونے کے لئے کافی ہوگا، خواہ آبادی کا تسلسل جاری ہو، لیکن جو آبادی ایک ہی شہر کے مختلف محلوں کا درجہ رکھتی ہو جب تک اس کی انتہا سے خروج نہیں ہو جائے گا، اس وقت تک مبدأ سفر وقصر متحقق نہیں ہوگا، خواہ وہ کتنا بڑا ہی شہر کیوں نہ ہو۔

دو مختلف شہروں یا مواضع کا باہم اور ایک دوسرے کے ساتھ اتصال

گذشتہ تفصیل سے یہ بات تو تقریباً محقق ہے کہ شہر کی حدود بڑھتے بڑھتے اگر کہیں سے کہیں

Idara Ghufran

پہنچ جائیں، تو شہر بھی وہیں تک سمجھا جائے گا، اور قصر وسفر کو اس سے خروج پر ہی وجود ملے گا اور اگر کوئی مستقل قریہ جس کا پہلے سے وجود تھا وہ اس شہر کے ساتھ ملحق ہو جائے، اور عرف میں شہر کا حصہ بن جائے تو وہ بھی شہر کا حصہ ہی شمار ہوگا۔

اور قصر وسفر کے تحقق کے لئے اس سے خروج ضروری ہوگا۔ ظاہر ہے کہ عام طور پر شہر ابتداء ہی سے شہر نہیں ہوتا بلکہ اس کا آغاز مختصر سی آبادی (قریہ وغیرہ) سے ہوتا ہے پھر وہ بڑھتے بڑھتے اور دوسری آبادیوں کو اپنے اندر ہضم اور مدغم کرتے کرتے ہی شہر بنتا ہے (اِلَّا یہ کسی شہر کو آباد ہی شہر کے طور پر کیا گیا ہو، جیسا کہ اسلام آباد شہر اور ایسا بہت کم ہوتا ہے)

جب آبادی بڑھتے بڑھتے قریۂ صغیرہ کچھ بڑا ہو جاتا ہے تو اسے قریۂ کبیرہ اور قصبہ وغیرہ کا نام دیا جاتا ہے اور پھر ہمارے ملک میں تحصیل وغیرہ کا درجہ آتا ہے اور اس کے بعد شہر کا۔ بعض اوقات چند قریے مل کر قصبہ، تحصیل، ضلع یا شہر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

البتہ دو مستقل شہر بھی اتصال کی وجہ سے ایک دوسرے کا حصہ بن جائیں گے یا نہیں؟ اگرچہ اس کا دارو مدار بھی عرف پر ہے۔ مگر عام طور پر ایک شہر دوسرے شہر میں باوجود اتصال کے بھی مدغم نہیں ہوتا (البتہ اگر کبھی اور کہیں عرف عام میں دو شہر ایک شہر کی حیثیت میں داخل ہو جائیں تو پھر دونوں کو اتحاد کا حکم حاصل ہوگا)

عام طور پر مشاہدہ ہے کہ بڑی آبادی (شہر وغیرہ) تو چھوٹی آبادی (قریہ وغیرہ) کو اپنے اندر مدغم کر لیتی ہے مگر شہر دوسرے شہر کو عموماً اپنے اندر مدغم نہیں کرتا اور سالہا سال دو شہروں کے متصل ہونے کے باوجود عرف میں دونوں کو الگ الگ اور مستقل سمجھا جاتا ہے، برخلاف مصر وبلد کے ساتھ قریے یا چند قریوں کے آپس میں باہمی اتصال کے، کہ وہ وقت کے ساتھ ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں، چند قریوں کے ادغام سے قصبہ تحصیل اور شہر کو وجود ملتا ہے اور قریے کے شہر میں ادغام ہو جانے سے سابقہ قریہ کو بھی شہر کا حکم حاصل ہو جاتا ہے۔

www.idaraghufran.org

حکومت کی طرف سے طے کردہ حد بندیوں کی حیثیت

اصل مدار تو عرف پر ہی ہے اور بلدیہ، کارپوریشن وغیرہ اس عرف کی تعیین وتسہیل کے لئے بطورِ علامات ہیں، اگر کسی جگہ حکومت کی طرف سے طے کردہ حد بندی (کارپوریشن، بلدیہ وغیرہ) عرفِ عام کے خلاف ہو، جیسا کہ بعض اوقات حکومتی انتظامات ناقص ہونے یا اور کسی مصلحت کے پیشِ نظر صرف قانونی طور پر کسی جگہ کو کوئی حیثیت دی جاتی ہے مگر عرفِ عام میں اس کی وہ حیثیت نہیں ہوتی، ایسے وقت عرفِ عام کا معتبر ہونا زیادہ راجح ہوگا، کیونکہ اصل اعتبار عرفِ عام کا ہے۔

جیسا کہ آج کل ہمارے شہروں کی حدود پر چونگیاں قائم کردی جاتی ہیں، اور ایک طویل عرصہ تک وہ اپنی جگہ قائم رہتی ہیں، مگر اس عرصہ میں شہری آبادی ان سے آگے تجاوز کر جاتی ہے۔

اور مثلاً ''اسلام آباد'' کے نام سے قائم شدہ ائر پورٹ موجودہ عرفِ عام اور حقیقت میں راولپنڈی شہر میں داخل ہے اور اس کے تمام اطراف میں راولپنڈی شہر کی آبادی قائم ہے، کسی ایک طرف سے اسلام آباد شہر کی آبادی متصل نہیں، بلکہ اسلام آباد کے نام سے یہ ائر پورٹ عارضی طور پر دراصل چکلالہ ائربیس پر واقع ہے اور چکلالہ ائربیس اس وقت سے قائم ہے جب اسلام آباد شہر کا وجود بھی نہیں تھا، اور اسلام آباد کا مستقل ائر پورٹ دوسری جگہ قائم ہونا مجوز ہے، لہٰذا مذکورہ ائر پورٹ راولپنڈی شہر کا حصہ قرار دیا جائے گا۔

اور اسی طرح موٹروے پر چکری گاؤں کے قریب راولپنڈی کے نام سے اڈہ قائم ہے مگر عرفِ عام اور حقیقت میں یہ مقام تاحال راولپنڈی شہر کی حدود میں داخل نہیں، کیونکہ راولپنڈی کی شہری حدود اس مقام سے کافی فاصلہ پر واقع ہیں اور درمیان میں بعض مستقل گاؤں بھی آباد ہیں۔

اسی طرح راولپنڈی شہر کی حدود میں فیض آباد اور شمس آباد کے درمیان میں واقع بعض اراضی کے خسرہ نمبر صرف کاغذوں میں اسلام آباد کے ذیل میں درج ہیں مگر صرف کاغذوں کے علاوہ

عرفِ عام کے لحاظ سے عملاً ان علاقوں کو راولپنڈی شہر کا حکم حاصل ہے، تو اس طرح کے علاقے عرفِ عام کی وجہ سے راولپنڈی کے ہی شمار ہوں گے، نہ کہ اسلام آباد کے، البتہ کسی وقت عملی طور پر ان پر اسلام آباد شہر کا عرف غالب آجائے تو پھر اسلام آباد شہر کا حکم حاصل ہوگا۔

عرف زمان ومکان کے اعتبار سے مختلف ہوگا

ظاہر ہے کہ علامات علاقہ، زمانہ اور معاشرہ وماحول کے اختلاف سے مختلف ہوسکتی ہیں، ہر جگہ اور ہر زمانہ میں کوئی لگی بندھی ایک علامت متعین نہیں کی جاسکتی، البتہ جہاں عرف کی لگی بندھی کوئی ظاہری شکل وعلامت متعین نہ ہو وہاں ظاہری اتصال وانفصال اور اس میں فقہائے کرام کے بیان کردہ بقدرِ غلوہ اور وجودِ مزارع کے حائل ہونے کو معتبر سمجھا جائے گا۔

عرف کی شکلیں زمان ومکان کے لحاظ سے مختلف ہوا کرتی ہیں، اس لئے ہر جگہ اور ہر دور کے عرف عام کو دیکھ کر ہی کسی آبادی کے مستقل یا متحد ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

ایک دور اور ایک علاقہ کے عرفِ عام کی کسی خاص شکل اور مفہوم کو دوسرے زمانے اور دوسرے علاقہ کے لئے حجت اور معیار نہیں بنایا جائے گا (ہمارے عرف میں بعض بڑے بڑے شہروں کے ایک حصہ کو آج کل شہر یا سٹی (City) اور دوسرے حصہ کو چھاؤنی اور کینٹ (Cantonment) کہا جاتا ہے، لیکن یہ دونوں ایک دوسرے کے متعارض نہیں، بلکہ ایک ہی شہر کے دو حصے کہلاتے ہیں لہٰذا شہر، سٹی (City) اور چھاؤنی، کینٹ (Cantonment) کے نام سے قائم دونوں آبادیوں کا مجموعہ موضع واحد کہلائے گا اور اس موضع میں مقیم شخص کا مبدأ قصر وسفر دونوں میں سے کسی ایک مقام میں بھی متحقق نہ ہوگا، جیسا کہ جمعہ کے باب میں مصر کی تعریف ہر دور کے اعتبار سے کی جاتی رہی ہے کیونکہ مصر کی تعریف کا دار ومدار بھی عرف پر ہی ہے۔

البتہ فقہائے کرام نے اپنے اپنے دور میں پائی جانے والی مصر کی علامات کو بیان کردیا ہے،

www.idaraghufran.org

اسی طریقہ سے حدودِ بلد کی علامات بھی زمانہ کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں، گذشتہ دور کا عرف آج کے دور کے عرف کے مقابلہ میں حجت سمجھنا درست نہیں ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فاعلم ان تعريف المصر ايضا ليس بحد حقيقي وانما هو تشخيصه فقط وتعريف الشخصي يختلف باختلاف تشخصاته في كل زمان فهذا هو الوجه لاختلاف عبارت الفقهاء في تفسير المصر (اعلاء السنن ج۸ص ۱۱، ابواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرىٰ)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والحاصل ان تفسير المصر محمول على العرف واللغة (فتاویٰ دار العلوم مکمل ج۸ص۷)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سب لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ کے اعتبار سے جو علامات کہ مصر کی پائی جاتی تھیں بیان کر دی ہیں (امداد الفتاویٰ ج۱ص۴۶۹، کتاب الصلاۃ، صلاۃ الجمعہ والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی)

مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مصر اور قریہ ہونا عرفی چیزیں ہیں جس زمانے میں جیسا عرف ہو ویسی ہی علامات متعین کر کے علماء نے تعریف کر دی (فتاویٰ محمودیہ ج۸، ص۱۴۱، باب صلاۃ الجمعۃ، فصل فی اشتراط المصر للجمعۃ، مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ کراچی)

نیز لکھتے ہیں:

ہر ملک میں اسی ملک کا عرف معتبر ہوگا ہر جگہ عرب کا عرف معتبر نہ ہوگا جیسا کہ ہر زمانہ میں اسی زمانہ کا عرف معتبر ہوتا ہے بشرطیکہ خلافِ منصوص نہ ہو، ایک زمانہ

کا عرف ہر زمانہ میں معتبر نہیں ہوتا (فتاویٰ محمودیہ، ج۸،ص ۱۳۹، باب صلاۃ الجمعۃ، فصل فی اشتراط المصر للجمعۃ، مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ کراچی)

علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وحاصلہٗ ان حکم العرف یثبت علیٰ اھلہٖ عاماًاو خاصاًفالعرف العام فی سائر البلاد یثبت حکمہٗ علیٰ اھل سائر البلاد والخاص فی بلدۃ واحدۃ یثبت حکمہٗ علیٰ تلک البلدفقط (مجموعۃ رسائل ابنِ عابدین، جلد۲ ص ۱۳۲ ،رسالۃ ''نشرالعرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف'')

اگرعرف سے دومواضع کے اتحادواختلاف کاقضیہ حل نہ ہوسکے

بالفرض کسی موقع پر عرفِ عام سے کسی آبادی کے دوسری آبادی کے ساتھ متحد یا اپنی ذات میں مستقل ہونے کا فیصلہ نہ ہوسکے تو پھر رؤیت ظاہری پر مدار ہوگا اوراس سلسلہ میں فقہائے کرام کے بیان کردہ بقدرغلوہ یاکھیتی کے فصل وعدم فصل کوبھی فیصل بنانے کی گنجائش ہوگی:

''لانہ اذالم یوجد العرف الحادث والطارئ فالعمل بالعرف السابق اولی''

دومستقل مواضع کے درمیان مشتبہ مقام کاحکم

ایسی دوآبادیاں جواگرچہ عرف عام میں مستقل اورالگ الگ سمجھی جاتی ہوں اوران کی حدود اورانتہاءالابینہ حتمی انداز میں ممتاز طریقہ پرمتعین ہوں ان کاحکم تو واضح ہے،البتہ ایسی مذکورہ آبادیوں کے درمیان اگرکوئی مستقل حد فاصل نہ ہو(درمیان میں کوئی ایسا حصہ ہوکہ اس کو طرفین کی آبادیوں سے اتصال کی وجہ سے دونوں سے من وجہٍ تعلق ہو)ایسے مقام کواس وقت تک دخولاً وخروجاً مبدأ ومنتہاء قرار دینے سے پرہیز کرنے میں احتیاط ہوگی جب تک یقین یاظن غالب کے درجہ میں اپنی آبادی سے خروج یا دخول متحقق نہ ہوجائے ،اورکیونکہ قصروسفراورحضرواتمام میں اشتباہ کے وقت حضرواتمام کوترجیح ہوتی ہے،اس لئے دخولاًوخروجاً

ایسے مقام پر قعدہ اولیٰ کی ادائیگی کے ساتھ اہتمام اور ایسے مقام پر مقیمین کی امامت انجام دینے سے اجتناب احوط ہوگا۔

آبادی کے درمیان حائل ملک کی سرحد کا حکم

ایک ملک کی سرحد دوسرے ملک کے مقابلہ میں عرفاً حد فاصل شمار ہوتی ہے، لہٰذا ایک ملک کی سرحد کے متصل رہنے والے کا مبدأ سفر وقصر دوسرے ملک میں بنیتِ سفر داخل ہوتے وقت سرحد عبور کرنا ہوگا (کیونکہ عرف میں وہ ملکِ مدخل کے بجائے ملکِ مخرج کا باشندہ شمار ہوتا ہے)

کیا منٰی مکہ مکرمہ کی حدود میں داخل ہو چکا ہے؟

بنیادی طور پر ابتداء میں تو منٰی اور مکہ کی حدود الگ الگ تھیں، اور مکہ مکرمہ کی آبادی منٰی کی حدود سے فاصلہ پر تھی، اس لئے منٰی مکہ مکرمہ کی شہری آبادی سے الگ مقام شمار ہوتا تھا، اور آٹھ ذی الحجہ (یعنی منٰی جانے) سے پہلے اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ میں شرعاً مقیم نہ ہوا ہوتا تھا بلکہ مسافر ہوتا تھا تو وہ منٰی، عرفات اور مزدلفہ میں بھی شرعاً مقیم شمار نہیں کیا جاتا تھا بلکہ مسافر سمجھا جاتا تھا۔

اور اب بعض حضرات کے بقول مکہ مکرمہ کی آبادی بڑھتے بڑھتے منٰی اور مزدلفہ کے میدان تک چلی گئی ہے اور وہاں کے قانون اور بلدیہ میں منٰی اور مزدلفہ کی حدود کو مکہ مکرمہ کی حدود میں شامل کرلیا گیا ہے، اگر واقعہ یہی ہے تو مسافر ومقیم ہونے کا مسئلہ بھی پہلے سے مختلف ہو جائے گا۔

چنانچہ اگر کسی شخص کے منٰی جانے سے پہلے مکہ مکرمہ میں پندرہ دن مکمل نہ ہو رہے ہوں لیکن حج کے پانچ دنوں (آٹھ ذی الحجہ سے بارہ ذی الحجہ تک) کو ملا کر یا حج سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ واپس آ کر قیام کرنے کا عرصہ ملا کر پندرہ دن مکمل ہو رہے ہیں تو ایسا شخص منٰی، مزدلفہ اور

عرفات میں مقیم شمار کیا جائے گا اور اس پر مقیموں والے احکام لاگو ہوں گے (اس وقت ہندوستان، پاکستان اور عرب کے بہت سے حضرات کی یہی رائے اور فتویٰ ہے)

اس مؤقف کی تائید حضرت شیخ عبداللہ بن سبیل زادہ اللہ شرفاً کے اس خط سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے نام تحریر کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

الذی یظهر لنا ان منیٰ اصبحت الیوم جزء من مدینة مکة بعدان اکتنفها بنیان مکة وتجاوزها الیٰ حدود عرفة وبناء علیٰ هٰذا فانها قد اصبحت الیوم من احیاء مدینة مکة فلایعد الذاهب الیها من مکة مسافراً وبناءً علیه لایجوز للحاج ان یقصر ولا ان یجمع بها علیٰ قول من یقول من العلماء ان العلة فی القصر بمنیٰ انما هو من اجل السفر لان الذاهب الیٰ منیٰ لم یخرج عن حدود مکة (یہ تحریر ایک معتبر واسطہ سے ہم تک پہنچی ہے)

فضا مثلاً جہاز میں سوار شخص کے حق میں حضر وسفر کی حدود کا مسئلہ

جہاز میں سوار شخص پر ”جبکہ جہاز اڑ چکا ہو اگرچہ جہاز ابھی تک اپنے شہر کی محاذات میں ہو“ سفر وقصر کے اطلاق کا امکان ضرور موجود ہے، کیونکہ فقہائے کرام نے آبادی کی حدود سے نکل جانے والے پر سفر وقصر کا اطلاق فرمایا ہے، اگرچہ وہ فناء مصر میں ہی کیوں نہ ہو، یہاں تک کہ شہر سے ملحق باغات وبساتین اور غیرآباد محلے سے خروج کو بھی ضروری قرار نہیں دیا، جس کی وجہ یہی بیان کی ہے کہ وہ مقام مستقل مسکن اور رہائشی آبادی کا حصہ شمار نہیں ہوتا۔

اس تفصیل کو مدنظر رکھ کر فضاء میں جہاز کی حالت کا جائزہ لیا جائے تو وہ بھی ایسے مقام میں محو پرواز ہوتا ہے جو صرف فضا ہے اور رہائشی آبادی کے لئے موضوع یا اس کا بحیثیت مسکن

حصہ نہیں اگرچہ عمارات بلند کرنے کی صورت میں رہائش کا امکان ضرور ہے لیکن قصر اور سفر میں فی الحال اور بالفعل آبادی کا اعتبار کیا گیا ہے نہ کہ بالقوۃ اور بالمآل آبادی ہونے کا۔

اور پھر اس پر یہ حکم بھی متفرع ہوگا کہ اگر جہاز روانگی یا واپسی کے وقت اپنے وطنِ اقامت کی محاذات سے گزرے تو وہاں گزرنے سے رفضِ سفر نہ ہوگا۔لیکن کیونکہ جہاز میں موجود شخص کے نماز اور روزہ وغیرہ کے احکام کے اعتبار سے بھی زمینی محاذات کا اعتبار کیا گیا ہے، اور سفر کے اعتبار سے بھی زمینی محاذات کا اعتبار کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو، امداد الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۳۹۶ و ۳۹۷)

اسی طرح حضر و اقامت کیونکہ اصل ہے،تعارض کے وقت اتمام وحضر پر فتویٰ دینے میں احتیاط معلوم ہوتی ہے:

”لان الاقامة والحضر متيقن ،والسفر والقصر مشكوك واليقين لايزول بالشك“

مزید یہ کہ عرف میں بھی اپنے شہر کی محاذات میں موجود جہاز میں شخص کو اسی شہر میں موجود قرار دیا جاتا ہے۔

چنانچہ اگر جہاز میں موجود شخص سے کوئی مثلاً موبائل فون وغیرہ سے بات کرے اور معلوم کرے کہ آپ کا جہاز اس وقت کہاں ہے تو وہ جواباً محاذات والے علاقہ کا نام بتاتا ہے،اور جہاز میں موجود شخص ظاہر ہے کہ وہاں کہلائے گا جہاں کہ جہاز موجود ہے۔

لہٰذا ان وجوہات کی بناء پر راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب مقامِ اقامت کی شہری آبادی کی محاذات میں جہاز اڑ رہا ہو اس وقت قصر و سفر کے بجائے حضر و اتمام کا ہی حکم ہونا چاہیے۔فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

تحقیق وترتیب: محمد رضوان

۲۵ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ اصلاح،اضافہ ونظرِ ثانی ۱۳/ ۶/ ۱۴۲۷ھ

ادارہ غفران، چاہ سلطان راولپنڈی، پاکستان

Idara Ghufran

اہلِ علم حضرات کی آراء

(1)......مولانا مفتی منظور احمد صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء: جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد)

محترم جناب حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

علمی وتحقیقی سلسلہ نمبر ۶ (بِدَايَةُ السَّفَرِوَالْقَصْرِفِيْ حَالَةِ الْحَضْرِوَالْمِصْرِ) میں مذکورہ بحث سے بھی مجموعی طور پر مجھے اتفاق ہے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، آثارِ صحابہ اور فقہاء کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ سفر اور احکامِ سفر کی ابتداء خروج من عمران المصر سے ہوتی ہے، جبکہ شہر کے مرکز، بس اڈے، ریلوے اسٹیشن اور ائر پورٹ کو مبدأ سفر وقصر قرار دینے کی صورت میں ان تصریحات کی مخالفت لازم آتی ہے۔

چنانچہ صفحہ نمبر ۲۷ پر بذل المجہود کی عبارت، صفحہ نمبر ۲۸ پر عینی کی عبارت اور صفحہ ۲۳ پر نووی اور حافظ ابنِ حجر کی عبارات اس موضوع پر بالکل واضح ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ محض سواری پر سوار ہونے سے کوئی شخص مسافر نہیں بنتا، خروج من عمران المصر سے قبل کسی کو مسافر قرار دینا جمہور کے مذہب کے خلاف ہے۔

منظور احمد

۱۲/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

دارالافتاء: جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد

www.idaraghufran.org

(2)......مولانا مفتی احسان الحق صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء: مرکزی جامع مسجد اسلام آباد)

محترم ومکرم جناب مفتی محمد رضوان صاحب دامت فیوضہم العالیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

علمی وتحقیقی سلسلہ نمبر ۶ کے تحت رسالہ بعنوان ''بـدایة السـفر والقصر فی حالة الحضر والمصر'' کا بغور مطالعہ کیا، اس کے بارے میں ناچیز کی رائے یہ ہے کہ:

ماشاء اللہ بہترین تحقیق ہے، منتشر عبارات میں عمدہ تطبیق ہے، قبول کے لیے حقیق ہے، مبالغہ نہ سمجھا جائے تو موضوع میں بحرِ عمیق ہے، مسافر کے لئے اچھا رفیق ہے، اعراض نہ کیا جائے تو کنزِ عمیق ہے۔

فقط والسلام

بندہ احسان الحق عفی عنہ

۱۴۲۷/۸/۱۲ھ

دالافتاء مرکزی جامع مسجد اسلام آباد

(3)......مولانا ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب مرحوم

(سابق صدر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد)

برادرِ مکرم ومحترم جناب حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کا مرسلہ شمارہ نمبر ۶ (ماہنامہ التبلیغ کا علمی وتحقیقی سلسلہ ''بِدَایَةُ السَّفَرِ وَالْقَصْرِ فِیْ حَالَةِ الْحَضْرِ وَالْمِصْرِ '') موصول ہوا، جزاکم اللہ، سفر اور قصر اور شہر کی حدود کے بارے میں آپ

www.idaraghufran.org

کی فاضلانہ تحقیق سے مستفید ہوا، امید ہے کہ دوسرے اہلِ علم اور اصحابِ افتاء کی آراء آنے کے بعد مسئلہ واضح اور منقح ہو جائے گا، بالخصوص مکہ مکرمہ اور منیٰ کے ایک ہی شہر یا دو الگ الگ بستیاں ہونے میں جو ابہام یا اختلاف رائے ہے وہ ان شاء اللہ ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں برکت عطا فرمائیں۔

والسلام

نیازمند محمود احمد غازی

(4)......مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء: جامعہ مدنیہ، لاہور)

بخدمت جناب مفتی رضوان صاحب سلمہٗ اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

علمی وتحقیقی سلسلہ نمبر ۶ (بِدَايَةُ السَّفَرِ وَالْقَصْرِ فِيْ حَالَةِ الْحَضَرِ وَالْمِصْرِ) موصول ہوا۔

حدودِ بلد سے متعلق آپ کی طولِ طویل تحریر کا حاصل یہ ہے کہ اس کا مدار عرف پر ہے، لیکن آپ نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ ایک عرفِ عام ہوتا ہے اور ایک عرفِ خاص۔

عرفِ عام کا مدار ظاہری رؤیت پر ہے، جبکہ عرفِ خاص حکومت کا ہے، جو اس کی انتظامی مصلحتوں کی بنیاد پر ہوتا ہے، فقہاء تو عرفِ عام مراد لیتے ہیں، جبکہ آپ نے موجودہ دور کے بعض مفتی صاحبان کی بات سے متأثر ہو کر عرفِ خاص کو لیا ہے، ظاہر ہے کہ کارپوریشن اور میونسپلٹی قرار دینا حکومت کا اپنا عرف ہے جو حکومت کی انتظامی مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے۔

پھر کارپوریشن کے ایک ہونے کو جن لوگوں نے دلیل بنایا ہے انہوں نے نہ تو کارپوریشن کی حقیقت پر غور کیا اور نہ اس کے اغراض ومقاصد کو پیشِ نظر رکھا اور نہ ہی اس کے حق میں کوئی واقعی دلیل دی۔ دعوے کو دلیل بنا دیا۔

پھر اسی ضابطہ کی بنیاد پر آپ نے منٰی کے مسئلہ کو لے لیا، آپ نے اس پر چنداں غور نہیں کیا کہ منٰی میں پہلے کسی زمانہ میں آبادی ہوتی تھی اور اب تو بہت زمانہ سے منٰی آبادی سے بالکل خالی ہے، محض ویرانہ اور جنگل ہے (ہاں جدید قسم کا جنگل ہے جس میں رات کو روشنی ہوتی ہے، عالی شان سڑکوں کا جال بچھا ہے، کنارے پر شاہی محل ہے اور ایک طرف ایک دو دفتر ہیں) مکہ مکرمہ کی آبادی اور منٰی و مزدلفہ کا جنگل ان کا اتحاد و اتصال وہ اتحاد موضعین نہیں ہے، جس کے آپ درپے ہیں، ان کی بلدیہ ایک ہونے سے کیا فرق ہوا۔ شہر جنگل نہیں بن گیا اور جنگل شہر نہیں بن گیا۔

عبدالواحد غفرلہٗ، لاہور

۱۵/رجب ۱۴۲۷ھ۔

مذکورہ تحریر کے جواب میں بندہ محمد رضوان نے حضرت مفتی صاحب موصوف کی خدمت میں درجِ ذیل تحریر ارسال کی۔

معظم ومحترم جناب حضرت ڈاکٹر مفتی صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آنجناب کا تبصرہ موصول ہوا، آنجناب نے قیمتی وقت نکال کر تبصرہ کے ذریعہ ممنون فرمایا۔

جزاکم اللہ تعالٰی خیر الجزاء۔

حدودِ بلد سے متعلق بندہ کا جو مدعٰی ہے، اس کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

''حدودِ بلد کا مدار عرف پر ہے، اور عرف سے مراد عرفِ عام ہے، یعنی عرفِ عام میں شہر کی حدود کہاں تک سمجھی جاتی ہیں، اسی طرح دو آبادیوں کے ایک دوسری کا حصہ ہونے نہ ہونے یعنی مستقل ہونے اور متحد ہونے کا مدار بھی بندہ کے نزدیک بنیادی طور پر عرفِ عام پر ہے، عرفِ عام کے مقابلہ میں ظاہری اتصال وانفصال کا اعتبار نہیں، یعنی اگر دو آبادیاں باہم متصل ہیں، لیکن عرفِ عام میں

www.idaraghufran.org

دونوں آبادیاں مستقل سمجھی جاتی ہیں اور ایک دوسرے کا محلّہ نہیں سمجھی جاتیں، تو یہ دونوں آبادیاں سفر وقصر کے اعتبار سے موضعین مستقلین شمار ہوں گی، جیسے کہ دو مستقل اور باہم متصل شہر (مثلاً اسلام آباد، اور راولپنڈی۔ اور دھلی اور غازی آباد، کہ اسلام آباد اور راولپنڈی ہر عام وخاص عرف میں دو مستقل شہر یا مستقل مواضع سمجھے جاتے ہیں اور اسی طرح دھلی وغازی آباد بھی دو مستقل شہر سمجھے جاتے ہیں، جبکہ دونوں کی آبادیاں باہم متصل ہیں)

اور اگر دو آبادیوں کے درمیان میں رؤیتِ ظاہری کے اعتبار سے کچھ انقطاع وانفصال ہے، اگرچہ بقدرِ غلوہ یا اس سے زیادہ کیوں نہ ہو یا درمیان میں کھیتی یا دریا حائل ہو، لیکن عرفِ عام میں وہ مجموعہ ایک شہر کہلاتا ہو، جس کی ایک اہم علامت یہ ہے کہ ایک حصہ دوسرے کے لئے محلّہ کی حیثیت رکھتا ہو، تو یہ پوری آبادی موضعِ واحد کہلائے گی، جیسا کہ بعض شہروں کی آبادی کے درمیان میں سے بڑے دریا گزرتے ہیں۔

اور حکومت کی طرف سے آبادیوں کی حد بندیاں عرف کی علامات کے درجہ میں محض تمثیل کے طور پر ہیں، یا بالفاظِ دیگر رسمِ ناقص کے درجہ میں ہیں اور حدِ تام کے درجہ میں عرفِ عام کا ہونا ہے، اور قاعدہ ہے کہ رسمِ ناقص کا اگر کسی وقت حدِ تام سے تعارض ہو جائے تو حدِّ تام کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا اگر حکومتی حد بندی عرفِ عام کے خلاف ہو تو عرفِ عام کو ترجیح ہوگی، اور رسوم وعلامات مختلف ازمنہ وامکنہ وحالات میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں (کمافی احسن الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۱۸۸)

جیسا کہ جمعہ کے باب میں مصر کی تعریف کا معاملہ ہے (مصر کی تعریف میں جو اقوال مذکور ہیں ان میں سے کوئی حد مصر نہیں...... بلکہ وہ سب تعریفیں رسوم ہیں اور عنوان کا اختلاف ہے، معنون کا نہیں (کمافی امداد الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۴۶۹)

نبی ﷺ نے عرفِ عام سے الگ مصر کے کوئی معنیٰ متعین نہیں فرمائے، اس لئے یہ عرفِ عام پرمحمول ہے (کمافی احسن الفتاویٰ جلد۴صفحہ۱۸۷)

فاعلم ان تعریف المصر ایضاً لیس بحد حقیقی و ان ھو تشخیصہ فقط و تعریف الشخصی یختلف باختلاف تشخصاتہ فی کل زمان فھٰذا ھو الوجہ لاختلاف عبارات الفقھاء فی تفسیر المصر ولا یلزم منہ الخفاء فی کونہٖ شخصیا بحسب الوجود فافھم (اعلاء السنن جلد۸صفحہ ۱۱)

اورفقہائے کرام نے بقدرِ غِلوہ یاکھیتی کے فصل کو جو بیان کیا ہے، اس سے مقصود بھی محض تمثیل کے طور پر امارۃ کا بیان کرنا ہے (ملاحظہ ہو امدادالفتاویٰ جلد ا صفحہ۴۵۱)

بندہ نے اپنے اس مدعا کی وضاحت اپنے مضمون میں تفصیل سے متفرق مقامات پر امداد الفتاویٰ، احسن الفتاویٰ اور دیگر حضرات اہلِ علم کے حوالوں سے مختلف الفاظ میں کر دی ہے۔

آنجناب کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنجناب نے اس موقف سے تو اتفاق فرمایا ہے کہ حدودِ بلد کا مدار عرف پر ہے، لیکن عرف کی تعیین میں آنجناب کا موقف یہ ہے کہ ظاہری رؤیت، عرفِ عام ہے اور حکومت کی طرف سے آبادی کی حد بندی اور آبادی کے مستقل و متحد ہونے کی تعیین عرفِ خاص ہے، جو محض حکومت کی انتظامی مصلحتوں تک محدود ہے۔

آنجناب کے اس موقف پر لازم آتا ہے کہ یورپ وغیرہ میں آباد وہ ملک جن میں کئی کئی شہر مسلسل آباد ہیں اور درمیان میں آبادی کا انقطاع نہیں ہے، بلکہ ایک شہر کی آبادی دوسرے شہر کی آبادی سے متصل ہے، اسی طرح پاکستان میں مثلاً راولپنڈی اور اسلام آباد شہروں کی حالت ہے اور ہندوستان میں دھلی اور غازی آباد شہروں کا معاملہ ہے کہ ظاہری رؤیت میں کیونکہ ایک دوسرے سے متصل ہیں اور ظاہری رؤیت ہی آنجناب کی تحقیق کے مطابق عرفِ عام ہے تو یہ سب آنجناب کے نزدیک موضع واحد شمار ہوں گے، نہ کہ "مواضع

مستقلہ“ اور نہ کہ ”موضعین مستقلین“ جبکہ ہمارے اور وہاں کے سب باشندوں اور حکومت کے قانون میں یہ مواضعِ مستقلہ ومختلفہ ہیں اور یہی بندہ کے نزدیک عرفِ عام ہے، جس کی واضح علامت یہ ہے کہ ان میں سے ایک شہر دوسرے شہر کا محلّہ یا حصہ نہیں سمجھا جاتا، عرفِ عام میں عموماً ایک شہر دوسرے شہر کے تابع سمجھ کر دونوں موضعِ واحد نہیں سمجھے جاتے اور یہ صرف انتظامی معاملہ نہیں ہے، بلکہ حقیقت ہے۔

یہاں تک کہ امام شافعی رحمہ اللہ جن کے نزدیک مبدءِ قصروسفر، سورُ البلد پر متحقق ہوتا ہے ان کی تحقیق کے مطابق بھی اگر سور، دو قریب قریب شہروں کا احاطہ کئے ہوئے ہو، تب بھی وہ مواضعِ مستقلہ سمجھے جائیں گے اور سورُ البلد سے تجاوز قصروسفر کے لئے ضروری نہ ہوگا۔

قال الرافعی ولو جمع سور قرية متفاصلة لم يشترط مجاوزة السور وكذا لو قدر ذالک فی بلدتين متقاربتين (المجموع شرح المهذب جلد۴، باب صلاة المسافر)

ولو جمع سور قرى متفاصلة او بلدتين متقاربتين لم يشترط مجاوزة السور (حاشيه قيلوبى جلد ا باب صلاة المسافر)

اور جس طرح دو مستقل شہروں کے متصل ہونے کی صورت میں ظاہری رؤیت کی وجہ سے آنجناب کے نزدیک یہ موضعِ واحد کا درجہ رکھتے ہیں، اسی طرح اس کے برعکس صورت میں بعینہٖ طریقہ پر ایک بڑے شہر کی منتشر آبادی مثلاً کراچی وبمبئی اور اسلام آباد وغیرہ میں درمیان میں بقدرِ غلوہ یا اس سے بھی زیادہ انفصال ہو، یا درمیان میں کھیتی یا آر پار بڑا دریا حائل ہو، یا ایک وسیع وعریض حصہ حکومت کے انتظامی وقانونی سبب سے غیر آباد چھوڑ دیا گیا ہو، مگر اس حصہ سے حوائجِ مصر وابستہ نہ ہوں، تو اس طرح کے فصل وانقطاع کی اطراف والی آبادی موضعین مستقلین کہلائے گی، کیونکہ اصل مدار ظاہری رؤیت پر ہے اور رؤیتِ ظاہری میں یہ ایک دوسرے سے منقطع ہیں، جبکہ ہمارے موقف ومدعا کے مطابق یہ پوری آبادی

موضعِ واحد ہے، وہاں کے عرفِ عام میں بھی اور حکومت کے قانون میں بھی۔

علامہ شامی عرف وعادۃ کی تحقیق وتعریف کے ضمن میں لکھتے ہیں:

العادۃ والعرف مااستقرفی النفوس من جهة العقول ،وتلقته الطبائع السليمة بالقبول ،وفی شرح التحرير العادة هی الامر المتكرر من غير علاقة عقلية اه قلت بيانهٗ ان العادة ماخوذة من المعاودة فهی بتكررها ومعاودتها مرة بعداخریٰ صارت معروفة مستقرة فی النفوس والعقول متلقاة بالقبول من غير علاقة ولا قرينة حتی صارت حقيقة عرفية فالعادة والعرف بمعنی واحد من حيث الماصدق وان اختلفا من حيث المفهوم ،ثم العرف عملی وقولی

الخ (رسائلِ ابنِ عابدین جلد۲صفحہ۱۱۴،رسالہ نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف، مطبوعة: سهيل اكيڈمی، لاهور)

عرف وعادت کی مذکورہ تعریف اور مفہوم ومصداق کو پیشِ نظر رکھ کر جب ہم حدودِ بلد اور آبادی کے متحد ومستقل اور ظاہری اتصال وانفصال وغیرہ کا جائزہ لیتے ہیں، تو ہمیں اپنے موقف کی تائید وتقویت ظاہر ہوتی ہے۔

جبکہ ہمارے پیش کردہ موقف پر فقہائے سابقین کے قول کی تردید بھی لازم نہیں آتی، کیونکہ بقدرِ غلوہ اور کھیتی وغیرہ کے فصل کو رسمِ ناقص اور تمثیل کا درجہ دیا گیا ہے، اور عرفِ عام اس کے مقابلہ میں نہ ہونے کی صورت میں اس کو ہی عرفِ عام کا ترجمان قرار دیا گیا ہے۔

فقہائے کرام نے مصر کی تعریف کرتے ہوئے جمعہ کے باب میں مختلف علامات سے جو مصر کی تعریف بیان کی ہے، اگر بعض اہلِ علم اپنے دور کے عرفِ عام کو کسی تعریف کا مقابل ہونے کی وجہ سے اس کو قابلِ عمل نہیں سمجھتے، تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ انہوں نے تعریفِ مصر کو توڑ دیا ہے۔

بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ رسمِ ناقص اور تمثیل وعلامات کے درجہ میں ہے، حدِتام عرف ہے کبھی اس عرف کی تعبیر وتمثیل کسی علامت سے اور کبھی کسی علامت سے کی گئی، بوجہ عرف کے بدلنے اوراس کی وجہ سے اس کی علامات کے بدلنے کے، کیونکہ اس علامت یا تمثیل پر مصر کی تعریف کا مدار نہیں ہے بلکہ اصل مدار عرف پر ہے اور وہ تمثیل وعلامت عرف پر متفرع ہے۔

والعرف يتبدل بتبدل الزمان والمكان فالعلامة والتمثيل يتبدل معهماايضاًاولىٰ.

یہی کچھ بندہ فقہائے کرام کی عبارات سے سمجھا ہے اور بندہ اصول کے مقابلہ میں کسی کی غلط تحریر سے متأثر نہیں ہوا، بلکہ ان حضرات کی تحریرات کو اصولوں پر متفرع پایا ہے، اور تمام اقوال میں تطبیق کی کوشش کی ہے۔

جہاں تک منیٰ کا مسئلہ ہے وہ بھی اسی عرفِ عام کے اصول پر متفرع ہے اور بندہ نے اس موقع پر تعلیق کے ساتھ منیٰ کے مکہ کے ساتھ الحاق کے مسئلہ کو لکھا ہے کہ اگر عرفِ عام میں منیٰ مکہ کا حصہ بن گیا ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ مکہ کی آبادی منیٰ کے ساتھ متصل ہوگئی ہے اور وہاں کے عرف میں بھی منیٰ مکہ شہر کا ایک جز وحصہ بن گیا ہے (اگر واقعہ یہی ہے) تو پھر منیٰ مکہ کا حصہ بن گیا ہے، وہاں کا عرف وہاں کے باشندوں سے معلوم ہوسکتا ہے۔

بلدیہ بلد سے ماخوذ ہے، جو شہری علاقوں کے حوائج ومصالح کی خدمات انجام دیتا ہے، اس لئے جب تک عرفِ عام اس کے مقابلہ میں نہ آئے بلدیہ کو علامت قرار دینا درست معلوم ہوتا ہے، البتہ اگر عرفِ عام اس طرح ثابت نہ ہو، صرف قانونی معاملہ ہو تو الگ بات ہے۔

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ:

’’منیٰ آبادی سے بالکل خالی ہے بلکہ وہ ویرانہ اور جنگل ہے (ہاں جدید قسم کا جنگل ہے جس میں رات کو روشنی ہوتی ہے، عالی شان سڑکوں کا جال بچھا ہے، کنارے پر شاہی محل ہے اور ایک طرف ایک دو دفتر ہیں۔انتھیٰ بلفظکم)‘‘

www.idaraghufran.org

اس بارے میں عرض ہے کہ اگر کسی وسیع وعریض حصہ میں کسی مصلحت کی وجہ سے قانونی طور پر تعمیر اور جگہ کی خرید وفروخت کی اجازت نہ ہو، اس وجہ سے آبادی اس علاقہ سے متصل اطراف سے آگے بڑھ رہی ہو، تو اس سے یہ لازم نہیں آنا چاہئے کہ وہ غیر تعمیر شدہ حصہ صرف تعمیر نہ ہونے کی وجہ سے شہر وآبادی سے خارج شمار کیا جائے، ورنہ اس صورت میں تو لازم آئے گا کہ شہروں میں بڑے بڑے گراؤنڈ، پارک بڑے بڑے ائیر پورٹ کی خالی جگہ جہاں درخت ہیں اور اسی طرح اسلام آباد وغیرہ جیسے شہر کے وہ قطعے جو گرین ایریا قرار دیئے گئے ہیں، جن کے درمیان نہ سڑک ہے، نہ بجلی جلتی ہے، نہ کوئی دفتر ہے، کیونکہ وہاں قانوناً تعمیر کی اجازت نہیں، وہ بھی خارج از شہر سمجھے جائیں، اور ایک سیکٹر اور محلے سے غیر آباد حصہ تک بنیتِ سفر نکلنے والا (باوجودیکہ آگے اسی شہر کے دوسرے سیکٹر اور محلے آباد ہوں) مسافر قرار دیا جائے۔

بہرحال اگر حدودِ بلد کی بنیاد محض تعمیر وآبادی پر ہو تو اس طرح بہت سے شہر کے یقینی حصے شہر سے خارج قرار پاتے ہیں، چنانچہ بمبئی اور کراچی جیسے شہروں کی اندرونی حدود میں ایسے غیر تعمیر شدہ بے شمار علاقے ہیں، جہاں رات بلکہ دن میں بھی سناٹا اور ہُو کا سماں رہتا ہے، غرضیکہ اگر کسی قطعہ اراضی کو محض ویرانہ، جنگل اور تعمیر نہ ہونے کی وجہ سے شہر سے خارج قرار دیا جائے، تو بہت سے غیر تعمیر شدہ شہری حصوں کا شہر سے خارج کرنا لازم آتا ہے، جس کا شاید کوئی بھی قائل نہ ہو۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے منتشر آبادی کو جس کے درمیان میں خالی جگہ بھی ہو اور کھیتی وغیرہ بھی ہو، اس پورے تعمیر وغیر تعمیر شدہ قطعہ پر مشتمل مجموعہ کو عرف میں متحد سمجھا جانے کی صورت میں موضعِ واحد قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ جلد ا صفحہ ۴۱۷ و ۴۱۳)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بعض جنگل شہر کا حصہ بن سکتے ہیں۔

پس جبکہ وہ غیر آباد حصے جو شروع سے غیر آباد ہیں، ان میں نہ کوئی دفتر ہے، نہ روشنی، نہ

www.idaraghufran.org

سڑک، اگر اس کے باوجود بھی وہ کسی آبادی کا حصہ بن سکتے ہوں، تو اس بنیاد پر منیٰ میں جہاں کسی وقت آبادی بھی تھی اور حاجیوں کی سہولت وہجوم کی وجہ سے بعد میں اس کو ختم کیا گیا ہے، نہ اس وجہ سے کہ وہ ویران ہوگئی ہے اور وہاں رات کو بجلی کی روشنی بھی رہتی ہے جو آباد ہونے کی ایک علامت ہے اور سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے''فیھا سِکک''جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شہر کی ایک علامت رسمِ ناقص کے درجہ میں ہے اور منیٰ میں کچھ دفتر بھی ہیں، نیز وسیع مسجد بھی موجود ہے وغیرہ وغیرہ۔

اگر موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر عرف میں منیٰ کو مکہ شہر کے حصہ کی حیثیت حاصل ہوجائے تو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی مانع نہیں ہونا چاہئے؟

اور جو عباراتِ فقہ اس سلسلہ میں راستہ سے آبادی کے دور ہونے کی پیش کی جاتی ہیں ان کا قضیہ منیٰ سے کچھ مختلف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ان عبارات کا بظاہر مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ ابھی تک آباد نہیں ہوئی اور آبادی وہاں تک متجاوز نہیں ہوئی اور منیٰ میں کیونکہ قانونی طور پر آج کل آبادی کی اجازت ہی نہیں، اسی لئے دیگر اطراف سے جہاں قانونی پابندی نہیں ہے، ان اطراف سے مکہ شہر کی آبادی بڑھ رہی ہے، اس کو ہم اسلام آباد جیسے شہر کے گرین ایریوں پر قیاس کر سکتے ہیں، کہ دائیں بائیں اسلام آباد شہر کے سیکٹر آباد ہیں، اس لئے وہ گرین علاقہ شہر کا حصہ ہے۔

پہلے زمانہ میں آبادی کے درمیان اس قسم کے غیر آباد وسیع علاقوں کا وجود بہت کم تھا، جیسا کہ آج کل ہوتا ہے، غالباً اس وجہ سے بہت سے سابق فقہاء نے اس سے تعرض نہیں فرمایا۔

اگر یہ کہا جائے کہ مکہ کی آبادی نے منیٰ کا پوری طرح احاطہ نہیں کیا، اس لئے وہ مکہ کا حصہ نہیں بنا، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اولاً تو جب عرف سے کسی حصہ کا کسی خاص آبادی کے تابع ہونا ثابت ہوجائے، تو ہر طرف سے محیط ہونے کی قید کا متلاشی رہنا درست معلوم نہیں ہوتا، دوسرے منیٰ کے ساتھ مزدلفہ ہے اور پھر اس کے ساتھ عرفات، جس طرح منیٰ میں

آبادی وتعمیر کی اجازت نہیں، اسی طرح مزدلفہ اور عرفات کا معاملہ ہے کہ وہاں بھی اجازت نہیں۔

مذکورہ تفصیل کے پیشِ نظر مکہ کی آبادی کا منیٰ سے اتصال اگر ثابت ہو جائے تو نوعیت وہ باقی نہیں رہے گی، جو انفصال کے وقت تھی، اور اب اس اتصال کو عرفِ عام کے تناظر میں اتحاد وعدمِ اتحاد کے اعتبار سے دیکھنا ہوگا نہ کہ آبادی کی حیثیت سے۔

اگر منیٰ کو نہ مکہ شہر کا حصہ مانا جائے اور نہ فنائے مکہ، بلکہ عام بیابان جنگل مانا جائے تو اس میں جمعہ وعیدین کے عدمِ جواز کا بھی حکم ہوگا، نیز اگر کوئی پندرہ روز سے زیادہ اس جگہ قیام کرے تو صحراء اور مفازہ میں قیام ہونے کی وجہ سے مقیم نہ ہوگا۔

اور آخری درجہ میں مقیم اور مسافر کے دلائل میں اشتباہ واختلاف ہونے کے وقت مقیم ہونے کو ترجیح ہونی چاہئے، ایک تو اس وجہ سے کہ اتمام، قصر کے مقابلہ میں احوط ہے، دوسرے بعض احکام کے وجوب میں احتیاط ہے، بنسبت عدمِ وجوب کے، تیسرے عامۃ الناس کو اتمام ومقیم کے مسئلہ کا سمجھنا اور سمجھانا آسان ہے بنسبت منیٰ کو الگ مقام قرار دے کر مسافر قرار دینے کے، ہر سال حجاج کرام میں حج کے دوران منیٰ میں مقیم ومسافر ہونے کا مسئلہ معرکۃ الآراء اور تنازع کا باعث رہتا ہے اور ہند وپاکستان اور عرب کے کئی علماء کا فتویٰ بھی منیٰ کے مکہ کے ساتھ الحاق ہونے پر ہے، اور وہاں کا قانون وعرف بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ [1]

بندہ ایک مرتبہ پھر جناب کی طرف سے تحریر ارسال کرنے پر ممنون ہے۔

فجزاکم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء۔ فقط۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

محمد رضوان۔ ۲۸/ ۷/ ۱۴۲۷ھ ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

---

[1] اس کی تفصیل بندہ نے ایک مستقل مضمون میں کر دی ہے، اور وہ مضمون بعنوان ''حج میں قصر واتمام کی تحقیق'' بحمداللہ شائع بھی ہو چکا ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

(ضمیمہ)

مسافتِ سفر کے آغاز سے متعلق

اسلامک فقہ اکیڈمی، ہند کی رائے

مسافتِ سفر کے آغاز سے متعلق اسلامک فقہ اکیڈمی، ہند نے جو رائے قائم کی، وہ افادۂ مزیدہ کے لئے ذیل میں ذکر کی جاتی ہے، جس کے اکثر ارکان کی رائے ہمارے موقف کے مطابق ہے:

(۱)......جو آدمی اپنے گھر سے اپنے شہر کے اندر ہی کسی مقام پر جانے کے لئے نکلے، تو خواہ وہ کتنی ہی لمبی مسافت طے کرے، اگر اس کا ارادہ شہر کے اندر ہی اندر رہنے کا ہے، تو وہ شرعاً مسافر شمار نہیں کیا جائے گا، اور اس کے لئے سفر کی وہ رخصتیں نہیں ہوں گی، جو مسافتِ شرعی کے سفر سے متعلق ہیں۔

(۲)......جو آدمی اپنی آبادی وشہر سے باہر سفر کے ارادہ سے نکلے، وہی شرعاً نماز میں قصر اور رمضان المبارک میں روزہ توڑنے کی اجازت کے مسئلہ میں مسافر ہوگا۔

(۳)......چھوٹے شہروں میں مسافتِ شرعی کا حساب اس جگہ سے ہوگا، جہاں شہر ختم ہوا ہے، یعنی شہر ختم ہونے کے بعد ۴۸ میل کا سفر کیا جائے، تبھی وہ مسافر ہوگا۔

(۴)...... بڑے شہروں میں، جن کی آبادی میلوں تک پھیل گئی ہے، مسافتِ شرعی کا شمار کس مقام سے ہوگا؟ اس میں دو نقاطِ نظر ہیں، زیادہ حضرات کی رائے ہے کہ جہاں شہر ختم ہوتا ہے، وہیں سے ۴۸ میل کی مسافت شمار کی جائے گی، دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جس محلّہ سے سفر شروع ہوا ہے، وہیں سے مسافت کا شمار ہوگا، البتہ اس پر سبھوں کا

اتفاق ہے کہ نماز میں قصر کا حکم شہر سے باہر نکلنے کے بعد ہی شروع ہوگا، اوراس طرح واپس ہوتے وقت شہر میں داخل ہونے سے پہلے پہلے تک ہی قصر کرنا درست ہوگا۔

(اسلامک فقہ اکیڈمی، ہند کا سترہواں فقہی سیمینار ''برہان پور'' بتاریخ ۲۸ تا ۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق 5 تا 7 اپریل 2008ء) [1]

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

5/ رمضان المبارک/ 1437ھ۔ 11/ 6/ 2016ء، بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی۔ پاکستان۔

[1] ہمارے نزدیک پہلا نقطۂ نظر راجح اور جامع، اور دوسرا نقطۂ نظر مرجوح اور غیر جامع ہے، جس کے دلائل ہم نے ماقبل میں ذکر کر دیئے ہیں۔

تاہم اگر کوئی شخص دوسرے نقطۂ نظر کے اصحابِ علم کے فتوے کے مطابق عمل کر کے نماز اداء کرتا ہے، تو ان اصحابِ علم کے فتوے کے مطابق اس کی نماز درست قرار پائے گی۔

مگر ہمارے دلائل کی رُو سے مرجوح ہونے کے ساتھ ساتھ اس قول پر عمل کرنا خلافِ احتیاط بھی ہے، کیونکہ قصر واتمام میں اختلاف وتعارض کے وقت اتمام کو ترجیح ہوا کرتی ہے، جیسا کہ با حوالہ ذکر کیا جا چکا۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

منعُ مبدءِ السفر

قبل مبدءِ القصر

اس رسالہ میں سفراور قصر دونوں یا ان میں سے کسی ایک کے موضعِ اقامت کی حدود میں شروع ہونے پر ایک صاحبِ علم کی طرف سے پیش کئے جانے والے تفصیلی دلائل پر نقد وتبصرہ کیا گیا ہے
اور مبدءِ سفر وقصر دونوں میں سے کسی ایک کے بھی موضعِ اقامت میں متحقق نہ ہونے پر پیش کئے جانے والے شبہات واعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مؤلف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

www.idaraghufran.org

(جملہ حقوق بحق ادارہ غفران محفوظ ہیں)

ضمیمہ علمی وتحقیقی سلسلہ نمبر (۵،۶) منعُ مبدءِ السفر قبل مبدءِ القصر

مؤلف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: شوال ۱۴۳۰ھ، اکتوبر 2009ء۔

طباعتِ دوم: محرم الحرام 1439ھ، اکتوبر 2017ء

صفحات: 174

ملنے کا پتہ

کتب خانہ ادارہ غفران چاہ سلطان گلی نمبر 17 راولپنڈی پاکستان

فون 051-5507270 فیکس 051-5702840

www.idaraghufran.org

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین

Idara Ghufran

Idaraghufran

Idara Ghufran

Idara Ghufran

Idara Ghufran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

بندہ نے ”النظر والفکر فی مبدءِ السفر والقصر“ کے عنوان سے تفصیلی مضمون تحریر کر کے ایک صاحبِ علم کی خدمت میں پیش کیا، تو ان کی طرف سے بندہ کے مضمون پر تو کوئی خاطر خواہ تبصرہ موصول نہیں ہوا۔

البتہ ان کا اپنا تحریر کردہ تفصیلی مضمون موصول ہوا، جس کو انہوں نے ”مبدءِ سفر و مبدءِ احکامِ سفر“ کا عنوان دیا، اس تحریر میں موصوف نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ سفر تو گھر سے خروج کے بعد شروع ہو جائے گا، لیکن احکامِ سفر کا آغاز شہر سے نکلنے پر ہوگا، لیکن اس مضمون میں علمی اعتبار سے غیر معمولی کمزوریاں سامنے آئیں، اس لئے اس سے بندہ کو اتفاق نہ ہوا، اور بندہ نے ان کے مضمون پر ”قولہ“ ”اقول“ کے عنوان سے تفصیلی تبصرہ تحریر کیا، اور اس کو ”منع مبدءِ السفر قبل مبدءِ القصر“ کا عنوان دیا۔

اور پھر یہ مضمون موصوف کی خدمت میں ارسال کیا، مگر ان کی طرف سے بندہ کے مضمون پر کوئی رائے موصول نہیں ہوئی۔

البتہ مضمون موصول ہونے کی انہوں نے بندہ کو اطلاع ضرور فرمائی۔

اب اس واقعہ کو کئی سال کا عرصہ گزر چکا ہے، اور اس پر ان کی طرف سے کوئی رد یا قبول سامنے نہیں آیا، اس لئے مناسب سمجھا کہ موصوف کے مکمل مضمون اور اس پر اپنے تبصرہ کو مِن وعَن شائع کر دیا جائے، تاکہ اہلِ علم حضرات کے لئے فائدہ کا باعث ہو، اور ایک فقہی مسئلہ میں تصویر کے دونوں رخ سامنے رہیں، اور تنقیحِ حکم میں معین بنیں۔

فقط

محمد رضوان 09/محرم الحرام/1438ھ 11/اکتوبر/2016ء بروز منگل

www.idaraghufran.org

مبدءِ سفر و مبدءِ احکامِ سفر

(ایک صاحبِ علم کی مفصل تحریر)

مقصدِ تحریر

(1)...... اس بات میں دورائے ہونے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں کہ پرانے زمانے میں آبادی وبستی آج کی بنسبت بہت محدود ہوا کرتی تھی، جس کی بنا پر ان کی حد بندی اس قدر مشکل نہیں تھی، جس قدر آج کل وسیع وعریض آبادیوں اور بستیوں کی حد بندی میں ہے، اس لئے گزشتہ دور میں ایک عام آدمی بھی بآسانی یہ نتیجہ بلاتردد اخذ کرلیتا تھا کہ کونسی آبادی کہاں سے شروع ہورہی ہے اور کہاں پہنچنے پر آدمی آبادی سے خارج، یا داخل سمجھا جائے گا، بلکہ آج بھی چھوٹے چھوٹے دیہات وگاؤں میں یہی صورتِ حال ہے کہ وہاں لوگوں کو یہ نشاندہی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے کہ فلاں آبادی کہاں سے شروع ہورہی ہے اور کہاں پر ختم ہورہی ہے اور آبادی سے نکل کر کس مقام تک پہنچ جانے پر یا باہر سے آتے ہوئے کس مقام تک پہنچ جانے سے آدمی آبادی سے خارج یا آبادی میں داخل سمجھا جائے گا۔

(2)...... اس کے برخلاف آج کے دور میں آبادی وبستی کی وسعت کی وجہ سے خصوصاً بڑے شہروں میں جہاں میل ہا میل تک عمارتوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے اس نقطے کا تعین بہت مشکل ہوگیا ہے۔

(3)...... اور عام ناظر کے واسطے یہ فیصلہ انتہائی مشکل ہے کہ ایسی بستی یا شہر کا نقطہ انتہاء کس مقام کو قرار دیا جائے جس کے اردگرد عمارتوں کا تسلسل دور دراز تک پھیلا ہوا ہے، بلکہ آج ایسے شہر بھی موجود ہیں جہاں دو شہروں کے درمیان عمارات کا سلسلہ اس طرح قائم ہوگیا کہ

Idara Ghufran

ان عمارات نے گویا دونوں شہروں کو ملا دیا اور ہر ایک عمارت سے دوسری عمارت اس طرح نظر آتی ہے کہ ایک عام ناظر جس شہر سے چلے گا وہ ان عمارات کو اسی شہر کا حصہ قرار دیتا ہوا آگے بڑھے گا، جبکہ حقیقت میں دونوں شہر جدا جدا ہیں اور عرف عام میں اور حکومت کے کھاتوں میں بھی یہ دونوں شہر الگ الگ ہیں نیز دونوں شہروں کے نام وحقوق جدا جدا ہیں ونوں کی الگ الگ حد بندی بھی حکومتی کھاتوں میں موجود ہے، ایسی صورت میں ایک عام مسافر کے لئے مبدأ احکامِ سفر اور منتہائے احکامِ سفر کا نقطہ انتہاء متعین کرنا انتہائی دشوار ومشکل ہے اس لئے ایک عرصہ سے یہ ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے کہ اہلِ علم واہلِ فتاویٰ حضرات قواعدِ شرعیہ کی رو سے ایسی بستیوں اور شہروں کے اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کریں اور عوام الناس کے لئے اس مشکل کا شرعی حل بتائیں کہ وہ اپنے سفر واقامت کے سلسلے میں شہر وبستی کے کس نقطہ کو عمرانِ بلد سے خروج اور اس میں دخول کے واسطے حدِ فاصل قرار دے؟

احقر اس سوال کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنے کی خاطر یہ تحریر اہلِ علم کی خدمت میں پیش کرتا ہے، تاکہ سوال کے تمام پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھ کر حضراتِ علماء کرام اس کا شرعی حل بیان فرمائیں۔

مبدأ احکامِ سفر

(4)...... مبدأ احکامِ سفر (یعنی نماز میں قصر واجب ہونے ، روزہ ترک کرنے کی رخصت، جمعہ، عیدین اور قربانی واجب نہ ہونے کی رخصت، خفین پر تین روز تک مسح کرنے کی رخصت وغیرہ احکام کی ابتداء) کے متعلق

(5)......بعض حضرات تابعین مثلاً حضرت حسن بصری، حضرت عطاء، حضرت سلیمان بن موسیٰ، حضرت حارث بن ابی ربیعۃ رحمہم اللہ وغیرہ حضرات سے مروی ہے کہ آدمی صرف سفر کی نیت کر لینے سے ہی مسافر ہو جاتا ہے اور اس پر احکامِ سفر لاگو ہو جاتے ہیں، اگرچہ وہ ابھی

تک اپنے گھر ہی میں موجود ہو، جبکہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ صرف نیتِ سفر سے تو آدمی مسافر نہیں بن جائے گا بلکہ جب بنیتِ سفر سواری پر سوار ہوجائے گا تو وہ مسافر بن جائے گا اور سوار ہوتے ہی اس کا سفر شروع ہوگیا، اس لئے سواری پر سوار ہونے کے وقت سے اس پر احکامِ سفر لاگو ہوجائیں گے، اس کے برخلاف حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ آدمی جب سفر کی نیت سے نکلے تو اس وقت تک قصر نہیں کرے گا جب تک پورا دن سفر نہ کرلے اور اس پر رات داخل نہ ہوجائے، اور امام مالک سے ایک روایت جوان کے مفتیٰ بہ قول کے خلاف مروی ہے یہ ہے کہ شہر سے نکل کر تین میل کے فاصلہ پر پہنچنے کے بعد قصر کرے گا۔

لیکن یہ تمام اقوال مرجوح ہیں، اور ائمہ اربعہ سمیت جمہور فقہاءِ کرام میں سے کسی نے بھی ان اقوال کو نہیں لیا، جمہور فقہائے کرام رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ احکامِ سفر صرف آدمی کے بنیتِ سفر گھر سے نکل جانے، یا مبدأ سفر سے قطعِ مسافت شروع کردینے سے لاگو نہیں ہوجائیں گے، بلکہ مسافتِ سفر طے کرنے کی نیت سے آدمی

(6)...... جب مبدأ سفر کے مقام ومستقر سے نکل جائے گا (خواہ یہ مقام کوئی چھوٹی سی بستی ہو یا بڑا سا شہر ہو یا اس کے مقامِ استقرار وا قامت کی منزل وچاردیواری ہو) تو احکامِ سفر اس پر لاگو ہونگے، بلکہ نصوصِ فقہاء میں اس بات کی بھی تصریح موجود ہے کہ جمہور فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ خروجِ بلد اسی وقت متحقق ہوگا جب آدمی بنیتِ سفر تمام بیوتِ بلد وعمرانِ بلد سے مفارقت وخروج کرلے گا، اس سے پہلے شرعاً ان احکام کے اعتبار سے آدمی مسافر ہی نہیں ہوگا

(7)...... اور نہ ہی ان احکام کے حق میں اس سے پہلے آدمی کا فعلِ سفر شروع ہوگا

(8)...... (اگرچہ اس نے نیتِ سفر کرلی ہو یا بنیتِ سفر قطعِ مسافت شروع کردیا ہو) اور بلاشبہ تعاملِ امت بھی جمہور ہی کے مذہب کے مطابق ہے، نیز دلائل کی رو سے بھی جمہور کا مذہب ہی نصوصِ شرعیہ کے عین مطابق ہے، کیونکہ شریعت نے مبدأ احکامِ سفر کے متعلق

مختلف انداز میں یہ بات بصراحت بیان کی کہ مسافر پر احکامِ سفر خروج من ابنیۃ البلد سے لاگو ہونگے (بطورِ مثال مندرجہ ذیل دلائل ملاحظہ ہوں)

(۱)......فی الجامع الصحیح البخاری:(ج ا ص ۳۶۹)

”باب یقصر اذاخرج من موضعه وخرج علی علیه السلام فقصروهویری البیوت فلما رجع قیل له هذه الکوفة قال لاحتیٰ ندخلها(1039)حدثناابونعیم قال حدثناسفیان عن محمد بن المنکدروابراهیم بن مسیرة عن انس رضی اللّٰهعنه قال صلیت الظهرمع النبی صلی الله علیه وسلم بالمدینة اربعاوالعصربذی الحلیفة“

(۲)......وفی مجمع الزوائد:(ج۲ص ۱۵۶)

”وعن ابی هریرة قال سافرت مع رسول اللّٰهصلی الله علیه وسلم ومع ابی بکر وعمر کلهم صلی من حین یخرج من المدینة الی ان یرجع الیها رکعتین فی المسیروالمقام بمکة رواه ابویعلیٰ والطبرانی فی الاوسط ورجال ابی یعلیٰ رجال الصحیح“

(۳)......وفی فتح الباری:(ج۲ص ۵۶۹)

”قوله باب یقصر اذاخرج من موضعه یعنی اذاقصد سفراتقصرفی مثله الصلاة وهی من المسائل المختلف فیها ایضا قال ابن المنذر اجمعواعلی ان لمن یرید السفر ان یقصراذا خرج عن جمیع بیوت القریة التی یخرج منها واختلفوا فیماقبل الخروج عن البیوت فذهب الجمهور الی انه لابد من مفارقة جمیع البیوت وذهب بعض الکوفیین الی انه اذاراد السفریصلی رکعتین ولوکان فی منزله ومنهم من قال اذارکب قصر ان شاء ورجح ابن المنذرالاول بانهم اتفقوا علی انه یقصر اذافارق البیوت واختلفوا فیما قبل ذالک فعلیه الاتمام علی اصل ماکان علیه حتی یثبت ان له القصر قال ولااعلم النبی صلی الله علیه وسلم قصرفی شیئ من اسفاره الابعد خروجه عن المدینة قوله وخرج علی فقصروهو یری البیوت فلما رجع قیل له هذه الکوفة قال لاحتی ندخلهاوصله الحاکم من روایة الثوری عن وقاء بن ایاس وهوبکسر الواو بعدها قاف ثم مدة عن علی بن ربیعة قال خرجنا مع علی بن ابی طالب فقصرناالصلاة ونحن نری البیوت ثم رجعنا فقصرنا الصلاة ونحن نری البیوت واخرجه البیهقیمن طریق یزید بن هارون عن وقاء بن ایاس بلفظ خرجنا مع علی متوجهین ههنا واشاره بیده الی الشام فصلیٰ(۳)رکعتین رکعتین حتی اذارجعنا ونظرنا الی الکوفة حضرت الصلاة قالوایاامیرالمؤمنین هذه الکوفة اتم الصلاة قال لاحتیٰ ندخلها وفهم بن البطال من قوله فی التعلیق لاحتی ندخلها انه امتنع من الصلاة حتی یدخل الکوفة قال لانه لوصلی فقصر ساغ له ذالک لکنه اختاران یتم الاتساع الوقت اه . وقد تبین من سیاق اثرعلی ان الامرعلی

www.idaraghufran.org

خلاف مافهمه بن بطال وان المراد بقولهم هذه الكوفة اى فاتم الصلاة فقال لاحتى ندخلها اى لانزال نقصر حتى ندخلهاالخ.

(۴)......1039قوله فى حديث انس صليت الظهر مع النبى صلى الله عليه وسلم بالمدينة اربعا وبذى الحليفة ركعتين فى رواية الكشميهنى والعصر بذى الحليفة ركعتين وهى ثابتة فى رواية مسلم وكذافى رواية ابى قلابة عن انس عند المصنف فى الحج واستدل به على استباحة قصر الصلاة فى السفر القصيرلان بين المدينة وذى الحليفة ستة اميال وتعقب بان ذاالحليفة لم تكن منتهى السفروانما خرج اليها حيث كان قاصداالى مكة فاتفق نزوله بهاوكانت اول صلاة حضرت بهاالعصر فقصرها واستمر يقصر الى ان رجع ومناسبة اثر على لحديث انس ثم لحديث عائشة ان حديث على دال على ان القصر يشرع بفراق الحضر وكونه صلى الله عليه وسلم لم يقصر حتى رأى ذاالحليفة انماهولكونه نزله ولم يحضرقبله وقت صلاة ويؤيده حديث عائشة ففيه تعليق الحكم بالسفر والحضر فحيث وجد السفر شرع القصر وحيث وجد الحضر شرع الاتمام واستدل به على ان من اراد السفر لايقصر حتى يبرز من البلد خلاف لمن قال من السلف يقصر ولوفى بيته وفيه حجة على مجاهدفى قوله لايقصر حتى يدخل اليل الخ“

(۵)......وفى تغليق التعليق لابن حجر:(ج۲ص۴۲۰)

”قوله باب يقصر اذاخرج من موضعه وخرج على رضى اللّٰه عنه فقصر وهويرى البيوت فلما رجع قيل له هذه الكوفة قال لاحتى ندخلها قال البيهقى فى السنن الكبير اخبرنا ابوعبد الله الحافظ وابوبكر احمد بن الحسين القاضى قال ثنا ابوالعباس محمد بن يعقوب ثنا يزيد وهوبن هاروثناوقاء بن اياس وابويزيد عن على بن ربيعة قال خرجنا مع على بن ابى طالب رضى الله عنه متوجهين هاهنا واشاربيده الى الشام فصلى ركعتين حتى اذارجع ونظرنا الى الكوفة حضرت الصلاة فقالوا ياامير المؤمنين هذه الكوفة نتم الصلاة قال لاحتى ندخلها ورواه ايضامن رواية الثورى عن وقاء وهكذااخرجه عبدالرزاق فى مصنفه عن الثورى به واسناده صحيح اخرجه الحاكم فى مستدركه م ح“

(۶)......وفى عمدة القار ى للعينى:(ج۵ص۳۹۳)

والمناسبة بينه وبين اثرعلى رضى الله عنه ان اثرعلى يدل على ان القصر يشرع بفراق الحضروحديث انس كذالک لانه يدل على انه صلى الله عليه وسلم ماقصرحتى فارق المدينة وكان يقصره فى ذى الحليفة لانه كان اول منزل نزله ولم تحضر قبله صلاة......وكانت صلاة العصر اول صلاة حضرت بهافقصرهاواستمر ذالک الى ان رجع الخ“

(۷)......وفى القرطبى:(ج۲ص۲۷۹)

”وقال الحسن البصری یفطران شاء فی بیته یوم یرید ان یخرج وقال احمد یفطر اذابرز عن البیوت وقال اسحاق لابل حین یضع رجله فی الحل قال ابن المنذرقول احمد صحیح لانهم یقولون لمن اصبح صحیحا ثم اعتل انه یفطربقیة یومه وکذالک اذااصبح فی الحضر ثم خرج الی السفر فله کذالک ان یفطر وقالت طائفة لایفطر یومه ذالک وان نهض فی سفره کذالک قال الزهری ومکحول ویحیی الانصاری ومالک والاوزاعی والشافعی وابوثور واصحاب الرأی الخ“

(۸)......وفی شرح الزرقانی:(ج ا ص ۴۲۵)

”وقالت طائفة من اهل الظاهر یقصر فی کل سفر ولوثلاثة امیال لظاهر قوله تعالیٰ واذا ضربتم فی الارض سورة النساء ولم یجد المسافة وروی مسلم وابوداود عن انس کان صلی الله علیه وسلم اذاخرج مسیرة ثلاثة امیال او ثلاثة فراسخ قصر الصلاة وهواصح ماورد فی بیان ذالک واصرحه وقد حمله من خالفه علی ان المراد به المسافة التی یبتدأ منها القصرلاغایة السفر قال الحافظ ولایخفیٰ بعد هذالحمل......مع ان البیهقی روی ان یحیی بن یزید قال سالت انسا عن قصر الصلاة وکنت اخرج الی الکوفة یعنی من البصرة فاصلی رکعتین رکعتینحتی ارجع فقال انس فذکرالحدیث فظهر انه ساله عن جواز القصر فی السفر لاعن الموضع الذی یبتدأ منه القصرثم الصحیح انه لایتقید بمسافة بل بمجاوزة البلد الذی یخرج منه ورده القرطبی بانه مشکوک فیه فلا یحتج به فان اراد لایحتج به فی التحدید بثلاثة امیال فمسلم لکن لایمتنع ان یحتج به فی التحدید بثلاثة فراسخ فان ثلاثة امیال مندرجة فیهافیؤخذ بالاکثر احتیاطا قال مالک لایقصرالذی یرید السفر الصلاة حتی یخرج من بیوت القریة کلهاوهذامجمع علیه واختلف فیما قبل الخروج من البیوت فعن بعض السلف اذااردالسفر قصرولوفی بیته ورده ابن المنذر بانه لایعلم ان النبی صلی الله علیه وسلم قصرفی شیئ من اسفاره الابعد خروجه عن المدینة وحدیث الصحیحین عن انس صلیت مع النبی صلی الله علیه وسلم الظهربالمدینة اربعا والعصر بذی الحلیفة رکعتین دلیل علی ذالک ولادلالةفیه علی القصر فی السفر القصیر لان بین ذی الحلیفة والمدینة ستة امیال لانها لم تکن منتهی سفره بل کان ذالک لخروجه لحجة الوداع فنزل بها فقصر العصر واستمر یقصر حتی رجع ولایتم حتی یدخل اول بیوت القریة اویقارب ذالک وکذاروااه القاسم فی المدونةوروی علی فی المجموعة عن مالک حتی یدخل منزله وروی مطرف ابن الماجشون یقصر الی الموضع الذی یقصر منه عندخروجه“

(۹)......وفی المغنی لابنِ قدامة:(ج۲ ص ۴۹)

”فصل والاعتبار بالنیة لابالفعل فیعتبر ان تبیح القصر فلو خرج یقصد سفرا بعیدا فقصر

الصلاة ثم بداله فرجع كان ماصلاه ماضيا صحيحاولايقصر فى رجوعه الا ان الرجوع مبيحة بنفسها نص احمد على هذا(الىٰ قوله)مسالة قال اذاجاوزبيوت قريته وجملته انه ليس لمن نوى السفر القصر حتى يخرج من بيوت قريته ويجعلها وراء ظهره وبهذا قال مالك والشافعى والاوزاعى واسحاق وابوثور وحكى ذالك عن جماعة من التابعين ،وحكى عن عطاء وسليمان بن موسىٰ انهما اباحاالقصر فى البلد لمن نوى السفر،وعن الحارث بن ابى ربيعة انه ارادسفراً فصلى بهم فى منزله ركعتين وفيهم الاسود بن يزيد وغيرواحد من اصحاب عبدالله وروى عبيد من جبير قال كنت مع ابى بصرة الغفارى فى سفينة من الفسطاط فى شهررمضان فدفع ثم قرب غذاؤه فلم يجاوز البيوت حتى دعابالسفرة ثم قال اقترب قلت الست ترى البيوت قال ابوبصرة اترغب عن سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكل رواه ابوداودولنا قول الله تعالىٰ "واذاضربتم فى الارض فليس عليكم جناح ان تقصروا من الصلوٰة " ولا يكون ضاربا فى الارض حتى يخرج وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه كان يبتدئ القصراذاخرج من المدينة قال انس صليت مع النبى صلى الله عليه وسلم الظهربالمدينة اربعا وبذى الحليفة ركعتين متفق عليه فاما ابوبصرة فانه لم ياكل حتى دفع وقوله لم يجاوز البيوت معناه والله اعلم لم يبعد منهابدليل قول عبيد له الست ترى البيوت اذاثبت هذا فانه يجوز له القصر وان كان قريبا من البيوت قال ابن المنذراجمع كل من نحفظ عنه من اهل العلم ان الذى يريد السفران يقصر الصلاة اذاخرج من بيوت القرية التى يخرج منها وروى عن مجاهد انه قال اذاخرجت مسافرا فلا تقصر الصلاة يومك ذالك الى اليل واذارجعت ليلافلاتقصرليلتك حتى تصبح ولنا قول الله عزوجل واذا ضربتم فى الارض فليس عليكم جناح ان تقصروامن الصلاة وان النبى صلى الله عليه وسلم كان اذاخرج من المدينة لم يزد على ركعتين حتى يرجع اليها وحديث ابى بصرة وقال عبدالرحمن بن الهمدانى خرجنا مع على رضى الله عنه مخرجه الى صفين فرأيته صلى ركعتين بين الجسروقنطرة الكوفة وقال البخارى خرج على فقصروهويرى البيوت فلما رجع قيل له هذه الكوفة قال لا حتى ندخلها ولانه مسافر فابيح له القصر كما لو بعد فصل وان خرج من البلد وصاربين حيطان بساتنيه فله القصر لانه قدترك البيوت وراء ظهره وان كان حول البلد خراب قدتهدم وصار فضاء ابيح له القصر فيه لذلک وان كانت حيطانه قائمة فكذالک قاله الآمدى وقال القاضى لايباح وهومذهب الشافعى لان السكنى فيه ممكنة اشبه العامر ولنا معدة للسكنىٰ اشبهت حيطان البساتين وان كان فى وسط البلد نهر فاجتازه فليس له القصر لانه لم يخرج من البلد ولم يفارق البنيان فاشبه الرحبة والميدان فى وسط البلد وان كان للبلد محال كل محلة منفردة عن الاخرىٰ كبغداد فمتى خرج من

www.idaraghufran.org

محلته ابيح له القصر اذافارق محلته وان كان بعضها متصلا ببعض لم يقصر حتى ولو كانت قريتان متدانيتين فاتصل بناء احداهما بالاخرىٰ فهما كالواحدة وان لم يتصل فلكل قرية حكم نفسها ،فصل واذاكان البدوى فى حلة لم يقصر حتى يفارق حلته وان كانت حللا فلكل حلة حكم نفسها كالقرى وان كان بيته منفردا فحتى يفارق منزله ورحله ويجعله وراء ظهره كالحضرى“

(10)......وفى المبسوط للسرخسى :(ج ا ص ۲۳٦)

”قال رضى اللّٰہتعالیٰ عنه واقل مايقصر فيه الصلاة فى السفر اذاقصد مسيرة ثلاثة ايام وفسره فى الجامع الصغير بمشى الاقدام وسيرالابل فهوالوسط لان اعجل السير سيرالبريد وابطأ السير سيرالعجلة وخيرالأموراوسطها..............................ولامعنى للتقدير بالفراسخ فان ذالك يختلف باختلاف الطرق فى السهول والجبال والبحر والبر وانماالتقدير بالايام والمراحل وذالك معلوم عندالناس فيرجع اليهم عندالاشتباه فاذا قصد مسيرة ثلاثة ايام قصرالصلاة حين تخلف عمران المصر لانه مادام فى المصر فهوناوى السفر لامسافرا فاذاجاوزعمران المصر صارمسافرا لاقتران النية بعمل السفر والاصل فيه حديث على رضى الله تعالیٰ عنه حين خرج من البصرة يريد الكوفة صلى الظهر اربعا ثم نظرالى خص امامه فقال لوجاوزنا ذالك الخص صلينا ركعتين“

(11)......وفى فتح القدير:(ج ۲ ص ۲۷)

”والسفر لغة قطع المسافة وليس كل قطع يتغير به الاحكام من جواز الافطار وقصر الرباعية ومسح ثلاثة ايام ولياليها على الخف فبين ذالك السفر الذى يتعلق به تغير هذه الاحكام واخذ فيه مع المقدارالذى ذكره القصد فافاد انه لوطاف الدنيا من غير قصدالى قطع مسيرة ثلاثة ايام لايترخص وعلى هذا قالوا امير خرج مع جيشه فى طلب العدو ولم يعلم اين يدركهم فانهم يصلون صلاة الاقامة فى الذهاب وان طالت المدة وكذا المكث فى ذالك الموضع امافى الرجوع فان كان مدة سفر قصروا ولو اسلم حربى فعلم به اهل داره فهرب منهم يريد ثلاثة ايام لم يصرمسافرا وان لم يعلموابه اوعلموا ولم يخشهم على نفسه فهوعلى اقامته وعلى اعتبار القصد تفرع فى صبى ونصرانى خرجا قاصدين مسيرة ثلاثة ايام ففى اثنائهابلغ الصبى واسلم الكافريقصر الذى اسلم فيمابقى ويتم الذى بلغ لعدم صحة القصد والنية من الصبى حين انشأ السفربخلاف النصرانى والباقى بعد صحة النية اقل من ثلاثة ايام“

(12)......وايضافيه:(ج ۲ ص ۳۴)

”قوله واذا فارق بيان لمبدأ القصر ويدخل فى بيوت المصر ربضه وقدصح عنه عليه الصلاة والسلام انه قصر العصر بذى الحليفة وروى ابن ابى شيبة عن على رضى الله عنه انه خرج من

البصرة فصلی الظهر اربعا ثم قال انا لو جاوزنا هذ الخص لصلینا رکعتین الخ“

(13)......وفی البدائع الصنائع: (ج ا ص ۹۳)

”فصل واما بیان مایصیر به المقیم مسافراًفالذی یصیر المقیم به مسافراًنیة مدة السفروالخروج من عمران المصرفلا بد من اعتبار ثلاثة اشیاء ،احدها مدة السفرواقلها غیرمقدر عند اصحاب الظواهروعند عامة العلماء مقدر واختلفوا فی التقدیر قال اصحابنا مسیر ثلاثة ایام سیرالابل ومشی الاقدام وهو المذکورفی ظاهر الروایات وروی عن ابی یوسف یومان واکثرالثالث وکذا روی الحسن عن ابی حنیفة وابن سماعة عن محمد ومن مشائخنا من قدره القدرة عشرفرسخا وجعل لکل یوم خمس فراسخ ومنهم من قدره بثلاث مراحل وقال مالک اربعة برد کل برید اثناعشرمیلا واختلفت اقوال الشافعی فیه قیل ستة واربعون میلا وهو قریب من قول بعض مشائخنا لان العادة ان القافلة لاتقطع فی یوم اکثرمن خمسة فراسخ وقیل یوم ولیلة وهوقول الزهری والاوزاعی واثبت اقواله انه مقدر بیومین امااصحاب الظواهر فاحتجوا بظاهر قوله تعالیٰ واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروامن الصلاة علق القصر بمطلق الضرب فی الارض فالتقدیر تقیید لمطلق الکتاب ولایجوز الابدلیل ولناما روی عن رسول اللہصلی الله علیه وسلم انه قال یمسح المقیم یوما ولیلة والمسافر ثلاثة ایام ولیالیها جعل لکل مسافر ان یمسح ثلاثة ایام ولیالیهاولن یتصور ان یمسح المسافرثلاثة ایام ولیالیها ومدة السفر اقل من هذه المدة وقال النبی صلی الله علیه وسلم لایحل لامرأة تؤمن باللہوالیوم الاخر ان تسافر ثلاثة ایام الامع محرم اوزوج فلو لم تکن المدة مقدرة بالثلاث لم یکن لتخصیص الثلاث معنیٰ والحدیثان فی حد الاستفاضة والاشتهار فیجوز نسخ الکتاب بهما ان کان تقیید المطلق نسخا مع ما انه لا حجة لهم فی الآیة لان الضرب فی الارض فی اللغة عبارت عن السیرفیهامسافر ایقال ضرب فی الارض ای سارفیها مسافرا فکال الضرب فی الارض عبارة عن سیر یصیر الانسان به مسافرا لامطلق السیر والکلام فی انه هل یصیر مسافرا بسیر مطلق من غیر اعتبارالمدة وکذا مطلق الضرب فی الارض یقع علی سیر یسمی سفرا والتراع فی تقدیره شرعا والآیة ساکتة عن ذالک وقد ورد الحدیث بالتقدیر فوجب العمل به والله الموفق (الیٰ قوله)والثانی نیة مدةالسفرلان السیر قد یکون سفرا وقد لایکون لان الانسان قدیخرج من مصره الی موضع لاصلاح الضیعة ثم تبدوله حاجةاخری الی المجاوزة عنه الی موضع آخر لیس بینهما مدة سفر ثم وثم الی ان یقطع مسافة بعیدة اکثر من مدة السفر لالقصد السفر فلابد من النیة للتمییز ....والثالث الخروج من عمران المصر فلا یصیر مسافرا بمجرد نیة السفر مالم یخرج من عمران المصرواصله ماروی عن علی رضی اللہعنه انه لماخرج من البصرة یریدالکوفة صلی الظهراربعا ثم نظرالی خص امامه وقال لو

جاوزنا الخص صلينا ركعتين ولان النية انما تعتبر اذاكانت مقارنة للفعل لان مجرد العزم عفو وفعل السفر لايتحقق الابعد الخروج من المصر فمالم يخرج لا يتحقق قران النية بالفعل فلا يصير مسافرا وهذابخلاف المسافر اذانوى الاقامة فى موضع صالح للاقامة حيث يصير مقيما للحال لان نية الاقامة هناك قارنت الفعل وهو ترك السفر لان ترك الفعل فعل فكانت معتبرة وههنا بخلافهاالخ“

(14)......وفى البحرالرائق:(ج ۲ص ۱۳۸)

”قوله من جاوز بيوت مصره مريدا سيراوسطا ثلاثة ايام فى براوبحر اوجبل قصر الفرض الرباعى بيان للموضع الذى يبتدأ فيه القصر ولشرط القصر ومدته وحكمه اما الاول فهو مجاوزة بيوت المصر لماصح عنه عليه السلام انه قصرالعصر بذى الحليفة وعن على انه خرج من البصرة فصلى الظهراربعا ثم قال انا لوجاوزنا هذ الخص لصلينا ركعتين والخص بالخاء المعجمة والصاد المهملة بيت من قصب كذاضبطه فى السراج الوهاج ويدخل فى بيوت المصرربضه وهوماحول المدينة من بيوت ومساكن ويقال لحرم المسجد ربض ايضا وظاهر كلام المصنف انه لايشترط مجاوزة القرية المتصلة بربض المصر وفيه اختلاف وظاهر المجتبىٰ ترجيح عدم الاشتراط وهوالذى يفيده كلام اصحاب المتون كالهداية ايضاوجزم فى فتح القدير بالاشتراط واعترض به على الهداية بكذاقاضيخان فى فتاواه انه لابد من مجاوزة القرية المتصلة بربض المصر بخلاف القرية المتصلة بفناء المصر فانه يعتبر مجاوزة الفناء لاالقرية ولم يذكرالمصنف مجاوزة الفناء للاختلاف وفصل قاضيخان فى فتاواه فقال ان كان بينه وبين المصر اقل من قدرغلوة ولم يكن بينهما مزرعة يعتبر مجاوزة الفناء ايضاوان كانت بينهما مزرعة اوكانت المسافة بينه وبين المصر قدرغلوة يعتبر مجاوزة عمران المصر اه ،واطلق فى المجاوزة فانصرفت من الجانب الذى خرج منه ولايعتبر مجاوزة محلة بحذائه من الجانب الآخر فان كانت فى الجانب الذى خرج منه محلة منفصلة عن المصر وفى القديم كانت متصلة بالمصر لايقصرالصلاة حتى يجاوز تلك المحلة كذافى الخلاصة وذكر فى المجتبىٰ ان قدرالغلوة ثلاث مائة ذراع الى اربعمائة وهو الاصح وفى المحيط وكذا اذاعاد من سفره الى مصر لم يتم حتى يدخل العمران واما الثانى فهو ان يقصد مسيرة ثلاثة ايام فلو طاف الدنيا من غيرقصد الى قطع مسيرة ثلاثة ايام لايترخص وعلى هذا قالوا امير خرج مع جيشه فى طلب العدو ولم يعلم اين يدركهم فانهم يصلون صلاة الاقامة فى الذهاب وان طالت المدة وكذالك المكث فى ذالك الموضع اما فى الرجوع فان كانت مدة سفر قصروا وعلى اعتبار القصد تفرع فى صبى ونصرانى خرجا قاصدين مسيرة ثلاثة ايام ففى اثنائها بلغ الصبى واسم الكافر

www.idaraghufran.org

یقصر الذی اسلم فیما بقی ویتم الذی بلغ لعدم صحة القصد والنیة من الصبی حین انشاالسفر بخلاف النصرانی الخ"

مذکورہ بالاعبارات بلاشبہ مجموعی طور پر اس بات پر صریح ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک احکامِ سفر اسی وقت شروع ہونگے جب مکلّف مسافتِ شرعی طے کرنے کی نیت سے سفر شروع کرے اور پھر مبدأ سفر سے خروج کرلے لیکن خروج من ابنیۃ البلد سے پہلے اگر چہ بنیتِ سفر قطعِ مسافت یا ضرب فی الارض پایا جانے کی وجہ سے عرفِ عام میں یہ سمجھا جاتا ہو کہ اس آدمی نے سفر شروع کردیا اور اس کا سفر شروع ہو چکا ہے، لیکن چونکہ احکامِ سفر کے حق میں ابھی تک اس کا سفر بلکہ ادنیٰ فعلِ سفر بھی شروع نہیں ہوا، اس لئے ان احکام کے حق میں شرعا اس کے اس سفر کو سفر نہیں قرار دیا جائے گا اور نہ اسے شرعا مسافر کہا جا سکتا ہے، خواہ عرفِ عام میں اس کے اس سفر کو سفر اور اس شخص کو مسافر ہی کیوں نہ سمجھا جاتا ہو، کیونکہ ان احکام کے حق میں شرعاً سفر معتبر ہونے اور سفر کرنے والے کے مسافر ہونے کے لئے کچھ شرائط ہیں (مثلاً نیت مسافتِ سفر، بنیتِ مسافتِ سفر خروجِ بلد، بوقتِ انشاءِ سفر نیتِ سفر صحیح ہونے کی صلاحیت) ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہو تو بھی احکامِ سفر لاگو نہیں ہونگے۔

(9)...... مثال کے طور پر اگر کسی کی مسافتِ سفر طے کرنے کی نیت ہو اور اس نیت سے خروج عن جمیع بیوتِ بلد بھی کرلے، لیکن سفر کرنے والے میں بوقتِ انشاءِ سفر نیتِ سفر صحیح ہونے کی صلاحیت وقابلیت نہ ہو تو بھی چونکہ ان احکام کے اعتبار سے وہ مسافر نہیں ہوتا ہے اس لئے اس اعتبار سے اس کے سفر کو شرعا سفر نہیں کہا جائے گا اور نہ اثنائے سفر، صلاحیتِ سفر پیدا ہو جانے سے صلاحیت پیدا ہونے سے پہلے طے کیا ہوا قطعِ مسافت بطورِ سفر شرعاً معتبر ہوگا، اگر چہ مسافت سفر طے کرنے کی نیت سے ہی اس نے سفر شروع کیا ہو اور تمام بیوتِ بلد سے خروج بھی کرلیا ہو۔

فی البحرالرائق: (ج ۲ ص ۱۳۸)

"وعلی اعتبار القصد تفرع فی صبی ونصرانی خرجا قاصدین مسیرة ثلاثة ایام ففی اثنائها بلغ الصبی واسلم الکافر یقصر الذی اسلم فیما بقی ویتم الذی بلغ لعدم صحة القصد والنیة

من الصبی حین انشأ السفر بخلاف النصرانی الخ“

وایضافیہ :(ج۲ ص ۱۴۱)

”اطلق الارادة فشملت ارادة الکافر قال فی الخلاصة صبی ونصرانی خرجاالی سفر مسیرة ثلاثة ایام ولیالیها فلما سارایومین اسلم النصرانی وبلغ الصبی فالنصرانی یقصر الصلاة فیما بقی من سفره والصبی یتم الصلاة بناء علی ان نیة الکافر معتبرة وهو المختار والامام الجلیل الفضلی سوی بینهما یعنی کلاهما یتمان الصلاة اه“

اس کے برخلاف اگرکوئی شخص قطعِ مسافتِ سفر کی نیت ہی نہ کرے اور پوری دنیا کا سفر کر لے تو اگر چہ قطعِ مسافتِ سفر بھی پایا جا رہا ہو اور خروج عن جمیعِ بیوتِ بلد بھی پایا جا رہا ہو اور پوری دنیا بھی اسے مسافر سمجھ رہی ہو اور اس اعتبار سے عرف عام میں وہ شخص بلاشبہ مسافر بھی ہے لیکن چونکہ شرعاً احکامِ سفر لاگو ہونے کے لئے جو شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط مفقود ہے اس لئے احکامِ سفر کے اعتبار سے اس کا فعل سفر ابھی شروع نہیں ہوا اور نہ احکامِ سفر کے حق میں وہ شخص مسافر ہوا، خواہ ساری دنیا اسے اور وہ خود بھی اپنے آپ کو مسافر سمجھے اور اس کے سفر کو سفر قرار دے۔

قال فی مجمع الانهر:(ج ا ص ۲۳۸)

”لوطاف جمیع العالم بلاقصد سیرثلاثة ایام لایصیرمسافرا ولو قصد ولم یظهر ذالک بالفعل فکذالک فکان المعتبر فی حق تغییرالاحکام اجتماعها“

وقال فی البحرالرائق:(ج ۲ ص ۱۳۸)

فلو طاف الدنیامن غیرقصد الی قطع مسیرة ثلاثة ایام لایترخص وعلی هذا قالواامیر خرج مع جیشه فی طلب العدو ولم یعلم این یدرکهم فانهم یصلون صلاة الاقامة فی الذهاب وان طالت المدة“

وفی البدائع الصنائع:(ج ا ص ۹۳)

”فصل وما بیان مایصیر به المقیم مسافرا فالذی یصیر المقیم به مسافرا نیة مدة السفر والخروج من عمران المصر“

(10)......علیٰ هذا القیاس اگرکوئی شخص نیتِ سفر بھی کرے اور بنیتِ سفر قطعِ مسافت کرتے ہوئے آبادی سے خروج بھی کر لے لیکن شرعاً مسافر بننے کے لئے کم از کم جس قدر مسافت

www.idaraghufran.org

معتبر ہے اس سے کم کی نیت کرے تو بھی یہ شخص احکامِ سفر کے حق میں مسافر نہیں ہوگا اور نہ ان احکام کے اعتبار سے اس کا فعلِ سفر شروع ہوگا اگرچہ بنیتِ سفر خروج من ابنیۃ البلد بھی کر چکا ہو، اور منزلِ مقصود کی طرف ابھی بھی رواں دواں ہو، تاہم اگر اس قدر مسافت کی نیت ہو جو اگرچہ شرعی مسافت سے کم ہے لیکن عرفاً سفر شمار ہوتا ہو تو عرفِ عام کے اعتبار سے اس کی یہ قطعِ مسافتِ سفر ہے اور اس اعتبار سے اس پر مسافر کا اطلاق بھی ہوسکتا ہے، لیکن چونکہ شرعاً احکامِ سفر لاگو ہونے کے لئے جو شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط مفقود ہے اس لئے ان احکام کے اعتبار سے یہ شخص مسافر نہیں اور نہ ان احکام کے اعتبار سے اس کا فعلِ سفر ابھی شروع ہوا، اگرچہ جمیعِ بیوتِ بلد سے خروج بھی متحقق ہو چکا ہو۔

قال فی البدائع: (ج ۱ ص ۹۳)

”فلابد من اعتبار ثلاثة اشياء احدهامدةالسفر واقلها غيرمقدر عنداصحاب الظواهر وعند عامة العلماء مقدر“

وقال فی البحرالرائق: (ج ۲ ص ۱۴۰)

”وذكر الاسبيجابى المقيم اذاقصد مصرامن الامصاروهو مادون مسيرة ثلاثة ايام لايكون مسافرا ولو انه خرج من ذالک المصر الذى قصد الى مصر آخروهوايضا اقل من ثلاثة ايام فانه لايكون مسافراوان طاف آفاق الدنيا على هذ السبيل لايكون مسافرا“

وفی الشامیة: (ج۳ص۲۵۷)

”تنبيه: يعلم مما قررناه جواب مايقع كثيرا فيمن حلف ليسافرن فانه يبربمجاوزة العمران على قصد السفر الیٰ مكان بينه وبينه مدة السفر فاذابداله الرجوع رجع بلا ضرر وبه افتى المصنف وغيره لكن لابد من قصد السفر كماقلنالامجرد الخروج على قصد الرجوع لانه لايتحقق به السفرواللہ اعلم“

(11)...... یہاں اس بات کی بھی وضاحت مناسب ہے کہ احکامِ سفر لاگو ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے بعض فقہاءِ کرام رحمہم اللہ نے جو یہ لکھا ہے کہ خروجِ بلد سے پہلے مسافر کا فعلِ سفر شروع نہیں ہوتا ہے یا اس سے پہلے وہ مسافر نہیں ہوگا، یا اس کی نیتِ سفر خروجِ بلد سے پہلے فعلِ سفر سے مقارن نہیں ہوگی (جیسا کہ مبسوط و بدائع وغیرہ میں

ہے) تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا مطلقِ سفر، یا عرفِ عام کے اعتبار سے بھی اس کا سفر یا فعلِ سفر شروع نہیں ہوگا یا اس پر کسی اعتبار سے ہی مسافر کا اطلاق نہیں ہوسکتا، یا اس کی نیتِ سفر مطلق فعلِ سفر سے ہی ابھی مقارن نہیں ہوئی بلکہ اس بارے میں فقہائے کرام رحمہم اللہ کی جو مختلف عبارات ہیں ان کے مجموعہ سے (واللہ اعلم) انکا منشاء یہ سمجھ آتا ہے کہ جب تک مسافر کا سفر ان تمام شرائط کے ساتھ متصف نہ ہوجائے جن شرائط پر احکامِ شرع متغیر ہونا (یعنی احکامِ حضر متغیر ہوکر احکامِ سفر لاگو ہونا) موقوف ہیں اس وقت تک اس کے سفر پر احکامِ سفر لاگو نہیں ہونگے، اس لئے اگر ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو ان احکام کے اعتبار سے اس کا فعلِ سفر شروع نہیں ہوتا، اس لئے فقہائے کرام کے کلام ''سفر شروع نہیں ہوا یا مسافر نہیں ہوا'' کا مطلب یہ ہے کہ ابھی احکامِ سفر کے اعتبار سے فعلِ سفر شروع نہیں ہوا یا ابھی احکامِ سفر کے اعتبار سے وہ مسافر نہیں ہوا اور ان احکام کے اعتبار سے چونکہ اس کا فعلِ سفر شروع نہیں ہوا اس لئے اس کی نیتِ سفر بھی ابھی اس فعلِ سفر سے مقارن نہیں ہوئی جس پر احکامِ سفر مرتب ہوتے ہیں۔

(12)...... ہماری ان باتوں کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مذکورہ باتیں فقہائے کرام نے احکامِ سفر (قصر وغیرہ احکام ہی) کے بیان میں ذکر فرمائی ہیں، جیسا کہ بدائع اور مبسوط کی عبارات خود شاہد ہیں، نیز اس بات سے بھی ان باتوں کی تائید ہوتی ہے کہ فقہائے کرام رحمہم اللہ کے بیان کے مطابق ان احکام کے اعتبار سے مسافر کا فعلِ سفر، شروع ہونے کے لئے شرعاً دو باتوں کا اجتماع ضروری ہے (ایک) مکلّف کا بنیتِ مدتِ سفر قطعِ مسافت شروع کرنا (دوسری) خروج میں ابنیۃ المصر ۔

(13)...... اس لئے بنیتِ مسافتِ سفر گھر سے نکلنے والا خروج بلد سے پہلے خواہ کتنا ہی سفر کرلے اسے صرف ناوی سفر ہی کہا جائے گا، احکامِ سفر کے اعتبار سے مسافر نہیں کہا جائے گا اور نہ اس اعتبار سے ابھی اس کا فعلِ سفر شروع ہوا، کیونکہ احکامِ سفر لاگو ہونے کے لئے جو

www.idaraghufran.org

شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط ابھی بھی مفقود ہے یعنی خروجِ بلد، اس کے برعکس نیتِ مدتِ سفر کے بغیر اگر وہ خروجِ بلد کرے حتیٰ کہ طویل مسافت بھی طے کر لے، تو بھی اس کا فعلِ سفر شروع نہیں ہوگا، اور اس پر احکامِ سفر لاگو نہیں ہونگے، کیونکہ یہاں بھی احکامِ سفر لاگو ہونے کے لئے جو شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط مفقود ہے۔

کمافی الشامیۃ: (ج۳ص۷۵۷)

”لابد من قصد السفر کماقلنا لامجرد الخروج علی قصد الرجوع لانہ لایتحقق بہ السفر واللہ اعلم“

وفی البدائع الصنائع: (ج ا ص ۹۳)

”فصل واما بیان مایصیر بہ المقیم مسافرا فالذی یصیر المقیم بہ مسافرا نیۃ مدۃ السفر والخروج من عمران المصر“

وفی فتح الباری: (ج۲ص ۵۶۹)

”قولہ باب یقصر اذاخرج من موضعہ یعنی اذاقصد سفرا تقصر فی مثلہ الصلاۃ الخ“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہائے کرام رحمہم اللہ کا مطلب مذکورہ باتوں سے خروجِ بلد سے پہلے مطلق سفر کے وجود کی نفی نہیں بلکہ احکامِ سفر کے وجود کی نفی مقصد ہے، اور نہ ان کا یہ مقصد ہے کہ اس کی نیتِ سفر اس فعلِ سفر سے پہلے کسی بھی اعتبار سے معتبر نہیں نہ مطلق سفر کے اعتبار سے اور نہ عرف عام کے اعتبار سے، کیونکہ اگر اس نیت کا سرے سے اعتبار ہی نہ ہو اور خروجِ بلد سے پہلے بنیتِ سفر چلنے والے کی نیت کا اسکے سفر میں کسی بھی حیثیت سے کچھ اعتبار نہ ہو

(14)......تو اس مسافر کے حق میں کیا حکم لگایا جائے گا جو اپنے گھر سے نیتِ سفر سے نکلا لیکن خروج من ابنیۃ البلد کے وقت نیت کا استحضار نہ رہا بلکہ بوقتِ خروج من ابنیۃ البلد غفلت میں یا نیند میں تھا تو آیا اس کی سابقہ نیت بوقتِ خروج فعلِ سفر سے مقارن ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو اس صورت میں بھی تو یہ شخص مسافر نہیں ہوا اور اگر سابقہ نیت فعلِ سفر سے مقارن ہوگئی تو معلوم ہوا کہ مسافر کی یہ نیت اس فعل سفر سے پہلے بھی معتبر ہے، لہٰذا کلامِ فقہاء میں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ اس کی نیتِ سفر فعلِ سفر سے مقارن نہیں ہوئی (جیسا کہ

Idara Ghufran

مبسوط میں ہے: ''فاذاقصد مسيرةثلاثة ايام قصرالصلاة حين تخلف عمران المصر لانه مادام فی المصر فهو ناوی السفر لامسافرفاذاجاوزعمران المصر صار مسافرا لاقتران النية بعمل السفر'' یابدائع میں ہے''والثالث الخروج من عمران المصر فلايصير مسافرا بمجرد نية السفر مالم يخرج من عمران المصرواصله ماروی عن علی رضی اللہ عنه انه لماخرج من البصرة يريدالكوفة صلی الظهراربعا ثم نظرالی خص امامه وقال لو جاوزنا الخص صلينا ركعتين ولان النية انما تعتبر اذاكانت مقارنة للفعل لان مجرد العزم عفووفعل السفرلايتحقق الابعد الخروج من المصر فمالم يخرج لايتحقق قران النية بالفعل فلايصير مسافرا '')

(15)......اس سے مراد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ احکامِ سفر تخلفِ عمرانِ مصر کے بعد لاگو ہوتے ہیں اسلئے احکامِ سفر کے حق میں فعلِ سفر اس سے پہلے شروع نہیں ہوگا اور اس سے پہلے وہ ناوی سفر تو ہے لیکن احکامِ سفر کے اعتبار سے ابھی مسافر نہیں ہوا اور احکامِ سفر لاگو ہونے کے لئے صرف یہ نیت کافی و معتبر نہیں جب تک اس کی یہ نیت خروج من ابنیۃ البلد سے مقارن نہ ہو جائے۔

(16)......خود بدائع کی یہ عبارت کہ''وكذامطلق الضرب فی الارض يقع على سير يسمى سفرا والتراع فی تقديره شرعا '' سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ وغیرہ کی مراد فعلِ سفر شروع نہ ہونے یا خروجِ بلد سے پہلے نیتِ سفر کے فعلِ سفر سے مقارن نہ ہونے سے یہ ہے کہ احکامِ سفر کے حق میں فعلِ سفر شروع نہیں ہوا اور احکامِ سفر کے اعتبار سے چونکہ خروجِ بلد سے پہلے فعلِ سفر ہی شروع نہیں ہوا اس لئے اس سے پہلے اس کی نیتِ سفر ان احکام کے حق میں فعلِ سفر سے مقارن نہیں ہوگی۔

اس بات کی تائید علامہ کاسانی رحمہ اللہ یا علامہ سرخسی رحمہ اللہ وغیرہ کے بیان کردہ مندرجہ ذیل قاعدہ سے بھی ہوتی ہے:

فی البدائع الصنائع :(ج ا ص ۹۳)

"المسافر اذانوی الاقامة فی موضع صالح للاقامة حيث يصير مقيما للحال لان نية الاقامة هناک قارنت الفعل وهو ترک السفر لان ترک الفعل فعل فكانت معتبرة وههنا بخلافهاالخ"

www.idaraghufran.org

وقال فی المبسوط:(ج ۱ ص ۲۳۹)

”والاصل ان النية متى تجردت عن العمل لاتكون مؤثرة فاذانوى الاقامة فى موضع الاقامة فقد اقترنت النية بعمل الاقامة فصار مقيما واذانوى السفر فقد تجردت النية عن العمل مالم يخرج فلايصير مسافرا وهونظير مالونوى فى عبد التجارة ان يكون للخدمة صارللخدمة ولو نوى فى عبد الخدمة ان يكون للتجارة لايصير لها مالم يتجر فيه“

اس قاعدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موضع صالح للا قامۃ میں اگر مسافرا قامت کی نیت کرلے تو اس سے وہ مقیم ہوجاتا ہے

(17)...... فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس بات کو جس موقع پر بیان فرمایا اس کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد مقیم ہوجانے سے یہ نہیں ہے کہ جہاں اس نے اقامت کی نیت کی اسی جگہ اب اسے رہائش اختیار کرنا لازم ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اب وہاں اس پر احکامِ حضر وا قامت لاگو ہوگئے،

(18)...... اور احکامِ سفر ختم ہوگئے اور ان احکام کے اعتبار سے وہ مقیم ہوگیا، لہٰذا اس کے برعکس نیتِ سفر فعلِ سفر سے مقترن ہوکر مسافر بن جانے کا مطلب یہ ہونا چاہئے کہ اب احکامِ سفر اس پر لاگو ہوگئے

(19)...... اور احکامِ سفر کے اعتبار سے وہ اب مسافر بن گیا، مندرجہ ذیل عبارت اسی بات کی مؤید ہے:

قال فی البحر الرائق :(ج ۲ ص ۱۴۱)

(قوله حتى يدخل مصره اوينوى الاقامة نصف شهرفى بلداوقرية) متعلق بقوله قصراى قصر الىٰ غاية دخول المصر اونيتة الاقامة فى موضع صالح للمدة المذكورة فلا يقصر اطلق فى دخول مصره فشمل ماذانوى الاقامة به اولا وشمل ماذا كان فى الصلاة كما اذا سبقه الحدث وليس عنده ماء فدخله للماء الااللاحق اذا احدث ودخل مصره ليتوضأ لايلزمه الاتمام ولايصير مقيما بدخوله المصر كما فى الفتاوىٰ الظهيرية“

(20)...... اس کی مزید تائید فقہائے کرام رحمہم اللہ کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اگر مسافر کسی ایسی جگہ یا حالت میں ترکِ سفر کی نیت کرے جس میں ترکِ سفر کی نیت احکام

Idara Ghufran

سفر کے حق میں معتبر ہوسکتی ہوتو سفر باطل ہوکر وہ مسافر مقیم ہوجاتا ہے، اس سے بھی حضرات فقہائے کرام کی مراد یہ ہے کہ اس وقت احکامِ حضر اس پر لاگو ہوجاتے ہیں جبکہ اس کے برخلاف اگر وہ حالت یا جگہ ایسی ہوکہ اس کی ترکِ سفر کی نیت کے باوجود اس پر احکامِ حضر لاگو نہ ہوسکیں بلکہ احکامِ سفر بدستور باقی رہیں گے تو ترک سفر کی نیت کے باوجود اس کا فعلِ سفر ختم نہیں ہوا جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ترکِ سفر کی نیت سے آدمی کے مقیم ہوجانے کا مطلب یہ ہے کہ احکامِ سفر اس پر لاگو ہوجاتے ہیں۔

قال فی البحر الرائق:(ج۲ص۱۴۲)

”وشمل مااذاکان سارثلاثة ایام اواقل لکن المذکورفی الشرح انه یتم اذاساراقل بمجرد العزم علی الرجوع وان لم یدخل مصره لانه نقض للسفر قبل الاستحکام اذ هویحتمل النقض قال فی فتح القدیر:وقیاسه ان لا یحل فطره فی رمضان اذاکان بینه وبین بلده یومان وفی المجتبیٰ لایبطل السفر الابنیة الاقامة اودخول الوطن اوالرجوع قبل الثلاثة اه،والمذکورفی الخانیة والظهیریة وغیرهما انه اذارجع لحاجة نسیها ثم تذکرها فان کان له وطن اصلی یصیر مقیما بمجرد العزم علی الرجوع وان لم یکن له وطن اصلی یقصراه، والذی یظهر انه لابد من دخول المصر مطلقا لان العلة مفارقة البیوت قاصدا مسیرة ثلاثة ایام لاستکمال سفرثلاثة ایام بدلیل ثبوت حکم السفر بمجرد ذالک فقد تمت العلةلحکم السفر فثبت حکمه مالم تثبت علة حکم الاقامة وروی البخاری تعلیقا ان علیا خرج فقصروهو یری البیوت فلما رجع قیل له هذه الکوفة قال لاحتی ندخلها یرید انه صلی رکعتین والکوفة بمرأی منهم فقیل له الی آخره وقید بنیة الاقامة لانه لو دخل بلدا ولم ینو انه یقیم فیها خمسة عشر یوما وانما یقول غداًاخرج اوبعد غداخرج حتی بقی علی ذالک سنین قصروفی المجتبیٰ والنیة انما تؤثر بخمس شرائط احدهما ترک السیرحتی لونوی الاقامة وهو یسیر لم یصح وثانیهاصلاحیة الموضع حتی لو اقام فی بحراو جزیرة لم تصح واتحاد الموضع والمدة والاستقلال بالرأی اه(الیٰ قوله)وقید الشارحون اشتراط صلاحیة الموضع بان یکون سارثلاثة ایام فصاعدااماذا لم یسرثلاثة ایام فلایشترط ان تکون الاقامة فی بلد اوقریة بل تصح ولوفی المفازة وفیه من البحث ماقدمناه وقول المصنف حتی یدخل مصره اولی من قول صاحب المجمع الی ان یدخل وطنه لان الوطن مکان الانسان ومحله کمافی المغرب ولیس الاتمام متوقفا علی دخوله بل علی دخول مصره وان لم یدخل وطنه الرجعة المصر للانسان بکونه ولد فیه واختلفوا فیما اذادخل المسافر مصرا وتزوج بها

www.idaraghufran.org

والظاهر انه يصير مقيما لحديث عمر رضى اللّٰه عنه ولقوله عليه السلام من تزوج فى بلدة فهو منها والمسافرة تصير مقيمة بنفس التزوج عندهم كذا فى القنية“

وفى البدائع:(ج ا ص ۱۰۴)

واما الرابع فهو العزم على العود للوطن وهو ان الرجل اذاخرج من مصره بنية السفرثم عزم على الرجوع الى وطنه وليس بين هذ الموضع الذى بلغ وبين مصره مسيرة سفر يصير مقيما حين عزم عليه لان العزم على العود الى مصره قصد ترك السفربمنزلة نية الاقامة فصح وان كان بينه وبين مصره مدة سفر لايصيرمقيما لان بالعزم على العود قصد ترك السفر الى جهة وقصد السفر الى جهة فلم يكمل العزم على العودالى السفر لوقوع التعارض فبقى مسافرا كما كان وذكر فى نوادر الصلاة ان من خرج من مصره مسافرا فحضرت الصلاة فافتتحها ثم احدث فلم يجدالماء هناك فنوى ان يدخل مصره وهو قريب فحين نوى ذالك صار مقيما من ساعته ودخل مصره اولم يدخل لما ذكرنا انه قصد الدخول فى المصر بنية ترك السفر فحصلت النية مقارنة للفعل فصحت فاذا دخله صلى اربعا لان تلك صلاة المقيمين فان علم قبل ان يدخل المصر ان الماء امامه فمشى اليه فتوضأ صلى اربعا ايضا لانه بالنية صارمقيما فبالمشى بعد ذالك فى الصلاة امامه لايصير مسافرا فى حق تلك الصلاة وان حصلت النية مقارنة لفعل السفر حقيقة لانه لوجعل مسافرا لفسدت صلاته لان السفر عمل فحرمة الصلاة منعته عن مباشرة العمل شرعا بخلاف الاقامة لانهاترك السفر وحرمة الصلاة لاتمنعه عن ذالك فلو تكلم حين علم بالماء امامه اواحدث متعمدا حتى فسدت صلاته ثم وجد الماء فى مكانه يتوضأ ويصلى اربعا لانه صار مقيما ولومشى امامه ثم وجد الماء يصلى ركعتين لانه صار مسافرا ثانيا بالمشى الى الماء بنية السفر خارج الصلاة فيصلى صلاة المسافرين بخلاف المشى فى الصلاة لان حرمة الصلاة اخرجته من ان يكون سفرا واللّٰه اعلم“

نیز کلامِ فقہاء میں اس سلسلے کا ایک اور قاعدہ بھی اسی بات کا مؤید ہے اور وہ یہ ہے ’’الاقــامة يتعلق بدخول المصرفالسفر يتعلق بالخروج منها‘‘

(21)...... یہاں بھی اقامت کا دخولِ مصر سے تعلق ہونے سے مراد احکامِ اقامت لاگو ہوجانا ہے، یہ مراد نہیں کہ شہر میں داخل ہوتے ہی اس کا ہر اعتبار سے سفر ختم ہوگیا اور آگے قطعِ مسافت اس کے واسطے ناجائز یا ممنوع ہوگئی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ شہر میں داخل ہوتے ہی اس کے حق میں احکامِ سفر ختم ہوگئے اب احکامِ سفر کے اعتبار سے یہ شخص مسافر نہیں

رہا، لہٰذا سفر کا تعلق خروجِ شہر سے ہونے کا مطلب بھی یہی ہونا چاہئے کہ مسافر پر احکامِ سفر بنیتِ مدتِ سفر خروجِ بلد کے بعد متعلق ہونگے۔

(مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل عبارات)

فی فتح القدیر:(ج۲ص۲۷)

”والسفر لغة قطع المسافة وليس كل قطع يتغيربه الاحكام من جواز الافطار وقصر الرباعية ومسح ثلاثة ايام ولياليها على الخف فبين ذالک السفر الذى يتعلق به تغير هذه الاحكام واخذ فيه مع المقدار الذى ذكره القصد“

وقال فی العناية على هامش الفتح:(ج۲ص۲)

”السفر فى اللغة قطع المسافة وليس بمراد هنا بل المراد قطع خاص وهو ان يتغير به الاحكام فقيده بذالک وذكر القصد وهو الارادة الحادثة المقارنة لما عزم لانه لو طاف جميع العالم بلاقصد سير ثلاثة ايام لايصير مسافرا ولو قصد ولم يظهر ذالک بالفعل فكذالک وكان المعتبر فى حق تغيير الاحكام اجتماعهما“

وفی الهداية للمرغينانی:(ج۱ص۲۵باب صلاة المسافر)

”السفر الذى يتغيربه الاحكام ان يقصد الانسان مسيرة ثلاثة ايام ولياليها بسير الابل ومشى الاقدام والسير المذكورهوالوسط“

وقال فی مجمع الانهر:(ج۱ص۲۳۸)

”والسفر فى اللغة قطع المسافة والمراد هنا قطع خاص يتغيربه الاحكام............لانه لوطاف جميع العالم بلاقصد سير ثلاثة ايام لايصير مسافرا ولو قصد ولم يظهر ذالک بالفعل فكذالک فكان المعتبر فى حق تغيير الاحكام اجتماعهما“

وفی احكام القرآن للجصاص:(ج۱ص۲۱۸)

”ان المسافراسم للجنس لدخول الالف واللام عليه فما من مسافر الا وقد انتظمه هذا الحكم فثبت ان من خرج عنه فليس بمسافر يتعلق بسفره حكم وفى ذالک اوضح الدلالة على ان السفر يتعلق به الحكم هو سفر ثلاث وان ما دونه لاحكم له فى افطار ولاقصر“

وفی الشامية:(ج۲ص۱۲۰)

”والسفرلغة قطع المسافة من غيرتقديروالمراد سفر خاص وهوالذى تتغير به الاحكام من قصر الصلاة واباحة الفطر وامتداد مدة المسح الى ثلاثة ايام وسقوط وجوب الجمعة والعيدين والاضحية وحرمة الخروج على الحرة من غيرمحرم“

وفی نورالايضاح:(ج۱ص۲۹)

www.idaraghufran.org

"باب صلاة المسافر السفر الشرعی اقل سفر تتغیر به الاحکام میسره ثلاثة ایام من اقصر ایام السنة بسیر وسط مع الاستراحات"

رہی یہ بات کہ احکامِ سفر لاگو ہونے سے پہلے بنیتِ سفر چلنے والے کے قطعِ مسافت پر سفر کا اطلاق یا ایسے لوگوں پر مسافر کا اطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(22)......تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ کتبِ فقہ کے علاوہ بعض روایات حدیث میں بھی ایسے سفر پر سفر کا اطلاق اور ایسے لوگوں پر مسافر کا اطلاق کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احکامِ سفر لاگو ہونے سے پہلے اگرچہ ان احکام کے حق میں تو اس قطعِ مسافت پر سفر کا اطلاق اور ایسے لوگوں پر مسافر کا اطلاق درست نہیں، لیکن عرفِ عام کے اعتبار سے سفر اور مسافر کا اطلاق درست ہے بشرطیکہ اس قدر سفر کی نیت سے قطعِ مسافت شروع کرے، جس قدر مسافتِ سفر کو عرف عام میں سفر سمجھا جاتا ہو (ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل عبارات)

(23)......لیکن خیال رہے کہ ان عبارات کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد کوئی حکمِ شرعی بیان کرنا یا بیانِ مذاہب نہیں بلکہ صرف یہ بتانا مقصد ہے کہ سفر کا اطلاق اس سفر پر بھی ہوتا ہے جس پر احکامِ سفر ابھی مرتب نہ ہوا ہوں اور ایسے شخص کو بھی مسافر کہا جاتا ہے جس پر احکامِ سفر ابھی لاگو نہیں ہوئے اس لئے یہ عبارات صرف اسی تناظر سے ملاحظہ کی جائیں۔

فی الصحیح البخاری: (باب فی کم یقصر الصلاة وسمی النبی صلی الله علیه وسلم یوما ولیلة سفرا الخ)

"عن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال قال النبی صلی الله علیه وسلم: لایحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر مسیرة یوم ولیلة لیس معها حرمة"

"وفی روایة لمسلم: لایحل لامرأة مسلمة تسافر مسیرة لیلة الا ومعها رجل ذو حرمة منها"

وفی شرح النووی: (ج۹ ص ۱۰۳)

"قال البیهقی کانه صلی الله علیه وسلم سئل عن المرأة تسافر ثلاثا بغیر محرم فقال لا وسئل عن سفرها یومین بغیر محرم فقال لا وسئل عن سفرها یوما فقال لا وکذالک البرید............ فالحاصل ان کل ما یسمی سفرا تنهی عنه المرأة بغیر زوج اومحرم سواء کان ثلاثة ایام اویومین اویوما اوبریدا"

www.idaraghufran.org

(24)...... وفی القرطبی: (ج۲ص ۸۱)

”واختلف الفقهاء فی المسافر لاتقصر فی مثله الصلاة فقال مالک واصحابه والثوری لایتطوع علی الراحلة الا فی سفر تقصر فی مثله الصلاة وقال الشافعی وابوحنیفة واصحابهما والحسن بن حیی واللیث بن سعد وداود بن علی یجوز التطوع علی الراحلة خارج المصر فی کل سفر،سواء کان مما تقصرفی مثله الصلاة اولالان الاثارلیس فیها تخصیص سفرمن سفرفکل سفرجائزذالک فیه الخ“

وفی حواشی الشروانی: (ج ا ص ۴۹۰)

”قوله فانه یکفی فیه وجود مسمی السفرای وان کانت المسافة اقل من ذالک بحیث یسمع منها النداء“

وفی التمهید لابن عبدالبر: (ج ۲۱ ص ۴۹)

”فی هذ الحدیث دلیلا علی اباحة السفر للمرأة فیما دون هذ المقدار بغیر ذی محرم(الی قوله)وکل سفر یکون دون ثلاثة ایام فللمرأة ان تسافر بغیرمحرم هذا قول الثوری وابی حنیفة واصحابه وهو قول ابن مسعود قال ابوحنیفة ثلاثة ایام ولیالیها مسیرالابل ومشی الاقدام“

وفی المبسوط للشیبانی: (ج ا ص ۲۶۵)

”قلت ارایت المسافر هل یقصر الصلاة فی اقل من ثلاثة ایام قال لاقلت فان سافر مسیرة ثلاثة ایام فصاعدا قال یقصر الصلاة حین یخرج من مصره“

اصل سوال

جیسا کہ ابتدائی سطور میں اس بات کی طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ:

(25)...... اس تحریر کو پیش کرنے کا اصل مقصد یہ نہیں ہے کہ ہر ہر بستی وآبادی کے واسطے مبدأومنتہاء احکام سفر یا مبدأومنتہاء مسافتِ سفر کے متعلق کوئی نئی تحقیق مطلوب ہے، کیونکہ جو آبادیاں، بستیاں، قصبات وامصار ایسے ہیں جن کے حدود اربعہ محدود و متعین ہیں اوران کے حدود اربعہ کے نقطہ ابتداوانتہاء لوگوں کو معلوم ہیں اورانہیں ابنیۃِ بیوتِ بلد سے خروج ودخول معلوم کرنے میں کوئی الجھن نہیں ہوتی ہے وہ اس تحریر کا موضوع بحث ہی نہیں، کیونکہ ان مقامات میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف سفر کرنے والے فقہائے کرام رحمہم

اللہ کے بیان کردہ نصوص وقواعد کی رو سے اپنے سفر کے نقطہ ابتدا وانتہاء کسی الجھن کے بغیر متعین کر کے احکام سفر پر بھی آسانی سے عمل کرسکتا ہے اور مسافتِ سفر متعین کرنے میں بھی کوئی ایسی غلطی کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے جس سے احکام شرع میں سفر وحضر کے اعتبار سے فرق پڑ جائے۔

(26)...... اس تحریر کا مقصدِ اصلی تو یہ ہے کہ آج کے دور میں بعض آبادی وبستی کی وسعت کی وجہ سے یا بڑے شہروں میں جہاں میل ہا میل تک عمارتوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے وہاں ابنیۃِ بلد کے نقطہ ابتدا وانتہاء کا تعین کیسے کیا جائے کیونکہ عام ناظر کے واسطے یہ فیصلہ انتہائی مشکل ہے کہ ایسی بستی یا شہر کا نقطہ انتہاء کس مقام کو قرار دیا جائے جس کے ارد گرد عمارتوں کا تسلسل دور دراز تک پھیلا ہوا ہے، یا جہاں دو مختلف شہروں کے درمیان عمارات کا سلسلہ اس طرح قائم ہو گیا کہ ان عمارات نے گویا دونوں شہروں کو ملا دیا اور ہر ایک عمارت سے دوسری عمارت اس طرح نظر آتی ہے کہ ایک عام ناظر جس شہر سے چلے گا وہ ان عمارات کو اسی شہر کا حصہ قرار دیتا ہوا آگے بڑھے گا جبکہ حقیقت میں دونوں شہر جدا جدا ہیں اور عرف عام میں اور حکومت کے کھاتوں میں بھی یہ دونوں شہر الگ الگ ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ایک عام مسافر کے لئے مبدأ ومنتہائے احکامِ سفر ومنتہائے مسافتِ سفر کا نقطۂ انتہاء متعین کرنا کوئی آسان کام نہیں، اس لئے ایسی بستیوں اور شہروں کے اس پیچیدہ مسئلہ کا حل مطلوب ہے، لہٰذا اصل سوال بنیادی طور پر دو ہیں:

(الف) پہلا سوال

(27)...... یہ ہے کہ بڑے شہروں میں جہاں شہر کی وسعت نے دو مختلف شہروں کے درمیان بیوت وعمارتوں کا ایک ایسا سلسلہ قائم کر دیا ہے جس سے بظاہر دونوں شہر ایک دوسرے سے متصل ہو جانے کا شبہ پیدا ہو گیا لیکن حقیقت میں ابھی بھی دونوں شہر الگ الگ

ہیں اور سرکاری اعتبار سے بھی اور لوگوں کے عرف میں بھی دونوں شہروں کو الگ الگ حیثیت دی جاتی ہے، تو کیا سفر واقامت کے احکام کے لئے اس ظاہر کا اعتبار کر کے دونوں شہروں کو ایک سمجھا جائے گا اور دونوں کے درمیان اگر مسافتِ سفر ہو بھی تو بھی ایک شہر سے دوسرے شہر سفر کرنے والا اپنے آپ کو مسافر نہ سمجھے؟ یا اس سلسلے میں سرکاری طور پر یا عرف میں جو حدود ومسافت ہر شہر کے واسطے متعین ہیں سفر واقامت میں اسی کا اعتبار کیا جائے اور اسی حدود کے نقطہ ابتداء وانتہاء کو خروج ودخول ابنیۃِ مصر قرار دیا جائے؟

کیا مبدأ ومنتہائے احکامِ سفر کی تعیین کا مدار نص پر ہے؟

(28)...... یہاں قابلِ تحقیق بات یہ ہے کہ شریعت نے خروج من ابنیۃ البلد کو جو مبدأ احکامِ سفر قرار دیا ہے تو کیا اس کی تعیین کے سلسلے میں بھی کوئی نص موجود ہے اور کیا شریعت نے اس کا مدار کسی نص پر رکھا ہے؟ یا اس کا مدار عرف پر ہے؟ اور یہ تحقیق اس لئے ضروری ہے کہ اگر یہ کسی نص پر مبنی ہے تو اسی کی پابندی لازمی ہے خواہ شہر کی وسعت وتوسیع سے اس کی حیثیت کوئی بھی صورت اختیار کر لے، لیکن اگر مدار عرف پر ہے تو ہمارے اصل سوال کے حل میں کافی مدد مل سکتی ہے کیونکہ عرف ہمیشہ یکساں نہیں ہوتا ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ زمانہ قدیم میں جو عرف تھا آج بھی اسی پر اسی شکل وصورت میں عمل لازمی ہو بلکہ آج اگر اس بارے میں کوئی عرفِ حادث عمل میں آ گیا تو اس کے مطابق بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے، نیز اس صورت میں بڑے بڑے شہروں میں جہاں انتظامیہ، شہری حکومت، میونسپلٹی وغیرہ کی طرف سے سرکاری طور پر شہر کی جو حدود متعین ومعروف ہیں انہیں بھی عرف پر مبنی قرار دے کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

اس بارے میں احقر نے مختلف روایاتِ حدیث یا نصوصِ فقہاء سے جو کچھ سمجھا ہے اس کا خلاصہ حضرات اہلِ علم کی خدمت میں بغرضِ اصلاح پیش کرتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ مبدأ احکامِ سفر جمہور کے نزدیک خروج من ابنیۃ البلد ہے، نیز خروج من

ابنیۃ البلد سے متعلق یہ وضاحت بھی کلامِ فقہاء میں موجود ہے کہ خروج کا تحقق اس وقت ہوگا جب ان مواضع سے بھی خروج پایا جائے جو وطنِ اصلی ووطنِ اقامت کے شہر کے توابع میں سے ہیں پھر توابع کی بھی کسی قدر تشریح معمولی اختلاف کے ساتھ کلامِ فقہاء میں موجود ہے مثلاً بہت سے فقہاء کرام نے اس کی تشریح کرتے ہوئے یہ بیان فرمایا کہ وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت کے شہر سے متصل فناءِ شہر (یعنی مصالحِ شہر کے واسطے مقرر مواضع) ربض البلد (یعنی وطنِ اصلی ووطنِ اقامت کے شہر سے متصل بیوت ومساکن) اوران کے علاوہ ربض البلد سے متصل جو بستی وآبادی وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت کے شہر کے توابع میں سے ہیں ان سے بھی مفارقت ضروری ہے (ملاحظہ ہو مندرجہ ذیل عبارات)

قال فی الشامیۃ :(ج۲ص ۱۲۱)

”واشارالی انہ یشترط مفارقۃ ماکان من توابع موضع الاقامۃ کربض المصروھو ماحول المدینۃ من بیوت ومساکن فانہ فی حکم المصر وکذالقری المتصلۃ بالربض فی الصحیح بخلاف البساتین ولو متصلۃ بالبناء لانھا لیست من البلدۃ ولوسکنھا اھل البلدۃ فی جمیع السنۃ او بعضھا ولایعتبر سکنی الحفظۃ والاکرۃ اتفاقا امداد واما الفناء وھو المکان المعد لمصالح البلد کرکض الدواب ودفن الموتیٰ والقاء التراب فان اتصل بالمصر اعتبر مجاوزتہ وان انفصل بغلوۃ اومزرعۃفلا کما یاتی بخلاف الجمعۃ فتصح اقامتھا فی الفناء ولو منفصلا بمزارع لان الجمعۃ من مصالح البلد بخلاف السفرکما حققہ الشرنبلالی فی رسالتہ وسیاتی فی بابھا والقریۃ المتصلۃ بالفناء دون الربض لاتعتبر مجاوزتھا علی الصحیح کمافی شرح المنیۃ“

وقال العلامۃ ابراھیم الحلبی فی شرحہ:(ج ا ص۱۹۸)

وان کان ھناک قریۃ متصلۃ بربض المصر فلا بد من مجاوزتھا علی الصحیح وان کانت متصلۃ بفنائہ دون ربضہ لاتعتبرمجاوزتھا علی الصحیح اما فناء المصر فان کان بینہ وبینہ اقل من غلوۃ ولیس بینھما مزرعۃ تعتبر مجاوزتہ ایضا ولا فلاالخ“

وفی البحرالرائق:(ج۲ص۱۳۸)

”اما الاول فھو مجاوزۃ بیوت المصر لما صح عنہ علیہ السلام انہ قصر العصر بذی الحلیفۃ وعن علی انہ خرج من البصرۃ فصلی الظھر اربعا ثم قال انا لوجاوزنا ھذ الخص لصلینا رکعتین والخص بالخاء المعجمۃ والصاد المھملۃ بیت من قصب کذا ضبطہ فی السراج الوھاج ویدخل فی بیوت المصر ربضہ وھوما حول المدینۃ من بیوت ومساکن ویقال لحرم

www.idaraghufran.org

المسجد ربض ایضا وظاھر کلام المصنف انہ لایشترط مجاوزۃ القریۃ المتصلۃ بربض المصر وفیہ اختلاف وظاھر المجتبیٰ ترجیح عدم الاشتراط وھو الذی یفیدہ کلام اصحاب المتون کالھدایۃ ایضا وجزم فی فتح القدیر بالاشتراط واعترض بہ علی الھدایۃ بکذا قاضیخان فی فتاواہ انہ لابد من مجاوزۃ القریۃ المتصلۃ بربض المصر بخلاف القریۃ المتصلۃ بفناء المصر فانہ یعتبر مجاوزۃ الفناء لاالقریۃ ولم یذکر المصنف مجاوزۃ الفناء للاختلاف وفصل قاضیخان فی فتاواہ فقال ان کان بینہ وبین المصر اقل من قدرغلوۃ ولم یکن بینھمامزرع یعتبر مجاوزۃ الفناء ایضا وان کانت بینھما مزرعۃ او کانت المسافۃ بینہ وبین المصر قدرغلوۃ یعتبر مجاوزۃ عمران المصر اہ الخ“

(29)......لیکن احقر کی نظر سے اب تک کوئی روایت یا نصِ فقہی ایسی نہیں گذری جس میں خروج من ابنیۃ البلد وتوابعہ کے لئے کوئی ایسا معیار بیان کیا گیا ہو جس سے مبدأ احکامِ سفر اور منتہائے احکامِ سفر کا نقطہ انتہاء متعین ہو جائے اور ہم مبدأ و منتہائے احکامِ سفر کو اس نص پر مبنی قرار دے دیں۔

مبدأ و منتہائے احکامِ سفر کی تعیین کا مدار عرف پر معلوم ہوتا ہے

(30)......صرف یہی نہیں کہ اس پر کوئی نص نہیں ملی بلکہ کلامِ فقہاء کے مطالعہ سے ناقص سمجھ میں یہ آیا کہ مبدأ احکامِ سفر کے سلسلے میں فقہائے کرام رحمہم اللہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ اس کا مبدأ ”خروج من ابنیۃ البلد وتوابعہ“ سے ہے اس کے واسطے کوئی منصوص معیار نہیں ہے بلکہ اس کا مدار عرف پر ہے یعنی عرفِ عام میں جس مقام یا عمارت کو نقطۂ ابتداء یا نقطۂ انتہاء بلد سمجھا جاتا ہو وہی نقطہ شرعاً بھی سفر وحضر کے واسطے نقطۂ ابتدا و نقطۂ انتہاء قرار پائے گا اگرچہ رؤیتِ ظاہری کے اعتبار سے اس نقطے سے خارج ابنیۃ وعمارات بھی اسی شہر کا حصہ نظر آ رہی ہوں۔

(31)......دوسرے الفاظ میں اس بات کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ شہر کے جس مقام وعمارت سے خروج کو عرفِ عام میں شہر سے خارج سمجھا جاتا ہے وہی مقام وعمارت مبدأ و منتہائے احکامِ سفر ہے، اور جس مقام وعمارت تک رسائی کے باوجود عرفِ عام میں ابھی تک شہر سے خارج یا شہر میں داخل نہیں سمجھا جاتا ہو، وہ مقام وعمارت مبدأ و منتہائے احکامِ سفر نہیں بن سکتی ہے۔

احقر کی اس سمجھ کی بنیاد مندرجہ ذیل باتیں ہیں:

پہلی بات

(وعن علی انه خرج من البصرة فصلی الظهر اربعا ثم قال انا لو جاوزنا هذ الخص لصلينا ركعتين او قال لولا هذا الخص لصلينا ركعتين والخص بالخاء المعجمة والصاد المهملة بيت من قصب كذاضبطه فی السراج الوهاج) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قصرِ صلاۃ کے واسطے اپنے اس قول میں جس مکان وبناء کو نقطہ ابتدا ونقطہ انتہاء قرار دیا ہے، اس کے سیاق وسباق اور اندازِ بیان (مثلاً ''الخص''، ''ہذاالخص'' یا ''ذالک الخص'' وغیرہ کے الفاظ) سے خاص مکان مراد ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے، یہاں اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ چونکہ وہ ''خص'' بستی کی آخری عمارت تھی اس لئے اس کی طرف اشارہ کرکے اس سے خروج کے بعد قصرِ صلاۃ کرنے کا ذکر فرمایا لیکن ساتھ ہی اس احتمال کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس'' خص'' کا اس بستی میں شمار ہونا عرف کی وجہ سے ہو ورنہ نفسِ بستی سے خروج تو پہلے ہی ہو چکا ہے (انه خرج من البصرة فصلی الظهر اربعا)

(32)...... مگر چونکہ عرفِ عام میں جب تک اس عمارت وبناء سے بھی خروج نہ ہوجائے جسے لوگ اس بستی کا حصہ سمجھتے ہیں اگرچہ وہ بستی سے الگ تھلگ ہی کیوں نہ ہو اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عرف کی بناء پر اس ''خص'' کی طرف اشارہ فرما کر یہ بتادیا کہ وہ خاص مکان وبناء جس کو اس آبادی کا نقطہ انتہاء وابتداء سمجھا جاتا ہے جب تک ہم اس سے آگے نہیں بڑھ جائیں گے اس وقت تک احکامِ سفر کے حق میں بصرہ سے ہمارا خروجِ بلد متحقق نہیں ہوگا اور ہم اپنے آپ کو احکامِ سفر کے حق میں بصرہ سے خارج نہیں سمجھیں گے۔

فی المدونة الكبریٰ: (ج ۱ ص ۱۲۳)

''قال خرج علی بن ابی طالب من البصرة فرأى خص فقال لولا هذا الخص لصلينا ركعتين

یعنی بالخص انه لم یخرج من البصرۃ“

گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ قصرِ صلاۃ کے واسطے محض ہمارا بصرہ کی آبادی سے نکل جانا کافی نہیں بلکہ عرفاً مفارقتِ بلد ضروری ہے اور عرفاً مفارقتِ بلد اس وقت نہیں ہوسکتی جب تک اس بناء وعمارت سے بھی مفارقت نہ ہوجائے جسے لوگ اس بستی و بلد کا حصہ سمجھتے ہیں اسی کی نشاندہی ان الفاظ میں فرمائی کہ اگر یہ خص نہ ہوتا تو ہم ابھی سے قصر شروع کردیتے کیونکہ نفسِ بلد سے خروج ہم کرچکے ہیں (لولا هذا الخص لصلینا رکعتین)

دوسری بات

عرف پر مدار ہونے کی دوسری تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے مجاوزۃِ بلد متحقق ہوکر احکامِ سفر لاگو ہونے کے واسطے اس محلّہ وبستی سے بھی خروج کو ضروری قرار دیا جو محلّہ یا بستی زمانہ قدیم میں متعلقہ شہر سے متصل تھی اور بعد میں منفصل ہوگئی اس کی وجہ بظاہر یہی ہے کہ ایسا محلّہ وبستی عرف عام میں اس شہر کا حصہ ہی سمجھا جاتا ہے، بلکہ بعض فقہاء نے تو اس کی علت بیان کرتے ہوئے ”لانها تعد من المصر“ کہہ کر اس کا مدار عرف پر ہونے کی طرف واضح اشارہ بھی فرمادیا۔

فی الطحطاوی علی المراقی: (ج ۱ ص ۲۷۷)

”قوله (اذاجاوز بیوت مقامه عبربالجمع لیفید اشتراط مجاوزۃ الکل فیدخل فیه محلة منفصلة وفی القدیم کانت متصلة لانها تعد من المصر کمافی الخانیة“

قال فی فتح القدیر: (ج ۲ ص ۳۴)

”وفی الفتاویٰ ایضا ان کان فی الجانب الذی خرج منه محلة منفصلة عن المصر وفی القدیم کانت متصلة بالمصر لایقصر حتی یجاوز تلک المحلة“

وفی البحر: (ج ۲ ص ۱۳۹)

”فان کانت فی الجانب الذی خرج منه محلة منفصلة عن المصر وفی القدیم کانت متصلة بالمصر لایقصر الصلاۃ حتی یجاوز تلک المحلة کذافی الخلاصة“

Idara Ghufran

تیسری بات

(33)...... دوسرے ائمہ مذاہب کے ہاں بھی اس کا مدار عرف پر ہونے کی تصریح ملتی ہے ، مثلاً علامہ منصور بن یونس بہوتی حنبلی، علامہ مرداوی اور علامہ خطیب الشربینی الشافعی رحمہم اللہ وغیرہ فقہائے کرام نے بھی مفارقتِ بلد متحقق ہوکر قصرِ صلاۃ جائز ہونے کے لئے عرفاً مفارقت کے تحقق کی تصریح فرمائی ہے۔

قال العلامة البهوتی الحنبلی:(ج ا ص۵۰۷)

”فلا يقصر ساكن الخيام او القرى الااذافارق خيام قومه اوبيوت قريته العامرة سواء كانت داخل السور اوخارجه فيقصر اذافارقها بما يقع عليه اسم المفارقه بنوع من البعد عرفا(الى قوله)ويعتبر فى سكان قصور وبساتين ونحوهم كاهل العزب من القصب ونحوه مفارقة مانسبوا اليه بما يعد مفارقة عرفا ليصيروا مسافرين“

وقال المرداوى فى الانصاف:(ج۲ ص ۳۲۱)

”فائدتان :احداهما قال ابو المعالى لوبرزوا بمكان لقصد الاجتماع ثم بعد اجتماعهم ينشؤن السفر من ذالک المكان فلا قصر حتى يفارقوه قال فى الفروع وظاهر كلامهم يقصرون وهومتجه انتهى الثانية يعتبر فى سكان القصور والبساتين مفارقة مانسبوااليه عرفا“

وفى مغنى المحتاج للخطيب الشربينى الشافعى:(ج ا ص۲۶۳)

”ومن سافرمن بلدة لها سور فاول سفره مجاوزة سورها المختص بها وان تعدد كماقاله الامام وغيره او كان داخله مزارع وخراب لان مافى داخل السور معدود من نفس البلد محسوب من موضع الاقامة وان كان لها بعض سوروهوصوب سفره اشترط مجاوزته فان كان ورائه عمارة كدورملاصقة له عرفا،اشترط مجاوزتها ايضا فى الاصح لانها من مواضع الاقامة المعدودة من توابع البلد فيثبت لهاحكمه قلت الاصح لايشترط مجاوزتها واللہ اعلم لان ذالک لايعد من البلد الاترى انه يقال سكن فلان خارج البلد ويؤيده قول الشيخ ابى حامد لايجوز لمن فى البلد ان يدفع زكاته لمن هوخارج السورلانه نقل للزكاة (الىٰ قوله) ويدخل فى مجاوزتها عرفامرافقها كمطرح الرماد والنادى ومعاطن الابل لانهامعدودة من مواضع اقامتهم“

چوتھی بات

(34)...... الموسوعۃ الفقہیۃ میں بھی مفارقتِ بیوتِ بلد کا مدار عرف پر ہونے کی تصریح کی گئی ہے۔

فی الموسوعة الفقهية تحت صلاة المسافر:

"ويفارق بيوتها ويدخل فى ذالک مايعد منه عرفا كالابنية المتصلة الخ"

پانچویں بات

(35)...... خروجِ بلد کے تحقق میں فقہائے کرام رحمہم اللہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، جس میں ہر ایک نے اپنے اپنے موقف کو جس انداز میں بیان فرمایا اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کا مدار عرف پر رکھا اور اپنے اپنے زمانے کے عرف کو دیکھتے ہوئے خروجِ بلد کے تحقق کا فیصلہ کیا ہے۔

مثلاً اگر کسی شہر یا بستی کا سور موجود ہو تو شوافع کے ہاں سورِ بلد و سورِ قریہ سے مفارقت کر لینے سے خروج بلد متحقق ہو جائے گا خواہ سورِ بلد سے باہر متصل آبادیوں اور بیوت سے خروج نہ بھی ہوا ہو۔

فی المجموع: (ج۴ص۲۸۸)

"قال الشافعى والاصحاب رحمهم الله ان سافر من بلد له سور مختص به اشترط مجاوزة السور سواء كان داخله بساتين ومزارع ام لم يكن لانه لايعد مسافرا قبل مجاوزته ،فاذا فارق السور ترخص بالقصر وغيره بمجرد مفارقته ،حتى قال القاضى ابو الطيب فى تعليقه اذا صار خارج البلد ترخص ،وان كان ظهره الى السور يعنى ملصقا به ولافرق بين ان يكون خارج السوردور ومقابر متصلة به ام لا،هذا هو المذهب ،وبه قطع "

جبکہ اس کے برخلاف حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ مفارقتِ عمران کے تحقق کے لئے سورِ قریہ سے خروج ضروری نہیں بلکہ صرف تمام بیوتِ عامرہ سے خروج متحقق ہو جانا کافی ہے خواہ سورِ قریہ سے خروج بھی ہوا یا نہ ہوا ہو۔

قال العلامة البهوتی الحنبلی:(ج ا ص۵۰۷)

”فلايقصر ساكن الخيام اوالقرى الا اذا فارق خيام قومه اوبيوت قريته العامره سواء كانت داخل السور او خارجه فيقصراذافارقها بما يقع عليه اسم المفارقة بنوع من البعدعرفا“

اسی طرح فقہائے احناف رحمہم اللہ کی طرف سے مصراور فناءِ مصر کے درمیان بقدرِ غلوہ یااس سے زائد فاصلہ یا کھیتی وغیرہ کے فاصل ہونے کی صورت میں احکامِ سفر کے حق میں ایسے فناءِ مصر کو خارج عن البلد قرار دینا بھی بظاہراسی بنیاد پرمعلوم ہوتا ہے کہ (ان حضرات کے)عرف میں اس طرح کے فاصلے سے فناءِ مصر خارجِ بلد سمجھا جاتا تھا،اس سے بھی مسئلہ مبحوث عنہا کا مدار عرف پر ہونا معلوم ہوتا ہے۔

چھٹی بات

(36)......بعض اہلِ فتاویٰ اکابر کے فتاویٰ سے بھی مسئلہ زیرِ بحث کا مدار عرف پر ہونا معلوم ہوتا ہے مثلاً:

(الف)......حضرت حکیم الامت تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز نے امدادالفتاویٰ جلداول صفحہ ۱۴۷ پر قریہ کبیرہ میں جوازِ جمعہ کے متعلق بحث کرتے ہوئے دوآبادیوں کے اتصال وانفصال کا مدار عرف پر قرار دیا ہے جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ کسی آبادی کا کسی شہر یا قریہ کا حصہ ہونے نہ ہونے کا مدار عرف پر ہے، ملاحظہ ہو امدادالفتاویٰ کی عبارت:

”اگر کوئی آبادی ایسی ہو کہ اہلِ عرف اس کے مجموعہ اجزاء کو باوجود کسی قدر فصل کے ایک آبادی سمجھتے ہوں وہاں مجموعہ کا اعتبار کیا جاوے گا لیکن صرف ایک نام ہونا کافی نہیں کیونکہ ضلع وقسمت کا نام بھی ایک ہی ہوتا ہے، بلکہ وحدۃ تسمیہ کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کوایک آبادی سمجھتے ہوں“

(ب)......ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

”قصر وعدمِ قصر کا مدار تو بالاتفاق اتحادِ موضعین پر ہے(الیٰ قولہ) بس قولِ اول پر

www.idaraghufran.org

ان دونوں موضعوں کو دیکھا جاوے گا کہ عرفاً دونوں مستقل سمجھے جاتے ہیں یا متحد، پہلی صورت میں تو عدمِ صحتِ جمعہ ظاہر ہے الخ'' (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۴۵۱)

(ج)......احسن الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۷۳ پر مسافر کا مبدأ سفر سے مفارقت متحقق ہو کر احکامِ سفر اس پر لاگو ہونے کے بارے میں اتصال وعدمِ اتصال آبادی پر بحث کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر عام عرف میں دو مقام ایک ہی شہر کے دو محلے سمجھے جاتے ہوں تو حکمِ اتحاد ہوگا''

(د)......احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۷۵ پر سفر کے سلسلے میں اتصالِ آبادی کے معیار پر بحث کرتے ہوئے مفتی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''دو بستیوں کے درمیان وجودِ مزارع یا قدرِ غلوہ (۱۶ء۱۳۷ میٹر) علامتِ انقطاع ہے معہٰذا اگر دو مواضع عرفِ عام میں ایک ہی شہر کے دو محلے سمجھے جاتے ہوں تو فصلِ مذکور کے باوجود دونوں کو ایک موضع قرار دیا جائے گا''

(37)......مندرجہ بالا باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً مبدأ احکامِ سفر کی تعیین کا مدار عرف پر ہے، اور عرفِ عام میں جس بستی، آبادی، شہر وبلد کے جو حدود معروف ہیں وہی حدود مبدأ ومنتہاء احکامِ سفر کے لئے نقطہ ابتداء وانتہاء شمار ہونگے، خواہ یہ عرف لوگوں کی رویتِ ظاہری کی بناء پر قائم ہوا ہو یا آبادی میں بسنے والے لوگوں کی حد بندی کی وجہ سے یا انتظامیہ، شہری حکومت وغیرہ کی طرف سے سرکاری طور پر متعین ومعلن ہونے کی وجہ سے قائم ہوا ہو، بڑے شہروں کی حدود عام طور پر سرکاری طور پر متعین ومعلن ہوتی ہیں اور عرفِ عام میں بھی اس شہر سے خروج ودخول اسی حدود کے اعتبار سے سمجھا جاتا ہے، اس لئے احقر یہ سمجھتا ہے (واللہ اعلم) کہ ہمارے زیرِ بحث مسئلہ میں بھی (یعنی بڑے شہروں میں جہاں میل ہا میل تک عمارتوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے یا جہاں دو شہروں کے درمیان عمارات کا سلسلہ اس طرح قائم ہو گیا کہ ان عمارات نے گویا دونوں شہروں کو ملا دیا اور ہر ایک عمارت سے دوسری عمارت اس

IdaraGhufran

طرح نظر آتی ہے کہ گویا یہ اسی شہر کا حصہ ہے جبکہ حقیقت میں دونوں شہروں کے لئے سرکاری طور پر الگ الگ حدود متعین ہیں، سرکاری طور پر ان کا نقطہ ابتداء وانتہاء متعین ہے، اس بناء پر لوگ بھی دونوں شہروں کو دو مستقل شہر شمار کرتے ہیں، اور سرکاری طور پر متعین نقطہ کو دخول وخروج کو نقطہ سمجھتے ہیں) احکامِ سفر کے اعتبار سے دونوں شہر الگ الگ شمار ہونگے اور مبدأ ومنتہاء احکامِ سفر بھی حکومت کی طرف سے متعین ومعلن نقطہ ابتداء وانتہاء قرار پائے گا۔

اس کے برخلاف اگر دوشہروں کے اس طرح آپس میں مل جانے کی وجہ سے حکومت وانتظامیہ نے سرکاری طور پر دونوں کو ایک کردیا، یا ایک کو دوسرے میں ضم کردیا اور اب یہ مجموعہ ایک نام سے ایک شہر کے طور پر مشہور ومعروف ہوگیا، یا ایک کو دوسرے کے تابع قراردے دیا جس بناء پر عرفِ عام میں دونوں شہروں کو ایک شہر سمجھا جاتا ہو، یا ایک کو دوسرے کے تابع سمجھا جاتا ہو تو اب احکامِ سفر کے اعتبار سے دونوں شہروں کو شرعاً بھی ایک سمجھا جائے گا، اگرچہ تابع ومتبوع کے نام ابھی بھی الگ الگ ہیں اور انتظامی مصلحت کی بناء پر دونوں کی انتظامیہ بھی سرکاری طور پر جدا جدا ہیں، لیکن عرف میں اب (پہلی صورت میں) اصل شہر مجموعہ کے نام سے ہی متعارف وموسوم ہوگیا ہو اور (دوسری صورت میں) تابع کو متبوع کا محلّہ اور حصہ سمجھا جاتا ہو، لہٰذا اب شہر کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں سفر کرنے سے احکامِ سفر لاگو نہیں ہونگے اور اس شہر سے کسی دوسرے شہر کی طرف سفر کرنے کی صورت میں احکامِ سفر کے واسطے مبدأ ومنتہاء سفر کا نقطہ ابتداء وانتہاء وہی ہوگا جو سرکاری طور پر اس نئی ترتیب وتشکیل کے مطابق حدود اس شہر کے لئے متعین کی گئی ہیں، نیز اس شہر کے ایک حصہ میں مقیم شخص کا دوسرے حصہ میں رات گزارنا یا پندرہ ایام قیام کی نیت دونوں حصوں پر مشتمل ہونا اس کے مقیم ہونے میں مانع نہیں ہوگا۔

ہماری اس بات کی تائید حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ العزیز کے مندرجہ ذیل فتویٰ سے بھی ہوتی ہے، حضرت امداد الفتاویٰ ج ا ص ۱۳۱۴ پر ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”ایک دوست سے جو اس نواح کے رہنے والے ہیں تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ گو آبادی وہاں کی متفرق حصے ہو کر بستی ہے اور ہر حصہ کا نام بھی جدا ہے، لیکن تاہم کئی کئی حصے مل کر ان سب کا مجموعہ ایک نام سے مشہور ہے اور وہ حصہ پارہ کہلاتے ہیں، مثلاً دولت پور عرف میں ایک آبادی کا نام ہے، جس میں چھوٹے چھوٹے کئی حصے ہیں اور ہر حصہ بھی جدا نام سے موسوم ہے لیکن جس حصہ میں کوئی مسافر جانا چاہتا ہو پوچھنے پر بجائے اس حصہ کے نام کے یہ کہتا ہے کہ دولت پور جاؤں گا، اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ پارے بجائے محلوں کے ہیں اور مجموعہ ان پاروں کا ایک آبادی ہے، گو ان کے اندر باہم کسی قدر فصل بھی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ایک آبادی کے اجزاء میں کچھ فصل ہونا اس آبادی کے واحد ہونے کے منافی نہیں الخ“

نیز موجودہ دور میں مختلف ملکوں کے بعض اہلِ فتاویٰ واہلِ علم حضرات پر مشتمل ایک مجلس کے ایک حالیہ شرعی فیصلہ جو ۷ اذی الحجہ سن ۱۴۲۴ھ کو مدرسہ صولتیہ مکہ معظّمہ سے جاری ہوا ہے اس سے بھی ہماری ان باتوں کی تائید ہوتی ہے، لیکن اس فیصلہ کو تحریر کرنے سے پہلے بطورِ تمہید ایک بات بیان کرنا مناسب ہے تاکہ ایک عام قاری کے لئے فیصلہ کو منطبق کرنے میں کوئی دقت نہ ہو، اور وہ یہ ہے کہ مکہ، منیٰ، مزدلفہ، عرفات مختلف مشاعرِ مقدسہ ہیں، جن کی حدودِ شرعیہ توقیفی طور پر متعین ہیں، جن میں قیامت تک کسی تغیر وتبدل کا حق کسی انسان کو نہیں ہے، اس لئے مناسکِ حج کی ادائیگی میں انہی حدودِ شرعیہ کی پابندی ہر حال میں لازم ہے، لیکن پہلے دور میں یہ مقامات یعنی مکہ، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں سے ہر ایک مستقل اور الگ الگ مقام ہونے اور ان مقامات کے درمیان آبادی کا کوئی اتصال نہ ہونے کی وجہ سے یہ مقامات عرفِ عام میں بھی الگ الگ اور مستقل مقام سمجھے جاتے تھے، اور چونکہ شرعاً کسی مسافر کی اقامت کی نیت معتبر ہونے کے لئے اتحادِ مقامِ اقامت شرط ہے اور دو مستقل مقامات میں پندرہ دن کی اس طرح اقامت کی نیت کرنے سے کہ دونوں جگہ رات بھی

گزارے گا آدمی شرعاً مقیم نہیں بنتا، اس لئے فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس بات کی تصریح فرمائی کہ اگر مسافر مکہ و منیٰ میں پندرہ ایام اقامت کی نیت کرے جس میں وہ منیٰ میں بھی مبیت کرے گا اور مکہ میں بھی تو وہ احکامِ سفر کے اعتبار سے مقیم نہیں ہوگا، اس لئے وہ اتمام کی بجائے قصر کرے گا۔

وفی المبسوط للشیبانی: (ج ا ص ۲۶۵)

”قلت ارایت الرجل اذاخرج من الکوفة الی مکة ومنیٰ وھو یرید ان یقیم بمکة ومنیٰ خمسة عشر یوما ایکمل الصلاة حین یدخل مکة قال لاقلت لم قال لانه لایرید ان یقیم بمکة وحدھا خمسة عشریوما قلت ولا تعد مکة ومنیٰ مصرا واحداقال لا“

وقال فی الھدایة: (ج ا ص ۸۲)

”واذانوی المسافران یقیم بمکة ومنیٰ خمسة عشریوما لم یتم الصلاة لان اعتبار النیة فی موضعین یقتضی اعتبارھافی مواضع وھو ممتنع لان السفر لایعریٰ عنه الااذا نوی المسافر ان یقیم باللیل فی احدھما فیصیر مقیما بدخوله فیه لان اقامة المرء مضافة الی مبیته“

وفی البحرالرائق: (ج ۲ ص ۱۴۳)

”قوله لابمکة ومنی ای لو نوی الاقامة بمکة خمسة عشریوما فانه لایتم الصلاة لان الاقامة لاتکون فی مکانین اذ لوجازت فی مکانین لجازت فی اماکن فیؤدی الی ان السفر لایتحقق لان اقامة المسافر فی المراحل لوجمعت کانت خمسة عشریوما اواکثر الااذا نوی ان یقیم باللیل فی احدھما فیصیر مقیما بدخوله فیه لان اقامة المرء تضاف الیٰ مبیته، یقال فلان یسکن فی حارة کذاوان کان بالنھارفی الاسواق ثم بالخروج الی الموضع الآخرلا یصیر مسافراوذکر فی کتاب المناسک ان الحاج اذادخل مکة فی ایام العشر ونوی الاقامة نصف شھر لایصح لانه لابدله من الخروج الی عرفات فلایتحقق الشرط وقیل کان سبب تفقه عیسیٰ بن ابان ھذه المسئلة وذالک انه کان مشغولا بطلب الحدیث قال فدخلت مکة فی اول العشر من ذی الحجة مع صاحب لی وعزمت علی الاقامة شھروجعلت اتم الصلاة فلقینی بعض اصحاب ابی احنیفة فقال اخطات فانک تخرج الی منی وعرفات فلما رجعت من منی بدالصاحبی ان یخرج وعزمت علی ان اصاحبه وجعلت اقصرالصلاة فقال لی صاحب ابی حنیفة اخطات فانک مقیم بمکة فمالم تخرج منها لاتصیر مسافرا فقلت اخطات فی مسالة فی موضعین فرحلت الی مجلس محمد واشتغلت بالفقه قال فی البدائع وانما اوردنا ھذه الحکایة لیعلم مبلغ العلم فیصیرمبعثة للطلبة علی طلبه“

Idara Ghufran

وفی الشامية:(ج۲ص۱۲٦)

(تحت قول الدر"اونوی فیه لکن بموضعین مستقلین کمکة ومنی فلو دخل الحاج مکة ایام العشر لم تصح نیته لانه یخرج الی منیٰ وعرفة")"(قوله بموضعین مستقلین)لافرق بین المصرین والقریتین والمصر والقریة بحر(قوله فلو دخل الخ)هوضد مسالة دخول الحاج الشام فانه یصیر مقیما حکما وان لم ینو الاقامة وهذا مسافر حکما وان نوی الاقامة لعدم انقضاء سفره مادام عازما علی الخروج قبل خمسة عشر یوما افاده الرحمتی(الیٰ قوله)قوله کما لونوی مبیته باحدهمافان دخل اولا الموضع الذی نوی المقام فیه نهارالایصیر مقیماوان دخل اولا مانوی المبیت فیه یصیر مقیما ثم بالخروج الی الموضع الآخر لایصیر مسافرا لان موضع اقامة الرجل حیث یبیت به حلیة قوله او کان احدهما تبعا للآخر کالقریة التی قربت من المصر بحیث یسمع النداء علی مایاتی فی الجمعة وفی البحر لوکان الموضعان من مصر واحد اوقریة واحدة فانها صحیحة لانهما متحدان حکما الاتریٰ انه لوخرج الیه مسافرا لم یقصر اهط"

مگرآج کل مکہ مکرمہ کی آبادی پھیل کرتین اطراف سے منیٰ سےاورایک طرف یعنی عزیزیہ سے مزدلفہ تک متصل ہوگئی ،جس کی وجہ سے اب منیٰ تین جانب سے اورمزدلفہ عزیزیہ کی جانب سے مکہ مکرمہ کی آبادی سے متصل ہوگیا اوراب یہ دونوں مقامات مکہ مکرمہ کے تابع اوراسی کے محلے شمار کئے جاتے ہیں،اس لئے احکامِ سفرکے حق میں (مناسکِ حج کی ادائیگی کے حق میں نہیں)ان مقامات کو مستقل اورالگ الگ مقام نہیں سمجھا جاتاہے،اسی بنیاد پر مذکورہ بالا اہلِ فتاویٰ حضرات نے مندرجہ ذیل فیصلہ صادر فرمایا، ملاحظہ ہو فیصلہ کے الفاظ:

''جن حجاج کرام کا مکہ معظّمہ میں آمداورواپسی کا درمیانی وقفہ پندرہ دن کا ہورہا ہو وہ سب اتمام کریں گے اوراس مدت میں منیٰ اورمزدلفہ میں رات گزارنا ان کے مقیم ہونے میں مانع نہیں ہوگا، کیونکہ منیٰ اورمزدلفہ اب مکہ معظّمہ ہی کے حکم میں ہیں اورعرفات میں چونکہ صرف دن کا قیام ہوتا ہے لہٰذا وہاں بھی اتمام کا حکم ہوگا،واضح رہے کہ اس فتویٰ کا تعلق مشاعرِ مقدسہ(منیٰ ، مزدلفہ،عرفات) کی حدودِ شرعیہ سے نہیں ہے کیونکہ وہ سب توقیفی ہیں ان میں ترمیم واضافہ کا کسی کو حق

www.idaraghufran.org

نہیں ہے البتہ قصر واتمام کے مسائل میں حکم وہ ہوگا جو مذکورہ فتویٰ میں بیان کیا گیا ہے“

نوٹ: احقر عرض گزار ہے کہ اس فتویٰ میں جو یہ کہا گیا ہے کہ ”عرفات میں چونکہ صرف دن کا قیام ہوتا ہے لہٰذا وہاں بھی اتمام کا حکم ہوگا“ یہ بات اس اعتبار سے ہے کہ عرفات کا ابھی مکہ معظّمہ سے آبادی کا ایسا اتصال نہیں ہوا جس سے وہ احکامِ سفر کے اعتبار سے مکہ معظّمہ کے تابع ہوکر اسی کا کوئی محلّہ شمار ہونے لگا ہے، لیکن اگر اتصالِ آبادی مکہ معظّمہ کے ساتھ اس نوعیت کا ہوچکا ہو یا آئندہ کبھی ہوجائے تو اس صورت میں وہاں بھی اگر رات کا قیام ہوجائے (اور ہو بھی سکتا ہے کیونکہ ۱۰ ذی الحجہ کی رات بھی تو وقتِ وقوف میں شامل ہے) تو یہ عرفات کا مبیت بھی ان کے مقیم ہونے میں مانع نہیں ہوگا (واللہ اعلم) یہ بات اس لئے عرض کررہا ہوں کہ حضرت شیخ عبداللہ بن سبیل زادہ اللہ شرفا کا ایک خط استاد محترم صاحب الفضیلۃ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیۃ کے نام نظر سے گذرا ہے جس کے ایک جملہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظّمہ کی آبادی حدودِ عرفات تک متجاوز ہوچکی ہے، اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا احقر نے سمجھا تو عرفات بھی تو بیان کردہ قاعدہ کی رو سے منیٰ ومزدلفہ کی طرح مکہ معظّمہ ہی کے حکم میں ہوگیا، تاہم ممکن ہے کہ حضرت شیخ کے مذکورہ جملہ میں غایۃ مغیا میں داخل نہ ہو، اگر داخل نہیں اور اب تک اتصال آبادی بھی مکہ معظّمہ کے ساتھ اس نوعیت کا نہیں ہوا ہو تو فی الحال یہی بات ہے جو مذکورہ فتویٰ میں مذکور ہے لیکن آئندہ اگر کسی وقت عرفات کا مکہ معظّمہ کے ساتھ اس نوعیت کا اتصال ہوجائے گا جس نوعیت کا منیٰ ومزدلفہ کا ہے تو عرفات میں رات گزر جانے یا گزار لینے کی صورت میں بھی ان کی اقامت سابقہ متأثر نہیں ہوگی (واللہ اعلم بالصواب) (ملاحظہ ہو حضرت شیخ کے خط کا متعلقہ حصہ)

”الذی یظهر لنا ان منیٰ اصبحت الیوم جزء من مدینة مکة بعد ان اکتنفها بنیان مکة وتجاوزها الی حدود عرفة وبناء علی هذا فانها قد اصبحت الیوم من احیاء مدینة مکة فلایعد

الـذاهـب اليها من مكة مسافرا وبناء عليه فانه لايجوز للحاج ان يقصر ولاان يجمع بها على قول من يقول من العلماء ان العلة فى القصر بمنى انما هومن اجل السفرلان الذاهب الى منىٰ لم يخرج عن حدود مكة“

(ب) دوسرا سوال

(38)...... یہ ہے کہ مبدأ احکامِ سفر کے متعلق تو عباراتِ فقہاء بالکل صریح ہیں، جن کی تائید بعض روایات سے بھی ہورہی ہے کہ یہ احکام جمیع بیوتِ بلد سے خروج کے بعد ہی ہونگے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مبدأ ومنتہائے مسافتِ سفر کو بھی حدودِ شہر کے نقطہ ابتدا وانتہاء سے ناپا جائے گا؟ یا اس مسافت کا تعلق کسی اور نقطہ سے ہے، اس سوال کے جواب کے لئے احقر نے مختلف کتابوں میں اس موضوع پر مراجعت کی مگر احقر کو کوئی ایسی صریح عبارت کسی روایت یا کلامِ فقہاء میں نہیں ملی جس سے صراحۃً یہ معلوم ہو کہ جس طرح احکامِ سفر خروجِ بلد کے بعد شروع ہوگا اسی طرح مبدأ ومنتہائے مسافتِ سفر بھی ابنیۃِ بلد کے آخری عمارت سے شروع ہوگا، البتہ فقہائے کرام نے احکامِ سفر کے مبدأ ومنتہاء کے بارے میں جو کلام فرمایا ہے اس کے مجموعہ سے گو بہ ظاہر یہی بات مفہوم ہوتی ہے کہ مبدأ ومنتہاء سفر کا آغاز بھی اسی نقطہ سے ہے جس سے احکامِ سفر کا آغاز ہے، لیکن اس سلسلہ میں باوجود تلاش کے بھی کوئی نص نہ تو عبارۃ النص کے طور پر ملی اور نہ ہی ایسی اطمینان بخش کوئی علت ملی جس سے دلالۃ النص کے طور پر اور دوسرے کسی احتمال کے بغیر اس کی تائید ہو، نہ تو کسی روایتِ حدیث میں اور نہ نصوصِ فقہاء میں، بلکہ کسی روایتِ حدیث یا کلامِ فقہاء میں کوئی عبارت ہی ایسی نہیں ملی جس میں مسافتِ سفر کے مبدأ ومنتہاء کو الگ سے بیان کیا گیا ہو،

(39)...... ہاں اس مراجعت وتلاش کے دوران بعض باتیں ایسی ملی ہیں جو اس بات کی مشعر ہیں کہ خود مسافتِ سفر کی تعیین کا مدار عرف پر ہے اس لئے اس کی ابتداء وانتہاء کا تعلق بھی عرف سے ہوگا یعنی نصوصِ شرعیہ میں سفر کے واسطے جو مسافت (مسیرۃ ثلاثۃ ایام) مذکور ہے

وہ خود راستوں کے اختلاف، محلِ وقوع اور زمانے کے حالات کے تغیر سے مختلف ہو سکتی ہے، صاف اور سہل راستہ میں اس مسافت کی مقدار زیادہ ہوگی جبکہ دشوار گذار راستوں میں اس مسافت کی مقدار کم ہوگی جس کی تعیین لوگوں کے حالات اور راہ سفر کے محلِ وقوع کو دیکھ کر کی جائے گی، اشتباہ کے وقت تجربہ کار لوگوں کے تجربہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی تعیین کی جائے گی،

(40)...... اس لئے جس طرح مسافتِ سفر کی تعیین میں لوگوں کا عرف فیصل ہے اسی طرح اس کے مبدأ و منتہاء میں بھی عرف ہی فیصل ہوگا کہ سفر کے واسطے نکلنے والا شخص جب بنیتِ سفر اپنے گھر سے نکل جائے تو لوگوں کے عرف و عادت میں اس کے سفر کا آغاز جس مقام سے سمجھا جاتا ہو وہی مقام مبدأ سفر ہوگا اور جس مقام کو اس کے سفر کا نقطہ انتہاء سمجھا جاتا ہو وہی اس کا منتہاء سفر ہوگا۔

یہاں احقر انہی باتوں کو اپنی اصلاح کی غرض سے اہلِ علم کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہے ،جن سے مسافتِ سفر کی تعیین یا اسکے مبدأ و منتہاء کی تعیین کا مدار عرف پر ہونا سمجھ آتا ہے، لیکن اس پر کلام کرنے سے پہلے چند ابتدائی باتیں بطورِ تمہید عرض کر دینا مناسب معلوم ہو رہا ہے۔

پہلی بات

(41)...... یہ ہے کہ سفر لغت میں قطعِ مسافت کو کہتے ہیں اور اس قطعِ مسافت کے لئے نہ سفر کی نیت شرط ہے نہ کسی مسافت کی قید اور نہ ہی یہ قطعِ مسافت شہر و آبادی کی حدود سے باہر کسی منزل کی طرف ہونے کی شرط ہے، ظاہر ہے یہ سفر ہمارا موضوعِ بحث ہی نہیں کیونکہ ہمارا موضوعِ بحث وہ سفر ہے جس میں مسافر ایک خاص قطعِ مسافت کی نیت سے اپنی منزل و مستقر سے چلتا ہوا اور منزلِ مقصد کی طرف رواں دواں ہوتا ہے، پھر اگر کچھ مخصوص شرائط سے وہ سفر متصف ہو جائے تو احکامِ سفر لاگو ہو جاتے ہیں، لیکن اگر ان شرائط میں سے کوئی

شرط مفقود ہو جائے تو اگرچہ عرفِ عام میں اسے بھی سفر سمجھا جاتا ہو مگر احکامِ سفر لاگو نہیں ہونگے، اس لئے ہمارا موضوعِ بحث وہی سفر ہوسکتا ہے جس پر عرفاً یا شرعاً سفر کا اطلاق ہوسکے، دوسرے الفاظ میں اس کی توضیح ہم یوں کرسکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شہر ہی میں سیر وتفریح کے لئے نکلے تو اسے نہ شرعاً مسافر کہا جاتا ہے اور نہ عرفاً اسے مسافر سمجھا جاتا ہے خواہ وہ کتنی ہی طویل مسافت قطع کرلے، روزانہ مختلف پیشہ سے وابستہ لوگ، پھیری والے، کرایہ کی سواری چلانے والے، لوکل بسوں، کوچوں یا سرکلر ٹرین کے ڈرائیور حضرات حدودِ شہر میں بعض اوقات بیسوں بلکہ سینکڑوں کلومیٹر قطع مسافت کرتے ہیں، حدودِ شہر کے اندر ہی اندر مختلف چھوٹے بڑے فاصلے طے کرتے ہیں لیکن نہ تو شریعت انہیں مسافر قرار دیتی ہے اور نہ لوگ انہیں مسافر سمجھتے ہیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ سفرِ لغوی یعنی جس سفر پر نہ عرفاً سفر کا اطلاق ہوتا ہو اور نہ شرعاً وہ ہمارے موضوعِ بحث سے خارج ہے،

(42)...... ہمارا موضوع بحث صرف وہ سفر ہے جسے عرف وعادت میں سفر سمجھا جاتا ہو اور جس میں قطعِ مسافت منزلِ مسافر سے شروع ہوکر، خارجِ شہر کسی منزلِ مقصود کی طرف ہوتا ہے۔

وفی الفتح القدیر:(ج۲ص۲۷)

”والسفر لغة قطع المسافة وليس كل قطع يتغير به الاحكام من جواز الافطار وقصر الرباعية ومسح ثلاثة ايام ولياليها على الخف فبين ذالک السفر الذى يتعلق به تغير هذه الاحكام واخذ فيه مع المقدار الذى ذكره القصد“

وقال فی العنایة علی هامش الفتح:(ج۲ص۲)

”السفر فى اللغة قطع المسافة وليس بمراد هنا بل المراد قطع خاص وهو ان يتغير به الاحكام فقيده بذالک وذكر القصد وهو الارادة الحادثة المقارنة لما عزم لانه لو طاف جميع العالم بلاقصد سير ثلاثة ايام لايصير مسافرا ولو قصد ولم يظهر ذالک بالفعل فكذالک وكان المعتبر فى حق تغيير الاحكام اجتماعها“

وفی الهدایة للمرغینانی :(ج۱ص۲۵باب صلاة المسافر)

”السفر الذى يتغير به الاحكام ان يقصد الانسان مسيرة ثلاثة ايام ولياليها بسير الابل ومشى الاقدام والسير المذكور هو الوسط“

قال فی مجمع الانهر:(ج۱ص۲۳۸)

www.idaraghufran.org

"والسفر فی اللغة قطع المسافة والمراد هنا قطع خاص يتغيربه الاحكام.................لانه لوطاف جميع العام بلاقصد سيرثلاثة ايام لايصيرمسافرا ولو قصد ولم يظهر ذالک بالفعل فكذالک فكان المعتبر فی حق تغيير الاحكام اجتماعها"

وفی احكام القرآن للجصاص: (ج ا ص ۲۱۸)

"ان المسافر اسم للجنس لدخول الالف واللام عليه فما من مسافر الا وقد انتظمه هذا الحكم فثبت ان من خرج عنه فليس بمسافر يتعلق بسفره حكم وفی ذالک اوضح الدلالة علی ان السفرالذی يتعلق به الحكم هو سفر ثلاث وان ما دونه لاحكم له فی افطار ولاقصر"

وفی مرقاة المفاتيح: (ج۳ص ۲۱۹)

"السفر لغة قطع المسافة وليس كل قطع تتغيربه الاحكام من جواز الافطار وقصرالرباعية وغيرها"

دوسری بات

(43)...... یہ ہے کہ احناف کے ہاں شرعاً مسافتِ سفر درحقیقت وہ فاصلہ ہے جو تین روز (مسیرۃ ثلاثۃ ایام) کی مسافت پر مشتمل ہو یعنی خشکی میں پیدل یا معتدل سواری مثلاً اونٹ وغیرہ کے ذریعہ، پانی میں معتدل ہوا کے ساتھ کشتی کی متوسط رفتار سے تین منزل کی قطعِ مسافت ہے، مبسوط، فتح القدیر، البحر الرائق، ردالمحتار سمیت کتبِ احناف کے عامہ متون اورشروح کی روسے جمہور مشائخ حنفیہ کا مختار مذہب یہی ہے کہ مسافت سفر تین روز کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہے، فراسخ ومیلوں وغیرہ سے کوئی خاص مقدار متعین نہیں، اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے فراسخ ومیلوں سے بھی مسافتِ سفر کی تحدید فرمائی ہے، مثلاً حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ کم سے کم مسافتِ سفر اڑتالیس میل ہے اور یہی حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب بھی ہے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے اس بارے میں تین روایتیں منقول ہیں ایک چالیس میل، دوسری چھیالیس میل ہاشمی، اور تیسری سولہ فرسخ جو اڑتالیس میل ہوتے ہیں، خطیب شربینی الشافعی رحمہ اللہ کے بقول شوافع کے ہاں یہی آخری قول شائع ومعروف ہے، اس طرح گویا ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ "مقدارِ مسافتِ سفر" اڑتالیس میل ہونے پر متفق ہیں، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بہت سے

فقہائے کرام رحمہم اللہ نے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں ''مسافتِ سفر'' چار برد یا سولہ فرسخ ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے اور چونکہ ایک برید چار فرسخ یا بارہ میل کی مسافت کو کہا جاتا ہے اس لئے اس سے ائمہ ثلاثہ کا اڑتالیس میل مسافتِ سفر ہونے پر اتفاق معلوم ہوتا ہے۔

قال احمد الدردير المالكى فى الشرح الكبير: (ج ا ص ۳۵۸)

''وكره قصر الاهى على المعتمد فان قصر لم يعد بالاولى من العاصى به اربعة برد معمول مسافر بيان لمسافة القصر كل بريد اربعة فراسخ كل فرسخ ثلاثة ايام فهى ثمانية واربعون ميلا والمشهور ان الميل الفا ذراع والصحيح انه ثلاثة آلاف وخمسمائة وهى باعتبار الزمان مرحلتان اى سير يومين معتدلين اويوم وليلة بسير الابل المثقلة بالاحمال على المعتاد ولو كان سفرها ببحر اوبعضها البحر اوتاخرت حيث كان السير فيه بالمجاذيف اوبها وبالريح كان كان بالريح فقط البر اوتقدمت وكانت قدر المسافة الشرعية والا فلايقصر حتى ينزل البحر ويسير بالريح وكان فيه المسافة معتبرة ذهابا مضموم اليها الرجوع قصدت تلك المسافة دفعة بفتح الدال فان لم تقصد اصلا كهائم وطالب رعى اوقصدت لادفعة بل نوىٰ اقامة فى اثنائها تقطع حكم السفر لم يقصر ان عدى اى جاوز البلدالخ''

وقال العلامة ابن عبدالبر المالكى فى التمهيد: (ج ١١ ص ١٧٩)

''واختلف الفقهاء ايضا فى مقدار السفر الذى تقصر فيه الصلاة فقال مالك والشافعى والليث اربعة برد وهو قول ابن عباس وابن عمر قال ملك ثمانية واربعون ميلا اومسيرة يوم وليلة وهوقول الليث وقال الشافعى ستة واربعون ميلا بالهاشمى اويوم وليلة وهو قول الطبرى وقال الاوزاعى اليوم التام وهذه كلها اقاويل متقاربة ،وقال ابوحنيفة واصحابه والثورى والحسن بن حيى لايقصر احد فى اقل من مسيرة ثلاثة ايام ولياليها وقال داود من سافر فى حج اوعمرة اوغزو قصر فى قصير السفر وطويله ومن حجته حديث شعبة عن يزيد بن خمير عن حبيب بن عبيد عن جبير بن نفير قال خرجت مع شرحبيل بن السمط الى قرية له على راس سبعة عشر اوثماية عشر ميلا فصلى ركعتين فقلت له فقال رايت عمر صلى بذى الحليفة ركعتين فقلت له فقال انما افعل كمارايت رسول اللهﷺصلى الله عليه وسلم فعل''

وفى الاقناع للشربينى الشافعى: (ج ا ص ١٧١)

''والشرط الثانى ان تكون مسافته اى السفر المباح ثمانية واربعين ميلاهاشميه ذهابا وهى مرحلتان وهما سير يومين معتدلين بسير الاثقال وهى ستة عشرفرسخا ولو قطع هذه المسافة فى لحظة فى براوبحر فقدكان ابن عمر وابن عباس يقصران ويفطران فى اربعة برد ومثله انما يفعل عن توقيف وخرج بذهاب الاياب معه فلايحسب حتى لو قصد مكانا على

www.idaraghufran.org

مرحلة بنية ان لايقيم فيه بل يرجع فليس له القصر وان ناله مشقة مرحلتين متواليتين لانه لايسمى سفراطويلا"

وقال البجيرمی الشافعی فی حاشيته :(ج ا ص ۲ ۱ ۱)

"ومسافة القصر ستة عشر فرسخافاذاقسمت عليها باعتبار الدرج خص كل فرسخ اثنان وعشرون درجة ونصف درجة ع.ش.علی.م.ر"

وقال الخطيب الشربينی فی مغنی المحتاج:(ج ا ص ۲٦٦)

"والاربعة برد ستة عشر فرسخا والفرسخ ثلاة اميال والميل اربعة آلاف خطوة والخطوة ثلاثة اقدام والقدمان ذراع والذراع اربعة وعشرون اصبعامعترضات والاصبع ست شعيرات معتدلات والشعيرة ست شعرات من شعر البرذون وهاشمية نسبة الی بنی هاشم لتقديرهم لها وقت خلافتهم بعد تقدير بنی امية لهاالی هاشم جد النبی صلی الله عليه وسلم كما وقع للرافعی تنبيه ماذكره المصنف من ان الاميال ثمانية واربعون ميلا هو الشائع ونص عليه الشافعی ونص ايضا علی انها ستة واربعون وعلیٰ انه اربعون ولامنافاة فانه اراد بالاول الجميع الاول والاخير وبالثالث الاميال الاموية الخارجة بقوله هاشمية وهی المنسوبة لبنی امية فالمسافة عندهم اربعون ميلا اذكل خمسة منها قدرسته هاشمية قلت كما قال الرافعی فی الشرح وهو ای السفر الطويل مرحلتان وهما سير يومين بلاليلة معتدلين اوليلتين بلايوم معتدلتين او يوم وليلة كذالک بيسر الاثقال ای الحيوانات المثقلة بالاحمال ودبيب الاقدام علی العادة المعتادة من النزول والاستراحة والاكل والصلاة ونحوها لان ذالک مقدار اربعة برد والبحر فی اعتبارالمسافة المذكورة كالبر فيقصر فيه فلو قطع الاميال فيه فی ساعة مثلالشدة بالهواء او نحوه قصر فيها صالحة للقصر فلايؤثر قطعها فی زمن يسيروالله اعلم كما يقصر لو قطع المسافة فی البر"

وقال ابوالقاسم الحرانی الحنبلی فی المحررفی الفقه:(ج ا ص ۹ ۲ ۱ باب صلاة المسافر)

"ومن نوی سفرامباحا مسافته ستة عشرفرسخا كل فرسخ ثلاثة اميال بالهاشمی والميل اثنا عشر الف قدم خيربين قصرالرباعية واتمامها اذاجاوز بيوت قريته الخ"

وفی مختصرالخرقی:(ج ا ص ۳۳باب صلاة المسافر)

قال واذاسفره ستة عشرفرسخا اوثمانية واربعين ميلا بالهاشمی فله القصر اذاجاوز بيوت قريته اذاكان سفره واجبا اومباحا"

وفی الانصاف للمرداوی:(ج ۲ ص ۸ ۱ ۳)

"فوائد احداها الصحيح من المذهب ان مقدارالمسافة تقريب لاتحديد قال فی الفروع وظاهر كلامهم تقريبا وهو اولیٰ قلت هذا ممالايشک فيه وقال ابوالمعالی المسافة تحديد

قال ابن رجب فی شرح البخاری الامیال تحدید نص علیه الامام احمد الثانیة الستة عشر فرسخا یومان قاصدان وذالک اربعة برد والبرید اربعة فراسخ والفرسخ ثلاثة امیال هاشمیة وبامیال بنی امیة میلان ونصف والمیل اثنا عشر الف قدم قاله القاضی وغیره وقطع به فی الفروع وغیره وذالک ستة آلاف ذراع والذراع اربعةوعشرون اصبعا معترضة معتدلة قطع به فی الفروع وغیره وقال ابو الفرج بن ابی الفهم المیل اربعة الاف ذراع بالواسطی انتهی''

وفی المبسوط للسرخسی:(ج ا ص ۲۳۶)

''ولامعنی للتقدیر بالفراسخ فان ذالک یختلف باختلاف الطرق فی السهول والجبال والبحر والبر وانما التقدیر بالایام والمراحل وذالک معلوم عند الناس فیرجع الیهم عند الاشتباه فاذا قصد مسیرة ثلاثة ایام قصر الصلاة حین تخلف عمران المصر''

وایضافیه:(ج ا ص ۲۳۵)

''قال رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه واقل ما یقصر فیه الصلاة فی السفر اذاقصدمسیرة ثلاثه ایام وفسره فی الجامع الصغیر بمشی الاقدام وسیر الابل فهوالوسط لان اعجل السیر سیرالبرید وابطأالسیر سیرالعجلة وخیرالامور اوسطها وهذامذهب ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما واحدی الروایتین عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهماوعنه فی روایة اخریٰ التقدیر بیوم ولیلة وهوقول الزهری والاوزاعی رحمهما اللّٰہ تعالیٰ وقال مالک رحمه اللّٰہ تعالیٰ اربعة برد کل برید اثناعشر میلا واستدل بحدیث مجاهد وعطاء ان النبی قال یااهل مکة لاتقصروالصلاه فیما دون مکة الی عسفان وذالک اربعة برد وقال الشافعی رضیاللّٰہتعالیٰ عنه فی قول التقدیر بیوم ولیلة وفی قول التقدیر بسته واربعین میلا لحدیث مجاهدرضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال سالت ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه عن ادنیٰ مدة السفر فقال اتعرف السویداء فقلت قدسمعت بهافقال کنا اذاخرجنا الیها قصرنا ومن السویداء الی المدینة ستة واربعون میلاوقال نفاة القیاس لاتقدیر لادنیٰ مدة السفرلظاهرقوله تعالیٰ واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح النساء الآیة فاثبات التقدیر یکون زیادة ولکنا نقول ثبت بالنص ان المرادالسفر وقد قال فی آیة اخری فمن کان منکم مریضااوعلی سفرالبقرة والخارج الی حانوت اوالی ضیعة لایسمی مسافرا فلابد من اثبات التقدیر لتحقیق اسم السفر''

مذکورہ بالاعباراتِ کتب اوردوسری کتبِ احناف کی رو سے احناف کا راجح مذہب اور ظاہرالراویۃ تو یہی ہے کہ مسافتِ سفر تین دن کی بقدر مسافت یا تین منزلیں ہیں یعنی تین دن میں جس قدر مسافت قافلہ کا اونٹ یا متوسط قوت کا آدمی معتاد طریقہ سے پیدل چل کر طے

کر سکے، میلوں اور فراسخ سے ان کے ہاں خاص مقدار متعین نہیں، بلکہ علامہ ابنِ نجیم، علامہ ابنِ ھمام رحمہما اللہ وغیرہ حضرات نے میلوں اور فراسخ سے تحدید کو نصِ صریح کے معارض قرار دیا ہے، لیکن تیز رفتار سواریوں کی بہتات کے اس دور میں جہاں لوگ ایک دو کلومیٹر بھی پیدل یا سست رفتار سواریوں پر سفر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ان کے واسطے تین دن کے پیدل سفر یا اونٹوں کی تین منزلیں متعین کرنا کوئی آسان کام نہیں اور نہ معلوم آگے چل کر لوگوں کے واسطے یہ تحدید عنقاء ہی نہ ہو جائے، شاید اسی لئے بعض متاخرین مشائخِ احناف نے بھی احکامِ شرع میں لوگوں کے واسطے سہولت کے پیشِ نظر فراسخ و میلوں سے تحدید کا فتویٰ دیا ہے، لیکن چونکہ احناف کے اصل مذہب میں مسافتِ سفر میلوں کی بجائے تین منزلیں ہیں، اس لئے میلوں سے تحدید میں ان مشائخ میں اختلاف رہا اور اس بارے میں ان کے مختلف اقوال کتبِ فقہ میں منقول ہیں، مثلاً بعض نے اکیس فرسخ جس کے تریسٹھ (٦٣) میل ہوتے ہیں، بعض نے اٹھارہ فرسخ جس کے چوّن (۵۴) میل ہوتے ہیں اور بعض نے پندرہ فرسخ جس کے پنتالیس (۴۵) میل ہوتے ہیں مسافتِ سفر قرار دی ہے، عمدۃ القاری میں اٹھارہ فرسخ کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے اور البحر الرائق میں بھی بحوالہ نہایہ اسی قول پر فتویٰ نقل کیا ہے، نیز علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو مفتیٰ بہ لکھا ہے، اس کے برخلاف علامہ شامی اور علامہ ابنِ نجیم رحمہما اللہ نے بحوالہ مجتبیٰ اکثر ائمہ خوارزم کا فتویٰ پندرہ فرسخ کی روایت پر ذکر کیا ہے، تاہم برصغیر میں علماءِ احناف کے ہاں مشہور و معمول بہ مسافتِ سفر اڑتالیس (۴۸) میل ہیں، جس کے لئے بعض اکابر رحمہم اللہ نے روایتِ ابنِ عباس (یا اھل مکۃ لاتقصرو الصلاۃ فیما دون مکۃ الیٰ عسفان وذالک اربعۃ برد) سے بطورِ تائید استدلال فرمایا ہے، امام العلماء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۴۲۳ پر "مسافت سفر کی مقدار کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے "چار (۴) برید" تحریر فرمایا اور چار برید کو سولہ سولہ میل کی تین منزلوں کے مساوی قرار دیا

ہے، چونکہ ایک برید سولہ فرسخ کے اور ہر فرسخ تین میل کے برابر ہے، اس لئے چار برید بھی اڑتالیس میل ہی ہوتے ہیں۔

چار برید یا سولہ فرسخ کا قول ائمہ ثلاثہ کے ہاں تو صراحتاً ملتا ہے لیکن فقہاءِ احناف میں سے کسی سے منقول ہونا احقر کے علم میں نہیں ہے، تاہم یہ قول حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ''چار برد'' والی روایت سے مؤید ہونے اور ائمہ ثلاثہ کے بیان کردہ مقدار کے موافق ہونے کی وجہ سے زیادہ قابلِ قدر اور لائقِ توجہ ہے۔

فی فتح القدیر: (ج۲ص۲۹)

''قوله والسير المذكورالخ اشاره الى سيرالابل ومشى الاقدام فيدخل سير البقربجر العجلة ونحوه قوله هوالصحيح احتراز عما قيل يقدربمافقيل باحد وعشرين فرسخاوقيل بثمانية عشر وقيل بخمسة عشر وكل من قدربقدرمنها اعتقد انه مسيرة ثلاثة ايام وانما كان الصحيح ان لايقدر بها لانه لوكان الطريق وعرابحيث يقطع فى ثلاثة ايام اقل من خمسة عشر فرسخا قصربالنص وعلى التقديرباحد هذ التقديرات لايقصر فيعارض النص فلايعتبر سوى سيرالثلاثة وعلى اعتبارسيرالثلاثة بمشى الاقدام لوسارها مستعجل كالبريد فى يوم قصر فيه وافطر لتحقق سبب الرخصة وهوثلاثة بسير الابل ومشى الاقدام كذاذكر فى غيرموضع''

وفى البحرالرائق: (ج۲ص۱۴۰)

''واشارالمصنف الى انه لااعتبار بالفراسخ وهو الصحيح لان الطريق لوكان وعرابحيث يقطع فى ثلاثة ايام اقل من خمسة عشرفرسخا قصر بالنص وعلى التقدير بها لايقصر فيعارض النص فلايعتبر سوى سير الثلاثة وفى النهاية الفتوىٰ على اعتبار ثمانية عشرفرسخا وفى المجتبىٰ فتوىٰ اكثر ائمة خوارزم على خمسة عشر فرسخا اه واناتعجب من فتواهم فى هذا وامثاله بما يخالف مذهب الامام خصوصا المخالف للنص الصريح''

وفى الشامية: (ج۲ص۱۲۳)

قال فى النهاية اى التقدير بثلاث مراحل قريب من التقدير بثلاثة ايام لان المعتاد من السير فى كل يوم مرحلة واحدة خصوصا فى اقصر ايام السنة كذافى المبسوط اه، وكذافى الفتح من انه قيل يقدرباحد وعشرين فرسخاوقيل بثمانية عشرة قيل بخمسة عشر وكل من قدرمنهااعتقد انه مسيره ثلاثة ايام اه، اى بناء على الاختلاف البلدان فكل قائل قدرما فى بلده من اقصرالايام اوبناء على اعتبار اقصرالايام اواطولها اوالمعتدل منهاوعلى كل فهو صريح بان المراد بالايام ماتقطع فيهاالمراحل المعتادة فافهم(الىٰ قوله)قوله ولااعتبار

بالفراسخ الفرسخ ثلاثة اميال والميل اربعة آلاف ذراع على ماتقدم فى باب التيمم قوله على المذهب لان المذكور فى ظاهر الرواية اعتبار ثلاثة ايام كما فى الحلية وقال فى الهداية هو الصحيح احتراز عن قول عامة المشائخ من تقديرها بالفراسخ ثم اختلفو افقيل احدوعشرون وقيل ثمانية عشر وقيل خمسة عشر والفتوىٰ على الثانى لانه الاوسط وفى المجتبى فتوى ائمة خوارزم على الثالث وجه الصحيح ان الفراسخ تختلف باختلاف الطريق فى السهل والجبل والبر والبحر بخلاف المراحل معراج قوله بالسير الوسط اى سير الابل ومشى الاقدام ويعتبر فى الجبل بمايناسبه من السير لانه يكون صعودا وهبوطا ومضيقا ووعرا فيكون مشى الابل والاقدام فيه دون سيرهما فى السهل وفى البحر يعتبراعتدال الريح على المفتىٰ به امداد فيعتبر فى كل ذالك السير المعتادفيه وذالك معلوم بين الناس فيرجع اليهم عند الاشتباه"

لیکن یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ چار برید یا سولہ فرسخ کے قول کو اختیار کر لینے سے ہم یہ اطمینان تو کر سکتے ہیں کہ اس سے ائمہ ثلاثہ کے ساتھ مسافتِ سفر کا اڑتالیس میل ہونے میں موافقت ہو جائے گی ،لیکن یہاں ایک سوال پھر بھی حل طلب رہ جائے گا کہ اڑتالیس (۴۸) میل کی مقدار کیا ہے؟ اس سے شرعی میل مراد ہے یا کچھ اور؟ پھر شرعی میل مراد ہونے کی صورت میں ہاشمی ہے یا اموی؟ اس کی مقدار چار ہزر ذراع ہے یا تین ہزار ذراع؟ یا چار ہزار خطوہ جو برابر ہے چھ ہزار ذراع کے؟ پھر ذراع سے مراد ذراعِ کرباس ہے یا ذراعِ مساحت؟ اگر ذراعِ کرباس ہو تو متقدمین کا ذراع یا متاخرین کا یعنی بتیس (۳۲) انگشت کا یا چوبیس (۲۴) انگشت کا وغیرہ وغیرہ، کیونکہ ان باتوں کے حل کئے بغیر مسافتِ سفر کے واسطے میلوں سے کوئی خاص مقدار متعین کرنا ممکن نہیں ہے، جبکہ اس بارے میں ائمہ مذاہب سمیت دوسرے اہلِ علم میں اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً علامہ احمد بن الدردیر رحمہ اللہ نے "**الشرح الصغير على اقرب المسالك الى مذهب الامام مالك**" میں مالکیہ کے ہاں اڑتالیس (۴۸) میل مسافتِ سفر بیان کر کے ہر میل ساڑھے تین ہزار ذراع ہونے کی تصحیح فرمائی (**بيان لمسافة القصر كل بريد اربعة فراسخ كل فرسخ ثلاثة اميال فهى ثمانية واربعون ميلا والمشهور ان الميل الفا ذراع والصحيح انه ثلاثة آلاف**

www.idaraghufran.org

وخمسمائة) خطیب شربینی رحمہ اللہ نے شوافع کے ہاں اڑتالیس میل شائع ومعروف ہونے کا ذکر کے ہر میل چار ہزار ''خطوہ'' کا ذکر فرمایا پھر چار ہزار ''خطوہ'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھا کہ ایک خطوہ تین قدم پر مشتمل ہے اور ہر دو قدم کا ایک ذراع ہے اور ہر ذراع برابر ہے چوبیس (۲۴) انگشت (یا ڈیڑھ فٹ) کے، اس طرح ایک میل برابر ہوا بارہ ہزار قدم کے یعنی چھ ہزار ذراع جو مساوی ہے تین ہزار گز کے (واربعة برد ستة عشر فرسخا والفرسخ ثلاثة اميال والميل اربعة آلاف خطوة والخطوة ثلاثة اقدام والقدمان ذراع والذراع اربعة وعشرون اصبعا معترضات والاصبع ست شعيرات معتدلات والشعيرة ست شعرات من شعر البرذون) علامہ مرداوی رحمہ اللہ کے بقول حنابلہ کے ہاں بھی اسی مقدار کا جزم پایا جاتا ہے (والميل اثنا عشر الف قدم قاله القاضي وغيره قطع به في الفروع وغيره وذالک ستة آلاف ذراع والذراع اربعة وعشرون اصبعا معترضة معتدلة قطع به في الفروع وغيره وقال ابوالفرج بن ابي الفهم الميل اربعة آلاف ذراع بالواسطي انتهى) جبکہ احناف کے ہاں قول مختار ومعتمد علیہ یہ ہے کہ شرعی میل (چوبیس انگشت یا ڈیڑھ فٹ پر مشتمل ذراع سے) چار ہزار ذراع ہے جو برابر ہے دو ہزار (۲۰۰۰) گز انگریزی کے لہٰذا احناف کے بقول شرعی میل بمقابلہ انگریزی میل دوسو چالیس گز بڑا ہوگا، کیونکہ انگریزی میل آٹھ (۸) فرلانگ کا ہوتا ہے اور ہر فرلانگ دوسو بیس (۲۲۰) گز ہے، اس طرح انگریزی میل سترہ سو ساٹھ (۱۷۶۰) گز کا ہوگا۔

في الهندية: (ج ا ص ۲۸)

''ان الميل وهو ثلث الفرسخ اربعة آلاف ذراع كل ذراع اربعة وعشرون اصبعا''

وفي الفتح القدير: (ج ا ص ۱۰۸)

''ثم الميل في تقدير ابن شجاع ثلاثة آلاف ذراع خمسمائة الىٰ اربعة آلاف وفي تفسير غيره اربعة آلاف وهو ثلث الفرسخ وضبط في قول القائل:

ان البريد من الفراسخ اربع ولفرسخ فثلاث اميال ضعوا
والميل الف اى من الباعات قل والباع اربع اذرع فتتبعوا

www.idaraghufran.org

ثم الذراع من الاصابع اربع من بعد ھاعشرون ثم الاصبع
ست شعیرات فظھر شعیرۃ منھا الی بطن لأخری توضع
ثم الشعیرۃ ست شعرات فقل من شعربغل لیس فیھا مدفع

وفی الشامیۃ(ج ا ص ۱۲۳)

(تحت قول الشارح"میلا اربعۃ آلاف ذراع وھواربع وعشرون اصبعا وھی ست شعیرات ظھر لبطن وھی ست شعرات بغل")"والمیل فی کلام العرب منتھی مدالبصر وقیل للاعلام المبنیۃ فی طریق مکۃ امیال لانھا بنیت کذالک کمافی الصحاح والمغرب والمراد ھناثلث الفرسخ والفرسخ ربع البرید قولہ اربعۃ آلاف ذراع کذافی الزیلعی والنھر والجوھرۃ وقال فی الحلیۃ انہ المشھور کما نقلہ غیرواحد منھم السروجی فی غایتہ اھ،وفی شرح العینی ومسکین والبحر عن الینابیع انہ اربعۃ آلاف خطوۃ قال الرملی والاول ھو المعول علیہ وما فی الشرنبلالیۃ من التوفیق بینھمابان یراد بالذراع مافیہ اصبع قائمۃ عند کل قبضۃ فیبلغ ذراعا ونصفا بذراع العامۃ اھ،فیہ نظر لضبطھم الذراع بما ذکرہ الشارح قولہ وھو ای الذراع بعدد حروف لاالہ الااللہالمرسومۃ"

وفی فتاویٰ ابن تیمیۃ :(ج۲۴ص۴۰)

"............فلابد ان یکون مقدارالسفر معلوما علما عاماوذرع الارض ممالایمکن بل ھو اما متعذر واما متعسر لانہ اذاامکن الملوک ونحوھم مسح طریق فانما یمسحونہ علی خط مستو او خطوط منحنیۃ انحناء مضبوطا ومعلوم ان المسافرین قد یسلکون تلک الطریق وقد یسلکون غیرھا وقدیکون فی المسافۃ صعودالخ"

پھر اکابر علماء احناف کے فتاویٰ میں اس بارے میں بھی مختلف آراء پائی جاتی ہیں کہ مسافتِ سفر کی میلوں سے تحدید کی صورت میں میلِ شرعی سے اس کی تعیین کی جائے یا انگریزی میل سے؟ اگر حساب کی سہولت کے پیشِ نظر انگریزی میلوں کے حساب سے اس کی تعیین کی جائے تو کتنے انگریزی میلوں کو مسافتِ سفر قرار دیا جائے؟ اکثر محققین علماءِ ہند اڑتالیس میل انگریزی کو مسافتِ سفر قرار دیتے ہیں مثلاً حضرت مولانا یعقوب نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ سمیت بہت سے اکابر رحمہم اللہ نے اڑتالیس میل انگریزی ہی سفر قرار دیا، جیسا کہ حضرت مفتی اعظم پاکستان نور اللہ مرقدہ اپنے

رسالہ ''اوزانِ شرعیہ'' کے ص ۴۱ پر تحریر فرماتے ہیں ''محققین علماءِ ہندوستان نے اڑتالیس میل انگریزی کو مسافتِ سفر قرار دیا'' پھر ص ۴۳ پر اپنا موقف بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ''الغرض مذہبِ مختار کے مطابق مسافتِ سفر تین منزل یا ۴۸ میل انگریزی ہیں'' نیز بہشتی زیور میں بھی تین منزل اڑتالیس (۴۸) میل انگریزی ہونے ہی کا ذکر ہے اور اکثر اہلِ عصر علماء برصغیر اسی کے مطابق فتاویٰ دیتے ہیں۔

بعض اکابر رحمہم اللہ سے چھتیس (۳۶) میل انگریزی منقول ہیں مثلاً حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس اللہ سرہ العزیز، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز، حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی قدس اللہ سرہ العزیز اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی قدس اللہ سرہ العزیز وغیرہ حضرات چھتیس (۳۶) میل انگریزی کے قائل ہیں (ملاحظہ ہو ''مراحل المسافر فی قول الاکابر'' لمولانا مہربان علی بڑوتوی ص ۱۸ تا ۱۹)

نیز مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی بھی ایک رائے یہی ہے کہ انگریزی میل سے چھتیس (۳۶) میل کی مسافت قصر کے لئے کافی ہے (ملاحظہ ہو ''کفایت المفتی'' ج ۳ ص ۳۳۱)

اس کے برخلاف بعض اکابر رحمہم اللہ نے مطلقاً اڑتالیس میل مسافتِ سفر کا فتویٰ دیا ہے جس میں نہ انگریزی کی قید ہے اور نہ ہی شرعی کی قید ہے مثلاً حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن قدس اللہ سرہ العزیز اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہٗ سمیت کئی حضرات اکابر رحمہم اللہ نے مطلقاً اڑتالیس (۴۸) میل کا فتویٰ دیا ہے، اس لئے ان کے فتاویٰ میں دونوں احتمال ہو سکتے ہیں اور اہلِ فتاویٰ حضرات نے ان کے فتاویٰ میں دونوں احتمالات کے قرائن کی نشاندہی بھی کی ہے مثلاً حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے ''عزیز الفتاویٰ'' ص ۲۵۸ پر فتویٰ نمبر ۷۰۴ میں جو فتویٰ صادر فرمایا اس کے مجموعہ سے اور فتاویٰ دار العلوم دیوبند مدلل مکمل فتویٰ نمبر ۲۳۲۰ میں اپنے اساتذہ کرام کے حوالہ سے

www.idaraghufran.org

اڑتالیس میل کا جوذکرفرمایا اس سے اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہورہا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کی مراد اڑتالیس (۴۸) میل سے انگریزی اڑتالیس میل ہے، لیکن عزیز الفتاویٰ کے اسی فتویٰ میں میل کی مقدار''شرعی ذراع'' سے چار ہزار''ذراع'' کوقرار دینا شرعی میل مراد ہونے کا واضح قرینہ بھی اس میں موجود ہے، ملاحظہ ہو عزیز الفتاویٰ کی مندرجہ ذیل عبارت:

''میل کی مقدار شرعی ذراع سے چار ہزار ذراع لکھی ہے اور ذراع شرعی اس زمانے کے گز کے حساب سے قریب دس گرہ (غالباً سہو کاتب ہے اور اصل میں آٹھ گرہ ہے جیسا کہ فتاویٰ دارالعلوم مدلل کے حوالہ سے آگے آرہا ہے۔ ناقل) کے ہوتا ہے، پس اس کے موافق میلوں کا حساب کرلیا جاوے اور ۴۸ میل کا اندازہ کرلیا جاوے کہ اس زمانے کے میل سے اس میں کس قدر فرق ہے''

نیز اس بات کی مزید تائید فتاویٰ دارالعلوم مدلل مکمل ج ۴ میں مسافتِ سفر کے متعلق درج شدہ مختلف فتاویٰ سے بھی معلوم ہوتی ہے مثلاً (فتاویٰ نمبر ۲۲۰۰، ۲۲۵۳، ۲۲۳۸، ۲۲۷۴، ۲۳۰۹، ۲۲۹۲ اور ۲۳۱۱) میں اڑتالیس میل مسافتِ قصر کا فتویٰ مطلقاً درج ہے، لیکن فتویٰ نمبر (۲۲۰۳ میں علامہ شامی رحمہ اللہ کے حوالہ سے''میل'' چار ہزار کا قرار دینا، نیز فتویٰ نمبر ۲۳۲۰ میں بھی میلِ شرعی کی تحدید فرماتے ہوئے یہ لکھنا''میلِ شرعی چار ہزار ذراع کا ہے اور ذراع چھ قبضہ یعنی تقریباً آٹھ گرہ کا انگریزی ذراع مروج زمانہ ہٰذا سے ہے، پس میل شرعی دو ہزار گز کا ہوا''اس بات کا قرینہ ہے کہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے نزدیک اڑتالیس میل شرعی مراد ہے کیونکہ شرعی میل ہی قولِ مشہور ومعتمد علیہ کے مطابق چار ہزار ذراع جو برابر ہے دو ہزار گز کے، انگریزی میل تو سترہ سو ساٹھ (۱۷۶۰) گز کا ہوتا ہے (کمامر)

اسی طرح امام العلماء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے مسافتِ سفر''چار برید'' ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا اور پھر چار برید کو سولہ سولہ میل کی تین منزلیں قرار دیں، اس سے بھی مطلق اڑتالیس میل ہی سمجھ آتی ہے لیکن حضرت رحمہ اللہ کے فتاویٰ ہی میں

www.idaraghufran.org

بعض قرائن کی وجہ سے بعض اہلِ فتاویٰ حضرات حضرت رحمہ اللہ کو بھی اڑتالیس میل شرعی کے قائلین میں شمار کرتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے ''فتاویٰ رشیدیہ ص۴۲۳'' پر ''مسافتِ سفر'' کی مقدار کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے جو ''چار برید'' تحریر فرمایا اس سے حضرت کی مراد اڑتالیس میل شرعی ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت نے مسافتِ سفر ''چار برید'' تحریر فرما کر ''اربعۃ برد'' والی روایت سے اس پر استدلال فرمایا اور ایک برید چار فرسخ اور ہر فرسخ تین میل شرعی پر مشتمل ہونا کتبِ فقہ میں مسلّم ہے، خصوصاً حضرت کے فتاویٰ میں میل کی مقدار چار ہزار قدم کو قرار دینا میلِ شرعی کی واضح دلیل ہے، لہٰذا حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے اس فتویٰ کی رو سے بھی ''چار برید'' اڑتالیس (۴۸) میل شرعی مسافتِ سفر قرار پائے گی (ملاحظہ ہو فتاویٰ رشیدیہ ص۴۲۳ پر ''مسافتِ سفر'' کی مقدار کے بارے میں ایک سوال وجواب کا متن)

صحیح مسافتِ سفر

''سوال:...... کتنی مقدار مسافتِ سفر میں نماز قصر کرنی چاہئے، حسبِ احادیثِ صحیحہ؟

جواب:...... چار برید جس کی سولہ (۱۶) سولہ (۱۶) میل کی تین منزلیں ہوتی ہیں، حدیث مؤطا مالک سے ثابت ہوتی ہیں مگر مقدار میل کی مختلف ہے لہٰذا تین منزل جامع سب اقوال کو ہو جاتی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم''

بہر حال میلوں سے مسافتِ سفر کی تحدید میں مندرجہ بالا باتیں حل طلب ہیں کہ کون سا میل مراد ہو پھر مذہبِ مختار کے مطابق شرعی دو ہزار گز مراد لینے کی صورت میں انگریزی میلوں کے حساب سے اور انگریزی میل مراد لینے کی صورت میں شرعی میل کے اعتبار سے فرق واقع ہونا لازمی ہے، اس طرح اڑتالیس میل کی تحدید بھی کوئی آسان مرحلہ نہیں اور اس سے مسافتِ سفر میں غیر معمولی فرق بھی پڑ جانا بدیہی ویقینی بات ہے، کیونکہ اڑتالیس (۴۸) میل شرعی مساوی ہے چون اعشاریہ پانچ چار پانچ پانچ (۵۴٫۵۴۵۵) انگریزی میل کے جو

www.idaraghufran.org

ستاسی اعشاریہ سات آٹھ دو چار (۸۷ء۷۸۲۴) کلومیٹر کے، جبکہ اڑتالیس میل انگریزی مساوی ہے بیالیس اعشاریہ دو چار (۴۲ء۲۴) میل شرعی کے جو ستتر اعشاریہ دو چار (۷۷ء۲۴) کلومیٹر بنتے ہیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسافتِ سفر کی کوئی خاص مقدار میلوں اور گزوں کے حساب سے اس طرح متعین کرنا جو ہر جگہ ہر زمانے اور ہر حالت کے لئے یکساں طور پر قابلِ عمل ہو ناممکن ہے اور نہ صاحبِ شریعت یا صاحبِ مذہب سے منقول یا منصوص ہے بلکہ یہ محض ایک امرِ اجتہادی ہے جس پر زمانے کے لوگوں کے قویٰ، علاقوں کے حالات اور راستوں کے محلِ وقوع وغیرہ کو پیشِ نظر رکھ کر اس کے واسطے ایک تقریبی مقدار متعین ہو سکتی ہے، جس میں اصل مدار اسی پر ہوگا کہ اتنی ہی مسافت تین دن تین رات میں لوگ پیدل یا معتدل سواری (مثلاً اونٹ وغیرہ) کے ذریعہ خشکی میں یا کشتی کی متوسط رفتار سے بحری سفر میں طے کر سکتے ہیں،

(44)...... جن فقہائے کرام رحمہم اللہ اور علمائے عظام رحمہم اللہ نے میلوں اور فراسخ سے اس کی تحدید فرمائی ہے ان کا کلام اسی بات کا مشعر ہے کہ یہ ایک تقریبی تحدید ہے جس کی بنیاد سراسر عرف پر ہے، اسے فیتوں یا انچی ٹیپوں سے ناپنے کے لئے شریعت نے پابند نہیں کیا اور نہ موٹر کار وغیرہ کے میٹر سے ناپنے کو لازم قرار دیا نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کہیں اس طرح ناپنا کسی روایت سے ثابت نہیں۔

تیسری بات

(45)...... یہ ہے کہ مسافتِ سفر اور احکامِ سفر دو الگ الگ حقیقتیں ہیں کیونکہ

(46)...... مسافتِ سفر شریعت میں خاص قطعِ مسافت کا نام ہے، اور احکامِ سفر مخصوص قطعِ مسافت کی صورت میں مخصوص شرائط کے ساتھ مکلّف پر احکامِ شرع میں خاص تغیر کے ساتھ رونما یا لاگو ہونے والے احکام کا نام ہے لہٰذا دونوں کا ایک ساتھ عملاً وجود میں آنا یا دونوں

Idara Ghufran

کا مبدأ و منتہاء ایک ہونا شرعاً ضروری نہیں یعنی مسافتِ سفر اور اس کا مبدأ و منتہاء کا خارج میں وجود کے واسطے احکامِ سفر یا ان کا مبدأ و منتہاء کا عملاً وجود شرعاً ضروری ولازم نہیں

(47)...... اور نہ ہی ان دونوں کا ایک دوسرے کے واسطے لازم وملزوم ہونا کسی شرعی دلیل سے ثابت ہے،

(48)...... اس لئے ایسا بھی ممکن ہے کہ مسافتِ سفر اپنے مبدأ و منتہاء کے ساتھ عملاً وجود میں آ جائے یعنی مسافر مسافتِ سفر کی نیت سے خروجِ بلد کرے پھر منزلِ مقصود تک پہنچ جائے لیکن احکامِ سفر پر عمل کی نوبت ہی نہ آئے۔

(49)...... یا کوئی شخص تین دن یا اس سے زائد مسافتِ سفر بلانیتِ سفر طے کر لے تو مسافتِ سفر نیز مبدأ و منتہائے مسافتِ سفر سب وجود میں آ جائیں گے لیکن احکامِ سفر یا اس کا مبدأ و منتہاء کچھ بھی وجود میں نہیں آ سکتے،

(50)...... اسی طرح احکامِ سفر لاگو ہونے احکامِ سفر عملاً وجود میں آنے یا مبدأ احکامِ سفر کے وجود کے لئے بھی شرعاً یہ ضروری نہیں کہ مسافتِ سفر کا مجموعہ عملاً وجود میں آ جائے، کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص مسافتِ سفر کی نیت سے خروجِ بلد کر کے احکامِ سفر پر عمل شروع کر دے (مثلاً نماز قصر پڑھے) پھر ارادہ سفر ملتوی ہو جانے سے گھر واپس آ جائے یا مسافتِ سفر مکمل کرنے سے پہلے ترکِ سفر کی یا اقامت کی نیت کر لے تو ان صورتوں میں وجودِ احکامِ سفر تو ہوگا لیکن مسافتِ سفر کا عملاً وجود نہیں پایا گیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ دونوں کو ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم سمجھنا درست رائے نہیں، اور جب یہ دونوں لازم وملزوم نہیں تو دونوں کا مبدأ و منتہاء کا بھی ایک ہونا ضروری نہیں، ہاں یہ بات ضروری ہے کہ جب بھی احکامِ سفر یا مبدأ احکامِ سفر کا نفس وجود ہوگا تو لازمی طور پر اس سے پہلے تین چیزوں کا وجود بھی ہو چکا ہوگا، کیونکہ ان میں سے اگر ایک چیز بھی مفقود ہو تو احکامِ سفر یا اس کا مبدأ وجود میں ہی نہیں آ سکتا،

(51)...... پہلی چیز معتبر مسافتِ سفر کا ادنیٰ وجود یعنی کم ازکم مبدأ مسافتِ سفر کا وجود، دوسری چیز معتبر مسافتِ سفر کی نیت، تیسری چیز بنیت مدتِ مسافت مکلّف کا خروج من عمران البلد ہے،

(52)...... بلکہ اگر تقریبِ فہم کے لئے اس پر اس لحاظ سے غور کیا جائے کہ سفرِ شرعی کے وجود میں آ کر مکلّف پر احکامِ شرع متغیر ہونے یعنی احکامِ سفر لاگو ہونے کے لئے شریعت نے خروجِ بلد، مسافتِ سفر اور نیتِ مسافتِ سفر کو شرط قرار دیا ہے

(53)...... اور شرط شئ خارج شئ ہوتی ہے لہٰذا دونوں کا یا ان کا مبدأ و منتہاء کا اتحاد لازم نہیں تو یہ تعبیر بھی غلط نہ ہوگی۔

فی البدائع الصنائع :(ج ا ص ۹۳)

”فلابد من اعتبار ثلاثة اشياء احدها مدة السفر ....والثانی نية مدة السفر ....والثالث الخروج من عمران المصر“

(54)...... جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ مسافتِ سفر اور احکامِ سفر دو الگ الگ حقیقتیں ہیں اور وہ ایک دوسرے کے واسطے لازم وملزوم نہیں تو اس سے یہ بات بھی از خود ثابت ہو جاتی ہے کہ مسافتِ سفر یا اس کے مبدأ و منتہاء کی تعیین کا معیار اور مبدأ و منتہاء احکامِ سفر کی تعیین کا معیار بھی ایک ہونا شرعاً لازم نہیں، بلکہ دونوں کا معیار الگ الگ ہوسکتا ہے، اس لئے شرعاً اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ احکامِ سفر شروع ہونے یا احکامِ سفر کا مبدأ وجود میں آنے کے واسطے جو معیار ہے اس کے وجود میں نہ آنے کی وجہ سے ابھی مبدأ احکامِ سفر کا تو وجود نہ ہو لیکن مبدأ مسافت کی تعیین کے واسطے جو معیار ہے اس کے وجود میں آ جانے کی وجہ سے مسافتِ سفر کا مبدأ وجود میں آ جائے، اس لئے اس میں بھی شرعاً کوئی قباحت نہیں کہ مسافتِ سفر کا مبدأ و منتہاء حدودِ شہر میں ہوں اور احکامِ سفر کا مبدأ و منتہاء حدودِ شہر کے خارج میں ہو۔

Idara Ghufran

چوتھی بات

(55)...... یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں عرف وعادت کی رعایت اوراس کا اعتبار بھی اصولِ شریعت کا اہم حصہ ہے، اور بہت سے احکامِ شرعیہ کا تعلق عرف وعادت سے ہے، جن میں عرف وعادت کو دیکھ کر ہی حکمِ شرعی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، خصوصاً جن نصوص کی بنیاد عرف پر ہونا متحقق وثابت ہو یا جو احکامِ شرعیہ نصوص کی بجائے محض عرف وعادت پر مبنی ہوں، یا جن مقادیر ومفاہیم کی کوئی تعریف وحد یا ان کی تعیین شرعاً منقول نہ ہو ان میں عرف وعادت ہی کی طرف رجوع کا حکم ہے، اوران میں ہر ملک اور ہر زمانے میں وہاں کے لوگوں کا عرف دیکھ کر ہی فیصلہ کیا جاتا ہے، ان مسائل میں عرف وعادت کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی بخوبی ہوجاتا ہے کہ فقہائے کرام رحمہم اللہ اور علمائے اہلِ اصول نے اس بات کی صراحت فرمائی کہ اگر کوئی قیاس بھی عرفِ عام سے متصادم ومعارض ہو تو قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا اور عرف عام کو ترجیح دی جائے گی۔

فی احکام القرآن: (ج۳ص۱۸۵)

”العرف والعادة اصل من اصول الشريعة يقضى به فى الاحكام“

وقال فی الشامیة : (ج۴ص۳۶۴)

(تحت قول الشارح ”لان التعامل يترک به القياس لحديث مارآه المسلمون حسنا فهوعند الله حسن“)”مطلب فى التعامل والعرف“: (قوله لان التعامل يترک به القياس)فان القياس عدم صحة وقف المنقول لان من شرط الوقف التابيد والمنقول لايدوم والتعامل كما فى البحر عن التحرير هوالاكثر استعمالا وفى شرح البيرى عن المبسوط ان الثابت بالعرف كالثابت بالنص اه،وتمام تحقيق ذالک فى رسالتنا المسماة”نشر العرف فى بناء بعض الاحكام على العرف“وظاهر مامرفى مسئلة البقرة اعتبارالعرف الحادث فلايلزم كونه من عهد الصحابة وكذاهوظاهر ماقدمناه آنفا من زياد بعض المشائخ اشياء جرى التعامل فيهاوعلى هذا فالظاهراعتبارالعرف فى الموضع اوزمان الذى اشتهر فيه دون غيره الخ“

وقال فی المبسوط: (ج۹ص۱۷)

وابوحنيفة رحمه الله تعالىٰ يقول قد علمت بالنص ان الحين بعض الدهر ولم اجد فى تقدير

www.idaraghufran.org

الدھر شیئا نصا ونصب المقادیر بالرأی لایکون وانما یعتبر العرف فیما لم یرد نص بخلافہ“

ان گذارشات کے بعد زیرِ بحث مسئلہ کے بارے میں کلامِ فقہاء سے احقر نے جو کچھ سمجھا ہے اس کا خلاصہ اب پیشِ خدمت ہے۔

جیسا کہ سطورِ بالا میں ذکر کردہ تمہیدی باتوں کے مندرجات سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ سفرِ شرعی کی مسافت کی تعیین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ مجتہدین کرام رحمہم اللہ کے مذاہب مختلف ہیں، نیز کلامِ فقہاء کرام رحمہم اللہ سے مسئلہ زیرِ بحث کے متعلق یہ بات بھی عیاں ہے کہ

(56)...... اگرچہ مسافتِ سفر عندالاحناف مسیرۃ ثلاثۃ ایام ہونا اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں سولہ فرسخ یا چار برد ہونا منصوص ہے لیکن اس کی کوئی ایک متعین مقدار میلوں، میٹر یا گزوں سے شرعاً منقول نہیں، نہ تو قرآن وحدیث میں اس پر کوئی نص موجود ہے اور نہ کلامِ فقہاء میں اس سلسلے میں کوئی ایسی متعین مقدار موجود ہے جس پر ان کا اتفاق ہو۔

نیز کتبِ احناف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احناف کی اس بارے میں روایات مختلف ہیں اور احناف کا راجح اور صحیح مذہب یہ ہے کہ کسی خاص و متعین مقدار کی تحدید میلوں، گزوں یا میٹر و فراسخ سے نہیں ہے، لہٰذا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مقدارِ مسافتِ سفر کو خواہ تین منزلیں قرار دی جائے یا اڑتالیس میلوں میں اس کی تحدید کی جائے ، یا چار برد مراد لی جائے، بہرصورت میلوں اور گزوں کے حساب سے عندالاحناف اس کی کوئی متعین مقدار کسی نص میں موجود نہیں ہے، بلکہ بقول علامہ ابنِ نجیم رحمہ اللہ، اور علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ وغیرہ فقہائے کرام کے یہ نص صریح کے خلاف ومعارض ہے، اور اصل اعتبار عرف وعادت کا ہے کہ عادۃً لوگ حالات ومحل کے مطابق تین دن میں جس قدر مسافت قطع کر سکتے ہیں وہی دراصل مسافتِ سفر ہے، اور یہ امر سراسر عرف اور عادت اور تجربہ پر موقوف ہے، بلکہ بہت سے فقہاءِ کرام رحمہم اللہ نے تو اس بات کی صراحت بھی فرمائی ہے کہ یہ ایک تقریبی تحدید ہے ، جسے لوگوں کے حالات اور راہِ سفر کے محلِ وقوع کو دیکھ کر متعین کیا جائے گا اور اشتباہ کے وقت

لوگوں کی طرف ہی مراجعت کی جائے گی کیونکہ وہ اس کی مقدار سے واقف ہیں۔

فی المبسوط للسرخسی:(ج ا ص ۲۳۶)

”ولامعنیٰ للتقدیر بالفراسخ فان ذالک یختلف باختلاف الطرق فی السهول والجبال والبحر والبر وانما التقدیر بالایام والمراحل وذالک معلوم عند الناس فیرجع الیهم عند الاشتباه فاذا قصد مسیرة ثلاثة ایام قصر الصلاة حین تخلف عمران المصر“

وفی البدائع :(ج ا ص ۹۴)

”فالحاصل ان التقدیر مسیرة ثلاثة ایام اوالمراحل فی السهل والجبل والبر والبحر ثم یعتبر فی کل ذالک السیر المعتاد فیه وذالک معلوم عند الناس فیرجع الیهم عند الاشتباه“

وفی فتح القدیر:(ج ۲ ص ۲۹)

قوله فیما یلیق بحاله وهوان ثلاثة فیه اذاکانت الریاح معتدلة وان کانت تلک المسافة بحیث تقطع فی البر بیوم کمافی الجبل یعتبر کونه من طریق الجبل بالسیرالوسط ثلاثة ایام ولو کانت تقطع من طریق السهل بیوم فالحاصل ان تعتبر المدة فی ای طریق اخذ فیه“

وفی الشامیة :(ج ۲ ص ۱۲۳)

قال فی النهایة ای التقدیر بثلاث مراحل قریب من التقدیربثلاثة ایام لان المعتاد من السیر فی کل یوم مرحلة واحدة خصوصا فی اقصر ایام السنة کذافی المبسوط اه،وکذامافی الفتح من انه قیل یقدرباحدوعشرین فرسخا وقیل بثمانیة عشرةفرسخا وقیل بخمسة عشر وکل من قدر منها اعتقد انه مسیرة ثلاثة ایام اه،ای بناء علی اختلاف البلدان فکل قائل قدر ما فی بلده من اقصر الایام او بناء علی اعتبار اقصر الایام او اطولهااو المعتدل منها وعلی کل فهو صریح بان المراد بالایام ماتقطع فیها المراحل المعتاد فافهم“

معلوم ہوا کہ مسافتِ سفر کی مقدار کا تعلق لوگوں کے عرف وعادت سے ہے نہ کہ کسی نص سے اسی لئے عندالاشتباہ لوگوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے، ہماری ان باتوں کی تائید بہت سے حضرات اکابر کرام رحمہم اللہ کے فتاویٰ سے بھی ہوتی ہے۔

(الف) مثلاً فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۲۷ میں ہے:

فرسخ اور میل کی تحدید

”سوال:......فرسخ اور میل کی تحدید معتبر کیا ہے؟ (از عزیز الدین صاحب مرادآبادی)

جواب:......فرسخ تین میل کا اور میل چار ہزار قدم کا لکھتے ہیں، مگر یہ سب تقریبی

امور ہیں، اصل میل اس مسافت کا نام ہے کہ نظر میل کرے، اور یہ بھی مختلف ہے وقت اور محل اور رائی کے اعتبار سے، واللہ تعالیٰ اعلم، رشید احمد عفی عنہ۔

(ب) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز فتاویٰ دارالعلوم مدلل فتویٰ نمبر ۲۳۲۰ میں قصر کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''لیکن جب کہ اعتبار کرنا فراسخ کا اصل مذہب کے خلاف ہے تو اب مدار منازل پر ہوگا اور یہ امر عرف اور عادت اور تجربہ پر موقوف ہے (الی قولہ) یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے حضرات اساتذہ نے روزانہ بارہ کوس کا سفر یعنی سولہ میل اختیار فرمایا ہے، کیونکہ روزانہ اگر چھ گھنٹہ سفر کے لئے مقرر کئے جاویں تو فی گھنٹہ دو کوس پیادہ آدمی متوسط چال سے طے کر لیتا ہے، اس اعتبار سے مسافتِ قصر ۴۸ میل یعنی ۳۶ کوس کو قرار دیا ہے''

(ج) نیز حضرات اکابر رحمہم اللہ کی طرف سے مسافتِ سفر کی تعیین کا مدار عرف پر ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ انہوں نے تین منازل کی مسافت کی تعیین میلوں میں کرنے میں اپنے اپنے اجتہاد سے کام لیا اسی لئے اس تعیین میں ان کے درمیان میلوں کا اختلاف بھی ہوا اور تقریباً حضرات اکابر رحمہم اللہ کے پانچ اقوال اس بارے میں پائے جاتے ہیں، تین اقوال تو پیچھے مذکور ہوئے چوتھا قول مولانا مہربان علی صاحب بڑوتوی نے اپنے رسالہ ''مراحل المسافر فی قول الاکابر'' میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز سے مسافتِ سفر چوبیس میل انگریزی نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو: رسالہ مذکورہ ص ۵۳)

اسی رسالہ میں قطبِ عالم حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز سے مسافتِ سفر پینتالیس میل انگریزی منقول ہے جبکہ بقول مولانا بڑوتوی حضرت مولانا مدنی قدس اللہ سرہ العزیز اپنے زمانہ میں مزید ایک میل یومیہ تخفیف کر کے بیالیس میل انگریزی کی ضرورت محسوس کرتے تھے (حوالا بالا)

مسافتِ سفر کے مبدأ و منتہاء کی تعیین کا مدار عرف پر ہے نہ کہ نص پر

(57)...... مندرجہ بالا تفصیل اور اس میں ذکر کردہ دلائل سے درجِ ذیل دو باتیں ثابت ہوئیں:
(۱) مسافتِ سفر کی تعیین کا مدار عرف پر ہے نہ کہ نص پر (۲) مبدأ و منتہاء سفر کی تعیین کے واسطے بھی کوئی نص کسی روایت حدیث میں نہیں ملتی اور نہ ہی کلامِ فقہاء میں کوئی ایسی نص ملتی ہے جس میں فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس کی تعیین فرمائی ہو۔
جب دلائلِ بالا سے یہ باتیں واضح ہوگئیں تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ مبدأ و منتہائے سفر کی تعیین وتحدید کے لئے مراجعت عرف کی طرف ہو اور عرف ہی ان کی تعیین کے واسطے فیصل بنے، کیونکہ جب مجموعہ اور کل کی تعیین عرف کرے گا تو جزء کی تعیین بھی عرف ہی کرے گا اس لئے کہ کل مجموعہ اجزاء ہی کا نام ہے اور اجزاء میں مبدأ و منتہاء بھی شامل ہیں، نیز اصولِ احکام کا مشہور و معروف اصول ہے کہ جس بات کی تعیین وتحدید نص میں موجود نہ ہو اور نہ ہی لغت اس کی فیصل بن سکتی ہو تو اس کی تعیین وتحدید کے لئے عرف کی طرف مراجعت کی جائے گی۔

قال العلامة علی بن عبدالکافی السبکی فی الابھاج:(ج ۱ ص ۳۶۵)

"واعلم ان من القواعد المشتھرة علی السنة الفقھاء ان مالیس له حد فی الشرع ولافی اللغة یرجع فیه الی العرف قال والذی فی شرح اعطی ولیس مخالفا لمایقوله الاصولیون من ان لفظ الشارع یحمل علی المعنی الشرعی ثم العرفی ثم اللغوی ،قال والجمع بین الکلامین ان مراد الاصولیین اذاتعارض معناہ فی العرف ومعناہ فی اللغة قدمنا العرف ومراد الفقھاء اذالم یعرف حدہ فی اللغة فانا نرجع فیه الی العرف الخ"

وفی فتاویٰ ابن تیمیة:(ج ۱۹ ص ۲۳۵)

"الاسماء التی علق الله بھا الاحکام فی الکتاب والسنة منھا مایعرف حدہ ومسماہ بالشرع فقد بینه اللهورسوله کاسم الصلاة والزکاة والصیام والحج والایمان والاسلام والکفر والنفاق ،ومنه مایعرد حدہ باللغة کالشمس والقمر والسماء والارض والبر والبحر ومنه مایرجع حدہ الی عادة الناس وعرفھم فیتنوع بحسب عادتھم کاسم البیع النکاح والقبض والدرھم والدینار ونحو ذالک من الاسماء التی لم یحدھا الشارع بحد ولالھا حد واحد یشترک فیه جمیع اھل اللغة بل یختلف قدرہ وصفته باختلاف عادات الناس فما کان من

www.idaraghufran.org

النوع الاول فقد بينه الله ورسوله وماكان من النوع الثاني والثالث فالصحابة والتابعون المخاطبون بالكتاب والسنة قدعرفوا المراد به لمعرفتهم بمسماه المحدود في اللغة اوالمطلق في عرف الناس وعادتهم من غير حدشرعي ولا لغوى“

اس لئے ان دو باتوں کی روشنی میں احقر یہ سمجھتا ہے کہ مبدأ مسافت ومنتہائے مسافتِ سفر کی تعیین کا تعلق عرف سے ہے، اور عرف میں جس مقام کو مسافتِ سفر کے واسطے مبدأ یا منتہاء سمجھا جاتا ہو وہی اس کا مبدأ ومنتہاء ہوگا، خصوصاً جبکہ مسافتِ سفر کی تعیین کا مدار خود عرف پر ہے تو اس کا مبدأ ومنتہاء کی تعیین کے لئے بھی عرف ہی فیصل ہونا چاہئے، یعنی عرف ہی اس بات کی بھی تعیین کرے کہ سفر کے واسطے نکلنے والا شخص جب بنیتِ سفر اپنے گھر سے نکل جائے تو لوگوں کے عرف وعادت میں اس کے سفر کا آغاز کس مقام سے سمجھا جاتا ہے؟ اور اس کے سفر کا نقطہ انتہاء کس مقام کو سمجھا جاتا ہے؟

(58)...... دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ مسافتِ سفر کی تعیین کا تعلق سراسر عرف سے ہے کہ عرفِ عام میں جس قدر قطعِ مسافت کو مسافتِ سفر کے بقدر سمجھا جاتا ہو اسی مسافت کا احکامِ سفر لاگو ہونے کے واسطے شرعاً کافی ومعتبر سمجھا جائے گا، اس لئے اس کی ابتداء وانتہاء کی تعیین بھی لوگوں کے عرف کے ذریعہ ہوگی، لہٰذا عرفِ عام میں لوگ جس مقام سے مسافر کے سفر کی ابتداء سمجھتے ہیں وہی جگہ مبدأ مسافتِ سفر ہونا چاہئے اور جس مقام کو اس کی انتہاء سمجھتے ہیں وہ مقام منتہائے مسافتِ سفر شمار ہونا چاہئے، اگر عرف میں مبدأ ومنتہاء سفر بالترتیب منزلِ مسافر اور منزلِ مقصد ہو تو منزلِ مسافر سے منزلِ مقصد تک کی مجموعی مسافت شرعاً بھی مسافتِ سفر ہوگی، لیکن اگر عرفِ عام میں مبدأ ومنتہاء سفر ابنیۃ بلد کے آخری بنا کو سمجھا جاتا ہو تو اس صورت میں جس شہر سے مسافر سفر کا آغاز کرے گا اس کی آخری عمارت مبدأ مسافتِ سفر اور جو شہر منزلِ مقصد ہے اس کی آخری عمارت منتہاء مسافتِ سفر شمار ہوگی، اسی طرح اگر عرفِ عام میں بنیتِ سفر بس اڈے، اسٹیشن اور ائر پورٹ سے خروج یا ان میں داخل ہو جانے کو بالترتیب سفر کا آغاز واختتام سمجھا جاتا ہو تو یہی مقامات کو

شرعاً بھی مبدأ ومنتہاء مسافتِ سفر قرار دیئے جائیں گے۔

(59)......لیکن خیال رہے کہ یہ ضروری نہیں کی مدتِ مسافت کی تعیین میں پوری دنیا میں یکساں عرف ہو اور تمام خطوں کے واسطے مسافتِ سفر ایک ہو، بلکہ جس خطہ میں جو عرف ہوگا اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، حتیٰ کہ عرفِ حادث کی صورت میں عرفِ قدیم پر مبنی حکم بھی بدل جائے گا، اور شرعاً اس میں کوئی قباحت بھی نہیں، آج دنیا کے ہر خطہ میں مسافتِ سفر یکساں نہیں ہے، ہمارے اکابر رحمہم اللہ کا ہندوستان کے لوگوں کے حالات اور راستوں کے محلِ وقوع کے مطابق یہاں کیلئے اڑتالیس میل انگریزی کے ذریعہ مسافتِ سفر کی تحدید بھی اس کی واضح مثال ہے۔

نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ مبدأ ومنتہائے سفر کے واسطے پوری دنیا کا عرف یکساں ہو اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ ہر قسم کے مسافر کے واسطے مبدأ ومنتہائے سفر کی تعیین میں یکساں عرف ہو، اس لئے یہاں بھی جس قسم کے مسافر کے واسطے جو عرف ہوگا اسی کے مطابق اس کے مبدأ ومنتہاء کی تعیین کی جائے گی۔

چنانچہ عین ممکن ہے کہ قریہ یا چھوٹی بستی سے سفر کرنے والوں کے لئے عرفِ عام میں جو مبدأ سمجھا جاتا ہو وہ قصبہ یا چھوٹے شہر سے سفر کرنے والے کے مبدأ سفر سے مختلف ہو، اسی طرح چھوٹے شہر سے سفر کرنے والے کے واسطے جو مبدأ سمجھا جاتا ہو وہ بڑے شہر سے سفر کرنے والے کے واسطے جو مبدأ سمجھا جاتا ہے اس سے مختلف ہو، علیٰ ہذا القیاس جو لوگ ہمیشہ جنگل میں ڈیروں خیموں میں رہتے ہیں اور وہی خیمہ بستی ان کی رہائش گاہ ہے اور وہاں اپنے کھانے پینے اور جانوروں کو کھلانے پلانے کا پورا انتظام رکھتے ہیں، وہ جب اپنی قیام گاہ سے ایسے مقام پر چلے جانے کی نیت سے کوچ کریں گے جو وہاں سے مسافتِ سفر پر ہو تو وہ مسافر ہو جائیں گے اور ان کا مبدأ مسافتِ سفر ان کا وہی قیام گاہ ہوگا جہاں سے چلے ہیں، اسی طرح بنگال وغیرہ میں بعض لوگ آبادی وبستی سے کافی دور کسی کھیت میں یا آبادی سے دور سڑک کے کنارے

پر اکیلے اپنے لئے مستقل رہائش گاہ بنا لیتے ہیں جہاں انہی کا صرف ایک گھر ہوتا ہے، اس کے علاوہ نہ کوئی دوسرا مکان ہوتا ہے اور نہ ہی چاروں طرف دور دور تک کوئی آبادی وبستی ہوتی اور اپنے بال بچوں سمیت ہمیشہ ہمیشہ وہی رہتے ہیں وہاں ہمیشہ رہنے اور اپنے جانور وغیرہ کو پالنے کے لئے ضروری ساز وسامان کا وہ انتظام بھی کرتے ہیں ظاہر ہے وہ جب وہاں سے کسی مقام کی طرف سفر کریں گے تو ان کا مبدأ سفر ان کا مکان ہی ہوگا جس سے وہ بنیتِ سفر چلے ہیں، نیز جو لوگ کسی شہر یا بستی کے آخری عمارت پر رہتے ہیں وہ جب شہر سے باہر کی طرف مسافت طے کرنے کی نیت سے چلیں گے تو ظاہر سے ان کا مبدأ سفر ان کا گھر ہی ہوگا جہاں سے وہ چلے ہیں کیونکہ عرف عام میں ان کے سفر کا مبدأ یہی سمجھا جاتا ہے معلوم ہوا کہ مبدأ ومنتہاء کی تعیین کے سلسلے میں بھی ہر قسم کے مسافر کے واسطے یکساں عرف ہونا ضروری نہیں، بلکہ جس کے واسطے جو عرف ہوگا اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا، تاہم عام طور پر آدمی جب مدتِ مسافتِ معتبرہ طے کرنے کی نیت سے اپنے گھر سے روانہ ہو جاتا ہے اور پھر اس سواری پر سوار ہو جاتا ہے جس کے ذریعے منزلِ مقصد کی طرف اس کا قطعِ مسافت شروع ہو جائے یا پیدل سفر کرنے والا پا پیادہ منزلِ مقصد کی طرف بنیتِ سفر قطعِ مسافت شروع کر دے تو عرف میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی نے سفر آغاز کر دیا اور قطعِ مسافت شروع کر دیا ہے نیز سفر کرنے والا بھی یہی سمجھتا ہے کہ میرا سفر شروع ہو گیا اس لئے وہ سفر کی دعائیں وغیرہ اسی وقت پڑھ لیتا ہے، نہ وہ خود اس بات کا انتظار کرتا ہے کہ جب میں خروجِ بلد کرونگا تو دعائیں پڑھوں گا نہ عرفِ عام میں لوگ اس کے اس قطعِ مسافت پر سفر کا حکم لگانے کے لئے اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ وہ خروجِ بلد کر لے،

(60)...... اس لئے اس کا تقاضا یہ ہے مبدأ ومنتہاء مسافتِ سفر بھی بالترتیب منزلِ مسافر اور منزلِ مقصد کا وہی نقطہ ہونا چاہئے جسے عرف عام میں نقطہ آغاز اور نقطہ اختتام سمجھا جاتا ہو، اس کے برخلاف احکامِ سفر لاگو ہونے کا تعلق چونکہ مسافر کے بنیتِ مسافر سفرِ خروج عن عمران

www.idaraghufran.org

البلد ہے اس لئے احکامِ سفر خروجِ بلد کے بعد لاگو ہونگے۔

احقر اس سمجھ کی تائید درج ذیل باتوں سے بھی ہورہی ہے:

(61)...... (الف) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسفار اور احکامِ سفر پران حضرات کے تعامل کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ خیرالقرون میں بھی مسافتِ سفر کا آغاز اسی وقت سمجھا جاتا تھا جب بنیتِ سفر آدمی سواری پرسوار ہوجاتا تھا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جب سفر پر روانہ ہوتے تو قصر وغیرہ احکام پر تو اس وقت تک عمل شروع نہیں فرماتے جب تک خروج من عمران البلد نہیں کرلیتے، لیکن سفر کی دعائیں وغیرہ بنیتِ سفر سواری پر سوار ہوتے وقت ہی پڑھ لیتے تھے، حدیث میں آتا ہے کہ جب آنحضرت علیہ السلام سفر کے لئے روانہ ہوتے اور سواری پر اچھی طرح بیٹھ جاتے تو اولاً تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے پھر ”سبحن الذی سخرلناھذاالخ“ پڑھتے اور شرعاً بھی یہی مستحب ہے کہ آدمی جب اپنے سفر کا آغاز کرے تو اسی وقت سفر کی دعا پڑھے یعنی پیدل سفر کرنے والا جب بنیتِ سفر چلنے لگے اور بذریعہ سواری سفر کرنے والا جب سواری پر بیٹھنے لگے اس وقت پڑھے۔

فی مجمع الزوائد:(ج۲ص۱۵۶)

”الوقت الذی یدعوافیہ“عن ابی ھریرۃ قال قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذاسافر فرکب راحلتہ قال باصبعہ ومد شعبۃ باصبعہ قال اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم ازولناالارض وھون علینا السفر اللھم انی اعوذبک من وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب الخ“

وفی الصحیح لمسلم:(ج۲ص۴۷۸)

حدثنی ھارون بن عبداللہ حدثنا حجاج بن محمد قال قال بن جریج اخبرنی ابو الزبیران علیا الازدی اخبرہ ان بن عمر علمھم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا استوی علی بعیرہ خارجا الی سفر کبر ثلاثا ثم قال سبحان الذی سخرلنا ھذا وماکنالہ مقرنین واناالیٰ ربنا لمنقلبون اللھم انا نسالک فی سفرنا ھذا البر والتقویٰ ومن العمل ماترضی الھم ھون علینا سفرنا ھذا بعدہ اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم انی اعوذبک من وعثاء السفر وکآبۃ المنظروسوء المنقلب فی المال والاھل واذارجع قالھن وزاد فیھن

www.idaraghufran.org

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون"

وفی الفواکه الدوانی للنفراوی :(ج۲ص ۳۳۶)

یستحب للمسافر ای مرید السفر ان یقول عندرکوبه ای عند وضع رجله فی الرکاب بسم الله اللهم انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاهل الخ(الی قوله)ویستحب لمن تلبس بالسفران یقول عند مشیه ان کان ماشیا ویقول الراکب اذا استوی علی الدابة سبحان الذی سخرلنا هذا وماکناله مقرنین ای مطیقین وان کان راکبا السفینةیقول بسم الله مجرها ومرسها ان ربی لغفوررحیم واناالیٰ ربنا لمنقلبون ای راجعون "

وفی المغنی :(۲ص ۵۰)

قدروی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه کان یبتدئ القصر اذاخرج من المدینة قال انس صلیت مع النبی صلی الله علیه وسلم الظهر بالمدینة اربعا وبذی الحلیفة رکعتین متفق علیه"

یہاں یہ بات قابلِ توجہ بات ہے کہ ہم اس مقام پر یہ تاویل کر سکتے تھے چونکہ سفر کے ارادہ اورنیت سے گھر سے نکل رہے ہیں اس لئے دعائیں بھی اسی وقت پڑھ لی ہیں لیکن یہاں خصوصیت کے ساتھ یہ ذکر کرنا کہ خاص سواری پر بیٹھ کر یارکاب پر قدم رکھ کر عین قطعِ مسافت کے آغاز میں دعائیں پڑھتے تھے(ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا استویٰ علی بعیره خارجا الی سفر کبر ثلاثا ثم قال سبحن الذی سخرلناالخ)

(62)......اس تاویل کے واسطے عارض ہے،اس لئے جس طرح "کان یبتدئ القصراذاخرج من المدینة " کی ترکیب خروجِ بلد کے بعد قصر ثابت کرتی ہے اسی طرح "کان اذااستویٰ علی بعیره خارجا الی سفر کبرالخ " کی ترکیب سے بنیتِ سفرسواری پر سوار ہونے کے وقت سے مسافتِ سفر کا آغاز ہونا چاہئے۔

(ب)احادیث میں یا کلامِ فقہاء میں احکامِ سفر بیان کرتے وقت خروجِ بلد کی قید کا خاص اہتمام روایتوں میں بھی نظر آتا ہےاور کلامِ فقہاء میں بھی

(63)......لیکن مسافتِ سفر کے بیان میں نہ روایتوں میں یہ قید ملتی ہے نہ کلامِ فقہاء میں بلکہ یہاں مطلقا "مسیرة ثلاثة ایام" وغیرہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں مثلاً راویت میں مسافتِ سفر کے بیان میں "عن ابن عمر رضی اللهعنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال

لاتسافر المرأة ثلاثة ایام الا مع ذی محرم‘‘ یا’’لاتسافر امرأة مسیرة ثلاثة ایام الا مع ذی رحم‘‘اوراحکامِ سفر کے بیان میں’’وعن ابی هریرة قال سافرت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم ومع ابی بکرو عمر کلهم صلی من حین یخرج من المدینة الی ان یرجع الیها رکعتین فی المسیر والمقام بمکة‘‘وغیرہ کے الفاظ ہیں۔

(64)...... نیز کلامِ فقہاء میں بھی اسی طرح ہے،جیسا کہ بدائع ومبسوط وغیرہ کے حوالے سے متعدد عبارات پیچھے گذر چکی ہیں مثلاً’’وانما التقدیر بالایام والمراحل وذالک معلوم عند الناس فیرجع الیهم عندالاشتباه فاذاقصد مسیرة ثلاثة ایام قصر الصلاة حین تخلف عمران المصر‘‘یا’’فالحاصل ان التقدیر مسیرة ثلاثة ایام اوالمراحل فی السهل والجبل والبر والبحر ثم یعتبر فی کل ذالک السیر المعتاد فیه وذالک معلوم عند الناس فیرجع الیهم عند الاشتباه‘‘وغیرہ۔

چونکہ احکامِ سفر اور مسافتِ سفر دوا لگ الگ حقیقتیں ہیں اس لئے اس حکمِ مطلق کو اس قید کے ساتھ مقید کرنے کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت ہے،احکامِ سفر پر قیاس کر کے مسافتِ سفر کو اس قید سے مقید کرنے میں ہمیں اس لئے تردد ہے کہ عرفِ عام اس قیاس کے معارض ہے

(65)...... کیونکہ عرف عام میں جب آدمی اپنے سفر کی مدت کا حساب لگاتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے گھر سے پا پیادہ یا اپنی ذاتی سواری سے سفر کرنے والا اس کا حساب اپنے گھر سے لگاتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ میں نے اتنے بجے سفر کا آغاز کیا تھا،

(66)...... یا اپنی سواری پر نصب میٹر وغیرہ دیکھ کر یہ کہتا ہے کہ میرا سفر اتنے کلومیٹر پر مشتمل رہا اس میں حساب خروجِ بلد کے بعد سے نہیں لگاتا ہے بلکہ اپنے گھر سے چلنے کا لگاتا ہے اور اس پوری مسافت ہی کو اپنے سفر کی مسافت سمجھتا ہے۔

(67)...... اور کسی اسٹیشن یا ہوائی اڈہ سے سفر کرنے والا عام طور پر اسٹیشن یا ہوائی اڈہ سے حساب لگاتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ میں نے اپنے سفر کا آغاز فلاں وقت کیا تھا یا لوگ یوں کہتے ہیں کہ کراچی سے لاہور تک اتنے گھنٹے کا سفر ہے اس میں لوگوں کے عرف میں اسٹیشن

سے اسٹیشن تک یا ہوائی اڈہ سے ہوائی اڈہ تک کا حساب ملحوظ ہوتا ہے، اس حساب میں کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ نہیں ہوتا کہ خروجِ بلد سے دخولِ بلد تک اتنے گھنٹے کا سفر ہے اور چونکہ مسافتِ سفر کا تعین کا مدار عرف پر ہے اس لئے جس قسم کے مسافر کے لئے جو عرف ہو اسی کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے۔

نیز عرفِ عام میں جب آدمی ایام کے اعتبار سے اپنے سفر کی مدت کو شمار کرتا ہے جو مدتِ سفر میں اصل ہے تو اس کی گنتی میں قطعِ مسافت کے آغاز سے منزلِ مقصد تک صرف ہونے والے پورے وقت کا حساب لگاتا ہے جس میں سفر کے اس حصہ میں صرف ہونے والے وقت کو بھی اس گنتی میں شامل کرتا ہے جو خروجِ بلد تک کے سفر میں استعمال ہوا ہے، اس لئے یہ بات بھی اس کی مؤید ہے کہ عرفِ عام میں مسافتِ سفر کا آغاز قطعِ مسافت کے آغاز سے سمجھا جاتا ہے۔

(68)...... (ج) فقہائے کرام رحمہم اللہ نے مسافتِ سفر بیان کرتے ہوئے عموماً ''بینہ وبین المقصد'' یا ''بینہ وبین ذالک الموضع'' یا ''خروج عن محل الاقامة بقصد مسيرة ثلاثة ايام بسير وسط من ذالک المحل'' یا ''بينہ وبينہ'' وغیرہ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں اس سے بھی بطور اشارۃ النص ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ احکامِ سفر تو خروجِ بلد کے بعد لاگو ہونگے لیکن مبدأ مسافتِ سفر مسافر کا مستقر ومکان ہے کیونکہ کتبِ فقہ میں اگرچہ ''بینہ وبینہ'' کی ضمیروں کو بالترتیب ''مسافر کے گھر ومنزلِ مقصد'' اور بلدِ مسافر وبلدِ مقصدِ مسافر'' دونوں کی طرف لوٹانے کا احتمال موجود ہے، اور کلامِ فقہاء میں دونوں کو مرجع قرار بھی دیا گیا، لیکن بعض خارجی دلائل سے اول احتمال کو ترجیح حاصل ہونے کی تائید ہوتی ہے،

(69)...... مثلاً احناف کے ہاں مسافتِ سفر کی ''تحديد بثلاثة ايام'' میں جو بنیادی دلائل ہیں ان میں سب سے اہم دلیل وہ حدیث ہے جس میں عورت کے واسطے بغیر محرم سفر کی ممانعت کی گئی ہے، اس حدیث کی تشریح میں عام طور پر شراحِ حدیث اور فقہائے کرام رحمہم

www.idaraghufran.org

اللہ نے عورت کے واسطے بغیر محرم سفر کی ممانعت کی اس مسافت کو بیان کرتے وقت اس میں ضمیر کو عورت کے موضع سکونت یا بلدِ اقامت کی طرف لوٹانے کی بجائے خصوصیت کے ساتھ عورت ہی کی طرف متعین طور پر لوٹائی، جس سے مبدأ مسافتِ سفر منزلِ مسافر ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

في شرح المعاني الآثار:(ج۲ص۱۱۳)

”وفي ثبوت ماذكرنا دليل على ان المرأة ليس لها ان تحج اذاكان بينها وبين الحج مسيرة ثلاثة ايام الا مع محرم“

وفي المبسوط للسرخسي:(ج۴ص۱۱۲)

”حتى لو كانت لاتحتاج الى سفر بان كان بينها وبين مكة دون مسيرة ثلاثة ايام فليس للزوج ان يمنعها وان لم تجد محرما لان اشتراط المحرم للسفر لالمادونه“

وفي الهداية للمرغيناني :(ج۱ص۱۳۵)

”قال ويعتبر في المرأة ان يكون لهامحرم تحج به اوزوجاولايجوز لها ان تحج بغيرهما اذاكان بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة ايام وقال الشافعي رحمه الله يجوز لهاالحج اذاخرجت في رفقة ومعها نساء ثقات لحصول الامن بالمرافقة ولنا قوله عليه الصلاة والسلام لاتحجن امرأة الا ومعها محرم ولانهابدون المحرم يخاف عليها الفتنة وتزدادبانضمام غيرهااليهاولهٰذا تحرم الخلوة بالاجنبية وان كان معهاغيرها بخلاف ماإذاكان بينهاوبين مكة اقل من ثلاثة ايام لانه يباح لهاالخروج الى مادون السفر بغيرمحرم“

وفي فتح القدير:(ج۲ص۴۲۲)

”وقد روى عن ابى حنيفة وابى يوسف كراهة الخروج لهامسيرة يوم بلامحرم ثم اذاكان المذهب اباحة خروجها مادون الثلاثة بغيرمحرم فليس للزوج منعهااذاكان بينهاوبين مكة اقل من ثلاثة ايام اذالم تجد محرما“

مذکورہ بالاعبارات اس بات پر صریح ہیں کہ مبدأ مسافتِ سفر میں عورت کے مکان و مستقر کا اعتبار ہے لہٰذا اس سے دلالۃ النص کے طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسافتِ سفر کے حساب میں اصل اعتبار قاصد و مسافر کے قطعِ مسافت کا ہے لہٰذا اس کا مبدأ بھی وہی ہوگا جہاں سے مسافر نے قطعِ مسافت شروع کیا ہے، لیکن خیال رہے کہ ہم پہلے ہی یہ عرض کر چکے ہیں کہ مسافت کی تحدید میں فیتے یا انچی ٹیپ لے کر ناپنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ ایک تقریبی

تحدید ہے جس کا مدار سراسر عرف پر ہے، اس لئے مبدأ مسافت کی تحدید میں بھی اسی بات کو ملحوظ رکھا جائے گا اور ہر ہر مسافر کے مکان ومستقر سے فیتے لے کرناپنے کی ضرورت نہیں،

(70)...... بلکہ چھوٹی چھوٹی بستی وگاؤں اور چھوٹے چھوٹے شہر عرفاً پوری بستی اور پورا شہر ہی آدمی کا مستقر وجائے رہائش ہے اس لئے اس صورت میں عرف میں جن دو بستیوں اور شہر کے فاصلے کو بقدرِ مسافتِ سفر سمجھا جاتا ہو ان میں بنیتِ سفر قطعِ مسافت کرنے والے کا مبدأ مسافتِ سفر پوری بستی اور پورا شہر ہے خواہ بستی وشہر کے کسی بھی مکان یا کسی بھی رہائش گاہ سے سفر کرے۔

(71)...... اور بڑے بڑے شہروں جو سینکڑوں محلوں پر مشتمل ہیں وہاں ہر محلے میں رہنے والا اپنے آپ کو اس محلے کا رہائشی سمجھتا ہے اور دوسرے محلے والے بھی اسے اسی خاص محلے کے رہائش پذیر سمجھتے ہیں اس لئے جب کوئی شخص ان شہروں سے نکل کر کسی دوسرے شہر یا بستی کا ارادہ کرے گا تو عرفِ عام میں ایسے شہروں سے بنیتِ سفر چلنے والے کے لئے جس مقام سے یہ سمجھا جاتا ہو کہ اس نے اپنے سفر کا آغاز کر دیا وہی اس کا مبدأ سفر شمار ہوگا اور منزلِ مقصد کے جس نقطہ پر پہنچنے پر یہ سمجھا جائے گا کہ وہ منزلِ مقصد میں پہنچ گیا وہی اس کا منتہائے سفر ہوگا خواہ ابھی تک اس مکان یا رہائش گاہ پر نہ پہنچا ہو جس میں اس نے جانا ہے۔

(72)...... اس تفصیل کو مدنظر رکھ کر اگر غور کیا جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ شرح منیۃ وغیرہ کتبِ فقہ میں مسافتِ سفر کا ذکر کرتے ہوئے جو مطلقاً "بینہ وبین ذالک الموضع" کہا گیا ہے اس کی ضمیر کے مرجع کی تعیین میں زیادہ تکلف کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ ضمیر خواہ مسافر کی طرف لوٹائی جائے اور یوں کہا جائے "بین القاصد والمقصود" یا ضمیر کو موضع کی طرف لوٹائی جائے اور یوں کہا جائے "بین الموضع الذی انشامنہ السفر وبین المقصود" دونوں صورتوں میں مطلب ومراد یہی ہوگا کہ مسافتِ سفر کا انشاء وآغاز مسافر ومریدِ سفر کے مستقر وجائے رہائش سے ہو چکا ہے۔

Idara Ghufran

(73)...... اس سلسلے میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مدلل مکمل کا فتویٰ نمبر (۲۲۹۰) بھی قابلِ ملاحظہ ہے جو درج ذیل ہے:

''سوال:...... زید ملازم سرکاری ہے اس کے رہنے کا مقام الف ہے مگر اس کو کبھی تو صرف اطراف میں یعنی ۴۸ میل کے اندر اور کبھی پچاس، ساٹھ، اسی میل تک دورہ کرنا پڑتا ہے اور دورہ میں چھ روز یا آٹھ روز یا دس روز گزر جاتے ہیں، رہنے کے مقام کو واپس نہیں آتا، اس صورت میں قصر کرے یا نہ؟

الجواب:...... اگر گھر سے نکلنے کے وقت اس نے ارادہ کیا تھا کہ اس دورہ میں منتہائے سفر فلاں مقام ہے کہ جو اڑتالیس میل یا زیادہ جائے رہائش سے ہے تو قصر لازم ہے ورنہ نہیں۔

(74)...... (د) عورتوں کے لئے مسافتِ سفر یا اس سے زیادہ مسافت قطع کرنے کی صورت میں معیتِ محرم کی جو شرط ہے، اس میں عرفِ عام میں گھر ہی سے خروج کے وقت محرم کا ساتھ ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے (خواہ پا پیادہ تین ایام کے سفر کے لئے نکلے یا مدتِ مسافت کے بقدر سفر کے لئے نکلے) ہمارے علم میں ایسی کوئی تفریق عرفِ عام میں نہیں ہے جس میں یہ سمجھا جاتا ہو کہ عورت کے واسطے اس صورت میں گھر سے بغیر محرم کے نکل جانے اور خروجِ بلد کے بعد محرم ساتھ مل جانے کو کافی سمجھا جاتا ہو (بلکہ عرف میں بعض اوقات اس کا الٹ دیکھا گیا کہ جو لوگ کسی مجبوری یا ضرورت کی بناء پر شریعت کے اس حکم پر عمل سے قاصر ہو جاتے ہیں وہ ''مالا یدرک کله لایترک کله '' کے طور پر عموماً مسافرہ کے ساتھ بستی سے باہر تک یا اسٹیشن و ہوائی اڈے تک جاتے ہیں) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرفِ عام میں ''مبدأ مسافت'' منزلِ مسافر ہی کو سمجھا جاتا ہے (خیال رہے کہ یہاں ہم حکمِ شرعی سے بحث نہیں کر رہے ہیں کہ اس صورت میں خروجِ بلد سے پہلے عورت کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے یا نہیں، یہاں ہمارا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ عرفِ عام میں سفر کا آغاز کہاں سے سمجھا جاتا ہے)

وفی البدائع الصنائع: (ج ۱ ص ۹۲)

"وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایحل لامرأۃ تؤمن باللّٰہ والیوم الآخر ان تسافر ثلاثۃ ایام الا مع محرم او زوج فلولم تکن المدۃ مقدرۃ باالثلاث لم یکن لتخصیص الثلاث معنی"

وقال العلامۃ البھوتی الحنبلی فی کشاف القناع: (ج ۲ ص ۵۹۴)

"وعن ابی ھریرۃ مرفوعا لایحل لامرأۃ تؤمن باللّٰہ والیوم الآخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ لیس معھا محرم رواہ البخاری ولمسلم ذومحرم منھا ولہ ایضاثلاثا وھذا مخصص لظاھر الآیۃولانھا انشات سفرافی دارالسلام فلم یجز بغیرمحرم کحج التطوع والزیارۃ والتجارۃ وکذایعتبرالمحرم لکل سفر تحتاج فیہ محرم ای لکل مایعد سفرا عرفا ولایعتبر المحرم اذاخرجت فی اطراف البلد مع عدم الخوف علیھا لانہ لیس بسفر"

(75)...... (ہ) روایتِ حدیث یا کلامِ فقہاء میں احکامِ سفر کے واسطے خروجِ بلد کی شرط بیان کرنے کے لئے عام طور پر جوانداز اختیار کیا گیا یا جن الفاظ سے عام طور پر سے بیان کیا گیا وہ بھی بظاہر اسی بات کے مشعر ہیں کہ خروجِ بلد کی شرط صرف احکامِ سفر لاگو ہونے کے واسطے ہے، مسافتِ سفر وجود میں آنے کے لئے نہیں، کیونکہ مسافتِ سفر کے وجود کا تعلق قطعِ مسافت سے ہے نہ کہ خروجِ بلد سے، مثلاً پیچھے یہ عبارت کئی کتابوں کے حوالے سے گذری ہے"قال ابن المنذر اجمع کل من نحفظ عنہ من اھل العلم ان الذی یرید السفر ان یقصر الصلاۃ اذاخرج من بیوت القریۃ التی یخرج منھا" یہاں اس عبارت کا سادہ سا مفہوم بیان کریں تو وہ یوں ہے کہ اہلِ علم کا اس پر اجماع ہے کہ مریدِ سفر قصرِ صلاۃ اس وقت کرے گا جب وہ اس قریۃ کے بیوت وابنیۃ سے خروج کرلے گا جس سے وہ نکل رہا ہے، یا یہ عبارت کہ"اذافارق المسافر بیوت المصر صلی رکعتین عند الائمۃ الاربعۃ" یعنی مسافر جب بیوتِ مصر سے مفارقت کرلے گا تو قصرِ صلاۃ کرے گا وغیرہ وغیرہ خصوصاً یہاں مفارقت سے پہلے ہی"المسافر" کہہ کر ملقب کرنا اس بات کا مشعر ہے کہ آدمی جس وقت بنیتِ مدتِ سفر اپنے سفر کا آغاز کرتا ہے اسی وقت سے اس کی مسافتِ سفر شروع ہوجاتی ہے۔

(76)...... بعض اہلِ فتاویٰ حضرات اکابر رحمہم اللہ کے فتاویٰ سے بھی اس بات کو تقویت ملتی ہے مثلاً کفایت المفتی ج۳ص۳۳۲ میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ

صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے مندرجہ ذیل فتویٰ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ احکامِ سفر لاگو ہونے کے واسطے تو خروجِ بلد شرط ہے لیکن مسافتِ سفر کا حساب جائے قیام سے ہے اس کا تعلق خروجِ بلد سے نہیں ہے (ملاحظہ ہو فتویٰ نمبر ۵۶۵ میں درج شدہ سوال وجواب)

''سوال:......ایک شخص ملازم پیشہ ہے اور مکان سے اس کی ملازمت فاصلہ پر ہے اور ہیڈ کوارٹر میں جہاں قیام ہے رہنا پڑتا ہے اور وہیں سے دورہ کرنا ہوتا ہے اس صورت میں قصر کہاں سے شمار ہوگا اور دورہ کے سفر میں کہیں مسافتِ بعیدہ ہو جاتی ہے اور کہیں کم، ایسی صورت میں سفر کے متعلق کیا حکم ہے؟

(۵۶۵) جواب:......جب ۳۶ میل یا اس سے زیادہ مسافت کا سفر شروع کرے تو اپنی بستی سے باہر نکلتے ہی قصر پڑھنا چاہئے، ہیڈ کواٹر جہاں قیام رہتا ہے وہاں سے مسافتِ سفر کا اعتبار ہوگا وہاں سے ۳۶ میل کا ارادہ کرکے چلنے پر مسافر ہو جائے گا''

نیز بعض دوسرے اکابر رحمہم اللہ کی تحریرات سے بھی ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آدمی جس وقت بنیتِ مدتِ سفر قطعِ مسافت شروع کر دیتا ہے اسی وقت سے اس کی مسافتِ سفر شروع ہو کر باعتبار مسافتِ سفر یا (یوں کہئے کہ) شریعت کے قاعدے کی رو سے وہ مسافر بن جاتا ہے گو خروجِ بلد سے پہلے احکامِ سفر کے اعتبار سے مسافر نہ ہونے کی وجہ سے ابھی وہ شریعت کے احکام کے حق میں مسافر نہیں اور قصر وغیرہ احکامِ سفر اس پر لاگو نہیں ہونگے۔

(77)...... مثلاً بہشتی زیور میں مسافتِ سفر اور قصرِ صلاۃ کے بیان کے لئے جو انداز اختیار کیا گیا وہ بھی اسی بات کی تائید کرتا ہے جیسا کہ مسئلہ نمبر ۲ میں ہے ''جو کوئی تین منزل کا قصد کرکے نکلے وہ شریعت کے قاعدے سے مسافر ہے، جب اپنے شہر کی آبادی سے باہر ہو گئی تو شریعت سے مسافر بن گئی اور جب تک آبادی کے اندر اندر چلتی رہے تب تک مسافر نہیں ہے الخ'' یہاں تین منزل کا قصد کرکے نکلنے والے کا حکم بیان کرنے کے

لئے ”شریعت کے قاعدے سے مسافر ہے“ کا جملہ الگ سے مستقلاً ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد مسافتِ سفر کے اعتبار سے مسافر ہے اور پھر آگے شہر کی آبادی سے باہر ہو جانے پر یہ حکم لگانا کہ ”شریعت سے مسافر بن گئی“ اس سے مراد احکامِ شریعت کے اعتبار سے مسافر بن گئی ہونا ہی زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے، جس کی تائید آگے مسئلہ نمبر ۵ سے ہو رہی ہے کیونکہ وہاں یہ فرمایا کہ ”جو کوئی شریعت سے مسافر ہو وہ ظہر اور عصر اور عشاء کی فرض نماز دو دو رکعتیں پڑھے“ یہاں ”جو کوئی شریعت سے مسافر ہو“ کہنا اور ”شریعت کے قاعدے سے مسافر ہو“ نہ کہنا ہماری اسی سمجھ کی تائید ہے کہ اول الذکر میں مسافتِ سفر کے اعتبار سے مسافر ہونے کا ذکر ہے اور وہ خروجِ بلد سے مقید نہیں بلکہ تین منزل کے سفر کی نیت سے نکلتے ہی شرعی قاعدہ سے مسافر ہے جبکہ قصر کے لئے شریعت سے مسافر ہونا شرط ہے اور وہ خروجِ بلد کے ساتھ مشروط ہے۔

(78)...... (و) مسافر کا اصل مقصد ایک مخصوص مقام سے قطعِ مسافت کر کے ایک اور مخصوص مقام تک پہنچنا ہے، لیکن اسے انحرافِ طریق کی وجہ سے دائیں بائیں مڑنا بھی پڑتا ہے اور اس مڑنے کی وجہ سے اس کی مسافتِ سفر کم زیادہ بھی ہوتی رہتی ہے، اگر انحرافِ طریق کی وجہ سے دونوں مقامات کے مابین مسافتِ سفر متحقق ہو جائے تو اس راستے سے سفر کرنے والا شرعاً مسافر بن جائے گا اور خروجِ بلد کے بعد اس پر احکامِ سفر لاگو ہو جائیں گے، اگرچہ خطِ مستقیم کے اعتبار سے دونوں مقام کا فاصلہ و بعد مسافتِ سفر کے بقدر نہ ہو، اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی مقام تک پہنچنے کے دو متعین راستے ہوں ایک راستہ مسافتِ سفر سے کم مسافت پر ہو اور دوسرا راستہ مسافتِ سفر کے برابر یا اس سے زائد مسافت پر مشتمل ہو تو اول الذکر راستہ کو اختیار کرنے والا شرعاً مسافر نہیں ہوگا اور اس پر احکامِ سفر لاگو نہیں ہونگے، جبکہ ثانی الذکر راستہ اختیار کرنے والا شرعاً مسافر ہو جائے گا اور خروجِ بلد کے بعد اس پر احکامِ سفر لاگو ہو جائیں گے، جیسا کہ قاضی خان

وغیرہ کتبِ احناف میں ہے ’’الرجل اذاقصدبلدۃ والی مقصدہ طریقان احدھما مسیرۃ ثلاثۃ ایام ولیالیھا والآخر دونھا فسلک الطریق الابعد کان مسافرا عندنا وان سلک الاقصریتم ‘‘معلوم ہوا کہ مسافتِ سفر کا متحقق ہونا یا نہ ہونا قطعِ مسافت کرنے والے کے قطعِ مسافت پر مبنی ہے یعنی اس کے اختیار کردہ راستے کے اعتبار سے ہے، لہٰذا مبدأ ومنتہائے مسافتِ سفر بھی اس کے قطع مسافت ہی کے آغاز وانتہاء پر مبنی ہونا چاہیئے۔

(79)...... امام مالک رحمہ اللہ کا مندرجہ ذیل فتویٰ بھی اس قاعدہ کا مؤید ہے:

قال فی المدونۃالکبریٰ :(ج ا ص ۱۱۹)

’’فاذااراد الرجعۃ الی بلدہ قصرالصلاۃ ان کان بینہ وبین بلدہ اربعۃ برد فصاعدا قال وسالت ابن القاسم عن السعاۃ ھل یقصرون الصلاۃ فقال لاادری ماالسعاۃ ولکن قال مالک فی الرجل یدور فی القریٰ ولیس بین منزلہ وبین اقصاھا اربعۃ برد وفیما یدورمن دورہ اربعۃ برد واکثرقال اذاکان فیما یدورفیہ مایکون اربعۃ برد قصرالصلاۃ وکذالک مسئلتک عندی علی مثل ھذا‘‘

(80)...... نیز ہماری اس بات کی تائید حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ العزیز کے ایک فتویٰ سے بھی ہوتی ہے جو امدادالفتاویٰ ج اص ۳۹۹ پر ہے جس میں مستفتی نے دس گیارہ قصبے پر مشتمل ایک ضلع میں گشت وگردآوری کے بارے میں یہ دریافت کیا تھا کہ اسے ’’مستقر سے جب چلنا ہوتا ہے کل ضلع کی گشت کا ارادہ ہوتا ہے جس کے اندر دس گیارہ قصبے شامل ہیں اور کل مسافت طولاً چالیس میل ضرور ہوگی اور محیط کو اگر لیا جاوے تو یقین ہے کہ ستر (۷۰) اسی (۸۰) میل سے زائد ہی مسافت ہوگی پس ان صورتوں میں میرے واسطے قصر نماز درست ہوگی یا نہیں؟ جبکہ منجملہ گیارہ قصبوں کے ایک قصبہ مستقر ہے اور دس قصبوں اور اس کے مفصلاتی چوکیوں پر مجھ کو گشت کے لئے بصورتِ معروضہ صدر گردآوری وگشت کے واسطے سفر کرنا ضروری ہے‘‘ اس کے جواب میں حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں:

’’قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس دَورہ میں جو مقام ایسا ہو کہ وہاں پہنچ کر آگے

بڑھنے کو واپسی مستقر کی سمجھتا ہو یعنی وہ مقام کہ وہاں تک جانے سے تو مستقر سے وقتاً فوقتاً بُعد بڑھتا جاتا ہے اور وہاں سے جب سفر کیا جاوے تو مستقر سے قریب ہوتا جاتا ہے اس مقام کو منتہائے سفر کہا جاوے گا، اور مستقر سے اس مقام تک کی مسافت دیکھی جاوے گی اگر وہ مسافتِ قصر پر ہوگا تو قصر کیا جاوے گا جبکہ دوسرے شرائطِ قصر بھی پائے جاویں اور اگر وہ مسافتِ قصر پر نہ ہوگا تو قصر نہ ہوگا جبکہ دوسری شرائط تمام کی بھی پائی جاویں مثلاً دائرہ ذیل میں ((الف ب)): نقطہ (الف) مستقر ہے اور (ب) تک پہنچ کر پھر (الف) سے قرب شروع ہوا تو (ب) کو منتہاء سمجھا جائے گا الخ''

نوٹ: یہاں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے اس فتویٰ میں دو باتیں بھی قابلِ توجہ ہیں:

پہلی بات (ا) یہ کہ سائل نے اپنے سوال میں کہا تھا کہ ''منجملہ گیارہ قصبوں کے ایک قصبہ مستقر ہے'' اس کے جواب میں بجائے یہ کہنے کہ ''اس دورہ میں جو مقام ایسا ہو کہ وہاں پہنچ کر آگے بڑھنے کو واپسی اس قصبہ کی سمجھا جاتا ہو جو مستقر ہے'' یہ فرمانا کہ ''واپسی مستقر کی سمجھا جاتا ہو'' نیز منتہائے سفر کی تعیین کرتے ہوئے خاص اس مقام کو منتہائے سفر قرار دینا کہ ''وہاں تک جانے سے تو مستقر سے وقتاً فوقتاً بعد بڑھتا جاتا ہے اور وہاں سے جب سفر کیا جاوے تو مستقر سے قریب ہوتا جاتا ہے'' ہمارے نزدیک اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مسافتِ سفر میں مستقر کا وہ نقطہ جہاں سے سفر کا آغاز سمجھا جاتا ہو ''مبدأ سفر'' ہے اور اس سفر میں انتہائی فاصلہ وہ نقطہ جہاں سے آگے بڑھنا واپسی مستقر کی سمجھا جاتا ہو ''منتہائے سفر'' ہے، چونکہ جس مقام کے ساتھ یہ قرب وبعد متعلق ہو کر وہ مقام منتہائے سفر قرار پائے گا وہ ضروری نہیں کہ کسی قصبہ کے ابنیۃ وبیوت کا آخری نقطہ ہو بلکہ وہ کسی قصبہ کا کوئی درمیانی حصہ بھی ہوسکتا ہے، خارجِ قصبہ کوئی دور دراز مقام بھی ہوسکتا ہے یا داخلِ قصبہ کوئی خاص منزل ومکان بھی ہوسکتا ہے وغیرہ، اس لئے مبدأ ومنتہائے سفر کا انتہاء ابنیۃ وبیوتِ بلد ہونا

ضروری نہیں۔

احقر نے اس بات کی نشاندہی اس لئے کی کہ ہمارے بعض بزرگوں نے یہاں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہاں ''مقام'' سے قصبہ مراد ہونا متعین ہے، جیسا کہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''ہم کہتے ہیں کہ پورے سوال و جواب کو پڑھا جائے اس میں کوئی بات بھی تو ایسی نہیں جو دارالعلوم والوں کے دعویٰ پر دلیل بن سکے، شاید جواب میں جہاں مقام کا لفظ آیا ہے اس سے انہوں نے وہ عمارت سمجھی ہے جہاں سائل جا کر رہتا ہوگا، لیکن سوال کو سامنے رکھیں تو مقام سے قصبہ مراد ہونا متعین ہے اس وجہ سے ہم نے بریکٹ میں مقام کی تفسیر قصبہ سے کی ہے''

حالانکہ مذکورہ بالا احتمالات کے ہوتے ہوئے یہاں ''مقام'' سے متعین طور پر قصبہ مراد لینا کہاں تک درست ہے وہ اہلِ علم حضرات ہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

دوسری بات (۲) یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے اس فتویٰ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اگر کوئی شخص مرکز سے مرکز ہی کی طرف عود کرنے کے ارادہ سے سفر شروع کرے اور بصورتِ دائرہ سفر کرے، دائرہ میں موجود تمام مواضع اس کا مقصود بھی ہے، مگر مرکز سے مرکز تک کل فاصلہ صرف بقدرِ مسافتِ سفر ہے، مثلاً ۴۸ میل انگریزی ہیں تو اس صورت میں شخصِ مذکور مسافر نہ ہوگا کیونکہ یہاں اس صورت میں درمیان میں ایک مقام ایسا بھی آئے گا جو انتہائی فاصلہ کا مقام ہوگا اور وہاں سے یہ شخص مرکز کی طرف جوں جوں قریب ہوگا مرکز سے قریب ہوتا جائے گا، لہٰذا یہ شخص خروج من عمارۃ البلد کے وقت مسافتِ قصر کا قاصد نہیں جب کہ شرعاً سفر متحقق ہو کر احکامِ سفر لاگو ہونے کے واسطے یہ لازم ہے کہ مسافر خروجِ بلد کے وقت مسافتِ سفر کا قاصد ہو یعنی اس کے مبدأ سفر اور منتہائے سفر کے درمیان مسافتِ سفر کے بقدر فاصلہ ہو جو یہاں مفقود ہے، یہاں تو مرکز اور اس دائرے میں شامل تمام فاصلے مل کر مسافتِ سفر بنتی ہے، اس لئے مقامِ اقامت سے انتہائی منزلِ مقصود تک

مسافتِ قصر نہیں ہے۔

(81)...... اس بات کی مزید وضاحت امداد الاحکام ج ۱ ص ۶۳۰ میں بیان کردہ ایک فتویٰ سے بھی ہوتی ہے جو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے مرکز سے مرکز کی طرف بصورتِ دائرہ سفر کرنے والے کے واسطے حکمِ قصر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ملاحظہ ہو اصل عبارت:

''کوئی شخص مرکز سے مرکز ہی کی طرف عود کرنے کے ارادہ سے سفر شروع کرے اور بصورتِ دائرہ سفر کرے مثلاً مرکز اور درمیان میں جتنے مواضع ہیں وہ سب مقصود ہیں اور مرکز سے مرکز تک ۴۸ میل کی مسافت ہے تو اس صورت میں یہ شخص مسافر نہ ہوگا کیونکہ یہ خروج من عمارۃ البلد کے وقت مسافتِ قصر کا قاصد نہیں اس لئے کہ مسافتِ قصر کا تحقق مرکز سے علاوہ نہیں بلکہ مرکز کو داخلِ مسافت کر کے مسافتِ قصر کا تحقق ہوگا اور اس سے سفر کا وجود نہیں ہوسکتا، بلکہ وجودِ سفر کے لئے یہ لازم ہے کہ مقامِ اقامت سے نکل کر اس کے علاوہ کسی ایسے مقام کا قصد ہو کہ اس میں اور مقامِ اقامت میں مسافت ۴۸ میل کی ہو، اس راستہ سے جس کو اس نے اختیار کیا ہے، گو دوسرے راستہ سے مسافت کم ہو، اب اگر مقامِ اقامت سے علاوہ مسافتِ قصر نہیں تو یہ مقیم ہوگا اور اس سے علاوہ ۴۸ میل ہو تو مسافر ہوگا'' قال مالک فی الرجل یدور فی القریٰ ولیس بین منزله وبین اقصاها اربعة برد وفیما یدور من دوره اربعة برد واکثر قال اذا کان فیما یدور فیه مایکون اربعة برد قصر الصلاة اه (مدونة مالک ج ۱ ص ۱۱۴) قلت وقواعدنا توافقه کما لایخفی''

احقر............

دارالافتاء............

۱۱/۲/ ۱۴۲۷ھ

(موصوف کا مضمون مکمل ہوا)

منع مبدءِ السفر قبل مبدءِ القصر

مندرجہ بالا تحریر پر تبصرہ

از مفتی محمد رضوان

مکرم ومحترم جناب مولانا مفتی.................صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

منسلکہ مفصل مضمون بعنوان ''مبدءِ سفر ومبدءِ احکامِ سفر'' ملاحظہ کیا۔

بندہ کو اس مضمون کے اکثر حصے سے اتفاق نہیں اور کچھ شبہات واشکالات ہیں، جو بعنوان ''منع مبدءِ السفر قبل مبدءِ القصر'' پیش کئے جارہے ہیں۔

مضمون کیونکہ علمی نوعیت کا ہے جس میں موقع بموقع الزامی وتسلیمی گفتگو کرنی پڑتی ہے، اس لئے امید ہے کہ اس علمی نوعیت کی گفتگو کو جارحیت یا گستاخی پر محمول نہیں فرمائیں گے۔

''**قوله**'' کا عنوان قائم کر کے آنجناب کے مضمون کا اقتباس اور ''**اقول**'' کے عنوان سے بندہ کی اپنی معروضات مراد لی جارہی ہیں۔

حدودِ بلد کے بارے میں سابق اور موجودہ دور کا فرق

(1)......''**قولـــــه**'':......اس بات میں دورائے ہونے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں (الیٰ قولہ) اس لئے گزشتہ دور میں ایک عام آدمی بھی بآسانی یہ نتیجہ بلاتردد اخذ کرلیتا تھا کہ کونسی آبادی کہاں سے شروع ہورہی ہے الخ (صفحہ نمبر 274)

''**اقول**'':......وقت کے ساتھ ساتھ آبادی بڑھنے کا مسئلہ ہر دور میں پیش آتا رہا ہے، اگر گزشتہ دور میں کسی آبادی سے خروج اور دخول متحقق ہونے کا مسئلہ اتنا آسان تھا کہ ایک عام

آدمی بھی بآسانی اس کا نتیجہ اخذ کر لیتا تھا کہ فلاں موضع کی حدود کہاں ختم ہو رہی ہیں، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ فقہائے کرام نے حدودِ بلد کی نوعیت میں جو باہم اختلاف کیا اور اس سلسلہ میں فقہائے اربعہ ہی ایک دوسرے سے مختلف موقف اختیار کرنے اور اس پر دلائل قائم کرنے پر مجبور ہوئے، تو اس کی کیا ضرورت تھی؟

گذشتہ دور میں تمدنی زندگی اتنی منظّم نہیں تھی، اور آج کل کی طرح آبادیوں کی تحدید وتفریق کے انتظامات بھی نہ تھے، اور آج جبکہ شہری وتمدنی زندگی میں بہت سی انتظامی چیزیں داخل ہو چکی ہیں، اور آبادیوں کی حدود کا اُن کے ذریعہ سے پتہ چلانا آسان ہو چکا ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ گذشتہ دور کے مقابلے میں آج کے دور میں موضعِ اقامت کی حدود کا علم آسان ہو، مگر آنجناب کا دعویٰ اس کے برعکس ہے۔

موضعِ اقامت کی حدود کے بارے میں فقہائے کرام کا موقف ہم نے اپنے سابقہ مضمون ''بداية السفر والقصر فی حالة الحضر والمصر''میں تحریر کر دیا ہے۔

خروجِ بلد سے قبل مشی کا عمل سفرِ شرعی میں داخل نہیں

(2)......''**قوله**'':......آج کے دور میں آبادی وبستی کی وسعت کی وجہ سے خصوصاً بڑے شہروں میں جہاں میل ہا میل تک عمارتوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، اس نقطے کا تعین بہت مشکل ہو گیا ہے (صفحہ نمبر 274)

''**اقول**'':......اولاً تو یہ بات ہی مسلّم نہیں کہ پہلے زمانہ میں بڑے بڑے شہر نہیں ہوا کرتے تھے، کیونکہ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پہلے زمانے میں بھی بڑے بڑے شہر ہوا کرتے تھے (خواہ آج کل کی طرح کثرت سے اور بہت زیادہ بڑے بڑے شہر نہ ہوتے ہوں) فقہائے کرام نے مصر، بلد اور مدینہ وغیرہ کی تعریفیں کی ہیں اور ان میں چھوٹے بڑے ہونے کے اعتبار سے فرق بھی کیا ہے۔

Idara Ghufran

دوسرے کسی موضع کا بڑا اور وسیع ہونا اس کے نقطۂ انتہاء کے غیر متعین وغیر معلوم ہونے کو مستلزم نہیں، چھوٹے موضع میں بھی یہ مسئلہ پیش آ سکتا ہے۔

تیسرے یہ بات پہلے ذکر کی جاچکی کہ پہلے زمانے کے مقابلے میں آج کے دور میں آبادیوں کی تحدید وتعیین کے انتظامات وجود میں آ چکے ہیں، جن سے نقطۂ انتہاء کا تعین پہلے زمانے کے مقابلہ میں آسان ہوگیا ہے۔

چوتھے پہلے زمانے میں سواریاں بھی اتنی تیز ترین ایجاد نہیں ہوئی تھیں، جتنی تیز ترین آج کے دور میں ایجاد ہوچکی ہیں، اس لئے پہلے زمانے میں ایک عازمِ سفر کو اپنے گھر سے نکلنے کے بعد حدودِ بلد وحدودِ مصر کی انتہاء (مثلاً سور البلد) تک پہنچنے میں کچھ نہ کچھ وقت (آج کل کی تیز ترین سواریوں کے ذریعہ سے بڑے شہر کی اندرونی حدود میں چلنے کے مقابلے میں) لگتا ہی ہوگا اور کچھ نہ کچھ لغوی قطعِ مسافت طے کرنا پڑتی ہی ہوگی، جبکہ فقہائے کرام چھوٹی اور بڑی ہر چیز کو اپنی بحث کا حصہ بناتے ہیں یہاں تک کہ بہت سے فرضی مسائل تک کا حکم بیان کردیتے ہیں، جن میں سے شاید اب تک بہت سے واقعات روئے زمین پر پیش بھی نہ آئے ہوں، اس کے باوجود انہوں نے خروجِ بلد سے قبل کی مشی اور رکوب کو خواہ کسی بھی طرح کی ہو، عملِ سفر وفعلِ سفر میں داخل نہیں مانا اور اس مشی ورکوب کو نیتِ محض وعزمِ محض کا درجہ دیتے ہوئے اس کو کالعدم قرار دیا اور اس کو سفر تسلیم نہیں کیا اور خروجِ بلد سے قبل راکب وماشی کو مسافر قرار نہیں دیا، اور اس تفصیل کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ خروجِ بلد سے قبل اگر رکوب ومشی زیادہ مقدار میں پائی جائے تو اس کا اعتبار ہوگا، بلکہ مطلق مشی ورکوب کو کالعدم قرار دیتے ہوئے تھوڑی اور زیادہ مشی دونوں کی نفی فرمادی اور نفی بھی اس پختہ طریقہ پر کہ گویا کہ عمل وفعل کے درجہ میں خارج کے اعتبار سے اس کا کوئی وجود ہی نہیں اور ایسے ماشی وراکب کو قاطعِ مسافت وغیرہ نام دینے کے بجائے ناوی سفر قرار دیا، یہ ایسی وضاحت ہے کہ جس میں تمام ہی احتمالات ختم ہوگئے۔

www.idaraghufran.org

یہاں یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ فقہائے کرام نے خروجِ بلد یا خروجِ مصر سے قبل عملِ سفر کے وجود کی نفی فرمائی ہے نہ کہ صرف احکامِ سفر کے وجود کی نفی، کیونکہ سفر دراصل انشاءِ فعل کا نام ہے اور انشاء کے معنیٰ عدم سے وجود میں لانے کے ہیں، تو جب فعلِ سفر یا عملِ سفر کو وجود اور عدم سے پیدائش ہی شرعاً خروج من عمران المصر کے عمل سے حاصل ہوتی ہے تو یہاں ''سفرٌ دون سفرٍ'' کے احتمالات نکال کر اور ان کی قسمیں بنا کر مبدءِ سفر کی بناء قائم کرنا دراصل بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

یہاں یہ نقطہ قابلِ غور ہے کہ فقہائے کرام نے خصوصیت کے ساتھ **مادام فی المصر** فرمایا ہے، **مادام فی القریۃ** نہیں فرمایا، اس کی وجہ بھی بظاہر یہی ہے کہ مصر کی آبادی کے بڑا اور وسیع ہونے کی وجہ سے اس کی حدود میں چلنا غیر معمولی مقدار کا ہوتا ہے، قریۃ میں اتنی مقدار کا نہیں ہوتا، قریہ کی آبادی کے برخلاف مصر کی حدود میں غیر معمولی مشی کی مقدار کے پائے جانے پر شبہ ہوسکتا تھا اور جب مصر یعنی بڑی آبادی میں بھی چلنے کے عمل کے سفر کا حصہ ہونے کی نفی کردی گئی تو بدرجہ اولیٰ دیگر مواضعِ اقامت (قریۃ بستی وغیرہ) میں چلنے کے عمل کی نفی ہوگئی (مزید تفصیل آگے نمبر 70 کے ضمن میں آتی ہے)

حدودِ بلد کا مدار عرف پر ہے

(3)......''**قولہ**'':......عام ناظر کے واسطے یہ فیصلہ انتہائی مشکل ہے کہ ایسی بستی یا شہر کا نقطہ انتہاء کس مقام کو قرار دیا جائے (الیٰ قولہ) ایسی صورت میں ایک عام مسافر کے لئے مبدأ احکامِ سفر اور منتہائے احکامِ سفر کا نقطہ انتہاء متعین کرنا انتہائی دشوار و مشکل ہے (صفحہ نمبر 274,275)

''**اقول**'':......شریعت عام ناظر کو مکلّف نہیں کرتی بلکہ حدودِ بلد کے بارے میں عرفِ عام کا اعتبار کرتی ہے، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عرفِ عام کا اعتبار ہوتا تھا،

www.idaraghufran.org

فقہائے کرام کے دور میں ہوتا تھا، آج بھی ہوتا ہے، حدودِ بلد کہاں تک ہیں، اس کا فیصلہ عرفِ عام سے ہوسکتا ہے، ہر چیز کے فیصلہ کا مدار نظر پر نہیں ہوتا، اگر کوئی مسافر سفر میں قبلہ کا رخ نہ جانتا ہو مثلاً اسے قبلہ کی جہت کا علم ہی نہ ہو اور نظر سے بھی کام نہ چل رہا ہو، مثلاً نابینا ہو، تو دوسرے سے معلوم کرنا اور کوئی خبر دینے والا نہ ہو تو تحری کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اور آج جبکہ سفر عموماً اجتماعی انداز میں ہوتا ہے ڈرائیوروں کا راستوں سے روزمرہ گزر ہوتا ہے جبکہ پہلے زمانے میں اس قسم کے سفر نہ ہونے کی وجہ سے ایسے واقف کار لوگوں کا وجود بہت کم تھا، مسافر قبلہ وغیرہ کے بارے میں ان سے معلوم کر کے نماز کے ایک فرض یعنی جہتِ قبلہ کا تعین کرسکتا تھا اور آج بھی کرسکتا ہے، تو وہ اگر آبادی کی حدود کے سلسلہ میں کسی جگہ کے عرفِ عام سے ناواقف ہو تو اس کو بھی دوسروں سے معلوم کرسکتا ہے، ورنہ اگر معلوم بھی نہ کرے اور خود بھی علم نہ ہو تو یہ مشکل بڑی بستی کے بجائے چھوٹی بستی میں بھی پیش آسکتی ہے اس میں کسی دوسرے کا کیا قصور ہے، اور اگر بالفرض کسی طرح علم نہ ہوسکے اور اشتباہ باقی رہے تو اس مشکل کا حل خود فقہائے کرام نے اس طرح فرمادیا ہے کہ:

''موضعِ اشتباہ میں اتمام کیا جائے نہ کہ قصر''

یہ گفتگو تو تسلیمی درجہ میں تھی مگر الزاماً عرض ہے کہ جب آپ کے نزدیک بھی مبدءِ احکامِ سفر خروجِ بلد پر متحقق ہوتا ہے، البتہ محض مبدءِ سفر عرف سے متحقق ہوتا ہے، تو اصل مشکل تو مبدءِ احکامِ سفر میں ہے کہ وہ قصر کہاں سے شروع کرے گا، اگر بالفرض مبدءِ سفر کا مسئلہ حل ہو بھی گیا تو مشکل تو وہیں کے وہیں رہی کہ آپ کے نزدیک مبدءِ سفر سے تو کوئی حکم وابستہ اور متعلق ہی نہیں، ظاہر ہے کہ مبدءِ احکامِ سفر (جس میں مبدءِ قصر بھی داخل ہے) کے نقطہ کا تعین آپ بھی کسی نہ کسی طرح تو کریں گے ہی، مبدءِ احکامِ سفر یا مبدءِ قصر کے نقطہ کے متعین کرنے کے بارے میں جو جواب آنجناب کا ہوگا، وہی جواب ہماری طرف سے مبدءِ سفر کے متعلق بھی ہوگا:

Idara Ghufran

"ماھو جوابک فھو جوابنا"

اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اصل مشکل مبدءِ احکامِ سفر یا مبدءِ قصر ہی کے بارے میں پیش آتی ہے، مبدءِ مسافتِ محض (جس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے) اس میں تو کوئی مشکل ہی نہیں کیونکہ ابھی تک تو احکامِ سفر میں سے کوئی حکم لاگو ہی نہیں ہوا، جب لاگو ہوگا اور نماز پڑھنے، روزہ رکھنے نہ رکھنے، خفین پر مسح کی معیاد وغیرہ جیسے احکامِ سفر کا سلسلہ شروع ہوگا، تب اصل پریشانی کا معاملہ کھڑا ہوگا۔

یہاں اسطرداداً ایک بات عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جمہور فقہائے کرام کے نزدیک مبدءِ سفر و مبدءِ احکامِ سفر موضعِ اقامت سے خروج پر متحقق ہوتے ہیں اور موضعِ اقامت اگر کوئی مستقل آبادی ہے، تو اس موضعِ اقامت والی آبادی کی حدود سے خروج مبدءِ سفر و مبدءِ قصر متحقق ہونے کے لئے کافی ہے اور موضعِ اقامت کی آبادی سے خروج غیر آبادی میں دخول کو مستلزم نہیں، یعنی جب موضعِ اقامت کی خاص آبادی سے خروج متحقق ہوگیا اور کوئی دوسری مستقل آبادی شروع ہوگئی تو اس دوسری مستقل آبادی کا وجود سفر کے اعتبار سے کالعدم ہے، کیونکہ فقہائے کرام نے موضعِ اقامت کی آبادی سے خروج کو مبدءِ سفر و مبدءِ قصر کے وجود کے لئے کافی قرار دیا ہے، بغیر اس شرط و قید کے کہ اس کے بعد دخول غیر آباد جگہ میں ہو یا کسی دوسری آبادی میں ہو، لہٰذا اگر بالفرض پوری دنیا کی آبادی بھی باہم متصل ہو جائے تب بھی فقہائے کرام کے اس بیان کردہ ضابطہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، کیونکہ اس وقت بھی یہی کہا جائے گا کہ سفر کرنے والے کے موضعِ اقامت سے خروج جہاں متحقق ہو رہا ہے (مثلاً اگر وہ ایک شہر میں مقیم ہے اور دوسرا شہر اس سے متصل آباد ہے) تو صرف اپنے شہر کی حدود سے نکلتے ہی مبدءِ سفر و قصر متحقق ہو جائے گا۔

فقہائے کرام نے جو شہر سے متصل آبادیوں کے شہر کے تابع ہونے نہ ہونے کی بحث چھیڑی ہے، اس سے خود واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس کا مدار بھی تابع ہونے نہ ہونے پر ہے

اب جس آبادی کا تابع ہونا ثابت ہوجائے گا اور وہ بھی بحیثیتِ محلّہ کے تو وہاں سفر وقصر متحقق نہ ہوگا اور اگر تابع ہونا ثابت نہ ہوگا، بلکہ وہ جگہ اپنی ذات میں مستقل ہوگی تو وہ سفر وقصر متحقق ہونے کے لئے مانع نہ ہوگی، اور عموماً شہر دوسرے شہر کے تابع نہیں ہوا کرتے، البتہ چھوٹے گاؤں اور قریے شہر کے ساتھ متصل ہونے سے ان کے تابع ہوکر محلّہ کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

اگر اس نقطہ پر اتفاق کرلیا جائے تو ساری مشکل کا حل یہیں سے نکل آتا ہے۔

مبدءِ سفر اور مبدءِ احکامِ سفر میں فرق

(4)......"**قولہ**":......مبدأ احکامِ سفر (یعنی نماز میں قصر واجب ہونے، روزہ ترک کرنے کی رخصت، جمعہ، عیدین اور قربانی واجب نہ ہونے کی رخصت، خفین پر تین روز تک مسح کرنے کی رخصت وغیرہ احکام کی ابتداء) الخ (صفحہ نمبر 275)

"**اقول**":......مندرجہ بالا امور کو احکامِ سفر قرار دے کر جمہور فقہائے کرام کی طرف ان کی مذکورہ تفصیل کے مطابق نسبت کرنا اس لئے درست نہیں کہ بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک قصر کا حکم تو ہے، مگر قصر واجب نہیں، بلکہ قصر مسنون یا مستحب ہے، اسی طرح روزہ کی رخصت کا معاملہ فقہ حنفی کی طرح قصر جیسا نہیں، بلکہ رخصتِ روزہ کا مبدء، قصر کے مبدء سے مختلف ہے، اسی طرح جمعہ وعیدین کے وجوب کے اسباب میں بھی اختلاف ہے، نیز قربانی تو دیگر ائمہ کے نزدیک واجب ہی نہیں، اسی طرح خفین پر مسح کا مسئلہ بھی بعض فقہائے غیر حنفیہ نے قصر کے مسئلہ سے الگ قرار دیا ہے، تفصیل مطولات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، لہٰذا فقہ حنفی کے مطابق احکامِ سفر کے مبدء کو جمہور فقہائے کرام کی طرف منسوب کرکے قصر کے مسئلہ کی بناء قائم کرنا درست معلوم نہیں ہوسکا، مسئلہ مبحوث فیہ قصر سے متعلق ہے، لہٰذا جمہور کے موقف کو طے کرتے وقت اور جائزہ لیتے وقت مبدءِ قصر کے نقطہ پر قائم رہنا زیادہ

www.idaraghufran.org

بہتر ہوگا، جس کی وجہ ظاہر ہے کہ مبدءِ قصر پر (باتفاق ہمارے اور آپ کے) اور مبدءِ سفر پر (ہمارے اعتبار سے) جمہور فقہائے کرام کا اتفاق ہے۔

(5)......**''قولہ''**:......بعض حضرات تابعین مثلاً حضرت حسن بصری (الیٰ قولہ) پہنچنے کے بعد قصر کرے گا (صفحہ 275)

''اقول'':......ان حضرات کے قول کا مرجوح بلکہ مہجور ہونا تو آپ کو بھی مسلم ہے، کیونکہ نص کی رو سے ضرب فی الارض اور سفر متحقق ہونے پر قصر کے احکام شروع ہوتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے باوجود اسفارِ کثیرہ کرنے کے مدینہ شہر کی حدود میں قصر کرنا ثابت نہیں، بلکہ نص موجود ہے کہ آپ مدینہ شہر سے باہر نکل کر ہی قصر فرمایا کرتے تھے، لہٰذا ان حضرات کے قول کو قابلِ اعتناء قرار نہیں دیا جاسکتا، جیسا کہ ان مذکورہ حضرات کے اور بھی کئی مسائل میں اسی طرح کے شاذ اور متفرد اقوال ہیں اور ان کی طرف جمہور امت نے التفات نہیں فرمایا۔ [1]

لہٰذا اس طرح کے مرجوح بلکہ مہجور قول سے مسلّم مجتہد فقہاء کا اتفاق متاثر نہیں ہوتا، ضرب فی الارض اگر عام مراد لیا جائے تو وہ ایک میل بلکہ اس سے کم مسافت پر بھی صادق آتا ہے، یہاں تک کہ اس کے لغوی معنیٰ زمین پر قدم مارنے اور چلنے کے ہیں، لہٰذا گھر سے مسجد تک جانا بھی لغوی ضرب فی الارض ہے (ملاحظہ ہو خطباتِ حکیم الامت ج ا بعنوان ''دنیا و آخرت ص ۱۹'' وعظ ''الدنیا والاخرۃ'')

آپ نے جو عبارات نقل فرمائی ہیں ان میں بعض عبارات اصل مبدءِ قصر کے علاوہ

---

[1] بلکہ بعد کے فقہائے کرام کا اجماع سابق اختلاف کا رافع ہوا کرتا ہے۔

فارتفع الخلاف السابق بهذاالاجماع ، ولايجوز لمن بعدهم خرقه كما تقدم.
واما من لايعتد بالاجماع، ويجوز اجتماع الامة على الضلالة، اولايعرف حقيقة الاجماع ويستحيل وقوعه، فعداده فى اهل الظاهر اجدر واحرى من ادخاله فى اهل المعانى واصحاب التحقيق من العلماء ، فافهم والله يتولىٰ هداک (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۴۱۸ تا ۴۱۹)

www.idaraghufran.org

دیگر مسائل سے متعلق ہیں، جن کو شاید دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مبدءِ قصر کی طرح کا حکمِ سفر سمجھ کر تحریر فرما دیا گیا ہے۔

اوران کی طرف مبدءِ قصر کے اختلاف کو بھی منسوب فرما دیا گیا ہے، یہ پہلو قابلِ اصلاح معلوم ہوتا ہے۔

مبدءِ سفر، موضع انشاءِ سفر سے خروج پر متحقق ہوتا ہے

(6)......''**قولہ**'':......جب مبدأ سفر کے مقام ومستقر سے نکل جائے گا (خواہ یہ مقام کوئی چھوٹی سی بستی ہو یا بڑا سا شہر ہو یا اس کے مقامِ استقرار وا قامت کی منزل وچار دیواری ہو) الخ (صفحہ نمبر276)

''**اقول**'':......آنجناب کی یہ تعبیرات جامع معلوم نہیں ہوئیں اوراصل میں یوں کہنا چاہئے تھا کہ:

''اپنے موضعِ اقامت سے نکل جائے گا (خواہ موضعِ اقامت شہر ہو جبکہ وہ شہر سے انشاءِ سفر کررہا ہو، یا وہ موضعِ اقامت قریہ ہو جبکہ وہ قریہ سے انشاءِ سفر کررہا ہو یا وہ موضعِ اقامت کوئی کمرہ یا جنگل ہو جہاں سے وہ انشاءِ سفر کررہا ہو)''

اس سلسلہ میں اصل مسئلہ یہ ہے کہ انشاءِ سفر جس موضع سے متحقق ہو اس موضع سے خروج معتبر ہے، اب جہاں سے انشاءِ سفر متحقق ہو رہا ہے وہ موضع پوری آبادی ہوتی ہے (خواہ وہ آبادی بڑی ہو مثلاً شہر یا چھوٹی ہو مثلاً گاؤں) اس صورت میں پوری آبادی سے خروج معتبر ہے، کیونکہ اس صورت میں موضعِ اقامت پوری آبادی ہے اور کبھی کوئی گھر، کمرہ یا صحرا ہوتا ہے، مثلاً راولپنڈی شہر کا مقیم کسی غرض سے شہری آبادی سے کچھ باہر چلا گیا، جہاں کھیت وغیرہ میں کوئی گھر، کمرہ وغیرہ ہے، جو اپنی ذات میں مستقل ہے اور راولپنڈی شہر کے توابعات میں سے نہیں، یا کوئی کمرہ بھی نہیں، بلکہ صحراء ہے اور وہاں جانے کے بعد اب انشاءِ

سفر کررہا ہے، اس صورت میں اس کا انشاءِ سفر اسی خاص جگہ سے متحقق ہوگا، کیونکہ اس سے پہلے سفر پایا نہیں گیا اور انشاءِ سفر سے قبل وہ اس جگہ مقیم ہے۔

بہرحال موضعِ اقامت سے خروج معتبر ہے، انشاءِ سفر نام ہے انشاءِ فعلِ سفر کا اور سفر کا فعل خروج عن موضع الاقامت ہے، تو جس موضع سے انشاءِ سفر ہوگا، وہیں سے خروج معتبر ہوگا اور جس طرح موضعِ اقامت چھوٹا ہونے مثلاً کوئی کمرہ ہونے کی صورت میں وہ انشاءِ سفر کو مانع ہے، اسی طرح بڑا موضعِ اقامت، مثلاً شہر ہونے کی صورت میں بھی وہ انشاءِ سفر کو مانع ہے، گویا کہ موضعِ اقامت محدود و مختصر ہونے کی صورت میں جو درجہ کمرہ وغیرہ کی چہار دیواری کا ہے، وہی درجہ موضعِ اقامت وسیع اور بڑے ہونے کی صورت میں بڑی آبادی کا بھی ہے، کیونکہ پورے شہر کی آبادی اس صورت میں اسی طرح مانع ہے جس طرح موضعِ اقامت صرف گھر ہونے کی صورت میں گھر کی چہار دیواری مانع ہے، اور راز اس میں یہ ہے کہ دراصل اقامت سفر کی ضد ہے لہٰذا بنیادی طور پر موضعِ اقامت ہی انشاءِ سفر سے مانع ہوگا، پس جس مقدار اور نوعیت کا مانع ہوگا اتنی مقدار اور اس نوعیت میں سفر متحقق نہ ہوگا، لہٰذا اس موقعہ پر بجائے آبادی کے ''موضعِ اقامت'' کے الفاظ استعمال کرنا مناسب ہوتا۔

مبدءِ سفر و مبدءِ قصر کے الگ الگ نہ ہونے کی بحث

(7)......''**قولہ**'':......اور نہ ہی ان احکام کے حق میں اس سے پہلے آدمی کا فعلِ سفر شروع ہوگا (صفحہ نمبر 276)

''**اقول**'':......ان احکام کے حق میں فعلِ سفر شروع نہ ہونے کی قید لگانا اس وقت معتبر ہے جبکہ جمہور فقہائے کرام نے یہ قید ذکر فرمائی ہو، آپ نے ص ۱۱ سے لے کر ص ۱۸ تک جو عبارات ذکر فرمائی ہیں، ان میں سے کوئی ایک عبارت ہمیں ایسی نہیں ملی جس میں فقہائے کرام نے مبدءِ قصر کے مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے مبدءِ سفر کو عرف وغیرہ کی قید کے ساتھ

الگ سے بیان فرمایا ہو، اگر اس کی نشاندہی کی ہوتی، تو اس بارے میں کچھ عرض کیا جاتا۔
بات دراصل یہ ہے کہ کسی بھی کلام سے (خواہ کتاب اللہ ہو یا سنتِ رسول یا فقہائے کرام کے اقوال) ثابت ہونے والے احکام بالترتیب چار طریقوں یا چار شکلوں میں ہوتے ہیں، ایک عبارۃ النص، دوسرے اشارۃ النص، تیسرے دلالۃ النص، چوتھے اقتضاء النص، اب اگر کسی کلام سے ایک چیز نص کے کسی ایک طریقہ سے اور دوسری کسی اور طریقہ سے ثابت ہو رہی ہو تو ثبوت چاروں طرح کا قابلِ اعتبار ہوتا ہے، البتہ باہم ان کے درجات میں فرق ضرور ہوتا ہے، لیکن اس وقت جبکہ یہ باہم متعارض ہوں، ورنہ فی نفسہٖ ثبوت کے اعتبار سے ہر ایک طریقہ عند الفقہاء معتبر ہے الا اذا کان مانعا معتبرا۔
اب اگر فقہائے کرام نے کوئی کلام کسی خاص مقصد کے لئے اختیار فرمایا (کما هو درجة عبارة النص لان الكلام سيق لاجله) تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی اور طریقہ سے کوئی دوسرا حکم ثابت نہیں ہو رہا (کما هو درجة بقيةِ اقسام النص)
چنانچہ اکثر فقہائے کرام نے قصر یا دیگر احکامِ سفر شروع ہونے کے مسئلہ کو بیان کرنے کے لئے جو عبارات اختیار فرمائی ہیں، اس اعتبار سے تو ان کا یہ کلام عبارۃ النص ہوا، اور ان ہی عبارات سے جو جو امور دیگر معتبر طریقوں سے ثابت ہو رہے ہیں، ان کے اعتبار سے ان کا یہ کلام اشارۃ النص یا دلالۃ النص یا اقتضاء النص ہوا، اور فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ:

وما يثبت بدلالة النص فهو كالمنصوص عليه (المبسوط للسرخسي، ج۱۸ ص ۳۰، كتاب الاقرار، باب الاقرار في المرض)

اگر اقتضاء النص کو بھی چھوڑ دیا جائے تو اشارۃ النص کا درجہ دلالۃ النص سے پہلے ہے، لہٰذا نص کی پہلی تین اقسام سے ثابت شدہ حکم کا جو درجہ ہوگا، وہ واضح ہے۔
اب ایک شبہ رہ جاتا ہے کہ فقہائے کرام نے مبدءِ قصر کو عبارۃ النص کے طور پر اور اس کے

مقابلہ میں مبدءِ سفر کو غیر عبارۃ النص کے طور پر کیوں بیان فرمایا؟ اس کا جواب ہم نے مضمون ''بدایۃ السفر و القصر فی حالۃ الحضر و المصر'' میں تحریر کر دیا ہے۔

نص کی مندرجہ بالا اقسام کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اگر مذکورہ عبارات کو ملاحظہ فرمایا جائے، تو انشاء اللہ تعالیٰ بآسانی مبدءِ قصر کے ساتھ ساتھ انہیں عبارات سے مبدءِ سفر کا مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے۔

لغوی اور شرعی قطعِ مسافت میں فرق

(8)......''**قولہ**'':......(اگر چہ اس نے نیتِ سفر کر لی ہو یا بنیتِ سفر قطعِ مسافت شروع کر دیا ہو) (الیٰ قولہ) اور اس کے سفر کو سفر قرار دے (صفحہ نمبر 276 تا 286)

''**اقول**'':......اگر قطعِ مسافت سے آنجناب کی مراد غیر شرعی قطعِ مسافت ہے (پھر خواہ لغوی ہو یا عرفی) تب تو اس سے مسئلہ ہٰذا پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور کوئی اشکال بھی پیش نہیں آتا، اور اگر مراد شرعی قطعِ مسافت ہو تو یہ محلِ اشکال ہے، کیونکہ شرعی قطعِ مسافت کا آغاز آبادی سے خروج پر ہوتا ہے، سفرِ شرعی کی تعریف میں یہ قید واضح طور پر موجود ہے، اور اس (یعنی آبادی سے خروج سے) قبل شرعی قطعِ مسافت مراد لینے میں خود سفرِ شرعی کی تعریف ہی سے تعارض لازم آتا ہے، لہٰذا یہی کہنا پڑے گا کہ مراد غیر شرعی مسافت ہے، پھر خواہ لغوی ہو یا عرفی دونوں کا حکم اس اعتبار سے برابر ہے، تعریف میں شرعی کی قید سے جس طرح لغوی قطعِ مسافت خارج ہوتی ہے اسی طرح عرفی بھی خارج ہوتی ہے۔

اہلیت کے بغیر خروجِ بلد کی بحث

(9)......''**قولہ**'':......مثال کے طور پر اگر کسی کی مسافتِ سفر طے کرنے کی نیت ہو اور اس نیت سے خروج عن جمیع بیوتِ بلد الخ (صفحہ نمبر 284)

''**اقول**'':......اگر نیت اور خروج عن جمیع بیوتِ بلد دونوں کا ایک ہی یعنی مساوی درجہ ہے

اور دونوں مساوی درجہ میں سفر متحقق ہونے کی شرائط ہیں، تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح نیت کے بغیر جمیع بیوتِ بلد سے باہر نکل کر بھی لغوی یا عرفی قطعِ مسافت عندالشرع معتبر نہیں اور نیت ہونے کے بعد ہی کی قطعِ مسافت معتبر ہے، تو بعینہٖ اسی طرح اگر نیت ہو مگر خروج نہ ہو تو خروج سے قبل کی بھی لغوی یا عرفی قطعِ مسافت عندالشرع معتبر نہیں ہونی چاہئے، اور اگر ان میں سے ایک بات کو کیا جائے، اور دوسری کو تسلیم نہ کیا جائے، تو اپنے بیان کردہ قاعدہ کے مطابق مابہ الفرق ظاہر کرنا چاہئے، بلکہ نقل وعقل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ایک شرط نہ پائی جانے سے باوجودیکہ عرفی ولغوی قطعِ مسافت یا سفر بھی شروع ہوگیا اور عرف میں گاڑی وغیرہ میں بیٹھنے کے بعد مسافر بھی بن گیا اور اس سے ترقی کر کے خروج عن جمیع بیوت البلد بھی ہوگیا یعنی اتنا بڑا مانع بھی ختم ہوگیا تو ان سب مراحل کے باوجود اس کی ساری کی کرائی محنت رائیگاں کر کے قطعِ مسافت لغوی، اور عرفی کو کالعدم قرار دیا جارہا ہے۔

مگر جب معاملہ اس شرط کے بجائے دوسری شرط کا آتا ہے یعنی نیت موجود ہے مگر خروج نہیں ہوا، یہاں صرف ایک عرف والی چیز کی بنیاد پر حدودِ بلد کے بڑے مانع کو نظر انداز کر کے بھی قطعِ مسافت کا اعتبار کیا جارہا ہے، فیاللعجب۔

یہ بحث تو صرف نیت اور خروج کے اعتبار سے تھی اور اگر عدمِ اہلیت وخروج کی شرائط کو باہم دیکھا جائے تب بھی نتیجہ یہی نکلے گا، کیونکہ اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے جو قطعِ مسافت لغوی یا عرفی کیا گیا، اگرچہ آبادی سے خروج بھی متحقق ہوگیا ہو، وہ اسی لئے معتبر نہیں کہ ایک شرط اہلیت کی مفقود ہے، اسی طرح اگر دوسری شرط یعنی خروج مفقود ہوگی، تو اس سے بھی اسی طرح عرفی قطعِ مسافت جو کہ آبادی ہی کے اندر کی گئی وہ بھی معتبر نہ ہوگی۔ [1]

---

[1] طهرت الحائض وبقى لمقصدها يومان تتم فى الصحيح كصبى بلغ(الدر المختار)
(قوله تتم فى الصحيح) كذا فى الظهيرية .قال ط وكأنه لسقوط الصلاة عنها فيما مضى لم يعتبر حكم السفر فيه فلما تأهلت للأداء اعتبر من وقته(ردالمحتار، ج۲ ص ۱۳۵، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

www.idaraghufran.org

یہاں سے یہ مسئلہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں کہ جہاں سے شرعی حکم لاگو ہو رہے ہیں (یعنی اہلیت وغیرہ پیدا ہونے کی وجہ سے) وہیں سے قطعِ مسافت معتبر ہو رہی ہے، اگر چہ اس سے پہلے عرفی مسافر ہو گیا ہو اور عرفی قطعِ مسافت طے ہو چکی ہو، اس کی وجہ یہی ہے کہ جہاں سے شرعی احکام کا مبدء متحقق ہوگا، وہیں سے شرعی سفر اور قطعِ مسافت متحقق ہوگا اور جب تک شرعی احکام کا ظہور نہ ہوگا، قطعِ مسافت بھی متحقق نہ ہوگی، اور یہی بات ہم بھی کہتے ہیں کہ جہاں سے شرعی احکام شروع ہوں گے، یعنی آپ کی اصطلاح میں مبدءِ احکامِ سفر ہوگا وہیں سے مبدءِ سفر بھی وجود میں آئے گا، کیونکہ موضعِ اقامت کی آبادی میں چلنے اور موضعِ اقامت کے اندر قطعِ مسافت پر کوئی حکمِ شرعی مرتب نہیں ہوتا، لہٰذا یہ قطعِ مسافت اپنی ذات میں بھی معتبر نہیں۔

اس سے آنجناب کے پیش کردہ مستدلات سے خود جمہور کا مدعا ثابت ہو گیا، یعنی یہ کہ مبدءِ سفر و مبدءِ قصر ایک ہے اور وہ خروج عن البلد ہے۔

آخر میں یہ بھی عرض ہے کہ اہلیت و عدمِ اہلیت، اور نیت و عدمِ نیت کی بحث یہاں اس لئے چھیڑنے کی ضرورت نہیں کہ زیرِ بحث مسئلہ مبدءِ سفر و مبدءِ قصر کا ہے۔

خروجِ بلد سے قبل تحققِ سفر کے قول کے مفاسد

(10)...... **"قولہ"**:...... علیٰ ھٰذا القیاس اگر کوئی شخص نیتِ سفر بھی کرے اور بنیتِ سفر قطعِ مسافت کرتے ہوئے آبادی سے خروج الخ (صفحہ نمبر 285)

"اقول":...... یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ جب سفرِ شرعی یا مسافرِ شرعی کی تعریف کی جاتی ہے تو اس تعریف میں خروجِ آبادی کی قید کے ساتھ مسافتِ خاص کا بھی ذکر ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی بیان کردہ مسافت سے کم کی نیت کر کے سفر شروع کرے اور آبادی سے باہر نکل جائے، وہ شرعی مسافر اس لئے نہیں کہ اس مسافت پر سفرِ شرعی کی تعریف اور ایسا کرنے والے

پر مسافرِ شرعی کی تعریف ہی صادق نہیں آ رہی، البتہ ایسی قطعِ مسافت کو لغوی یا عرفی قطعِ مسافت اور ایسی قطعِ مسافت طے کرنے والے کو لغوی یا عرفی مسافر کہا جا سکتا ہے، جو کہ ہماری بحث کا موضوع نہیں۔

مگر یہ سب بحث تو جمہور فقہائے کرام کے موقف کے لحاظ سے ہے جن کے نزدیک سفرِ شرعی کو وجود ہی خروج کے وقت ملتا ہے اور احکامِ سفر بھی وہیں سے جاری ہوتے ہیں، کیونکہ سفرِ شرعی سے مسافرِ شرعی کو وجود ملتا ہے اور ان ہی دونوں چیزوں سے احکامِ شرعی کو وجود ملتا ہے، اور دونوں چیزیں ایک ساتھ وجود میں آتی ہیں۔

مگر آنجناب کا موقف یہ ہے کہ خروج سے پہلے ہی سفرِ لغوی یا سفرِ عرفی سے سفرِ شرعی اور مسافرِ شرعی کو وجود مل جاتا ہے (جس میں بڑی خرابی سفر اور مسافرِ شرعی کی تعریف توڑنے کی ہے) مگر اس کے باوجود شرعی احکامِ سفر کو وجود نہیں ملتا، گویا کہ اس موقف کے مطابق سفر اور مسافر کی بھی کئی قسمیں ہو گئیں:

(1) ایک وہ کہ جس کے لئے کسی بھی جہت سے کوئی سفر کا حکمِ شرعی ثابت نہیں ہوتا، اور کسی بھی اعتبار سے شرعی مسافر نہیں بنتا اگرچہ گھر سے نکلنے کے بعد لغوی قطعِ مسافت کتنی ہی کیوں نہ طے کر لے، اور وہ ایسا مسافر ہے جو عرف میں مسافر نہ سمجھا جاتا ہو، مثلاً اسٹیشن، ائرپورٹ، اڈہ سے سوار ہونے سے قبل (کہ اس کے حق میں نہ سفر متحقق ہے اور نہ قصر)

(2) دوسرے وہ کہ جس کے لئے من کل الوجوہ سفر کے احکامِ شرعی ثابت ہو جاتے ہیں اور وہ ایسا مسافر ہے، جو عرف کے ساتھ ساتھ شریعت سے بھی مسافر ہو چکا ہو اور خروجِ بلد کر چکا ہو (کہ اس کے حق میں سفر و قصر دونوں متحقق ہیں)

(3) تیسرے وہ کہ جس کے لئے من بعض الوجوہ تو کوئی حکمِ شرعی ثابت ہو گیا ہو لیکن من بعض الوجوہ ثابت نہ ہوا ہو اور وہ ایسا مسافر ہے کہ جو عرف میں مسافر سمجھا جاتا ہو، مثلاً اڈہ وغیرہ سے گاڑی میں سوار ہو جانے اور تا حال آبادی سے باہر نہ نکلنے والا (کہ اس کے حق میں

سفر تو متحقق ہے مگر قصر متحقق نہیں)

اب فقہائے کرام سے اگر یہ تقسیم، سفر اور مسافر کی ثابت ہو جائے اور سفر وحضر، قصر واتمام اور مسافر ومقیم کے درمیان یہ تیسرا درجہ ثابت ہو جائے تو یہ تفصیل قابلِ تسلیم ہے ورنہ نہیں۔

اس مذکورہ تقسیم کے تناظر میں آنجناب ہی کی پیش کردہ اس مثال میں جس میں کہ آپ ایسے شخص پر مسافر کے احکامِ شرعی جاری نہیں کر رہے، یہ احکام اس پر بآسانی جاری ہو سکتے ہیں اور وہ اس طرح کہ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد جب عرف سے مسافر ہو گیا اور غیر معمولی مسافت آبادی کے اندر قطع کر لی اور جوں ہی قطعِ مسافتِ شرعی کی انتہاء ہونے والی تھی، مثلاً آدھا میل باقی تھا کہ آبادی سے خارج ہو گیا، لیجئے یہ شخص آنجناب کے نزدیک صرف آدھی میل کی شرعی مسافت طے کرنے پر مسافر ہو گیا (کیونکہ آپ کے نزدیک عرف سے سفر متحقق ہونے کے بعد آبادی سے خروج متحقق ہونے سے پہلے کی مسافت بھی معتبر ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک قطعِ مسافت آبادی سے خروج کے بعد کی معتبر ہے)

تو آنجناب نے جو مثال پیش فرما کر یہ فرمایا ہے کہ ان احکام کے اعتبار سے یہ شخص مسافر نہیں، اس کا غلط ہونا مذکورہ مثال سے ثابت ہو گیا۔

آخر میں ایک اور بات عرض ہے کہ اگر آبادی کے اندر کا عرفی سفر شرعاً معتبر ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شرعاً اس سفر پر حکمِ سفر لگانا معتبر ہے اور وہ اس طرح کہ عرف پر مدار رکھتے ہوئے ایک حکمِ شرعی لگا دیا گیا ہے، تو آپ نے اس سفر پر حکمِ شرعی تو لگا دیا، اب یہ خود ہی احکامِ سفر میں سے بن گیا نہ کہ سفرِ محض میں سے۔

اور جب یہ احکامِ سفر میں سے ایک حکم بنا تو احکامِ سفر تو آنجناب کے نزدیک آبادی سے خروج پر شروع ہوتے ہیں، پھر یہ ایک حکمِ سفر خروج سے پہلے کیسے شروع ہو گیا۔

خلاصہ یہ کہ کسی سفر کو سفرِ شرعی قرار دینا بھی تو ایک حکمِ شرعی ہے، جب تک کسی سفر کا سفرِ شرعی ہونا متحقق نہ ہو گا کوئی بھی دوسرا حکمِ شرعی متحقق نہ ہو گا اور سفرِ شرعی متحقق ہوتا ہے موضعِ اقامت

سے خروج پر، کما مر۔

اور یہ جو جناب کی طرف سے متعدد بار تحریر فرمایا گیا ہے کہ آبادی سے پہلے سفر شروع نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ابھی احکامِ سفر کے اعتبار سے فعلِ سفر شروع نہیں ہوا، یا ابھی احکامِ سفر کے اعتبار سے وہ مسافر نہیں ہوا وغیرہ وغیرہ، سفر کی اس قسم اور نوع کا کوئی وجود کتبِ فقہ میں ہمیں دستیاب نہیں ہوسکا کہ سفرِ شرعی (جس کے مبدء کا مدار آنجناب کی طرف سے عرف پر رکھا گیا ہے) شروع ہونے کے باوجود احکامِ سفر شروع نہ ہوں، فقہائے کرام کی تقسیم صرف دو ہی ہیں:

(1) شرعی (2) غیر شرعی (جس میں لغوی وعرفی سب داخل ہیں)

احکامِ سفر کے اعتبار سے فقہائے کرام کی بحث کا موضوع پہلی قسم ہے، مگر آنجناب کی تحقیق کے مطابق تین قسمیں بن جاتی ہیں:

(1) شرعی لنفسہٖ (2) شرعی لغیرہ یعنی لعرفہٖ (3) غیر شرعی سواء کان لغویا او غیرہ۔

یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا کہ شرعی سفر صرف وہی ہے جس سے احکام میں تغیر پیدا ہو؛ اور بس۔

اور تغیر کی قید ہی دراصل؛ خروج، اہلیت اور نیت ان سب کو شامل ہے، اور شرعی سفر کی تعریف میں یہ تغیر ہی کی قید دراصل غیر شرعی اور شرعی سفر میں حدِ فاصل ہے، اور احکام میں تغیر قبل از خروجِ موضعِ اقامت ممکن نہیں۔

اور موضعِ اقامت یا محلِ اقامت عام ہے، انشاءِ سفر قریہ سے ہونے کی صورت میں یہ پورا قریہ، موضعِ اقامت ہے، شہر ہونے کی صورت میں پورا شہر، ڈھوک ہونے کی صورت میں پورا ڈھوک، اور خیمہ بستی سے انشاءِ سفر ہونے کی صورت میں خیمہ بستی موضعِ اقامت ہے، وھلم جرًا۔

احکامِ سفر، لغوی وعرفی سفر پر مرتب نہیں ہوتے

(11)......**"قولہ"**:......یہاں اس بات کی بھی وضاحت مناسب ہے کہ احکامِ سفر

www.idaraghufran.org

لاگو ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے (الیٰ قولہ) تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا مطلقِ سفر، یا عرفِ عام کے اعتبار سے بھی اس کا سفر یا فعلِ سفر شروع نہیں ہوگا الخ (صفحہ نمبر 286,287)

''**اقول**'':...... یہ بات ہمہ وقت ملحوظ رہنی چاہئے کہ احکامِ سفر لاگو ہونے کی قید ہی خود لغوی وعرفی سفر کی نفی کر دیتی ہے، کیونکہ احکامِ سفر؛ دراصل شرعی سفر پر لاگو ہوتے ہیں، لغوی یا عرفی سفر پر لاگو نہیں ہوتے، لہٰذا فقہائے کرام نے موضعِ اقامت ومحلِ اقامت سے خروج سے قبل جب عملِ سفر، فعلِ سفر اور مسافر ہونے کی نفی کر دی، تو اس سے شرعی عملِ سفر، شرعی فعلِ سفر اور شرعی مسافر ہی کی نفی مراد ہے، غیر شرعی فعل وعملِ سفر یا غیر شرعی مسافر کی نفی مراد نہیں، اب جس قسم کے، یعنی غیر شرعی، عملِ سفر/فعلِ سفر، یا مسافر ہونے پر شرعی سفر اور شرعی مسافر ہونے کا مدار ہی نہیں، وہ مذکورہ بحث کے موضوع سے خارج ہے، پھر جو قید مذکورہ تحریر میں لگائی گئی ہے، اس قید کا فقہائے کرام کی عبارات میں کوئی ذکر بھی نہیں، اگر کہیں ذکر ہے تو نشاندہی کر کے ممنون فرمایا جائے۔

خروجِ بلد سے قبل؛ شرعی سفر کو وجود نہیں ملتا

(12)......''**قولہ**'':...... ہماری ان باتوں کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مذکورہ باتیں فقہائے کرام نے احکامِ سفر (قصر وغیرہ احکام ہی) کے بیان میں ذکر فرمائی ہیں (الیٰ قولہ) خروج میں ابنیۃ المصر (صفحہ نمبر 287)

''**اقول**'':...... قصر کے احکام اگر سفر سے الگ کر کے بیان کئے جا رہے ہوں، تو پھر تو کسی درجہ میں اس مفروضہ کا اعتبار ہو سکتا تھا، لیکن اگر فقہائے کرام سفر وقصر کو ایک ساتھ اس طرح بیان فرمائیں کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے، کیونکہ قصر کا تعلق سفر سے ہے، سفر شروع ہوگا تو قصر شروع ہوگی، سفر کا ذکر ہوگا تو قصر کا ذکر ہوگا، قصر

کا حکم بیان کیا جائے گا تو سفر کا بیان لازمی ہوگا، جس کی وجہ یہ ہے کہ سفر دراصل قصر کی علت ہے اور علت ہی سے معلول کا حکم نکلا کرتا ہے اور علت اور معلول میں تخلف نہیں ہوتا، کما ہو مذکور فی کتب الاصول، پھر جب اور جہاں قصر کے بجائے فقہائے کرام نے شرعی سفر یا شرعی مسافر کا تذکرہ کیا یا اس کی تعریف کی، وہاں کہیں احکام میں تغیر اور کہیں خروج وغیرہ کی قیود لگا دیں اور احکام میں تغیر خروج ونیت وغیرہ سے ہوتا ہے، اسی طرح تغیرِ احکام کے لئے خروج علت ہے، اب ضرورت اس بات کی ہوگی کہ شرعی مسافر یا شرعی سفر کی تعریف میں کہیں یہ قید دکھلائی جائے کہ احکام میں تغیر اور شرعی سفر کا تحقق خروج سے قبل ہو جاتا ہو۔

بغیر نیتِ سفر خروجِ بلد کی بحث

(13)......**''قولہ''**:......اس لئے بنیتِ مسافتِ سفر گھر سے نکلنے والا خروج بلد سے پہلے خواہ کتنا ہی سفر کرلے اسے صرف ناوی سفر ہی کہا جائے گا (الیٰ قولہ) ایک شرط مفقود ہے (صفحہ نمبر 287,288)

''اقول'':......اگر قطعِ مسافت پہلے شروع کردے اور شہر سے خارج بھی ہو جائے مگر نیت نہ ہو تو نیت متحقق ہونے پر اس کی قطعِ مسافت کا اعتبار اس لئے ہے کہ احکام میں تغیر اب پیدا ہوا ہے، اور جہاں سے احکام میں تغیر پیدا ہو، وہیں سے سفر شروع ہوتا ہے، اسی لئے ایسا شخص قطعِ مسافتِ محض پر (یعنی نیت کے بغیر) شرعاً مسافر نہ ہوگا، اگرچہ عرفاً ہو گیا ہو، یہ تو اس صورت میں ہے جبکہ نیت نہ ہو، اگر نیت ہو مگر عرفی سفر شروع ہو جائے، لیکن خروج عن البلد نہ ہو تو آپ کے نزدیک یہ شخص شرعاً مسافر ہو جاتا ہے اور اس کی قطعِ مسافت معتبر ہوتی ہے (اگرچہ احکامِ سفر شروع نہ ہوں) حالانکہ انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ جس طرح نیت نہ ہونے کی صورت میں قطعِ مسافت معتبر نہیں مانی گئی، اسی طرح یہاں بھی معتبر نہ مانی جاتی، کیونکہ دونوں جگہ قطعِ مسافت کے عدمِ اعتبار کی وجہ تغیرِ احکام کا نہ ہونا ہے، اور یہ وجہ

دونوں صورتوں میں برابر پائی جارہی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مسافر اسمِ فاعل ہے جو فعلِ سفر سے وجود میں آتا ہے، لہٰذا جس فعلِ سفر کو شرعاً معتبر مانا جائے گا، اس فعلِ سفر کی وجہ سے اسے شرعاً مسافر بھی ماننا پڑے گا، اور جب شرعی سفر اور شرعی مسافر مان لیا گیا تو احکامِ سفر بھی لاگو کرنا ضروری ہوگا۔

اگر خروجِ بلد کے وقت نوم کے باعث نیتِ سفر نہ ہو تو؟

(14)......"**قوله**":......اس مسافر کے حق میں کیا حکم لگایا جائے گا جو اپنے گھر سے نیتِ سفر سے نکلا لیکن خروج من ابنیۃ البلد کے وقت نیت کا استحضار نہ رہا بلکہ بوقتِ خروج من ابنیۃ البلد غفلت میں یا نیند میں تھا تو آیا اس کی سابقہ نیت بوقتِ خروج فعلِ سفر سے مقارن ہوئی یا نہیں؟ (صفحہ نمبر 288)

"**اقــــول**":...... یہاں کیونکہ نیت کا استحضار یا سونا وغیرہ کوئی نیت کا مخالف عمل نہیں، اس لئے شرعاً اس کی نیت کا تسلسل جاری ہے، اور مقارن ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ خاص خروجِ بلد کے وقت اس کی تجدید کی جائے، لہٰذا جس نے نیت کر لی اور خروجِ بلد تک نیت ختم نہ کی اور سفر کے لئے عمل یعنی مشی ورکوب بھی نیت کے مطابق جاری ہے تو اس کی نیت خروجِ بلد پر حکماً مقارن بالفعل ہو جائے گی۔

لہٰذا یہ کہنا کہ نیت کے اس طرح عدمِ استحضار سے، نیت عملِ سفر کے ساتھ مقارن نہیں ہوگی درست نہیں۔ [1]

---

[1] اس سلسلہ میں ملاحظہ ہوں درج ذیل عبارات:

الاول من شروط صحة التحريمة توجدمقارنة النية حقيقة اوحكما بلافاصل بينهما وبين النية باجنبى يمنع الاتصال كالاكل والشرب والكلام فاماالمشى الصلاة والموضوع فليسا مانعين ومثال المقارنة حقيقة ان ينوى مقارنا للشروع بالتكبير ومثال المقارنة الحكمية ان يقوم النية على الشروع قالوا لونوى عند الوضوء انه يصلى الظهر مثلا ولم يشتغل بعد النية بعمل يدل على الاعراض كاكل وشرب وكلام ونحوهاثم انتهى الى محل الصلاة ولم تحضر النية جازت صلاته

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

خروجِ بلد سے قبل فعلِ سفر کو وجود نہیں ملتا

(15)......**"قوله"**:......اس سے مراد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ احکامِ سفرالخ (صفحہ نمبر289)

"اقول":......خروجِ بلد سے قبل فقہائے کرام عاملِ سفر وفاعلِ سفر نہیں مان رہے، بلکہ عازمِ سفر وناوی سفر مان رہے ہیں، اور آپ اس کے بجائے عاملِ سفر وفاعلِ سفر مان رہے ہیں، آپ کے موقف کا فقہائے کرام کے موقف سے یہ تعارض بالکل واضح ہے، اب یہ فرق کرنا کہ فقہائے کرام کی مراد احکامِ سفر کے اعتبار سے فاعلِ سفر وعاملِ سفر نہ ہونا ہے اور خود سفر کے اعتبار سے عاملِ سفر وفاعلِ سفر نہ ہونا نہیں ہے، اولاً تو یہ فرق خود فقہائے کرام کی عبارات میں موجود ہونا چاہئے، دوسرے جب فقہائے کرام کے نزدیک فعلِ سفر وعملِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالنیۃالسابقۃ. ۱۲ م وط بتصرف(حاشیۃ نورالایضاح ص ۶۲ مولانا اعزازعلی صاحب رحمہ اللہباب شروط الصلاۃ وارکانھا)

لأن الأصل فی العبادات اقتران النیۃ بحال الشروع فی الصوم إلا أن وقت الشروع فی الصوم وقت مشتبہ لا یعرفہ إلا من یعرف النجوم وساعات اللیل، وھو مع ذلک وقت نوم وغفلۃ والمتھجد باللیل یستحب أن ینام سحرا فلدفع الحرج جوز لہ بنیۃ متقدمۃ علی حالۃ الشروع، وإن کان غافلا عنہ عند الشروع بأن تجعل تلک النیۃ کالقائمۃ حکما(المبسوط للسرخسی، ج۳ص ۶۱، ۶۲ ، کتاب الصوم)

أن النیۃ شرط انعقاد الصوم لا شرط بقائہ منعقدا ألا تری أنہ یبقی مع النوم، والنسیان، والغفلۃ؟(بدائع الصنائع ،ج۲ص ۹۲، کتاب الصوم،فصل ارکان الصیام)

والشارع إنما رخص فی تقدیم النیۃ علی ابتدائہ، لحرج اعتبارھا عندہ(المغنی لابن قدامۃ ، ج۳، ۱۱۱،کتاب الصیام،فصل تعتبر النیۃ لکل یوم من رمضان)

وذھب الحنفیۃالی صحۃ الصوم لان نیتہ قد صحت وزوال الاستشعاربعد ذالک لایمنع صحۃ الصوم کالنوم(الموسوعۃ الفقھیۃ ،مادہ صوم)

وقال أبو حنیفۃ :یصح؛ لأن النیۃ قد صحت، وزوال الاستشعار بعد ذلک لا یمنع صحۃ الصوم، کالنوم(المغنی لابن قدامۃ ،ج۳ص۱۱۵،کتاب الصیام ، مسالۃ نوی الصیام من اللیل فاغمی علیہ قبل طلوع الفجر فلم یفق حتی غربت الشمس)

www.idaraghufran.org

سفرِ شرعی اور احکامِ سفرِ شرعی ایک ساتھ متحقق ہوتے ہیں تو پھر اس تاویل کا امکان بھی نہیں۔

تیسرے یہ بات واضح ہے کہ جب فقہائے کرام کے نزدیک حدودِ بلد میں عاملِ سفر وفاعلِ سفر نہ ہونے بلکہ ناوی سفر وعازمِ سفر ہونے سے مراد شرعاً عاملِ سفر وفاعلِ سفر نہ ہونا اور شرعاً ناوی سفر وعازمِ سفر ہونا ہے، تو پھر ان کے مقابلہ میں حدودِ بلد میں عرفاً عاملِ سفر وفاعلِ سفر ہونے اور عرفاً ناوی سفر وعازمِ سفر نہ ہونے کو پیش کرنا بالکل الگ موضوع ہے، کیونکہ فقہائے کرام کی مراد ان سب امور سے شرعاً ہے اور آنجناب کی مراد بعض میں عرفاً ہے اور شرعی سفر وقصر کا زیرِ بحث مسئلہ عرف سے خارج ہے، عرف میں جو کچھ بھی ہوتا رہے فقہائے کرام کا اس جگہ یہ موضوع ہی نہیں، لہٰذا یہ طرز وضع الشیٔ فی غیر محلہٖ ہے۔

چنانچہ ابوالحسن ماوردی فرماتے ہیں:

إِذَا نَوَى سَفَرًا يَقْصُرُ فِي مِثْلِهِ الصَّلَاةَ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَقْصُرَ فِي بَلَدِهِ بِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ قَبْلَ إِنْشَاءِ السَّفَرِ وَهُوَ قَوْلُ كَافَّةِ الْفُقَهَاءِ (الحاوی الکبیر، ج۲، ص ۳۶۸، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر والجمع فی السفر)

پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:

وَلِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى أَبَاحَ الْقَصْرَ فِي السَّفَرِ وَالسَّفَرُ مُشْتَقٌّ مِنَ الْأَسْفَارِ وَهُوَ الْخُرُوجُ عَنِ الْوَطَنِ، وَقِيلَ بَلْ سُمِّيَ سَفَرًا لِأَنَّهُ يُسْفِرُ عن أخلاق السفر وَالْمُقِيمُ فِي بَلَدِهِ وَإِنْ خَرَجَ عَنْ مَنْزِلِهِ لَا يُسَمَّى مُسَافِرًا لِأَنَّ الْمُقِيمَ قَدْ يَخْرُجُ مِنْ مَنْزِلِهِ لِلتَّصَرُّفِ فِي أَشْغَالِهِ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ سَفَرًا فَكَذٰلِكَ إِذَا انْتَقَلَ مِنْ أَحَدِ طَرَفَيِ الْبَلَدِ إِلَى الطَّرَفِ الْآخَرِ لَمْ يُسَمَّ مُسَافِرًا لِأَنَّهُ قَدْ نُسِبَ إِلَى الْبَلَدِ بِالْمُقَامِ فِي الطَّرَفِ الَّذِي انْتَقَلَ إِلَيْهِ كَمَا يُنْسَبُ إِلَيْهِ بِالْمُقَامِ فِي الطَّرَفِ الَّذِي انْتَقَلَ عَنْهُ وَإِذَا لَمْ يَنْطَلِقِ اسْمُ السَّفَرِ عَلَيْهِ قَبْلَ مُفَارَقَةِ بَلَدِهِ لَمْ يَجُزْ لَهُ الْقَصْرُ

Idara Ghufran

لِعَدَمِ الشَّرْطِ الْمُبِيحِ لَهُ (الحاوی الكبير، ج۲، ص ۳۶۹، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر والجمع فی السفر)

مذکورہ عبارت میں تصریح ہے کہ بلد میں انشائے سفر نہیں ہوتا، نیتِ محض ہوتی ہے، جس کی وجہ سے قصر جائز نہیں، اور یہ ''کافۃ الفقہاء'' کا قول ہے، اور یہ بھی تصریح ہے کہ خروج عن الوطن سے سفر کو وجود نہیں ملتا، اور بلد میں ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ پر منتقل ہونے پر سفر کا اطلاق بھی نہیں ہوتا، اور خروج سے قبل سفر کے وجود کی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے قصر جائز نہیں ہوتی۔

بدائع کی ایک عبارت کا مطلب

(16)......''**قولہ**'':......خود بدائع کی یہ عبارت کہ ''وکذا مطلق الضرب فی الارض یقع علی سیر یسمی سفرا والنزاع فی تقديره شرعا'' (صفحہ نمبر 289)

''**اقول**'':......اولاً تو احکامِ سفر ہی اصل ہیں، سفر سے بھی احکامِ سفر کو وجود ملتا ہے، اس کے لئے ہی فقہائے کرام سفر کی بحث سے تعرض فرماتے ہیں، دوسرے صاحبِ بدائع کے نزدیک جب مطلق ضرب فی الارض کو عرف یا لغت میں سفر کا نام دیا جاتا ہے تو پھر اس کے باوجود شرعی سفر میں وہ اس عرف ولغت کا اعتبار نہ کرتے ہوئے اس کے مقابلہ میں محض شرعی سفر ہی کا اعتبار فرمارہے ہیں اور جب تک وہ شرعاً مسافر نہ ہو (جس کی بنیاد احکام میں تغیر اور قصر وغیرہ کا نفاذ ہے) اس وقت تک اسے شرعاً ناوی سفر کہہ رہے ہیں، فاعلِ سفر نہیں کہہ رہے، تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ شرعی سفر وقصر میں عرفی ولغوی سفر کو کسی درجہ کا بھی دخل نہیں۔

اقامت کی نیت سے کسی جگہ عملاً اقامت اختیار کرلینا مرد نہیں

(17)......''**قولہ**'':......فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس بات کو جس موقع پر بیان فرمایا

اس کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد مقیم ہوجانے سے یہ نہیں ہے کہ جہاں اس نے اقامت کی نیت کی اسی جگہ اب اسے رہائش اختیار کرنا لازم ہے (صفحہ نمبر 290)

''اقول'':...... یہ کون کہتا ہے کہ فقہائے کرام کی مراد وہاں رہائش اختیار کر لینا ہے، بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ اس کے حق میں مقیم ہونا ثابت ہوگیا، مقیموں والے احکام ثابت ہوگئے اور حضر والے احکام ثابت ہوگئے، یہ ساری ہی چیزیں مراد ہیں۔

احکامِ سفر کے اختتام پر؛ سفر کا اختتام

(18)...... **''قولہ''**:...... اور احکامِ سفر ختم ہوگئے (صفحہ نمبر 290)

''اقول'':...... صرف احکامِ سفر ہی ختم نہیں ہوئے، بلکہ شرعی سفر بھی ختم ہوگیا۔

احکامِ سفر کے آغاز پر؛ سفر کا آغاز

(19)...... **''قولہ''**:...... اور احکامِ سفر کے اعتبار سے وہ اب مسافر بن گیا (صفحہ نمبر 290)

''اقول'':...... صرف مسافر ہی نہیں بنا، بلکہ شرعی سفر بھی شروع ہوگیا (جس طرح اس کے برعکس صورت میں احکامِ سفر ختم ہونے کے ساتھ شرعی سفر بھی ختم ہوگیا تھا)

شرعی سفر شروع ہونے اور احکامِ سفر شروع نہ ہونے میں تخلف کی آنجناب کے مضمون میں اب تک ایک عبارت بھی یہاں تک بندہ کی نظر میں نہیں آسکی، اور یہ سب باتیں قاعدہ کے لحاظ سے بناء الفاسد علی الفاسد معلوم ہورہی ہیں۔

صحراء میں اقامت کی نیت معتبر نہ ہونے کی وجہ

(20)...... **''قولہ''**:...... اس کی مزید تائید فقہائے کرام رحمہم اللہ کی اس بات سے بھی ہوتی ہے الخ (صفحہ نمبر 290)

''اقول'':...... اصل بات یہ ہے کہ جب ظاہر نیت کی تکذیب کر رہا ہو تو اس نیت کا

www.idaraghufran.org

اعتبار نہیں، لہٰذا جو شخص شرعی سفر متحقق ہونے کے بعد صحراء میں اقامت کی نیت کرے، عند الحنفیہ اس کی وہ نیت معتبر نہیں، کیونکہ پہلے سے مسافر ہونا یقینی ہے اور یہاں مقیم ہونے کی نیتِ محض ہے اور اس کا بھی ظاہر مکذب ہے، بعینہٖ اسی طرح جیسا کہ حدودِ بلد میں سفر کی نیت کرے اور چلنا بھی شروع کردے تو یہ نیت، شرعی سفر متحقق ہونے کے اعتبار سے اس لئے غیر معتبر ہے کہ حدودِ بلد جو کہ ظاہر ہے وہ اس نیت کا مکذب بلکہ متعارض اور اس سے بڑھ کر مانع ہے۔

وطنِ اقامت میں دخول سے سفر ختم ہونے کا مطلب

(21)......''**قولہ**'':...... یہاں بھی اقامت کا دخولِ مصر سے تعلق ہونے سے مراد احکامِ اقامت لاگو ہوجانا ہے، یہ مراد نہیں کہ شہر میں داخل ہوتے ہی اس کا ہر اعتبار سے سفر ختم ہوگیا اور آگے قطعِ مسافت اس کے واسطے ناجائز یا ممنوع ہوگئی الخ (صفحہ نمبر 292)

''**اقول**'':......ناجائز وممنوع نہ کوئی کہتا ہے اور نہ کسی کی مراد ہے، بلکہ اس کا سیدھا اور سادا سا مطلب یہ ہے کہ جو مصر کسی کا وطنِ اقامت یا وطنِ اصلی ہے، وہاں مقیم ہونے کا تعلق دخول سے ہے، جس طرح مسافر ہونے کا تعلق خروج سے تھا، اور جب مقیم ومسافر ہونے کا تعلق دخول وخروج سے ہے تو اب اگر کوئی داخل ہونے کے بعد قطعِ مسافت کررہا ہے تو وہ شرعاً غیر معتبر اور کالعدم ہے، جس طرح سے کہ خروج سے پہلے کی قطعِ مسافت شرعاً غیر معتبر اور کالعدم تھی۔

اور اگر فقہائے کرام کی اس قاعدہ ''الاقامة يتعلق بدخول المصر فالسفر يتعلق بالخروج منها'' سے فعلِ سفر وفعلِ اقامت مراد نہیں بلکہ احکامِ سفر واحکامِ اقامت مراد ہوتی، تو انہیں یوں کہنا چاہئے تھا ''واحكام الاقامة تتعلق بدخول المصر ،فاحكام السفر تتعلق بالخروج منها''

اور اصل غلطی کا منشاء یہی ہے کہ فقہائے کرام کے نزدیک یہ قاعدہ کہ:

''الاقامة تتعلق بدخول المصر فالسفر يتعلق بالخروج منها''

اور یہ قاعدہ کہ:

''احكام الاقامة تتعلق بدخول المصر فاحكام السفر يتعلق بالخروج منها''

دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک اقامتِ شرعی وسفرِ شرعی اور احکامِ حضر واقامت اور احکامِ سفر دونوں باہم متعلق ہیں، مگر فقہائے کرام کے برعکس آنجناب کا قاعدہ سفر واقامت سے متعلق درج ذیل ہے:

''السفر يتعلق بالعرف (لا بالخروج) فالاقامة يتعلق بالعرف (لا بالدخول)''

اور احکامِ سفر سے متعلق درج ذیل ہے:

''احكام الاقامة يتعلق بدخول المصر فالسفر يتعلق بالخروج منها''

اب خود غور کرنا چاہیے کہ ایک تو فقہائے کرام کے بیان کردہ قاعدہ کے خلاف موقف اختیار کیا گیا اور اوپر سے ''الاقامة'' کی جگہ ''احکام''''الاقامة'' اور ''السفر'' کی جگہ ''احکام السفر'' لگادیا گیا، اس کا کس حد تک جواز بنتا ہے اور یہ کس حد تک درست ہے؟ اس پر جناب خود ہی غور فرمالیں۔

خروجِ بلد سے قبل سفر یا مسافر کے اطلاق کا اثر

(22)......''قوله'':......تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ کتبِ فقہ کے علاوہ بعض روایات حدیث میں بھی ایسے سفر پر سفر کا اطلاق اور ایسے لوگوں پر مسافر کا اطلاق کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احکامِ سفر لاگو ہونے سے پہلے اگرچہ ان احکام کے حق میں تو اس قطعِ مسافت پر سفر کا اطلاق الخ (صفحہ نمبر 294)

''اقول'':......اولاً تو ایسا سفر اور ایسا مسافر ہمارے مبدءِ سفر ومبدءِ قصر کے زیرِ بحث موضوع سے خارج ہے، لہٰذا اگر کسی دوسری نص میں یا عرف میں کسی ایسی طرح کا سفر ومسافر ہونا ثابت بھی ہوجائے جو فقہائے کرام اور ہمارے اور آپ کے زیرِ بحث موضوع سے

خارج ہو، تو اس سے مسئلہ ہٰذا پر کوئی فرق نہیں پڑتا، دوسرے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اطلاق جو روایتِ حدیث میں کیا گیا ہے بالفعل نہیں بلکہ بالمآل ہے، اور اس کی بے شمار مثالیں نصوص اور فقہ وعرف میں موجود ہیں، جیسا کہ قرآن مجید کی آیت ''زوجاً غیرہ'' میں نکاح سے پہلے ''زوجاً'' فرمادیا گیا ہے۔ [1]

حج پر جانے والے کو حاجی کہہ دیا جاتا ہے اور روزہ کی رات سے نیت کرنے اور سحری کھانے والے کو مآل کے اعتبار سے صائم کہہ دیا جاتا ہے، اسی طرح جب کسی مسافر کے لئے کوئی ہدایت یا مسئلہ بیان کیا جائے گا تو اسے مسافر کہہ دیا جاتا ہے۔

حالانکہ ابھی اس کا فعلِ سفر شروع نہیں ہوتا۔

لیکن یہ اس اعتبار سے نہیں ہوتا کہ قصر واحکامِ سفر کے اعتبار سے وہ مسافر ہوگیا، جبکہ قصر یا دیگر احکامِ قصر کے اعتبار والا مسافر ہی ہماری اور آپ کی بحث کا موضوع ہے۔

ایک یوم اور ایک لیل کے سفر ہونے کی بحث

(23)...... ''**قـولـه**'': ......لیکن خیال رہے کہ ان عبارات کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد الخ (صفحہ نمبر 294)

''**اقــول**'': ......جب ان عبارات کو ذکر کرنے کا مقصد کوئی حکمِ شرعی بیان کرنا نہیں ہے تو مدعا جس کی تائید کے لئے یہ عبارات نقل کی جارہی ہیں وہ تو حکمِ شرعی ہے یعنی مدتِ مسافتِ شرعی کی ابتداء اور جس پر احکامِ سفر مرتب نہ ہوں ایسے شخص کو اور اس کے عمل کو احکامِ سفر کے اعتبار سے کسی بھی حیثیت سے مسافر اور سفر نہیں کہا جاتا اور احکامِ سفر سے ہٹ کر جس اعتبار سے بھی مسافر کہا جاتا ہو وہ ہمارے موضوع کا حصہ نہیں، لہٰذا کسی دوسرے موضوع کو بطورِ دلیل پیش کرنے سے زیرِ بحث موضوع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

---

[1] إذا كانت تعتد به بعد الطلاق جاز أن يسميها عدة، كما قال تعالى :(حتى تنكح زوجا غيره) فسماه زوجا قبل النكاح (احكام القرآن للجصاص، ج ۱، ص ۴۴۷، من سورة البقرة)

www.idaraghufran.org

پھر آپ نے جو روایات ص ١٦ پر ذکر فرمائی ہیں ان میں سے صحیح بخاری کی پہلی روایت دراصل امام بخاری کا قائم کیا ہوا باب ہے، جس میں وہ فرمارہے ہیں:

" وسمى النبى صلى الله عليه وسلم يوما وليلة سفرا"

یہ عبارت اس بارے میں صریح اور قرآن وحدیث نیز جمہور فقہائے کرام کے موقف کے عین مطابق ہے کہ:

''ان کے نزدیک شرعی سفر اسی کا نام ہے جس سے احکام میں تغیر'' مثلاً قصر'' وجود میں آئے اور اس باب سے قصر ہی کا بیان مقصود ہے، اب بعض فقہائے کرام نے ایک دن والی روایت کو لے کر مدتِ مسافتِ شرعی قرار دی، اس شرط کے ساتھ کہ سفر و قصر کا آغاز خروج عن البلد پر ہوتا ہے''

لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دن ورات کو سفر نام رکھنا قصر کے حکم کے اعتبار سے ہے، اگرچہ فقہائے احناف نے تین دن والی روایت کو ترجیح دی ہے اور قصر شروع ہوتا ہے خروج پر، لہٰذا سفر بھی وہیں سے شروع ہوگا۔

پھر اس باب کے تحت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی جو روایت آنجناب نے نقل فرمائی ہے وہ محرم کے ساتھ ہونے کا حکم بیان کرنے کے اعتبار سے ہے، اور یہ حکم فقہ حنفی اور آپ کے وہمارے اعتبار سے مبدءِ احکامِ سفر میں سے ہے اور آنجناب بھی مبدءِ احکامِ سفر خروج عن البلد پر مانتے ہیں، لہٰذا اس روایت سے مبدءِ احکامِ سفر کو الگ کر کے مبدءِ سفر محض پر استدلال کرنا خود آنجناب کے مدعا کے بھی خلاف ہے۔

یہ روایت دراصل اس اعتبار سے مبدءِ سفر کو بیان کرنے کے لئے نہیں ہے کہ ایک دن ورات کی مسافت کا آغاز اس کے گھر سے ہوگا، بلکہ عورت کے لئے محرم کے ساتھ ہونے کے اعتبار سے مدتِ مسافت کو بیان کرنے کے لئے ہے، اور اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، جن کے متعلق بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ عورت کے ساتھ محرم ہونے کا مسئلہ قصر ہونے کے

Iqra Ghufran

مسئلہ سے مختلف ہے، اور اس کی اصل علت فتنہ کا خوف ہے۔ [1]

---

[1] ویجمع معانی الآثار فی هذا الباب وإن اختلفت ظواهرها الحظر علی المرأة أن تسافر سفرا یخاف علیها الفتنة بغیر محرم قصیرا کان أو طویلا والله أعلم(التمهید، لابن عبدالبر القرطبی، ج ۲۱ ص ۵۵، باب السین، سعید بن ابی سعید المقبری، الحدیث الثانی)

والذی جمع معانی آثار هذا الحدیث -علی اختلاف ألفاظه -أن تکون المرأة تمنع من کل سفر یخشی علیها فیه الفتنة إلا مع ذی محرم أو زوج قصیرا کان السفر أو طویلا ،والله أعلم(الاستذکار، لا بن عبد البر القرطبی، ج۸، ص ۵۳۳، کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی الوحدة فی السفر للرجال والنساء)

قال القرطبی :یمکن أن المنع إنما خرج لما یؤدی إلیه من الخلوة، وانکشاف عوراتهن غالبا، فإذا أمن ذلک بحیث یکون فی الرفقة نساء تنحاش إلیهن کما قال مالک والشافعی، قال الباجی :وهذا عندی فی الانفراد والعدد الیسیر، فأما فی القوافل العظیمة، فهی کالبلاد یصح فیها سفرها دون نساء ، ودون محرم، انتهی(شرح الزرقانی علی موطأ الإمام مالک، لمحمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی ، ج۴،ص ۶۲۳ ،فی الوحدة فی السفر للرجال والنساء)

(مسألة):ولعل هذا الذی ذکره بعض أصحابنا إنما هو فی حال الانفراد والعدد الیسیر فأما القوافل العظیمة والطرق المشترکة العامرة المأمونة فإنها عندی مثل البلاد التی یکون فیها الأسواق والتجار فإن الأمن یحصل لها دون ذی محرم ولا امرأة وقد روی هذا عن الأوزاعی(المنتقی شرح الموطإ،لابی الولید سلیمان التجیبی القرطبی الباجی الأندلسی ،ج۳،ص ۸۲،حج المرأة بغیر ذی محرم)

لا تسافر المرأة ثلاثا، فإنه لم یقع فی مسألة الإتمام والقصر، بل ورد فی سفر الحاجات، واختلفت فیه الروایات .وفی بعضها :مسیرة یوم ولیلة، وهو عندی مختلف باختلاف الأحوال، والأحادیث فی هذا الباب صدرت عن حضرة الرسالة تارة کذا، وتارة کذا، ولیست محمولة علی اختلاف الرواة .وفی کتب الحنفیة عامة عدم جواز السفر إلا مع محرم.

قلت :ویجوز عندی مع غیر محرم أیضا بشرط الاعتماد والأمن من الفتنة .وقد وجدت له مادة کثیرة فی الأحادیث ،أما فی الفقه فهو من مسائل الفتن(فیض الباری،ج۲، ص ۵۳۴، کتاب تقصیر الصلاة، باب یقصر إذا خرج من موضعه)

قوله :(لا تسافر المرأة یومین) الخ، وهذا یختلف عندی باختلاف الأحوال، فلا تعیین فیها .وقد مر الکلام فیه(فیض الباری،ج۲، ص ۵۹۱، کتاب فضل الصلاة فی مسجد مکة والمدینة، باب مسجد بیت المقدس)

قوله :(لا تسافر المرأة)، وقد مر منی أن الحدیث ورد فی الأسفار العامة، والمحدثون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مسافر ہونے کے بارے میں فقہاء کے ایک اختلاف کی بحث

(24)......"**قولہ**":......"وفی القرطبی(ج۲، ص ۸۱)واختلف الفقھاء فی المسافر" (صفحہ نمبر295)

"**اقول**":......فقہائے کرام کا یہ اختلاف سواری پر بیٹھ کر نماز پڑھنے سے متعلق ہے، جس کے جواز کے لئے بعض فقہائے کرام کے نزدیک شرعی سفر کا تحقق ضروری ہے جس میں مدتِ مسافت کی قید کے ساتھ خروجِ مصر کی بھی قید ضروری ہے، اور بعض کے نزدیک مدتِ مسافت کی قید نہیں ہے، بلکہ مطلق خروجِ مصر کی قید ہے، البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے شہر کے اندر بھی سواری پر نفل نماز جائز ہے، مگر اس مسئلہ سے ہٹ کر شہر کے اندر قصر کے عدمِ جواز پر یہ تمام حضرات متفق ہیں۔

غرضیکہ آنجناب نے جو عبارات یا روایات نقل فرمائی ہیں ان سے ایسے مبدءِ سفر کا "جو مبدءِ قصر یا مبدءِ احکامِ سفر سے خالی ہو" کوئی ثبوت نہیں ملتا اور ان کو نقل کرنا بے محل ہے۔

اور اگر نفسِ مسافر و سفر اطلاق کے ساتھ (یعنی شرعی صفت کی قید کے بغیر) ثابت کیا جائے تو وہ ہمارے اور آپ کے موضوع سے خارج ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ یخرجونه فی سفر الحج(فیض الباری، ج۳، ص ۲۱۲، کتاب جزاء الصید، باب من نذر المشی إلی الکعبة)

واعلم أن الحدیث فی السفر غیر سفر الحج وأما العلماء فیذکرون مسألة سفر الحج تحت هذه الأحادیث، وکذلک الطحاوی وغیره فعل مثل هذا أی ذکر سفر الحج تحت هذه الأحادیث، ثم ورد فی الأحادیث :لا تسافر المرأة فوق ثلاثة أیام ، وفی بعض الروایات سفر یوم، وفی بعض الروایات سفر یوم ولیلة وغیرها من الألفاظ، ومذهب أبی حنیفة أن سفر الحج إن کان ثلاثة أیام فلا تسافر إلا ومعها محرم، وإذا کان أقل من ثلاثة أیام فیجوز لها السفر، فیقال :إن الأحادیث ترد علی أبی حنیفة، أقول :لا ترد علی أبی حنیفة، فإن الأحادیث لیست بواردة فی سفر الحج بل فی غیره من الأسفار، والمحقق فیها أن یدار الأمر علی الفتنة وعدمها ویحول الأمر إلی رأی من ابتلی به ولا یکون فیه تحدید الأیام، وهذا ما تحقق لی من المذهب وإن لم یصرح به أحد(العرف الشذی ج۲، ص ۴۰۷، کتاب الرضاع،باب ما جاء فی کراهیة أن تسافر المرأة وحدها)

Idara Ghufran

سب بستیوں کے لئے مبدءِ سفر کا معیار یکساں ہونا چاہئے

(25)......**''قولہ''**:......اس تحریر کو پیش کرنے کا اصل مقصد یہ نہیں ہے کہ ہر ہر بستی وآبادی کے واسطے مبدأ ومنتہاء احکام سفر (الٰی قولہ) سفر وحضر کے اعتبار سے فرق پڑجائے (صفحہ نمبر 295,296)

''اقول'':......اس کا مطلب یہ ہوا کہ مبدءِ سفر کے بارے میں آنجناب کا ضابطہ مقرر اور طے نہیں ہے، کسی بستی میں مبدءِ سفر وقصر دونوں کا تحقق انتہاء الابنیۃ پر ہوگا۔

حالانکہ آنجناب کی طرف سے اب تک جو دلائل پیش کئے گئے ان سب سے تو یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ مبدءِ احکامِ سفر کا تعلق خروج سے ہے اور نفسِ مبدءِ سفر کا تعلق خروج سے نہیں بلکہ عرف سے ہے۔

اور یہاں مبدءِ سفر ومبدءِ احکامِ سفر دونوں ہی کا تعلق خروج سے کردیا، اب سوال یہ ہے کہ ایسے مواقع پر مبدءِ قصر ومبدءِ احکامِ قصر کے دلائل کہاں ہیں؟ جبکہ پہلے پیش کردہ سارے دلائل مبدءِ سفر ومبدءِ قصر کے اتحاد کے بجائے اختلاف کے متقاضی تھے، یہ تو دعوے اور دلیل کا ٹکراؤ ہے۔

مبدءِ سفر ومبدءِ قصر کے متحد ہونے کا خروجِ آبادی سے تعلق آبادی کے معلوم ومتعین ہونے پر ہوا، آبادی کے دور دراز تک پھیلنے یا کم ہونے سے نہیں ہوا، یہ بات ممکن ہے کہ ایک آبادی چھوٹی ہو اور اس کی حدود معلوم ومتعین نہ ہوں، اور اس کے برعکس ایک آبادی وسیع ہو اور اس کی حدود متعین ومعلوم ہوں تو دارومدار متعین ومعلوم ہونے نہ ہونے پر ہوا نہ کہ بڑا چھوٹا ہونے پر، جبکہ آنجناب کے شروع میں پیش کردہ دعوے کے مطابق اصل مسئلہ آبادی کے بڑا ہونے سے پیدا ہوا، اور ان دونوں باتوں میں واضح ٹکراؤ موجود ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ:

''جن آبادیوں کی حدود متعین اور معلوم ہیں خواہ وہ بڑی ہوں یا چھوٹی ان کا مبدءِ سفر وقصر خروج پر متحقق ہوگا، اس سے پہلے نہیں، اور جن کی متعین ومعلوم نہیں خواہ بڑی ہوں یا چھوٹی، ان کا مبدءِ سفر وقصر خروج سے متحقق نہ ہوگا، بلکہ عرف سے متحقق ہوگا اور عرف میں جہاں سے مسافر سمجھا جائے وہاں سے مبدءِ سفر اور مبدءِ قصر متحقق ہوگا''

اور اس اصول کی روشنی میں ایک شخص عرف میں آبادی کے اندر مسافر سمجھا جائے تو اس کا مبدءِ سفر وہیں سے شروع ہو جائے گا، لیکن مبدءِ قصر خروج پر متحقق ہوگا، لیکن اس کے برعکس اگر خروج کے بعد بھی عرف سے مسافر نہ سمجھا جائے تو باوجودیکہ اس کا مبدءِ قصر متحقق ہو چکا لیکن اس کا مبدءِ سفر متحقق نہ ہوگا اور اگر یوں کہا جائے کہ:

''جن آبادیوں کی وسعت بہت بڑھ گئی ہے، جیسا کہ کراچی شہر، اگرچہ اس وسیع شہر کی حدود متعین ومعلوم ہوں، ایسے شہروں سے سفر کرنے والوں کا مبدءِ سفر گھر سے یا عرف سے اور مبدءِ قصر شہر سے باہر نکل کر متحقق ہوگا''

تو اس اصول کا پہلے اصول سے ٹکراؤ ہے یہاں تعیین اور علم کے بجائے وسعت پر مدار رکھا گیا، حالانکہ اس وسعت کو اگر بنیاد بنایا جائے اور مبدءِ سفر گھر یا عرف کو قرار دیا جائے تو پوری مدتِ مسافت شہر کے اندر پوری ہونے کی صورت میں کہا جائے گا کہ ایک شخص کا مبدءِ سفر ومنتہائے سفر دونوں ہی یکے بعد دیگرے متحقق ہو چکے، مگر مبدءِ قصر بلکہ منتہائے قصر کا کوئی وجود ہی نہیں۔

اس لئے پھر جمہور فقہائے کرام اور نص کی طرف مراجعت کرنی پڑے گی اور کہنا پڑے گا کہ شہر بڑا ہو یا چھوٹا، حدود واضح متعین ہوں یا نہ ہوں، مسافر کو حدود کا علم ہو یا نہ ہو، بہر صورت مبدءِ سفر ومبدءِ قصر کا تحقق خروج پر ہوگا، اور متعین ہونے کا اگر یہ مطلب ہو کہ واقع میں بھی متعین نہیں، یہ تو درست نہیں اور اگر یہ مطلب ہو کہ واقع میں تو وجود ہے مگر واضح علامات

ونشانیاں قائم نہیں تو یہ کام کسی دور میں بھی ہر بستی میں نہیں ہوا، اسی طرح معلوم ہونے کا اگر یہ مطلب ہو کہ کسی کو بھی معلوم نہیں یہ بھی درست نہیں اور اگر یہ مطلب ہو کہ کچھ کو معلوم ہے کچھ کو معلوم نہیں تو اس کا حل یہ ہے کہ جہل کا علاج علم سے ہوتا ہے اور جہاں علم کا ذریعہ نہ ہو اس کا حل شروع صفحات پر فقہائے کرام کی طرف سے نقل کر دیا گیا کہ ایسے حالات میں اتمام کو قصر پر ترجیح ہوا کرتی ہے۔

مبدءِ سفر کے تحقق کے لئے آبادی کا انقطاع شرط نہیں

(26)......**''قولہ''**:......اس تحریر کا مقصدِ اصلی تو یہ ہے (صفحہ نمبر 296)

''اقــــول'':......اس سے پہلے پیرا گراف میں اصل الجھن حدود کا غیر متعین اور نا معلوم ہونا بیان کی گئی اور یہاں آبادی کی وسعت یا میل ہا میل تک عمارتوں کے تسلسل سے چلتے رہنے پر الجھن یا مشکل کی بنیاد رکھی گئی، اس پر کچھ کلام تو پہلے ہو چکا۔

مزید یہ کہ وسعت کا بھی کوئی معیار ہوگا یا نہیں؟ یعنی ایک شہر کتنا وسیع ہو گیا ہو، تاکہ اس کی وجہ سے مبدءِ سفر کو تبدیل کیا جائے اور اتنا وسیع نہ ہوا ہو تو اپنی حالت پر برقرار رکھا جائے، اس کا معیار مقرر کرنا ضروری ہے، اور اس مقرر کرنے کے باوجود بھی اگر متعین و معلوم ہو تو پھر مبدءِ سفر کیا ہوگا اور عدمِ علم و عدمِ تعین کی صورت میں کیا ہوگا، آپ نے جو معیارِ عرف کا بیان کیا، وہ تو خود شرعی سفر سے متصادم ہے، جیسا کہ ما سبق میں گزرا۔

ایک بار پھر یہاں یہ بات عرض کر دینا ضروری ہے کہ عمارتوں کے ہر قسم کا تسلسل اتحادِ آبادی کو مستلزم نہیں اور ہر قسم کا عدمِ تسلسل آبادی کے دوسرے سے جدا ہونے کو مستلزم نہیں۔

چنانچہ یہ ممکن ہے کہ ایک شہر کی حدود میں کچھ خالی جگہ ہونے کی وجہ سے آبادی کا تسلسل ٹوٹ گیا ہو، مگر اتحاد کا حکم باقی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تسلسل نہ ٹوٹا ہو، مگر اتحادِ آبادی کا حکم ختم ہو گیا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آبادی کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد جنگل اور صحراء شروع ہو گیا ہو۔

کیونکہ اصل بنیاد موضعِ اقامت سے خروج ہے اور خروج متحقق ہونے کے بعد بلکہ فوراً ساتھ ہی پھر دخول خواہ کسی آبادی میں ہو یا غیر آبادی میں، وہ موضعِ اقامت سے خروج متحقق ہونے کے اعتبار سے برابر ہے۔

پس جو عمارتوں کا تسلسل جاری ہے اس کو دیکھنا چاہئے کہ کس نوعیت کا ہے آیا اتحاد الابنیۃ کی حیثیت سے ہے یا اختلاف الابنیۃ کی حیثیت سے، کیونکہ قرآن مجید کی رو سے قصر کا تحقق ایسے ضرب کے ساتھ ہوتا ہے جو من ارض الی ارض ہو اور جب تک تسلسل اتحاد الابنیۃ کی نوعیت کا ہے اس میں نفسِ ضرب تو متحقق ہے مگر من ارض الی ارض متحقق نہیں ہے اور جب اتحاد الابنیۃ کی نوعیت ختم ہوگئی اگرچہ تسلسل جاری ہو، اس صورت میں ایسا ضرب متحقق ہو چکا، جو من ارض الی ارض ہے، لہٰذا مبدءِ سفر و مبدءِ قصر متحقق ہو چکا۔

دو مختلف لیکن متصل شہروں کی آبادیوں میں مبدءِ سفر کیا ہوگا؟

(27)......**''قولہ''**:...... پہلا سوال یہ ہے کہ بڑے شہروں میں جہاں شہر کی وسعت نے دو مختلف شہروں کے درمیان بیوت و عمارتوں کا ایک ایسا سلسلہ قائم کر دیا ہے، جس سے بظاہر دونوں شہر ایک دوسرے سے متصل ہو جانے کا شبہ پیدا ہو گیا، لیکن حقیقت میں (الیٰ قولہ) مصر قرار دیا جائے؟(صفحہ نمبر 296,297)

''اقول'':......اس کا جواب فقہائے کرام کی عبارات سے ظاہر ہے کہ اگر عرفِ عام میں یہ دونوں شہر الگ الگ اور مستقل مواضع سمجھے جاتے ہوں تو فعلِ سفر و اقامت اور احکامِ سفر و احکامِ اقامت دونوں کے اعتبار سے اپنے شہر سے خروج بنیاد ہوگا، یعنی خروج پر مبدءِ سفر و مبدءِ احکامِ سفر متحقق ہوگا، لیکن دونوں شہروں کی شہری آبادی کے درمیان میں جب تک مدتِ مسافت نہ ہوگی اس وقت تک دوسرے شہر میں سفر کی نیت سے چلنے والا مسافر نہ ہوگا، کیونکہ اگر دونوں کی آبادیاں بالکل متصل ہوں تو مذکورہ صورت میں مدتِ مسافت کا وجود

ہی نہیں، لیکن اگر کوئی اپنے شہر سے نکلنے والا دوسرے شہر میں جانے کے بجائے اس شہر کی آبادی سے گزر کر اس شہر کی آبادی سے باہر (عام اس سے کہ وہ کوئی دوسرا شہر، یا گاؤں، یا پھر صحراء) جانا چاہتا ہے اور اپنے شہر کی حدود ختم ہونے سے لے کر اس کی منزلِ مقصد تک مدتِ مسافت پائی جا رہی ہے، تو وہ شہری اپنے شہر کی حدود سے نکلتے ہی مسافر ہے اور اس کے حق میں یہ دوسرا شہر مانع نہیں، کیونکہ اس صورت میں وہ سفر میں ہے اور سفر میں مصر و آبادی کو مانع نہیں سمجھا گیا۔

ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہوگا کہ پہلی صورت میں اس کے موضعِ اقامت کی حدود سے لے کر اس کے مقصد والے موضع کے درمیان مدتِ مسافت نہیں، اس لئے وہ مسافر نہیں اور دوسری صورت میں کیونکہ اس کے مقصد والا موضع اگرچہ متصل ہے، مگر وہ شہر کے علاوہ مستقل موضع ہے اور دونوں کے درمیان مدتِ مسافت بن رہی ہے، اس لئے وہ مسافر ہے۔

موضعِ اقامت کی حدود اور مبدءِ سفر کے مدار میں اختلاف والتباس

(28)......"**قوله**":...... یہاں قابلِ تحقیق بات یہ ہے کہ شریعت نے (الیٰ قولہ) ان سے بھی مفارقت ضروری ہے (صفحہ نمبر 297,298)

"**اقول**":...... یہاں دو چیزوں کو خلط ملط کر دیا گیا ہے، حالانکہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں اور وہ بالترتیب یہ ہیں:

(1)......مبدءِ سفر و مبدءِ قصر کا موضعِ اقامت میں متحقق نہ ہونا (اس کا مدار نص پر ہے)

(2)......موضعِ اقامت کی حدود وانتہاء کیا ہوں گی (اس کا مدار عرف پر ہے)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نص کی رو سے یہ بات طے ہے کہ سفر و قصر کا تحقق "ضرب من ارض الی ارض" پر ہوتا ہے؛ جو کہ ایک دوسرے سے غیر ہوتی ہیں، اس میں کوئی اشکال نہیں۔

لیکن یہ بات کہ کون سا حصہ "من ارض" میں داخل ہے اور کون سا "الیٰ ارض" میں

داخل ہے؟ اس بات کی تعیین عرفِ عام کے علاوہ کسی اور چیز سے ممکن نہیں، کیونکہ بعض اوقات من ارض مختصر ہوتی ہے، جیسا کہ عام صحراء سے انشاءِ سفر کرنا اور کبھی وسیع ہوتی ہے، جیسا کہ گاؤں یا شہر وغیرہ سے انشاءِ سفر کرنا، پھر کسی زمانہ میں ایک حصہ ''الیٰ ارض ''میں داخل ہوتا ہے لیکن ''من ارض '' کی آبادی بڑھنے سے دوسرے زمانہ میں وہی حصہ الیٰ ارض کے بجائے'' من ارض ''میں داخل ہوجاتا ہے، لہٰذا ضرب فی الارض کے وقت دیکھنا ہوگا کہ انشاءِ ضرب جس سے انشاءِ سفر مراد ہے اس سے ''من ارض الیٰ ارض '' کا تحقق ہورہا ہے یا نہیں، اور یہ تحقق عرف سے ہوتا ہے جو زمان ومکان سے بدلتا رہتا ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

> مسافرت بحسب المکان ہی کو اصطلاحِ فقہاء میں سفر کہا جاتا ہے........... چنانچہ جس وقت یہ انتقالِ مکانی ہوتا ہے اس وقت قصر کا حکم دیا جاتا ہے، اور انسان مسافر سے تعبیر کیا جاتا ہے، ورنہ مقیم کہا جاتا ہے (خطباتِ حکیم الامت ج۱، بعنوان ''دنیا وآخرت ص۱۸''، وعظ ''الدنیا والاخرۃ'')

لہٰذا جب ''من ارض ، الیٰ ارض '' کی صورت میں انتقالِ مکانی متحقق ہوگا، اس وقت سفر کا تحقق ہوگا اور انتقالِ مکانی موضعِ اقامت سے خروج پر ہی متحقق ہوتا ہے۔

لہٰذا آنجناب نے جو دونوں باتوں کو خلط ملط کر کے دوسری چیز کا مدار نص کے بجائے عرف پر رکھا ہے یہ درست نہیں۔

اس کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عرف سے ''ارض دون ارض '' کی تعیین کر کے مبدءِ سفر وقصر کو طے کیا جاسکتا ہے، لیکن مبدءِ سفر ومبدءِ قصر یا کسی ایک کو اپنی جگہ سے ہٹا کر کہیں اور نہیں رکھا جاسکتا، جیسا کہ آپ چاہتے ہیں کہ مبدءِ سفر وقصر کا مدار ضرب فی الارض؛ ''من ارض الیٰ ارض '' کے بجائے عرف پر رکھا جائے اور عرف سے کبھی اس کا تحقق ''عن ارض ''میں ہوجائے گا اور کبھی الیٰ ارض میں بھی نہ ہوگا، یہی نص کی مخالفت ہے۔

www.idaraghufran.org

برخلاف دوسری چیز کے کہ وہ نص کے مقابلہ میں نہیں بلکہ نص کی معاون اور اس کے انطباق کی ایک شکل ہے۔

اس کو ایک مثال سے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ مثلاً صدقۂ فطر کی ''جو'' کے ذریعہ سے مقدارِ منصوص ایک صاع ہے، اب اپنے معروف ورائج پیمانہ سے اس صاع کی تعیین اگر سیر یا کلو کی مقداروں کے ساتھ کی جائے گی تو اس کو نص کا بدلنا نہیں کہا جائے گا بلکہ اپنے عرف ورواج کے تناظر میں نص پر عمل کرنا کہا جائے گا۔

اس کے برخلاف اگر رواج وعرف کسی جگہ کا یہ ہے کہ منصوص صاع سے دوگنا مقدار والے پیمانہ کو ایک صاع اور منصوص صاع کے برابر والے کو نصف صاع کہا جاتا ہو، تو کیا اس عرف کی وجہ سے اس مروج نصف صاع کو معمول بہ بنایا جائے گا، ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں، کیونکہ یہ چیز نص سے متصادم ہے اور پہلی چیز نص کی معین ہے۔

اور عرف وہی معتبر ہوتا ہے جو نص سے متعارض نہ ہو۔

اور یہ بات اپنی جگہ طے ہے کہ حدودِ بلد واتحادِ آبادی کا مدار عرف پر ہے، یعنی نص نے یہ طے نہیں کیا کہ مثلاً مکہ شہر کی حدود فلاں جگہ تک ہیں اور مدینہ منورہ شہر کی حدود فلاں جگہ تک ہیں، اور وہ کسی بھی زمانہ میں متجاوز نہیں ہوسکتیں۔ [1]

فلہٰذا نص کے خلاف عرف کو (جو کہ حدودِ بلد کے اندر سفر متحقق ہونے کا پیش کیا جارہا ہے) بنیاد بنا کر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، پھر اگر کسی وقت عرف سے آبادی سے نکل کر مسافر نہ سمجھا جارہا ہو، مثلاً پیدل سفر کرکے جارہا ہے اور کسی دوسری بستی سے گاڑی وغیرہ میں سوار ہونا ہے، تو کیا یہاں بھی عرف کی بنیاد پر نص کی مخالفت کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ اس کا مبدءِ سفر یا مبدءِ قصر یا دونوں متحقق نہیں ہوئے باوجودیکہ وہ دوسری آبادی میں داخل ہوچکا ہے۔

---

[1] یہی وجہ ہے کہ پہلے دور میں مکہ کی آبادی حرم کی حدود سے متجاوز نہیں تھی، اور اب بعض اطراف سے متجاوز ہوچکی ہے، اور بہت سے اہلِ علم حضرات کی تحقیق کے مطابق منیٰ ومزلفہ سفر وقصر کے سلسلہ میں مکہ کا حصہ بن چکا ہے، اسی طرح ذوالحلیفہ تک مدینہ کی آبادی پہنچ چکی ہے، اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔

مبدءِ سفر متحقق نہ ہو، اور مبدءِ قصر متحقق ہو جائے یہ موقف کتنا غلط ہوگا۔

پھر یہ فرمانا کہ کوئی روایت ، نص فقہی ایسی نظر سے نہیں گذری جس سے مبدءِ احکامِ سفر اور منتہائے احکامِ سفر کا نقطہ انتہا متعین ہو جائے ، یہ تمام نصوصِ شرعی وفقہی کو نظر انداز کر دینے کے مترادف ہے، اس سے تو خود پہلے جتنی عبارات مبدءِ احکامِ سفر کے متعلق ذکر فرمائی ہیں، ان کا بھی نظر انداز کرنا لازم آتا ہے۔

مبدءِ سفر وقصر کے بارے میں روایت یا نص کا وجود

(29)......"**قولہ**":......لیکن احقر کی نظر سے اب تک کوئی روایت یا نصِ فقہی ایسی نہیں گذری جس میں (صفحہ نمبر 299)

"**اقول**":......نہ صرف یہ کہ مبدءِ قصر (جس کو آنجناب نے مبدءِ احکامِ سفر سے تعبیر فرمایا ہے) اس پر واضح نص موجود ہے بلکہ اسی کے ساتھ مبدءِ سفر پر بھی نص موجود ہے، بلکہ مبدءِ قصر والی نص مبدءِ سفر کو اور مبدءِ سفر والی نص مبدءِ قصر کو مستلزم ہے۔

ایک خلطِ مبحث

(30)......"**قولہ**":......صرف یہی نہیں کہ اس پر کوئی نص نہیں ملی بلکہ کلامِ فقہاء کے مطالعہ سے الخ (صفحہ نمبر 299)

"**اقول**":...... یہاں وہی خلط ملط ہوا ہے، جس کا پہلے ذکر ہوا۔

گزشتہ خلطِ مبحث کا تسلسل

(31)......"**قولہ**":......دوسرے الفاظ میں اس بات کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ شہر کے (الیٰ قولہ) احکامِ سفر نہیں بن سکتی ہے (صفحہ نمبر 299)

"**اقول**":......یہ اسی گزشتہ خلطِ مبحث کا تسلسل ہے، اس سلسلہ میں سوال یہ ہے کہ یہ بات

www.idaraghufran.org

تو عرف نے طے کردی کہ فلاں مقام شہر کا حصہ ہے یا نہیں، لیکن اس پر قصر کا حکم کس نص کی بنیاد پر لگایا گیا، یا یہ حکم بھی عرف نے ہی لگایا، حالانکہ مبدءِ احکامِ سفر ہی تو خود شریعت کے منصوص احکام ہیں، ان کا مدار بھی عرف پر رکھا جارہا ہے۔

حضرت علی کے قول ''لو جاوزنا'' الخ کا مطلب

(32)......''**قــولــه**'':......مگر چونکہ عرفِ عام میں جب تک اس عمارت وبناء سے بھی خروج نہ ہوجائے (صفحہ نمبر 300)

''**اقول**'':......مطلب جو کچھ بھی لیا جائے نتیجہ اور مآل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کا یہی ہے کہ خروجِ بلد سے قبل قصر کا تحقق نہیں ہوتا اور یہ خص اگر نہ ہوتیں تو ہم قصر کرتے یعنی قصر کا ہونا مانع حدودِ بلد ہے اور یہ خص حدودِ بلد کا حصہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر مختلف سندوں سے مروی ہے:

وخـرج علی بن أبی طالب علیه السلام :فقصر وهو یری البیوت، فلما رجع قیل له هذه الکوفة قال :لا حتی ندخلها (بخاری ج ۱ ،ابواب تقصیر الصلاۃ ،باب یقصر إذا خرج من موضعه)

علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فـقـال لا حتـی نـدخـلـهـا أی لا نـزال نقصر حتی ندخلها فإنا ما لم نـدخلها فی حکم المسافرین (فتـح البـاری ،ج ۲ ص ۵۷۰،قوله باب یقصر إذا خرج من موضعه)

یعنی موضعِ اقامت میں داخل ہونے سے پہلے ہمیں مسافروں کا حکم حاصل ہے۔

اور مدعا بھی یہی ہے کہ جب تک حدودِ بلد سے تجاوز نہ ہوجائے؛اس وقت تک قصر کا حکم لاگو نہیں ہوتا، اور وجہ اس کی یہی ہے کہ سفر جو کہ قصر کی علت ہے وہ حدودِ بلد میں رہتے ہوئے

www.idaraghufran.org

متحقق نہیں ہوتا، ورنہ علت متحقق ہونے کے بعد معلول متحقق ہونا چاہئے، لیکن آنجناب کے دعوے کے مطابق تو سفر متحقق ہونے کے باوجود قصر کا تحقق نہیں ہوتا، لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد آنجناب کے مدعا کے برخلاف ہوا۔

تیسری بات کا جواب

(33)......**''قولہ''**:......تیسری بات: دوسرے ائمہ مذاہب کے ہاں بھی اس کا مدار عرف پر ہونے کی تصریح ملتی ہے الخ (صفحہ نمبر 302)

''اقول'':......اس سے تو جمہور کے مدعا کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک سفر وقصر کا تحقق حدودِ بلد میں ممکن نہیں اور حدودِ بلد کہاں تک ہیں اس چیز کا مدار عرف پر ہے۔

اب غور فرمائیں کہ اگر عرف سے کسی شہر کی حدود مثلاً نقطہ ''ب'' تک ثابت ہوں اور آپ کے نزدیک مثلاً نقطہ ''الف'' سے عرفاً سفر یا مسافر ہونے کا تحقق ہو گیا تو اب پہلے عرف پر عمل کہاں ہوا، یہ تو ایسے عرف پر عمل ہوا جو پوری طرح نہ صرف نصوص کے منصوصات کے خلاف ہے، بلکہ فقہائے کرام کے منصوصات کے بھی خلاف ہے کہ ان نصوص سے حدودِ بلد کے اندر سفر وقصر کا تحقق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اور آنجناب کے دعوے کے مطابق سفر متحقق ہونے کا تعلق عرف سے ہے، پہلا عرف صحیح ہے اور دوسرا عرف فاسد ہے، عرفِ صحیح کو چھوڑ کر عرفِ فاسد کی طرف عدول کرنے کے کیا معنیٰ، عرفِ صحیح کا تعلق جگہ اور مقام سے ہے اور عرفِ فاسد کا سفر کرنے والے کی حیثیت سے۔

چوتھی بات کا جواب

(34)......**''قولہ''**:......چوتھی بات الخ (صفحہ نمبر 303)

''اقول'':......اس سے بھی جمہور فقہائے کرام کے حدودِ بلد کے عرف پر مبنی ہونے کے موقف کی تائید ہوتی ہے، نہ کہ حدودِ بلد کے اندر عرف سے مسافر ہونے کے موقف کی۔

پانچویں بات کا جواب

(35)......**"قولہ"**:......پانچویں بات: خروجِ بلد کے تحقق میں فقہائے کرام رحمہم اللہ میں اختلاف پایا جاتا ہے الخ (صفحہ نمبر 303)

"اقول":......یہ اختلاف حدودِ بلد کے اعتبار سے زمان ومقام کے اختلاف پر مبنی ہے، حدودِ بلد کے اندر رہتے ہوئے عرف میں مسافر ہونے نہ ہونے یا سفر کو وجود ملنے نہ ملنے کے اختلاف پر مبنی نہیں، جو کہ آنجناب کا مدعیٰ ہے، پس اس سے بھی جمہور کے موقف کی تائید ہوتی ہے، نہ کہ آنجناب کے موقف کی۔

اس کے علاوہ جناب کی طرف سے ص۱۴۰ وص۱۴۱ پر پیش کردہ فقہائے کرام کی عبارات سے بھی فقہائے کرام کے موقف ہی کی تائید ہوتی ہے، آنجناب کے موقف کی تائید نہیں ہوتی۔

چھٹی بات کا جواب

(36)......**"قولہ"**:......چھٹی بات: بعض اہلِ فتاویٰ اکابر کے فتاویٰ سے بھی الخ (صفحہ نمبر 304)

"اقول":......امداد الفتاویٰ اور احسن الفتاویٰ کی عبارات سے بھی جمہور کے موقف کی تائید ہوتی ہے، یعنی حدودِ بلد کا عرف پر مبنی ہونا۔

ان باتوں کے نتیجہ پر بحث

(37)......**"قولہ"**:......مندرجہ بالا باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً مبدءِ احکامِ سفر کی تعیین کا مدار عرف پر ہے الخ (صفحہ نمبر 305)

"اقول":......یہ موقف بھی جمہور فقہائے کرام کے موقف کے مطابق ہے، اور ہمارے محررہ مضمون بدایۃ السفر میں یہی کچھ بیان کیا گیا ہے۔

Idara Ghufran

اس کے بعد ص ۳۹ تا ۴۳ تک منیٰ وعرفات کے مکہ کے ساتھ الحاق کا مسئلہ چھیڑا گیا ہے، اس کو مفصلاً ہم نے اپنے رسالہ بدایۃ السفر الخ میں تحقیق کا حصہ بنایا ہے، وہاں مراجعت مناسب ہوگی۔ [1]

مبدءِ سفر کو؛ مبدءِ قصر سے جدا کرنا ممکن نہیں

(38)......''**قوله**'':......دوسرا سوال: یہ ہے کہ مبدأ احکامِ سفر کے متعلق الخ (صفحہ نمبر 311)

''**اقــــول**'':...... پیچھے بار بار ذکر کیا جا چکا کہ مبدءِ احکامِ سفر کو مبدءِ سفر سے جدا کرنا ممکن نہیں، اور آنجناب کی طرف سے مسلسل مبدءِ احکامِ سفر کو سفر سے جدا کرنے کی بے جا کوششوں کا سلسلہ جاری ہے، حالانکہ آنجناب خود ہی جو عبارات پیچھے مبدءِ احکامِ سفر سے متعلق نقل کر کے آئے ہیں، ان میں صاف وضاحت ہے کہ قصر کے ساتھ سفر کا تحقق حدودِ بلد میں ممکن نہیں، اور یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ باوجود تلاش کے بھی نہ کوئی نص عبارۃ النص کے طور پر ملی اور نہ کوئی علت دلالۃ النص کے طور پر ملی، حالانکہ جن عبارات سے مبدءِ قصر کا خروجِ بلد پر متحقق ہونا بطورِ عبارۃ النص کے معلوم ہو رہا ہے، انہیں سے بطور دلالۃ النص کے مبدءِ سفر کا بھی خروجِ بلد پر متحقق ہونا معلوم ہو رہا ہے، جس کی ہماری طرف سے وضاحت اپنے مضمون ''**النظر والفكر فی مبدءِ السفر والقصر**'' اور ''**بداية السفر والقصر فی حالة الحضر والمصر**'' میں کی جا چکی ہے۔

مدتِ مسافت کی تعیین میں فقہاء کے اختلاف کا منشاء

(39)......''**قوله**'':......ہاں اس مراجعت وتلاش کے دوران بعض باتیں ایسی ملی ہیں الخ (صفحہ نمبر 311)

---

[1] اور اب ''حج میں اتمام وقصر کی تحقیق'' کے عنوان سے بحمد اللہ اس پر مستقل مضمون بھی شائع ہو چکا ہے۔

www.idaraghufran.org

’’اقــــول‘‘:……یہ بات ملحوظ رہنا چاہئے کہ فقہائے مجتہدین نے اپنے اپنے طور پر مدتِ مسافت کی تعیین نص سے کی ہے، کسی نے کسی نص کو مستدل بنایا اور کسی نے کسی نص کو، ہماری معلومات کے مطابق مدتِ مسافت کی تعیین کے لئے کسی معروف فقیہہ نے بھی مدتِ مسافت کی تعیین عرف سے نہیں کی۔

بلکہ بعض اہلِ ظواہر نے جو ہر قسم کے عرفی سفر پر مدتِ مسافت کا مدار رکھ کر چھوٹے بڑے سفر کا اعتبار کیا، ان فقہائے کرام نے اس کی بھی تردید فرمائی۔ [1]

آنجناب نے حدیث میں موجود ’’مسیـــرۃ ثلاثۃ ایـــام‘‘ کے الفاظ نقل کر کے راستوں کے اختلاف، محلِ وقوع، وغیرہ کو پیش فرمایا ہے؛ حالانکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ متقدمین فقہائے احناف نے حدیث میں ’’مسیـــرۃ‘‘ کے الفاظ سے اس کی حقیقت کو معمول بہ بنایا ہے، کیونکہ مسیرۃ کے معنیٰ چلنے کے آتے ہیں، مبتلیٰ بہ کے اعتبار سے جب مسیرۃ ثلاثۃ ایام متحقق ہوگا تو یہ مدتِ مسافت ہوگی، اور مسیرۃ ثلاثۃ ایام کسی جگہ کسی فاصلہ پر ہوتا ہے اور کسی جگہ کسی فاصلہ پر، لیکن ظاہر ہے کہ یہ مراد تو فقہائے کرام کی ہرگز نہیں کہ پہلے مسیرۃ ثلاثۃ ایام کا تحقق ہو اور اس کے بعد سفر وقصر کا تحقق ہو یعنی مسیـــرۃ ثلاثۃ ایـــام کا عملاً کلی طریقہ پر پہلے سے وجود میں آنا ضروری نہیں، بلکہ یہی مراد ہے کہ جتنی مسافت کے لئے ثلاثۃ ایام خرچ ہوتے ہیں اتنی مسافت کے لئے سفر شروع کرنے پر سفر وقصر کا تحقق ہو جائے گا۔

مسافتِ سفر کی تعیین میں عرف کے دخل کی بحث

(40)……**’’قــولــہ‘‘**:……اس لئے جس طرح مسافتِ سفر کی تعیین میں لوگوں کا عرف فیصل ہے اسی طرح اس کے مبدأ و منتہاء میں بھی عرف ہی فیصل ہوگا الخ (صفحہ نمبر 312)

’’اقول‘‘:…… تو نفسِ مسافتِ سفر کی تعیین میں لوگوں کے عرف کا اعتبار ہی نہیں کیا گیا

---

[1] ہم نے اس کی تفصیل اپنے مضمون ’’حج میں قصر و اتمام کی تحقیق‘‘ کے پہلے حصہ میں بیان کر دی ہے۔

فقہائے کرام نے لغوی وعرفی سفر کے برخلاف شرعی سفر کو معیار قرار دیا ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ نص میں بیان کردہ مدتِ مسافت کا اندازہ عرف سے اس طرح کیا گیا کہ تین دن کی مسافت کرنے میں کتنے میل کا سفر طے ہوتا ہے۔

سفرِ عرفی ولغوی ہماری بحث سے خارج ہے

(41)......**''قولہ''**:......پہلی بات: یہ ہے کہ سفر لغت میں قطعِ مسافت (الیٰ قولہ) جس پر عرفاً یا شرعاً سفر کا اطلاق ہوسکے (صفحہ نمبر 312,313)

''اقول'':......جس طرح لغوی سفر ہمارا موضوعِ بحث نہیں، اسی طرح عرفی سفر بھی ہمارا موضوعِ بحث نہیں، کیونکہ فقہائے کرام نے شرعی سفر کی جو قید لگائی ہے اس سے جس طرح لغوی سفر خارج ہوتا ہے، اسی طرح عرفی سفر بھی خارج ہوجاتا ہے، تاہم اگر عرفی سفر کو معتبر ہی مانا جائے تو پھر مسئلہ یہ ہے کہ جب آنجناب کے نزدیک دارومدار عرف پر ہوا تو عرف میں مسافر ہوجانے کے بعد احکامِ سفر لاگو ہونے سے کیا چیز مانع ہوئی، اور اس کو عرف سے ثابت کرنے میں کیا رکاوٹ ہوئی، کیونکہ شرعاً جس طرح کی دلیل سے مبدءِ قصر ثابت ہے، اسی طرح کی دلیل سے مبدءِ سفر بھی ثابت ہے، عرف سے ایک چیز کے انکار وتردید اور دوسری چیز کے اثبات وتسلیم کے کیا معنیٰ؟

نیز جناب کے عرفاً یا شرعاً فرما کر الگ الگ ذکر کرنے کے معنیٰ تو یہ ہیں کہ اگر صرف عرف سے مسافر ہونا ثابت ہوجائے تو بھی مسافر ہے، اور اگر صرف شرع سے مسافر ہونا ثابت ہوجائے، تب بھی مسافر ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر صرف شرع سے مسافر ہونا ثابت ہوجائے مگر عرف سے ثابت نہ ہو یعنی احکام میں تغیر پیدا ہوجائے لیکن عرف میں مسافر نہ ہو تو وہ مسافر ہوگا، لیکن اگر صرف عرف میں مسافر ہونا ثابت ہوجائے مگر شرع میں ثابت نہ ہو، جیسا کہ شہری آبادی

کے اندر چلنے والا تب بھی وہ مسافر ہو جائے گا، تو ان دونوں قسم کے مسافروں کے نتائج میں آنجناب کے نزدیک بھی یہ فرق ہوگا کہ شرع سے ثابت شدہ مسافر قصر کرے گا، مگر عرف سے ثابت شدہ قصر نہیں کرے گا، اب خود غور کر لینا چاہئے کہ دو ایسی چیزوں پر مسافر ہونے کے حکم کو تغیرات کے ساتھ دائر کرنا جس کے نتائج ہی مختلف ہوں کس حد تک درست ہے؟

عرفی وعادی اور شرعی سفر میں فرق

(42)......**''قولہ''**:......ہمارا موضوع بحث صرف وہ سفر ہے جسے عرف وعادت میں سفر سمجھا جاتا ہو اور جس میں قطعِ مسافت منزلِ مسافر سے شروع ہو کر، خارجِ شہر کسی منزلِ مقصود کی طرف ہوتا ہے (صفحہ نمبر 313)

''اقول'':......اوپر عرفاً یا شرعاً فرمایا گیا تھا اور یہاں صرف عرف وعادت پر اکتفاء کیا گیا، شرعاً کی قید ختم کر دی گئی اور پھر اس کی مزید تفصیل کرتے ہوئے عرف کی قید کو بھی ختم کر دیا گیا، اور قطعِ مسافت کا مبدء مسافر کے گھر کو بنا لیا گیا (اور گھر سے نکلتے ہی آنجناب کے نزدیک بھی عرف میں مسافر سمجھا جانا ضروری نہیں) ان متعارض امور سے ایک قاری کیا نتیجہ اخذ کر سکتا ہے؟

اس کے بعد ص ۴۵ پر جو عربی عبارات نقل فرمائی گئی ہیں ان میں سفرِ شرعی کی تعریف میں تغیر احکام کی قید لگی ہوئی ہے جو کہ سفر کی حدِ تام ہے۔

جس سے واضح ہے کہ شرعی سفر کا اطلاق ایسے سفر پر ہو ہی نہیں سکتا، جس سے احکام میں تغیر نہ ہو، احکام میں تغیر ہوگا تو شرعی سفر کا اطلاق ہوگا، یہ تعریف خود بتلا رہی ہے کہ قصر یا مبدءِ احکامِ سفر کے بغیر فعلِ سفر کا وجود ہی نہیں، کیونکہ کسی چیز کی تعریف صادق آنے کے بعد ہی اس شے کا اعتبار ہوتا ہے، مگر آنجناب تغیرِ احکام (یعنی مبدءِ قصر ومبدءِ احکامِ سفر) سے پہلے ہی سفر کا اطلاق مان رہے ہیں۔

معلوم ہوا کہ مندرجہ عبارات آنجناب کے موقف کی مؤید نہیں، بلکہ مخالف ہیں۔

یاد رہے کہ آنجناب کی پیش کردہ مذکورہ عبارات میں سفرِ شرعی کی تعریف کی جارہی ہے قصر یا مبدءِ احکامِ سفر کی نہیں۔

اگر یہ شبہ ہو کہ یہاں تو تغیرِ احکام کی قید لگی ہوئی ہے جس سے سفر کے احکام کا شائبہ ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سفرِ شرعی کی تعریف احکامِ سفر کے بغیر متحقق ہوتی ہی نہیں، اور آنجناب کی ساری کوشش ایسے سفر کے تحقق کی ہے جس میں احکامِ سفر کا ذکر ہی نہ ہو۔

مسافتِ سفر کی تحدید میں متقدمین ومتاخرین احناف کا موقف

(43)......"**قولہ**":......دوسری بات یہ ہے کہ احناف کے ہاں شرعاً مسافتِ سفر درحقیقت وہ فاصلہ ہے جو تین روز (الیٰ قولہ) بحری سفر میں طے کر سکتے ہیں (صفحہ نمبر 314 سے 326)

"**اقول**":......تقریباً ان چھ صفحات پر جناب نے مسافتِ سفر کے متعلق فقہائے کرام کے اقوال، ان کے دلائل اور متاخرین کے متقدمین کے ساتھ یا فقہائے متقدمین کے مابین اختلاف کی تفصیل نقل فرمائی ہے، قطع نظر اس سے کہ اس کے اجزاء سے اتفاق ہو یا اختلاف، یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ زیرِ بحث موضوع سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں، کیونکہ دونوں موضوعات میں درج ذیل بنیادی اختلاف ہے:

(1)......مذہب میں اصل اعتبار میلوں کی بجائے تین روز کی مسافت کا ہے، بری سفر میں اس کا تخمینہ اکابر نے اڑتالیس میل کے ساتھ کیا ہے (ملاحظہ ہو: احسن الفتاویٰ ج۴ ص۸۶)

اور اڑتالیس میل کا مذکورہ تخمینہ ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے بھی مطابق ہے، اور اس کی تائید بعض صحابۂ کرام کے آثار سے بھی ہوتی ہے۔

اس طرح فقہائے احناف متقدمین ومتاخرین اور ائمہ ثلاثہ نیز مذکورہ صحابۂ کرام کے اقوال

Idara Ghufran

کامآل قریب قریب ایک ہی ہے، صرف تعبیرات کا فرق ہے۔ [1]

مگر مبدءِ سفر کا عرف سے تعلق قائم کرنا، یا گھر وغیرہ سے اعتبار کرنا، نہ مذہبِ حنفی سے ثابت ہے اور نہ ائمہ ثلاثہ سے، اور نہ ہی صحابۂ کرام کے آثار سے۔

(2)......متاخرینِ احناف نے ۴۸ میل پر فتویٰ دے کر نص کی خلاف ورزی نہیں کی، بلکہ نص پر بسہولت عمل کرنے کے لئے تخمینہ واندازہ قائم کیا ہے۔

جبکہ یہ بات پہلے سے طے شدہ ہے کہ:

"وانما التقدير بالايام والمراحل وذالک معلوم عندا لناس فيرجع اليهم عند الاشتباه فاذا قصد مسيرة ثلاثة ايام قصر الصلاة حين تخلف عمران المصر (مبسوط سرخسي ج ا ص ۲۳۶، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

تو متاخرین نے اشتباہ کی وجہ سے رجوع الی الناس کر کے اڑتالیس میل کا تخمینہ قائم کیا۔

مگر اسی عبارت میں آگے تخلف عن عمران المصر کی قید سے واضح ہے کہ اس کا مدار عرف اور لوگوں سے رجوع پر نہیں۔

مگر مبدءِ سفر کا تعلق خروجِ بلد کے علاوہ کسی اور چیز سے قائم کرنے میں نص کی مخالفت لازم آتی ہے۔

(3)......متاخرینِ حنفیہ نے اڑتالیس میل کا مدار عرف پر نہیں رکھا بلکہ مسیـرة ثـلاثة ايـام کا اپنے زمانہ وعلاقہ کے اعتبار سے مسيرة ثلاثة ايام کا اندازہ وتخمینہ قائم کیا ہے، جیسا کہ اپنے زمانہ کے رائج پیمانہ سے نصف صاع کا تخمینہ واندازہ قائم کیا ہے اور اس میں پھر اختلاف ہو گیا۔ [2]

---

[1] بالفاظِ دیگر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایک صورت میں سفرِ شرعی کی تحدید زمانی ہے، اور دوسری صورت میں مکانی، جس کی تفصیل ہم نے "حج میں اتمام وقصر کی تحقیق" کے پہلے حصہ میں کر دی ہے۔

[2] بلکہ دوسری نصوص کے پیشِ نظر تحدیدِ زمانی کو تحدیدِ مکانی سے تبدیل فرما دیا۔

www.idaraghufran.org

مگر آنجناب نے اس کے بجائے نص کو ہی بدل دیا کہ نص سے مبدءِ سفر تغیرِ احکام پر موقوف تھا جس کے لئے خروج لازم تھا اور آنجناب نے اس تغیر کی قید کو ختم کر کے شرعی سفر کو یکسر بدل کر عرفی سفر بنادیا، اور جب عرفی بنادیا تو مدتِ مسافت کے عرفی بنانے میں پھر کیا رکاوٹ باقی رہی، اور دراصل یہ بناء الفاسد علی الفاسد کا نتیجہ ہے کہ اتنے سارے مفاسد پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے، جب تک پہلی بناءِ فاسد کی اصلاح نہ ہو۔

بہر حال ثلاثة ایام کے تخمینہ کا اختلاف مبدءِ سفر وقصر کے مسئلہ پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہوتا، کیونکہ مبدءِ قصر وسفر کے خروجِ بلد پر جمہور فقہائے کرام کا اتفاق خیر القرون سے تاحال چلا آرہا ہے۔

میلوں اور فرسخوں سے مسافتِ شرعی کی تعیین

(44)......"**قوله**":......جن فقہائے کرام رحمہم اللہ اور علمائے عظام رحمہم اللہ نے میلوں اور فراسخ سے اس کی تحدید فرمائی ہے ان کا کلام اسی بات کا مشعر ہے کہ یہ ایک تقریبی تحدید ہے جس کی بنیاد سراسر عرف پر ہے، اسے فیتوں یا انچی ٹیپوں سے ناپنے کے لئے شریعت نے پابند نہیں کیا اور نہ موٹر کار وغیرہ کے میٹر سے ناپنے کو لازم قرار دیا نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کہیں اس طرح ناپنا کسی روایت سے ثابت نہیں (صفحہ نمبر 326)

"**اقول**":......جس دور میں برید اور فراسخ رائج تھے اس دور میں برید اور فراسخ سے اور جس دور میں میل رائج ہوئے اس دور میں برید وفراسخ کا اندازہ میلوں سے کیا گیا اور اب کلومیٹر رائج ہیں جو سواریوں میں نصب ہیں، اب ان میلوں کا تخمینہ کلومیٹر سے کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ صاع ونصف صاع، مد، رطل، ذراع وغیرہ سب پیمانوں کا یہی حال ہے کہ ان کا تخمینہ معروف ومروج پیمانوں سے ہی کیا جاتا ہے، بہر حال مختلف ادوار میں عرف کی تبدیلی سے پیمانوں کی تبدیلی ایک بدیہی امر ہے، اب آج کے دور میں سفر کرنے والے کو کلومیٹر کے

بجائے میلوں سے، یا فراسخ و برید سے یا مسیرۃ ثلاثۃ ایام سے حساب لگانے کا پابند کرنا کس حد تک قابلِ عمل ہوسکتا ہے، اس کی تحقیق تو دینی مدرسہ سے باہر کی فضا میں جا کر عام مسافروں سے ہی کی جاسکتی ہے۔

آج اگر کوئی نصف صاع صدقۂ فطر گندم سے ادا کرنا چاہے اور وہ علمائے کرام کی تحقیق پر عمل کرتے ہوئے پونے دو سیر کے حساب سے ادا کرے تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ پیمانہ کی مقدار کسی روایت سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے خلافِ منصوص ہے، ظاہر ہے کہ یہ کہنا غلط ہوگا، البتہ مبدءِ سفر نص کی رو سے ایسے سفر کے تحقق پر ثابت تھا جس پر قصر کا حکم عائد ہوجائے اور اس کے بجائے مبدءِ سفر کا مدار ایسے سفر کے تحقق پر ثابت کر دیا جائے جس پر قصر کا حکم عائد نہیں ہوتا، اس کو خلافِ منصوص کہا جائے گا۔

اگر کہا جائے کہ حدودِ مصر کا مدار تو آپ نے بھی عرف پر رکھا ہے، اور حدودِ مصر سے تجاوز پر ہی سفر و قصر کا حکم عائد ہوتا ہے تو اس طرح تو آپ نے بھی نص کے خلاف کرلیا، اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک عرف سے خروجِ مصر ثابت نہ ہوگا، اس وقت تک نص میں بیان کردہ سفر و قصر کا حکم عائد ہی نہ ہوگا، لہٰذا اس صورت میں نص کی مخالفت لازم آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ نص کی رو سے مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجدِ نبوی میں ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

اب اس زمانے میں مسجدِ حرام کی حدود غیر معمولی وسیع ہوگئی ہیں۔

یہاں تک کہ بہت سے مکہ شہر کے ایسے مکانات بلکہ محلے بھی مسجدِ حرام کا حصہ بن گئے ہیں، جو ورودِ نص کے وقت اور اس کے بعد بھی مسجدِ حرام کا حصہ نہیں تھے اور اس وقت ان قطعوں وحصوں میں نماز پڑھنا مسجدِ حرام کی منصوص فضیلت کا باعث نہیں تھا، اسی طرح اس زمانے میں مسجدِ نبوی کی حدود بہت وسیع ہوگئیں ہیں، یہاں تک بعض مبصرین کے بقول نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کے مدینہ شہر کی حدود پر صرف مسجدِ نبوی کی حدود محیط ہوگئی ہیں (اور مدینہ شہر کی حدود اس حصے سے کافی متجاوز ہوگئی ہیں، جس حصے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مبنی تھیں) لہٰذا ورودِ نص کے وقت اور اس کے بعد بھی جو قطعۂ زمین مسجدِ نبوی کا حصہ نہ تھا اور اُس وقت اس قطعۂ زمین میں نماز پڑھنا مسجدِ نبوی کی منصوص فضیلت کا باعث نہیں تھا۔

مگر اب حدود وسیع ہونے کے بعد جہاں تک دونوں مساجد کی حدود پھیل گئی ہیں، اب اس پورے حصے میں نماز پڑھ کر منصوص فضیلت کا ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے۔

کیا یہاں بھی یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ یہ مسئلہ نص کے خلاف ہے، نص کی رو سے خاص حصہ میں یہ فضیلت تھی، ظاہر ہے کہ یہ کہنا بجا نہ ہوگا، اسی طرح مصر و بلد کی حدود کی وسعت ہونے کو نص کے اصل حکم میں تبدیلی نہیں قرار دیا جائے گا۔

مسافتِ سفر اور احکامِ سفر کے الگ الگ ہونے کی بحث

(45)......''**قولہ**'':......تیسری بات یہ ہے کہ مسافتِ سفر اور احکامِ سفر دو الگ الگ حقیقتیں ہیں الخ (صفحہ نمبر 326)

''**اقول**'':......مگر حقیقتوں کا الگ الگ ہونا دونوں کے الگ الگ اوقات میں متحقق ہونے کو مستلزم نہیں، خصوصاً جبکہ ان میں سے ایک (یعنی سفر) دوسرے (یعنی قصر) کی علت بھی ہو، ظاہر ہے کہ علت اور معلول دو الگ الگ حقیقتیں ہوا کرتی ہیں، مگر ان کا اس حیثیت سے الگ الگ ہونا دونوں کے معاً یا ایک کے وجود کے ساتھ ہی ترتباً فی الفور (جیسے چابی کے گھومنے اور تالہ کے کھلنے میں ترتیب ہے بلا تاخیر) دوسرے کے متحقق ہونے کے لئے مانع نہیں ہوتا۔

سفرِ شرعی کی حقیقت

(46)......''**قولہ**'':......مسافتِ سفر شریعت میں خاص قطعِ مسافت کا نام ہے ، اور احکامِ سفر مخصوص قطعِ مسافت کی صورت میں مخصوص شرائط کے ساتھ مکلّف پر احکامِ شرع

www.idaraghufran.org

میں خاص تغیر کے ساتھ رونما یا لاگو ہونے والے احکام کا نام ہے (صفحہ نمبر 326)

''اقــول'':.......ان تکلفات میں پڑنے اور اتنی ساری قیود لگانے کی ضرورت نہیں، مختصراً یوں کہنا چاہئے کہ سفرِ شرعی نام ہے ایسے انشاءِ فعل کا جو احکام میں تغیر پیدا ہونے کی علت کے طور پر وجود میں آئے اور احکامِ سفر نام ہے اس علت پر مرتب ہونے والے احکام کا۔

اور جب تک نیت، خروج، مکلّف ہونا وغیرہ جیسی مخصوص صفات نہیں پائی جائیں گی، اس وقت تک احکام میں تغیر پیدا نہ ہوگا، اگر نیت نہ ہو، یا خروج نہ ہو، تو ظاہر ہے اور اگر حیض وغیرہ کی حالت میں انشاءِ سفر ہو، عندالحنفیہ تب بھی، کیونکہ اہلیت نہ ہونے کے باعث اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا اس لئے اس کا بھی اعتبار نہیں۔

سفر وقصر کے ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہونے کی بحث

(47)......**''قــولــه''**:.......اور نہ ہی ان دونوں کا ایک دوسرے کے واسطے لازم وملزوم ہونا کسی شرعی دلیل سے ثابت ہے (صفحہ نمبر 327)

''اقول'':.......معلوم نہیں شرعی دلیل کس کو سمجھا جا رہا ہے، جب سفرِ شرعی کی تعریف میں ہی احکام کے تغیر کی قید موجود ہے، جس سے مراد حضر کے بجائے سفر کے احکام کا وجود میں آ جانا ہے، تو سفرِ شرعی کے لئے مبدءِ احکامِ سفر کا عملی وجود لازم ہوا، اور جب احکامِ سفر وجود میں آ گئے تو اس کے لئے سفر کا عملی طور پر وجود لازم ہوا، لازم وملزوم ہونا اسی کو کہتے ہیں۔

مبدءِ سفر کے لئے احکامِ سفر کے عملی وجود کا درجہ

(48)......**''قــولــه''**:.......اس لئے ایسا بھی ممکن ہے کہ مسافتِ سفر اپنے مبدأ ومنتہاء کے ساتھ عملاً وجود میں آ جائے یعنی مسافر مسافتِ سفر کی نیت سے خروجِ بلد کرے پھر منزلِ مقصد تک پہنچ جائے لیکن احکامِ سفر پر عمل کی نوبت ہی نہ آئے (صفحہ نمبر 327)

''اقــول'':.......عملاً نوبت نہ آنے سے فی الواقع مبدءِ احکامِ سفر کی نفی نہیں ہوتی، مبدءِ

www.idaraghufran.org

احکامِ سفر کا مطلب یہ ہے کہ سفر کے جو بھی احکام فقہائے کرام کے نزدیک ہیں، ان کے آثار وخواص کا بالقوۃ ظہور ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی عملی طور پر وہ کام کرے تو ان میں سفر کے آثار کا ظہور ہوتا ہے، جیسا کہ ضحک انسان کا خاصہ ہے، لیکن اگر کسی انسان سے ابھی تک اس خاصہ کا کسی وجہ سے ظہور نہ ہوا، تو اس کے انسان ہونے کی نفی نہیں کی جائے گی۔

بلانیتِ سفر قطعِ مسافت کی بحث

(49)......"**قولہ**":......یا کوئی شخص تین دن یا اس سے زائد مسافتِ سفر بلانیتِ سفر طے کر لے تو مسافتِ سفر نیز مبدأ و منتہائے مسافتِ سفر سب وجود میں آ جائیں گے، لیکن احکامِ سفر یا اس کا مبدأ و منتہاء کچھ بھی وجود میں نہیں آ سکتے (صفحہ نمبر 327)

"**اقول**":......جب نیت ہی نہیں کی تو احکام میں تغیر ہی پیدا نہ ہوا (جو کہ سفر کی تعریف ہے) اور جب احکام میں تغیر ہی نہ پیدا ہوا تو سفر ہی وجود میں نہیں آیا، یعنی شرعاً انشاءِ سفر ہی نہ ہوا، اور جب شرعاً انشاءِ سفر ہی نہ ہوا، تو مسافتِ سفر اور مبدء بلکہ منتہائے سفر کیسے وجود میں آ جائے گا، ابتدا ہو تو انتہاء کی نوبت آئے، ابھی تو ابتداء ہی نہیں ہوئی، اور جب تک سفر ہی کو وجود نہ ملے اس وقت تک احکامِ سفر کے مبدء بلکہ اس سے بڑھ کر منتہاء کو کیسے وجود مل سکتا ہے؟ کیا علت کے بغیر معلول کو وجود مل جائے گا۔

قصر واحکامِ سفر کے لئے پوری قطعِ مسافت شرط نہیں

(50)......"**قولہ**":......اسی طرح احکامِ سفر لاگو ہونے احکامِ سفر عملاً وجود میں آنے یا مبدأ احکامِ سفر کے وجود کے لئے بھی شرعاً یہ ضروری نہیں کہ مسافتِ سفر کا مجموعہ عملاً وجود میں آ جائے (الیٰ قولہ) لیکن مسافتِ سفر کا عملاً وجود نہیں پایا گیا (صفحہ نمبر 327)

"**اقول**":......سفر اور احکامِ سفر کے لئے مسافتِ سفر کا انتہاء تک وجود میں آنا ضروری نہیں، بلکہ اس کا آغاز ہو جانا کافی ہے، اور جب مذکورہ صورت میں عملاً آغاز ہو گیا تو سفر

اوراحکامِ سفر کو وجود مل گیا، اور ایسا شخص مسافر ہوگیا،لیکن مسافتِ سفر مکمل ہونے سے قبل واپسی کی نیت کرلی تو سفر کا ترکِ فعل ہوگیا،لہٰذا حضر و اقامت کا حکم لوٹ آیا۔

احکام میں تغیر کا ہونا اصل ہے

(51)......"**قولہ**":......پہلی چیز معتبر مسافتِ سفر کا ادنیٰ وجود یعنی کم از کم مبدأ مسافتِ سفر کا وجود، دوسری چیز معتبر مسافتِ سفر کی نیت، تیسری چیز بنیت مدتِ مسافت مکلّف کا خروج من عمران البلد ہے (صفحہ نمبر 328)

"**اقــــول**":......جیسا کہ بار بار عرض کیا جاچکا کہ مبدءِ سفرِ شرعی کی اصل بنیاد احکام میں تغیر کا ہونا ہے، آپ نے جو تین چیزیں بیان کی ہیں، تغیرِ احکام کی قید ان سب کو محیط ہے، یہاں آپ نے پہلی چیز یعنی مسافتِ سفر کا ادنیٰ وجود بیان کی اور تیسری چیز میں خروج من عمران البلد کو شمار کیا، حالانکہ اگر انشاءِ سفر بلد سے ہو رہا ہو تو مبدءِ مسافت یا مبدءِ سفر کو وجود خروجِ بلد سے قبل حاصل ہی نہیں ہوتا، اس اعتبار سے مبدءِ سفر کو خروج سے الگ کر کے بیان کرنے کے بجائے خروجِ بلد کو مبدءِ مسافت کی شرط قرار دینا زیادہ بہتر تھا۔

مبدءِ سفر و احکامِ سفر کو الگ الگ کرنے کی بے جا کوشش

(52)......"**قولہ**":......بلکہ اگر تقریبِ فہم کے لئے اس پر اس لحاظ سے غور کیا جائے کہ سفرِ شرعی کے وجود میں آ کر مکلّف پر احکامِ شرع متغیر ہونے یعنی احکامِ سفر لاگو ہونے کے لئے شریعت نے خروجِ بلد، مسافتِ سفر اور نیتِ مسافتِ سفر کو شرط قرار دیا ہے (صفحہ نمبر 328)

"**اقول**":......احکامِ شرع متغیر ہونے کی جو قید احکامِ سفر لاگو ہونے کے اعتبار سے لگائی گئی ہے، یہی قید خود سفرِ شرعی کی تعریف اور مبدءِ سفر کے لئے بھی ضروری ہے، اور یہ قید خروجِ بلد، مسافتِ سفر، اور نیتِ مسافتِ سفر، ساری شرائط کو محیط ہے، کیونکہ تغیرِ احکام ان چیزوں کے بغیر نہیں ہوتا اور جب تک تغیرِ احکام نہ ہو، اس وقت تک سفرِ شرعی کو وجود نہیں ملتا، اس سے

www.idaraghufran.org

معلوم ہوا کہ جو قیود یا شرائط آنجناب احکامِ سفر کے حوالے سے لگا رہے ہیں وہ تو خود سفرِ شرعی کی تعریف میں لگی ہوئی ہیں، پھر سفر اور احکامِ سفر کے مبدء کو کیسے الگ کیا جا سکتا ہے۔

مبدءِ سفر و مبدءِ احکامِ سفر کا اتحاد و اختلاف

(53)......''**قولہ**'':......اور شرط شئی خارج شئی ہوتی ہے لہٰذا دونوں کا یا ان کا مبدأ و منتہاء کا اتحاد لازم نہیں تو یہ تعبیر بھی غلط نہ ہوگی (صفحہ نمبر 328)

''**اقول**'':......ہمارا زیرِ بحث موضوع سفر اور احکامِ سفر کے ایک یا الگ ہونے کے بجائے مبدءِ سفر اور مبدءِ احکامِ سفر کے متحد یا مختلف ہونے سے ہے، بس دونوں کے ساتھ مبدء کی قید کا اضافہ کر دیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ مبدء کا اتحاد و اختلاف اور چیز ہے اور جو تعبیر یہاں بیان کی گئی ہے وہ کسی اور اعتبار سے ہے۔

کیا مبدءِ سفر و مبدءِ احکامِ سفر کا الگ الگ ہونا ثابت ہو گیا؟

(54)......''**قولہ**'':......جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسافتِ سفر اور احکامِ سفر دو الگ الگ حقیقتیں ہیں الخ (صفحہ نمبر 328)

''**اقول**'':......مگر دونوں کے مبدء کا الگ الگ ہونا تو ابھی تک ثابت نہیں ہوا، اور وہی مقصود ہے اور اس سے ہٹ کر کسی اور جہت سے حقیقت کا مختلف ہونا ہمارے مدعا پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

عرفِ فاسد و صحیح

(55)......''**قولہ**'':......چوتھی بات یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں عرف و عادت کی رعایت اور اس کا اعتبار بھی اصولِ شریعت کا اہم حصہ ہے، اور بہت سے احکامِ شرعیہ کا تعلق عرف و عادت سے ہے الخ (صفحہ نمبر 329)

www.idaraghufran.org

''اقــــول'':......مگر عرف وعادت کے معتبر ہونے کی ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ وہ خلافِ منصوص نہ ہو اور جو عرف آنجناب پیش کر رہے ہیں یعنی تغیرِ احکام کے بغیر سفرِ شرعی کا وجود، یہ سراسر خلافِ منصوص بلکہ خلافِ منقول، خلافِ جمہور اور خلافِ معقول ہے، اور یہ عرفِ فاسد ہے، اور جو عرف فقہائے کرام پیش کر رہے ہیں (یعنی عرف سے جس جگہ تک حدودِ بلد ثابت ہو، وہاں سے مبدءِ سفر و مبدءِ قصر کا تحقق) یہ عرفِ صحیح ہے اور خلافِ منصوص نہیں ہے، آنجناب اس کو تسلیم نہیں فرما رہے، لہٰذا جو تفصیل عرف وعادت کے بارے میں آنجناب پیش فرما رہے ہیں، اس سے حدودِ بلد کے عرف پر مبنی ہونے پر تو استدلال کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس عرف سے نص کا تعارض لازم نہیں آتا، مگر حدودِ بلد کے اندر رہتے ہوئے گھر، بس اڈے، اسٹیشن وغیرہ سے مبدءِ سفر متحقق ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس عرف کا نص سے تعارض لازم آتا ہے۔

یاد رہے کہ مبدءِ سفر کا مبدءِ قصر سے متصف ہونا قرآن واحادیث کے نصوص سے کم از کم دلالۃ النص کے طور پر ثابت ہے اور دلالۃ النص کے ہوتے ہوئے عرف کا اعتبار نہیں ہوتا (جیسا کہ ''بدایۃ السفر والقصر فی حالۃ الحضر والمصر'' میں تحریر کیا جاچکا ہے) لہٰذا یہاں عرف کی وجہ سے قیاس کو چھوڑنے کا مسئلہ نہیں بلکہ نص کو چھوڑنے کا مسئلہ ہے، جبکہ ابھی تک خود عرفِ عام کا بھی تحقق نہیں کہ سب مسافروں کے حق میں ایک لگا بندھا عرف ثابت کیا جاسکے۔

مسیرۃ ثلاثۃ ایام، اور قدر مسیرۃ ثلاثۃ ایام

(56)......**''قولہ''**:......اگرچہ مسافتِ سفر عند الاحناف مسیرۃ ثلاثۃ ایام ہونا الخ (صفحہ نمبر 330)

''اقول'':......متقدمین احناف نے مسیرۃ ثلاثۃ ایام کو بعینہٖ معمول بہ بنایا، متاخرینِ

احناف نے مسیرۃ کے ساتھ قدر مسیرۃ کا اضافہ کر کے عوام کی سہولت کے لئے اس کا عرف سے تخمینہ ۴۸ میل سے کیا، یعنی اس تحدیدِ زمانی کو تحدیدِ مکانی کے ساتھ مقدر کیا، لہٰذا یہ عرف نص کے خلاف نہ ہوا، اور دیگر ائمہ وابنِ عباس وابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے آثار سے بھی اس کو اعتضاد حاصل ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ تعبیر کا اختلاف ہے، چار برید جن کا مسافتِ مکانی تخمینہ اڑتالیس میل کے ساتھ کیا گیا یہ مرفوعاً بھی منقول ہے، ان حالات میں اگر یہ کہا جائے کہ مسیرۃ ثلاثۃ ایام میں مسیرۃ کے الفاظ کے ساتھ تحدیدِ زمانی کو اور چار برید میں قدر مسیرۃ ثلاثۃ ایام کو چار برید کے ساتھ تحدیدِ مکانی کو احادیث میں بیان کیا گیا ہے، تو بھی نصوص واقوالِ ائمہ میں تعارض نہیں رہتا۔ [1]

لہٰذا اڑتالیس میل کے تخمینہ کو عرف کی وجہ سے نص کے خلاف سے تعبیر کرنا درست نہیں، جیسا کہ احادیث میں زکاۃ کا نصاب دراہم ودنانیر کے ذکر کے ساتھ آیا ہے، اگر آج کل کے رائج ومعروف اوزان سے ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولہ سونے کو زکاۃ کا نصاب کہا جائے تو یہ نہ نص کے خلاف ہے اور نہ درحقیقت ترکِ نص ہے۔

ان دو باتوں سے اتفاق نہیں

(57)...... ''**قوله**'': ......مندرجہ بالا تفصیل اور اس میں ذکر کردہ دلائل سے درجِ ذیل

---

[1] ”ولكن لما كان مسافة ثلاثة ايام لايقدر العوام على تحديدها وضبطها بل تختلف ظنونهم فى ذالک قدرها المشائخ بالفراسخ والفتوىٰ على خمسة عشر منها كما تقدم فانها اربعة برد اونحوها وقد وردهذا التحديد عن ابن عباس وغيره وورد ذالک مرفوعا ايضا وان كان ضعيفا واختاره مالک فافتى المتاخرون منها تسهيلاللعوام فان اربعة برد هى قدرمسافة ثلاثة ايام تقريبا(اعلاء السنن ج۷ص ۲۸۴)

ومن مشايخنا من قدره بخمسة عشر فرسخا وجعل لكل يوم خمس فراسخ، ومنهم من قدره بثلاث مراحل۔

وقال مالک :أربعة برد كل بريد اثنا عشر ميلا، واختلفت أقوال الشافعى فيه، قيل :ستة وأربعون ميلا وهو قريب من قول بعض مشايخنا؛ لأن العادة أن القافلة لا تقطع فى يوم أكثر من خمسة فراسخ(بدائع الصنائع، ج ا ص ۹۳، كتاب الصلاة،فصل بيان مايصير به المقيم مسافرا)

www.idaraghufran.org

دو باتیں ثابت ہوئیں الخ (صفحہ نمبر 333)

''اقول'':......ان دونوں باتوں سے اتفاق نہیں، جیسا کہ تفصیلاً گذرا۔

(58)......**''قولہ''**:......دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ مسافتِ سفر کی تعیین کا تعلق سراسر عرف سے ہے کہ عرفِ عام میں جس قدر قطعِ مسافت کو مسافتِ سفر کے بقدر سمجھا جاتا ہو اسی مسافت کا احکامِ سفر لاگو ہونے کے واسطے شرعاً کافی و معتبر سمجھا جائے گا (صفحہ نمبر 334)

''اقول'':......لغوی اعتبار سے سفر کے معنیٰ قطعِ مسافت کے ہیں، تو جو آپ نے یہ فرمایا کہ:

''عرفِ عام میں جس قدر قطعِ مسافت کو مسافتِ سفر کے بقدر سمجھا جاتا ہو الخ''

اس کے معنیٰ ہوئے کہ جس لغوی سفر کو عرف میں سفر سمجھا جاتا ہو، اسی سفر پر احکامِ سفر لاگو ہوں گے، یہ تو فقہائے کرام کے اجماع کے خلاف بعض اہلِ ظاہر کا قول ہوگیا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ عرفِ عام میں جب مسافر سمجھا جائے گا، اس کے حق میں مبدءِ سفر کے ساتھ مبدءِ قصر بھی متحقق ہو جائے گا، خواہ دو چار میل کی مسافت ہی کیوں نہ طے کی ہو، قطعِ مسافت؛ سفر کی لغوی تعریف ہے، اور مخصوص مسافتِ سفر؛ سفر کی شرعی تعریف کے ذیل میں آتا ہے۔ لہٰذا دونوں میں فرق ضروری ہے۔

مسافتِ شرعی کی تحدید میں مختلف عرفوں کا حکم

(59)......**''قولہ''**:......یہ ضروری نہیں کہ مدتِ مسافت کی تعیین میں پوری دنیا میں یکساں عرف ہو الخ (صفحہ نمبر 335)

''اقول'':......جب مشائخ اکابر نے نص کی تخمینہ سے تحدید کر دی اور یہ تحدید نص اور اقوالِ ائمہ کے مطابق بھی ہے، پھر اس کو مختلف ملکوں کے عوام اور ان کے عرف پر چھوڑنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر علاقہ والے عرف میں جتنی مقدار کو سفر سمجھیں، اسی پر سفر سمیت احکامِ سفر کا بھی

www.idaraghufran.org

مدار رکھ دیا جائے، پھر اس کے کیا کچھ نتائج نکلیں گے، وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔

کیا مبدءِ قصر کا مدار بھی عرف پر ہے؟

(60)......"**قولہ**":......اس لئے اس کا تقاضا یہ ہے مبدأ و منتہاء مسافتِ سفر بھی الخ (صفحہ نمبر 336)

"**اقول**":......صفحہ نمبر 299 کی آپ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک مبدء و منتہائے احکامِ سفر کا مدار بھی عرف پر ہے، جبکہ مبدء و منتہائے سفر کا مدار تو عرف پر آنجناب کے نزدیک پہلے ہی تھا، تو پھر احکامِ سفر کے لئے خروج من عمران البلد کی قید لگانے کی کیا ضرورت ہے، احکامِ سفر بھی عرف سے ہی طے کر لئے جائیں، اور اس سلسلہ میں واردشدہ تمام نصوص کو نظر انداز کر دیا جائے۔

سفر کی ادعیۂ ماثورہ کے سواری پر بیٹھ کر پڑھنے کی بحث

(61)......"**قولہ**":......(الف) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسفار اور احکامِ سفر پر ان حضرات کے (الیٰ قولہ) لیکن سفر کی دعائیں وغیرہ بنیتِ سفر سواری پر سوار ہوتے وقت ہی پڑھ لیتے تھے (صفحہ نمبر 337)

"**اقول**":......اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی مسافتِ سفر کا آغاز سواری پر سوار ہونے کے وقت ہی سمجھا جاتا تھا (اور آپ کے نزدیک مسافتِ سفر کے آغاز کا مدار عرف پر ہے) تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ فقہائے کرام نے سفرِ شرعی کے خروجِ بلد پر آغاز ہونے میں اس کی مخالفت کس بنیاد پر کی؟ آیا ان کے زمانے میں یہ عرف بدل گیا تھا، اگر جواب ہاں میں ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ فقہائے کرام نے جو حکم ان نصوص کے خلاف لگایا تو انہوں نے مبدءِ سفر کے مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے عرف کے بدل جانے کی تصریح کیوں نہیں فرمائی؟ اور تمام باتوں کے معقول جوابات کے بعد سوال

www.idaraghufran.org

پیدا ہوتا ہے کہ جو عرف کے بدل جانے کی بحث اب چھیڑی جا رہی ہے اس کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے، یہ عرف تو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں بھی تھا، جس طرح سے اب ہے؟

یہ تمام بحث تو الزاماً تھی، بر سبیلِ تسلیم عرض ہے کہ سواری پر بیٹھنے کے وقت سفر کی دعاؤں کی جو روایات آنجناب نے نقل فرمائی ہیں، ان سے سفر کے سواری پر بیٹھنے کا کوئی ثبوت ہوتا ہی نہیں، کیونکہ سواری پر بیٹھنے کی یہ دعائیں عملِ سفر شروع ہونے کو مستلزم نہیں، جیسا کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے کی دعا، مسجد میں داخل ہونے کی دعا، گھر میں داخل ہونے کی دعا اور اس قسم کی بے شمار دعائیں متعلقہ عمل کے شروع ہونے سے پہلے ہی پڑھی جاتی ہیں، اب اگر کوئی بیت الخلاء میں نہ جانے یا مسجد میں داخل نہ ہونے کی قسم اٹھالے، اور وہ دعائیں پڑھ کر بیت الخلاء اور مسجد میں داخل ہونے کی نیت بھی کرلے لیکن بیت الخلاء اور مسجد میں داخل نہ ہو تو کیا اس کو حانث قرار دیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ حانث نہیں قرار دیا جائے گا، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ باوجودیکہ اس نے ادعیہ ماثورہ پڑھ لی ہیں، لیکن اس کے عمل کو وجود نہیں ملا، اسی طریقہ سے فقہائے کرام نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ اگر کوئی حلف اٹھالے کہ وہ سفر نہیں کرے گا اور وہ بنیتِ سفر سواری پر سوار ہو جائے اور چلنا بھی شروع کر دے تو وہ حانث نہ ہوگا، تا آنکہ مقامِ اقامت سے باہر نہ نکل جائے، اگر اس کا عملِ سفر سوار ہونے پر شروع ہو جاتا تو اس کو حانث قرار دینا چاہئے تھا، اگر کہا جائے کہ اس کا عملِ سفر احکامِ سفر کے اعتبار سے شروع نہیں ہوتا، البتہ دوسری جہت سے اس کا عملِ سفر شروع ہو جاتا ہے اور وہ جہت یہ ہے کہ سفرِ شرعی کی مدتِ مسافت میں یہ قطعِ مسافت محسوب ہوتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حالف نے تو سفر نہ کرنے کی قسم اٹھائی ہے، اس نے احکامِ سفر کا ذکر ہی نہیں کیا، اور احکامِ سفر کے بغیر آنجناب کی تحقیق کے مطابق اس کا عملِ سفر شروع ہو چکا ہے (جس کو عملِ سفر محض کہنا چاہئے) لہٰذا جب اس نے عملِ سفر نہ کرنے کی قسم اٹھائی تھی؛ اور احکامِ سفر

www.idaraghufran.org

مثلاً قصر وغیرہ کا کوئی ذکر ہی نہیں تھا تو اس کو مقامِ اقامت سے باہر نکلنے سے پہلے سوار ہونے کے بعد حانث کیوں قرار نہیں دیا گیا۔

پھر بہت سی چیزوں کا نام مایؤل کے اعتبار سے یا اس چیز کے قریب ہونے کی وجہ سے استعمال کرنا بھی عرف میں مروج ہے، چنانچہ حج کی تیاری کرنے مثلاً احرام کی چادریں پہن لینے والے پر حاجی کا اطلاق اور روزہ کی تیاری مثلاً صبح صادق ہونے سے پہلے سحری کھانے یا کھا چکنے والے پر صائم کا اطلاق اور نماز کے لئے چلنے والے پر نمازی کا اطلاق مجازاً کیا جاتا ہے، علیٰ ھٰذا جب کوئی سفر کے لئے سواری پر سوار ہو رہا ہو، تو اس کے لئے کوئی دعا وغیرہ پڑھنے کا حکم بیان کرتے ہوئے اس کو مسافر ہی کے نام سے یاد کیا جائے گا، کیونکہ کسی اور نام سے مسافر اور سفر کے لئے ادعیۂ ماثورہ کا ہونا سمجھ میں نہیں آ سکے گا، لیکن اس کو اس موقع پر مسافر کہنا مجازاً ہوگا نہ کہ شرعاً۔

(1)......آپ نے پہلی روایت جو نقل فرمائی ہے ''اذا سافر فرکب راحلته '' اس میں سافر کے حقیقی معنیٰ مراد لینا خواہ ماضی کے اعتبار سے ہو یا مضارع کے اعتبار سے درست نہیں، اس لئے کہ ماضی کے معنیٰ مراد لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جب سفر کر چکے ہوتے تھے تو اس کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے اور اگر مضارع کے معنیٰ مراد لئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زمانۂ مستقبل میں مسافر ہوتے تھے تو دعا پڑھتے تھے، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں معنیٰ درست نہیں، اس لئے یہی کہا جائے گا کہ حقیقی معنیٰ مراد نہیں بلکہ مجازی معنیٰ مراد ہیں، اور مجازی معنیٰ ہیں ''اذا اراد سفرا '' (جیسے ''اذا قمتم الی الصلاة '' میں ''اذا اردتم قیام الصلاة '' اس کی نظیر ہے) گویا کہ فعل سے مراد؛ ارادۂ فعل ہے، چنانچہ دوسری حدیث میں اس مجازی معنیٰ کی تصریح آئی ہے۔

مصنف ابنِ ابی شیبہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

عن ابن عباس، قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا

أراد أن يخرج فى سفر قال :اللهم أنت الصاحب فى السفر والخليفة فى الأهل (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۲۲۲ ۹۳۰

اس روایت میں اذا سافر کے بجائے ’’اذااراد ان یخرج فی سفر ‘‘ کے الفاظ وارد ہیں، جس سے اذاسافر کی تفسیر وتشریح ہورہی ہے کہ سفر میں نکلنے کے ارادہ کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے اور سفر میں نکلنا مقامِ اقامت کی آبادی سے خروج پر متحقق ہوتا ہے’’والاحادیث یفسر بعضها بعضا ‘‘اور اگر آنجناب کی نقل کردہ روایت کو بالکل ظاہر پر ہی رکھا جائے اور دوسری روایات کو اس کی تفسیر نہ مانا جائے تو اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ’’ اذاسافر فرکب راحلته ‘‘اس کے ظاہر سے تو رکوب سے قبل ہی مسافر ہونا لازم آتا ہے۔

نیز مصنف ابنِ ابی شیبہ میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت منقول ہے:

عن ابن عباس ، قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أراد أن يخرج فى سفر ، قال :اللهم أنت الصاحب فى السفر والخليفة فى الأهل (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۳۴۴۳۰)

اورابنِ ابی شیبہ نے اس پر یہ باب قائم کیا ہے:

’’باب فى الرجل يريدالسفرمايدعوبه‘‘

اسی طرح فتح الباری میں باب قائم کیا گیا ہے:

’’باب الدعاء اذا اراد سفرا او رجع فيه ‘‘ (فتح الباری لابنِ حجر، ج ۱۱ ص ۸۹، کتاب الدعوات)

اور ترجمۃ الباب کا استدلال میں ایک خاص مقام ہوتا ہے، یہ تو آنجناب کی پہلی درج شدہ روایت سے متعلق کلام تھا۔

(2)......اس کے بعد آپ نے صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں صاف الفاظ موجود ہیں ’’کان اذا استوى على بعيره خارجا الى

Idara Ghufran

سفر ''''استوىٰ علی بعیرہ'' کے بعد ''خارجا الیٰ سفر'' فرما کر بتلا دیا گیا کہ ابھی سفر کا آغاز نہیں ہوا بلکہ ابھی ارادۂ سفر ہے۔

''اذا استوی علی بعیرہ خارجا الی سفر'' میں بھی خارجا بمعنیٰ مریدًا ہے، یہاں بھی خارجاً اپنے حقیقی معنیٰ میں مراد لینا درست نہیں، کیونکہ یہاں خارجاً ذوالحال ہے اور استویٰ کی ضمیر ھو جو کہ استویٰ کا فاعل ہے وہ حال ہے اور حال وذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے، تو حقیقی معنیٰ مراد لینے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ خروج زمانۂ استویٰ میں ہے، اور یہ مطلب کسی طرح درست نہیں بنتا، کیونکہ خروج استویٰ کے بعد ہوتا تھا۔

(3)......اور تیسرے نمبر پر آپ نے الفواکہ الدوانی ج۲ص۳۳۶ کی جو عبارت نقل فرمائی ہے اس کی ابتداء ہی اس جملہ سے ہورہی ہے ''یستحب للمسافر ای مرید السفر'' یہاں مسافر کی تعبیر مرید السفر سے فرمائی گئی اور آبادی کے اندر نیتِ سفر کے فقہائے کرام بھی قائل ہیں، البتہ فعلِ سفر کے قائل نہیں۔

اور پھر اسی عبارت میں آگے چل کر یہ جملہ بھی نقل فرمایا ہے ''ویستحب لمن تلبس بالسفر'' اس میں سفر کا تلبس بیان کیا گیا ہے، سفر کا تحقق نہیں اور تحقق کے بغیر تلبس شہر میں بھی ممکن ہے، کسی چیز سے تلبس اس چیز کے حقیقت میں تحقق کو مستلزم نہیں۔

ایک حدیث سے غلط استدلال

(62)......''**قوله**'':......اس تاویل کے واسطے عارض ہے، اس لئے جس طرح ''کان یبتدئ القصر اذاخرج من المدینة'' کی ترکیب خروجِ بلد کے بعد قصر ثابت کرتی ہے اسی طرح ''کان اذااستویٰ علی بعیرہ خارجا الی سفر کبرالخ'' کی ترکیب سے بنیتِ سفر سواری پر سوار ہونے کے وقت سے مسافتِ سفر کا آغاز ہونا چاہیئے (صفحہ نمبر 338)

''**اقــــــول**'':......آنجناب کا یہ استدلال درست معلوم نہیں ہوسکا، کیونکہ پہلی عبارت

IdaraGhufran

میں ''یبتدئ القصر اذاخرج من المدینۃ '' میں جس طرح خروج مدینہ کو مبدءِ قصر بیان کیا جارہا ہے ،اس طرح دوسری عبارت میں سواری پر سوار ہونے کو مبدءِ سفر بیان نہیں کیا جارہا، بلکہ اس سے اگلی کسی چیز کو مبدءِ سفر بیان کیا جارہا ہے، کیونکہ اس دوسری عبارت میں خارجًا کے بعد الٰی سفرٍ کے الفاظ بتلارہے ہیں کہ مبدءِ سفر؛ ابھی آگے ہے، استویٰ علی بعیر نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد اگر کسی چیز کو مبدءِ سفر نقلاً وعقلاً قرار دیا جاسکتا ہے تو وہ خروج عن المدینۃ ہی ہے، لہٰذا اس عبارت سے خروج عن المدینۃ کا مبدءِ سفر ہونا ثابت ہوا۔

پس اگر ایک پہلی عبارت مبدءِ قصر کا خروج عن المدینۃ ہونا بیان کررہی ہے تو دوسری عبارت مبدءِ سفر کا خروج عن المدینۃ ہونا بیان کررہی ہے وھو المقصود۔

لہٰذا صحیح استدلال وہ نہیں ہے جو آنجناب نے پیش فرمایا، کیونکہ اس استدلال سے مبدءِ قصر ومبدءِ سفر کا جدا ہونا لازم آرہا ہے اور صحیح استدلال سے دونوں کا متحد ہونا ثابت ہورہا ہے اور دونوں عبارتوں کی اگر نحوی اعتبار سے ترکیب کی جائے تو بھی مدعا واضح ہے۔ کمامر

''لاتسافر المرأۃ ثلاثۃ ایام'' سے غلط استدلال

(63)...... ''**قولہ**'': ......لیکن مسافتِ سفر کے بیان میں نہ روایتوں میں یہ قید ملتی ہے، نہ کلامِ فقہاء میں، بلکہ یہاں مطلقا ''مسیرۃ ثلاثۃ ایام ''وغیرہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں، مثلاً راویت میں مسافتِ سفر کے بیان میں ''عن ابن عمر رضی اللہ عنھما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتسافر المرأۃ ثلاثۃ ایام الا مع ذی محرم '' یا ''لاتسافر امرأۃ مسیرۃ ثلاثۃ ایام الا مع ذی رحم ''اور احکامِ سفر کے بیان میں ''وعن ابی ھریرۃ قال سافرت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومع ابی بکرو عمر کلھم صلی من حین یخرج من المدینۃ الی ان یرجع الیھا رکعتین فی المسیر والمقام بمکۃ'' وغیرہ کے الفاظ ہیں (صفحہ نمبر 338,339)

www.idaraghufran.org

''اقول'':...... یہاں ہمارے خیال میں جناب کو بڑا مغالطہ لگا ہے، کیونکہ عورت کے ساتھ سفر میں محرم ہونے والی پہلی دو روایتوں کو مسافتِ سفر پر اور بعد والی روایت کو جس میں قصر کا ذکر ہے احکامِ سفر پر محمول کرنا ہی درست نہیں، کیونکہ فقہ حنفی کے مشہور قول کے مطابق دونوں مذکورہ بالا قسم کی روایات میں احکامِ سفر کو ہی بیان کیا جا رہا ہے، بس فرق اتنا ہے کہ پہلی قسم کی روایت میں (جن کو آنجناب نے مسافتِ سفر محض پر محمول فرمایا ہے) عورت کے ساتھ سفر میں محرم ہونے کا حکم بیان کیا جا رہا ہے، اور عورت کے ساتھ سفر میں محرم کا ہونا ظاہر ہے کہ فقہ حنفی کے مشہور قول کے مطابق احکامِ سفر میں سے ایک حکم ہے، اور دوسری روایت میں بھی (جس کو آنجناب نے احکامِ سفر پر محمول فرمایا ہے) ایک دوسرا سفر کا حکم بیان کیا جا رہا ہے یعنی قصر، اور اور حنفیہ کے اصل قاعدہ کے مطابق یہ بات ممکن نہیں کہ سفر کا ایک حکم (محرم کے ساتھ ہونا) مقامِ اقامت کی آبادی کے اندر لازم کر دیا جائے، اور دوسرا حکم (قصر کا ہونا) مقامِ اقامت کی آبادی سے باہر نکل کر لازم کیا جائے، کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ پہلے تو مبدءِ سفر اور مبدءِ احکامِ سفر کو ایک دوسرے سے جدا کیا جا رہا تھا اور اب خود مبدءِ احکامِ سفر کو بھی ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا، اور فقہ حنفی کے مطابق جس طرح قصر کا ہونا احکامِ سفر میں سے ہے، اسی طرح عورت کے ساتھ محرم کا ہونا بھی احکامِ سفر میں سے ہے، اس پر فقہ حنفی کی متعدد عبارات شاہد ہیں، اب اگر عورت کے ساتھ محرم ہونے کی شرط کو آبادی کے اندر لازم کیا جائے گا تو قصر کو بھی آبادی کے اندر لازم کرنا چاہئے، اور اگر قصر کو آبادی سے خروج پر لازم کیا جائے گا تو محرم ساتھ ہونے کی شرط کو بھی آبادی سے خروج پر لازم کرنا چاہئے۔

اور چونکہ مؤخر الذکر حدیث کی رو سے صراحتاً ایک حکمِ سفر یعنی قصر کا خروج پر متحقق ہونا ثابت ہو رہا ہے تو محرم کے ساتھ ہونے کا حکم بھی خروج پر ہی متحقق ہوگا۔

اور عورت کو بغیر محرم کے مخصوص مدتِ مسافت کا سفر کرنا ممنوع قرار دیا جا رہا ہے، جو کہ عند الحنفیہ سفر کا ایک حکم ہے تو جہاں سے ''لاتسافر المرأۃ'' کا فعل یعنی تسافر متحقق ہوگا، وہیں سے

www.idaraghufran.org

محرم کے ساتھ ہونے کی شرط بھی متحقق ہوگی۔

کیونکہ یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ عورت شہر کے اندر سفر بغیر محرم کے کرسکتی ہے اور شہر سے باہر نہیں کرسکتی، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں آبادی سے باہر اور اندر کے سفر دون سفر کی تخصیص نہیں، لہٰذا یہی ماننا پڑے گا کہ سفر کا تحقق ہی آبادی سے خروج پر ہوتا ہے، تاکہ عندالحنفیہ علت یعنی سفر اور معلول یعنی محرم کا ساتھ ہونا ساتھ ساتھ متحقق ہو۔ [1]

اس کے علاوہ غور طلب بات یہ ہے کہ عورت کے ساتھ محرم ہونے والی مذکورہ پہلی حدیث میں لاتسافر فرمایا گیا اور اس کے بعد ثلاثة ایام فرمایا گیا، مسیرة کے الفاظ نہیں، اور دوسری حدیث میں لاتسافر کے بعد مسیرة کے الفاظ بھی ہیں اور اس کے بعد قصر والی حدیث میں ''سافرت'' کے بعد ''حین یخرج من المدینة'' سے مبدءِ قصر کو اور اس کے بعد ''الیٰ ان یرجع الیھا'' الفاظ کے ساتھ واپسی پر منتہائے قصر کو اور والمقام بمكة کے الفاظ سے بقائے سفر کو بیان کر کے مبدءِ قصر اور منتہائے سفر کے درمیان والے عمل کو مسیرة سے تعبیر کیا گیا ہے، اس حدیث نے مبدءِ قصر و منتہائے قصر کے درمیان والے عمل کو مسیرة سے تعبیر کردیا۔

لہٰذا اس حدیث کی اس تعبیر کو ملحوظ رکھ کر ''لاتسافر امرأة مسیرة ثلاثة ایام'' میں مذکور مسیرة کی بھی وضاحت ہوجاتی ہے کہ جس طرح مبدءِ قصر والی حدیث میں شریعت کی نظر میں مسیرة کا اطلاق مدینہ سے خروج کے بعد ہو رہا تھا، اسی طرح اس حدیث میں بھی مسیرة کا اطلاق مدینہ سے خروج کے بعد ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

لہٰذا جن احادیث میں مسیرة یا تسافر وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں ان کا اطلاق خروج مدینہ سے قبل پر کرنا ممکن ہی نہیں؛ جس سے معلوم ہوا کہ جن مذکورہ احادیث میں احکامِ سفر کا مسئلہ زیرِ بحث ہے ان ہی احادیث سے مبدءِ سفر کا مسئلہ بھی ثابت ہو رہا ہے، پہلا اگر عبارة النص کے

---

[1] المحرم يشترط للسفر، وما دون ثلاثة أيام ليس بسفر فلا يشترط فيه المحرم كما لا يشترط للخروج من محلة إلى محلة(بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۱۲۴ ، كتاب الحج، فصل شرائط فريضة الحج)

طور پر ثابت ہوتا ہے، تو دوسرا اشارۃ النص ودلالۃ النص کے طور پر ثابت ہوتا ہے، اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی مسیرۃ کا اطلاق گھر سے خروج پر ہی کرنا شروع کردے اور یہ مدت شہر کے اندر اندر ہی پوری ہوجائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مبدءِ سفر کے بعد منتہائے سفر بھی ہوگیا، مگر اس کے باوجود احکامِ سفر کا سرے سے وجود ہی نہیں، جبکہ یہ روایات سفر کے ساتھ حکمِ سفر بھی بیان کررہی ہیں۔ [1]

فقہاء کی عبارت سے غلط استدلال

(64)......"**قوله**":......نیز کلامِ فقہاء میں بھی اسی طرح ہے (الیٰ قولہ) فیرجع الیھم عند الاشتباہ" وغیرہ (صفحہ نمبر339)

"**اقول**":......آنجناب نے جو عربی عبارت یہاں نقل فرمائی ہے، اس میں یہ الفاظ صاف طور پر موجود ہیں کہ "فاذا قصد مسیرۃ ثلاثۃ ایام قصر الصلاۃ حین تخلف عمران المصر" یہاں مسیرۃ ثلاثۃ ایام کے قصد پر قصرِ صلاۃ کا حکم جو اس قید کے ساتھ بیان فرمایا جارہا ہے کہ "حین تخلف عمران المصر" آنجناب اس تخلف عمرانِ مصر کا تعلق صرف قصرِ صلاۃ سے جوڑ رہے ہیں۔

حالانکہ اس کا تعلق جس طرح قصرِ صلاۃ سے ہے، اسی طرح قصد مسیرۃ ثلاثۃ ایام سے بھی ہے، کیونکہ شرعی مسیرۃ کا اطلاق ہی جب تخلف عمران المصر کے وقت ہوگا، تو اس سے پہلے اس مسیرۃ کا اطلاق کرنا کیسے درست قرار پاسکتا ہے؟

---

[1] پھر عورت کے ساتھ سفر میں محرم ہونے کی مذکورہ تفصیل ان حضرات کے قول کے مطابق ہے، جو محرم کے ساتھ ہونے کی علت سفر کو قرار دیتے ہیں، اور جو حضرات فتنہ کو علت قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک حکم جُدا ہوگا۔
جس کی تفصیل ہم نے اپنے دوسرے رسالہ "محرم کے بغیر سفر کا حکم" میں بیان کردی ہے، وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔

www.idaraghufran.org

خروجِ بلد سے قبل عرفی سفر کے آغاز سے غلط استدلال

(65)......"**قولہ**":...... کیونکہ عرف عام میں جب آدمی اپنے سفر کی مدت کا حساب لگاتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں (الیٰ قولہ) اتنے بجے سفر کا آغاز کیا تھا (صفحہ نمبر 339)

"**اقول**": مگر اس عرف سے نص میں تبدیلی لانا ممکن نہیں، نص تو سفر نام ہی خروج پر رکھ رہا ہے، اور آپ کا یہ عرف خروج سے پہلے رکھ رہا ہے تو یہ شرعی اور عرفی سفر کے مفہوم کا باہم صریح ٹکراؤ ہوا، جس میں عرف کو حجت نہیں قرار دیا جاتا، اور اگر اس کے باوجود بھی عرف کو حجت مانا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حساب آج کے دور میں شمار کیا جانے لگا ہے یا پہلے زمانے میں بھی شمار کیا جاتا تھا، اگر پہلے بھی شمار کیا جاتا تھا تو فقہائے کرام نے اس کا اعتبار کیوں نہیں فرمایا۔

کیا قطعِ مسافت کا حساب گھر سے لگایا جانا معتبر ہے؟

(66)......"**قولہ**":...... یا اپنی سواری پر نصب میٹر وغیرہ دیکھ کر یہ کہتا ہے کہ میرا سفر اتنے کلومیٹر پر مشتمل رہا الخ (صفحہ نمبر 339)

"**اقول**": اس کا جواب بھی وہی ہے جو پہلے گزرا، کسی کے حساب لگانے سے کچھ بھی نہیں ہوتا، خصوصاً جب کہ نص کی رو سے اس کا عدمِ محسوب ہونا بھی ثابت ہو جائے۔

ہوائی اڈہ یا اسٹیشن سے قطعِ مسافت کا حساب

(67)......"**قولہ**":...... اور کسی اسٹیشن یا ہوائی اڈہ سے سفر کرنے والا عام طور پر اسٹیشن یا ہوائی اڈہ سے حساب لگاتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ میں نے اپنے سفر کا آغاز فلاں وقت کیا تھا (صفحہ نمبر 339)

"**اقول**": اس سے پہلے گھر سے عرف کا حساب لگایا جا رہا تھا اور یہاں آ کر گھر کے بجائے

اڈہ، اسٹیشن، سے عرف کا حساب لگایا جانے لگا، جس سے معلوم ہوا کہ ابھی عرف کا مسئلہ بھی آنجناب کے نزدیک طے شدہ نہیں، حالانکہ جب آدمی گھر سے نکل جائے اور پیدل یا کسی عام، لوکل سواری مثلاً موٹر سائیکل، رکشہ، ٹیکسی وغیرہ میں چلنے کے بعد پھر جا کر اڈہ سے سوار ہو، تو وقت کا خرچ ہونا اور مسافت کا قطع ہونا تو یہاں بھی اسی طرح سے موجود ہے، یعنی اگر وقت کو بنیاد بنایا جائے تو سارا وقت ملا کر کہتا ہے کہ میرے اس سفر میں کل وقت اتنا خرچ ہوا ہے، کیونکہ وقت تو ہر حال میں خرچ ہوتا ہے اور وہ وقت محسوب بھی ہوتا ہے خواہ کچھ وقت ایک سواری میں یا پیدل چلنے میں شہر کے اندر خرچ ہوا اور کچھ دوسری سواری میں شہر کے اندر یا شہر کے باہر خرچ ہو، اسی طرح اگر راستہ میں مثلاً گاڑی ایک گھنٹہ کسی مقام پر ٹھہری رہی یا راستہ میں خراب ہوگئی یا گاڑی آہستہ چلی تو وقت تو زیادہ خرچ ہوا، مگر قطعِ مسافت کم ہوئی، اور اسی طرح اگر وقت کے بجائے نفسِ قطعِ مسافت کا اعتبار کیا جائے تو قطعِ مسافت جس طرح اڈہ اور اسٹیشن وغیرہ کے بعد طے ہوتی ہے، اسی طرح گھر سے نکلنے کے بعد اڈے اور اسٹیشن وغیرہ سے پہلے بھی طے ہوتی ہے، خواہ پیدل طے کی جائے یا کسی رکشہ وغیرہ سے، اور موضعِ اقامت کی حدود میں لوکل سواری مثلاً موٹر سائیکل، رکشہ، ٹیکسی وغیرہ میں بھی میٹر چلتا ہے اور موضعِ اقامت کی حدود کے باہر کی سواری، مثلاً بس، ریل اور جہاز وغیرہ میں بھی، تو کیا دونوں قسم کے کلومیٹروں کو جمع کر کے حساب نہیں لگایا جائے گا؟ اگر جواب نفی میں ہے تو دونوں قسم کے اوقات اور دونوں قسم کی قطعِ مسافت میں مابہ الفرق کیا ہے آیا عرف ہے یا فی الحقیقت وقت کا خرچ ہونا اور فی الحقیقت قطعِ مسافت کا ہونا؟ ان تمام باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

اور یہ تمام باتیں استطراداً ہیں ورنہ اصل بات تو یہی ہے کہ شرعی سفر کے باب میں قطعِ مسافت شرعی مراد ہے، عرفی مراد ہی نہیں۔

فقہی عبارات میں ضمائر سے غلط استدلال

(68)......**"قولہ"**:......فقہائے کرام رحمہم اللہ نے مسافتِ سفر بیان کرتے ہوئے عموماً "بینہ وبین المقصد" یا "بینہ وبین ذالک الموضع" یا "خروج عن محل الاقامۃ بقصد مسیرۃ ثلاثۃ ایام بسیر وسط من ذالک المحل" الخ (صفحہ نمبر 340)

"اقـــــول":......یہاں ایک بہت بڑی غلط فہمی پیدا ہو چکی ہے، اس لئے اس کا ازالہ کرنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ قطعِ نظران ضمائر سے اصل بات یہ ہے کہ انشاءِ سفر والے محل اور انتہائے سفر والے محل کی اولاً تعیین ہونی چاہئے کہ وہ کیا ہے آیا شہر ہے یا گاؤں، یا کوئی جنگل، یا کوئی خاص جگہ یا مکان؟

تو اس بارے میں فقہائے کرام کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انشاءِ سفر کے لئے شہر ضروری نہیں بلکہ کبھی انشاءِ سفر گاؤں سے ہوتا ہے، کبھی کسی کھیت، باغ، یا جنگل میں واقع کسی گھر سے۔

اور منتہائے سفر کبھی کوئی شہر ہوتا ہے، کبھی گاؤں اور کبھی صحراء میں کوئی خاص جگہ مثلاً نہر، کھیت، باغ وغیرہ، ان سب پر موضع کا اطلاق آتا ہے، اب جس موضع سے انشائے سفر ہوگا اگر وہ شہر ہے تو پورا شہر ایک موضع ہے، کیونکہ وہ پورا شہر اس کے حق میں موضعِ اقامت ہے اور اگر گاؤں ہے تو پورا گاؤں ایک موضع ہے، اور اگر کوئی آبادی پر مشتمل موضع نہیں بلکہ کوئی خاص کھیت یا باغ ہے تو وہ کھیت یا باغ موضع ہے، اگر نہر ہے تو صرف نہر موضع ہے اور اگر لکڑی کاٹنے کی جگہ ہے تو صرف وہی جگہ موضع ہے، اب اگر کسی شخص نے انشاءِ سفر کسی ایسے موضع سے کیا جو بہت محدود ومختصر ہے، اسی طرح جس موضع کو اس نے منتہائے سفر قرار دیا وہ بھی محدود ومختصر ہے، تو چونکہ یہاں کوئی مانع نہیں ایسے مواقع پر بینہ وغیرہ کی ضمائر لا کر تعبیر کی جاتی ہے اور وہ موضع کوئی مستقل شہر وغیرہ ہے، تو اس شہر یا آبادی کے نام کی تصریح کے ساتھ مدتِ

Idara Ghufran

مسافت کے فاصلہ کی نشاندہی کی جاتی ہے، اور مقصد، مستقر، وغیرہ سے بھی ان مقامات کو تعبیر کردیا جاتا ہے، جس طرح ''موضع'' کا اطلاق صغیر اور کبیر دونوں قسم کے مقامات پر کیا جاتا ہے، اسی طرح مقصد و مستقر بھی چھوٹے اور بڑے موضع پر بولا جاسکتا ہے، لہٰذا فقہائے کرام کی ان تعبیرات میں نہ کوئی تضاد ہے اور نہ ٹکراؤ، جیسا موقع اور جیسی ضرورت ہوئی، اسی کے مطابق اس کی تعبیر کردی گئی۔

عورت کے ساتھ محرَم ہونے اور ضمیر کی بحث

(69)......''**قولہ**'':......مثلاً احناف کے ہاں مسافتِ سفر کی ''تحدید بثلاثة ایام'' میں جو بنیادی دلائل ہیں (الیٰ قولہ) مسافر ہونے کی تائید ہوتی ہے (صفحہ نمبر 340,341)

''**اقول**'':......سب سے پہلے تو یہ طے کرنا چاہئے کہ عورت کے ساتھ سفرِ شرعی میں محرم کا ہونا عندالاحناف مبدءِ سفر ہے یا مبدءِ حکمِ سفر، ظاہر ہے کہ مبدءِ حکمِ سفر ہے، اور حدیث میں عورت کو ثلاثة ایام کا سفر بغیر محرم کے کرنے سے منع کیا گیا ہے ''لاتسافر امرأة'' جیسے الفاظ کے ساتھ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں پر تسافر کا اطلاق شروع ہوگا یعنی مبدءِ سفر ہوگا، وہیں سے محرم کی قید یعنی حکمِ سفر بھی ہوگا، آپ نے جو عبارات شرح معانی الآثار، مبسوط سرخسی، ھدایہ اور فتح القدیر کی نقل فرمائی ہیں، ان سب میں مبدءِ سفر کو بیان کرتے وقت بینھا کی ضمیر ایک عموم کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ اگر وہ حج کا انشائے سفر کسی ایسے موضع سے کررہی ہے جہاں آبادی وغیرہ مانع نہیں تو یہ ضمیر حقیقی معنیٰ پر محمول ہوگی ورنہ حکمی معنیٰ پر محمول ہوگی، یعنی بینھا سے مراد پورا موضع ہوگا، اور ان سب عبارات میں ہی اس محمل کی دلیل موجود ہے، کیونکہ منتہائے سفر میں ''وبین الحج'' اور ''وبین مکة'' کے الفاظ بتلارہے ہیں کہ پورا مکہ شہر منتہائے سفر ہے، اور جو شان مبدءِ سفر کی ہے، وہی منتہائے سفر کی بھی ہے، بلکہ مبدءِ

سفر میں تو آبادی قصر کے لئے مانع بھی ہوتی ہے اور منتہائے سفر میں تو یہ مانع بھی موجود ہونا ضروری نہیں، مثلاً کوئی عند الاحناف پندرہ یوم سے کم اقامت اختیار کرے اور واپس آجائے، لہٰذا جب سفر کی ایک طرف میں پوری آبادی ایک موضع ہے، اسی طرح دوسری طرف میں بھی پوری آبادی ایک موضع ہوگی، لیکن کیونکہ حج کے باب میں منتہائے سفر تو ہر ایک کا متعین ہے، مگر مبدءِ سفر متعین نہیں وہ کبھی آبادی والا موضع ہوسکتا ہے، اور کبھی غیر آبادی والا موضع، اس غرض کے لئے ایک جگہ تعبیر عام انداز سے اور دوسری جگہ خاص انداز سے کی گئی ہے۔

چھوٹی بستی اور بڑے شہر کا موضعِ واحد ہونا

(70)......"**قوله**":...... بلکہ چھوٹی چھوٹی بستی وگاؤں اور چھوٹے چھوٹے شہر عرفاً پوری بستی اور پورا شہر ہی آدمی کا مستقر وجائے رہائش ہے (صفحہ نمبر342)

"**اقول**":...... یہاں پورے شہر اور پوری بستی کو آدمی کا مستقر اور جائے رہائش تسلیم کرلیا، اور عرف کی وجہ سے اس پوری آبادی کو موضعِ واحد کا حکم دے دیا، حالانکہ بڑا شہر بھی عرف میں مقامِ واحد اور موضعِ واحد ہی کہلاتا ہے، چنانچہ جس طرح راولپنڈی شہر کے کسی بھی حصہ کا باشندہ عرف میں راولپنڈی کا باشندہ شمار ہوتا ہے اسی طرح کراچی شہر کے کسی بھی حصہ کا باشندہ کراچی کا ہی شمار ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ عرف کی وجہ سے چھوٹے اور بڑے شہر میں، اس حیثیت سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ جب دلائل مبدءِ سفر کو مبدءِ حکمِ سفر سے الگ اور جدا کرنے کے پیش کئے جاتے ہیں؛ اس وقت ان کو عام رکھا جاتا ہے اور چھوٹی بڑی آبادی کی تقسیم کرتے وقت دعویٰ خاص اور منقسم ہوجاتا ہے، حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ دلیل عام ہو تو دعویٰ بھی عام ہوتا ہے اور دلیل خاص ہو تو دعویٰ بھی خاص ہوتا ہے۔

اور اگر عباراتِ فقہاء پر ذرا گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے چھوٹی آبادی کے بجائے بڑی آبادی ہی میں چلنے کے عمل کو سفر کا عمل وفعل شمار نہیں فرمایا، چنانچہ فقہائے کرام نے مصر وبلد میں چلنے کی تصریح تو فرمائی اور مادام فی المصر وغیرہ الفاظ کے ساتھ خروجِ مصر وبلد سے پہلے کا اعتبار نہیں فرمایا اور حدودِ قریہ میں چلنے کی تصریح کے ساتھ یا مادام فی القریۃ الفاظ کے ساتھ اس کی تعبیر نہیں فرمائی، حالانکہ رکوب ومشی جس طرح گھر سے خروج کے بعد قریہ کی حدود میں ہوتی ہے، اسی طرح مصر وبلد وغیرہ میں بھی ہوتی ہے، لیکن کیونکہ چھوٹی آبادی اور قریہ وغیرہ کی آبادی کے مختصر ہونے کی وجہ سے اس کی آبادی کے اندر کی مشی ورکوب معمولی درجہ کے ہوتے ہیں، اس لئے ان سے تعرض کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، البتہ مصر کی آبادی گاؤں اور عام قریہ کے مقابلہ میں غیر معمولی بڑی ہوتی ہے، اور اس کی آبادی کے اندر کی مشی ورکوب قریہ کے مقابلہ میں غیر معمولی درجہ کی ہوسکتی ہے، اور وقت بھی غیر معمولی خرچ ہوسکتا ہے، اس لئے خروجِ مصر سے پہلے کی غیر معمولی مشی ورکوب کی نفی کرنے کی ضرورت زیادہ تھی، اور جب غیر معمولی مشی کے عدمِ اعتبار کی بھی نفی ہوگئی، تو معمولی مشی کی نفی بدرجہ اولیٰ ہوگئی ہے اور اسی کا نام بلاغت ہے۔

معلوم ہوا کہ آنجناب بڑی، چھوٹی آبادی کی جو تقسیم فرما کر مسئلہ کا مدار رکھ رہے ہیں یہ درست نہیں اور فقہائے کرام کی مراد ومقصود سے قطعِ نظر کرنے کے مترادف ہے۔

محلّہ؛ شہر کا جز ہے

(71)......''**قولہ**'':......اور بڑے بڑے شہروں جو سینکڑوں محلے پر مشتمل ہیں وہاں ہر محلے میں رہنے والا اپنے آپ کو اس محلے کا رہائشی سمجھتا ہے اور دوسرے محلے والے بھی اسے اسی خاص محلے کے رہائش پذیر سمجھتے ہیں (صفحہ نمبر 342)

''**اقول**'':......اولاً تو آنجناب کا کسی جگہ کی تعبیر محلّہ سے کرنا ہی بتلا رہا ہے کہ یہ موضع عرف

میں بھی دوسرے موضع کا حصہ ہے، کیونکہ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جس جگہ کو عرف میں دوسری جگہ کے محلّہ ہونے کا مقام حاصل ہوتا ہے، اس میں سفر وقصر کوئی چیز متحقق نہیں ہوسکتی، کیونکہ محلّہ ہونا اس کے متحد ہونے کی علامت ہے۔ [1]

دوسرے آنجناب چھوٹے اور بڑے شہر کے باشندہ ہونے کے اعتبار سے ''محلة دون محلة'' کا عرف میں جو فرق بیان فرما رہے ہیں وہ بھی خود عرف کے خلاف ہے، کیونکہ عرف میں بڑے اور چھوٹے شہر کا باشندہ علی العموم ایک ہی شہر کا باشندہ سمجھا جاتا، قرار دیا جاتا اور بولا جاتا ہے، البتہ کسی خاص جہت سے ضرورت پڑنے پر شہر کے بجائے محلّہ کا نام بتلا دینا، ایک ضرورت کے درجہ کی چیز ہے اور یہ ضرورت عام طور پر چھوٹے شہروں کے بجائے بڑے شہروں میں پائی جاتی ہے، چنانچہ اگر راولپنڈی شہر کی حدود میں ہی کوئی شخص دوسرے سے معلوم کرے کہ آپ کہاں رہتے ہیں تو راولپنڈی کا باشندہ ہونے کی صورت میں جواب دیتا ہے کہ راولپنڈی میں، اور ضرورت پڑنے پر محلّہ کی بھی نشاندہی کر دی جاتی ہے، اور اگر کراچی شہر کی حدود میں کوئی شخص دوسرے شخص سے معلوم کرے کہ آپ کہاں رہتے ہیں تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ کورنگی، یا ملیر وغیرہ (اور بعض اوقات یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ کراچی میں) جبکہ اگر راولپنڈی اور کراچی کے باشندوں سے لاہور وغیرہ، کسی دوسرے شہر میں معلوم کیا جائے کہ آپ کہاں رہتے ہیں تو راولپنڈی کا باشندہ راولپنڈی کا اور کراچی کا باشندہ کراچی کا نام لیتا ہے اور اس کے بعد اس شہر کی جگہ کی مزید تعیین وتخصیص کے ساتھ معلوم کیا جائے تو محلّہ کا نام بھی بتلا دیا جاتا ہے، لہٰذا آنجناب کے اس موقف سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔

---

[1] ولا یقال للذاھب من محلة لھا الی محلة اخری مسافرا (اعلاء السنن جلد۷ صفحہ۲۷۸، ابواب صلاۃ المسافر، باب مسافة القصر)

فصار كالنقلة من محلة إلى محلة أخرى فى المصر المتباعد الأطراف (مجمع الانهر، ج ا، ص ۴۸۴، كتاب الطلاق، باب النفقة)

فجميع الأبنية تدخل فى مسمى المدينة وما خرج عن أهلها فهو من الأعراب أهل العمود . والمنتقل من المدينة من ناحية إلى ناحية ليس بمسافر ولا يقصر الصلاة (مجموع الفتاوى، لابن تيمية، ج ۲۴، ص ۱۵ ا، باب صلاة أهل الأعذار)

www.idaraghufran.org

دلیل ودعوے کا ٹکراؤ

(72)......"**قولہ**":......اس تفصیل کو مدنظر رکھ کر اگر غور کیا جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ شرح منیۃ وغیرہ کتبِ فقہ میں مسافتِ سفر کا ذکر کرتے ہوئے جو مطلقاً "بینہ وبین ذالک الموضع" کہا گیا ہے اس کی ضمیر کے مرجع کی تعیین میں زیادہ تکلف کی بھی ضرورت نہیں (الیٰ قولہ) مسافتِ سفر کا انشاء وآغاز مسافر ومریدِ سفر کے مستقر وجائے رہائش سے ہو چکا ہے (صفحہ نمبر 342)

"**اقــــــول**":...... یہاں بھی وہی دلیل اور دعوے کے عام وخاص کا ٹکراؤ واضح ہے، اگر فقہائے کرام کی ان عبارات میں بینہ' سے خاص مکان وبیت مراد ہے تو پھر اولاً تو اڈے یا اسٹیشن وائرپورٹ سے مبدءِ سفر کا آغاز کرنا خود اس دلیل کے خلاف ہے، جب آپ حضرات کے نزدیک ان عبارات کا تقاضا جائے رہائش سے مبدءِ سفر کے آغاز کرنے کا ہے تو جو شخص کئی میلوں کا سفر کر کے اپنے ہی شہر کے اڈے یا اسٹیشن وائرپورٹ پر پہنچا تو آنجناب اس کے بینہ' کی ضمیر گھر سے نکلتے وقت سے ہٹا کر اڈے واسٹیشن وغیرہ کی طرف کس بنیاد پر لوٹا رہے ہیں، اور پیچھے خود ہی یہ بھی فرما چکے ہیں کہ:

> "چھوٹی چھوٹی بستی وگاؤں اور چھوٹے چھوٹے شہر عرفاً پوری بستی اور پورا شہر ہی آدمی کا مستقر وجائے رہائش ہے"۔

کہیں مستقر وجائے رہائش کو بیت پر اور کہیں پوری آبادی پر محمول کیا جاتا ہے۔

اور اس خرابی کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک خاص دعوے کا خاکہ ذہن میں بٹھا لیا گیا ہے اور پھر سامنے آنے والے دلائل کو اس کے مطابق گھما پھرا کر منطبق کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

حالانکہ دعویٰ دلیل کے مطابق ہونا چاہئے۔

www.idaraghufran.org

فتاویٰ دارالعلوم کے ایک فتوے کا مطلب

(73)......''**قولہ**'':......اس سلسلے میں فتاویٰ دارالعلوم دیو بند الخ (صفحہ نمبر 343)

''**اقول**'':......اس کا جواب ہم نے اپنے سابقہ مضمون ''النظر والفکر فی مبدءِ السفر والقصر'' میں تحریر کر دیا ہے۔

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کے جواب میں ''گھر سے نکلنے'' سے مراد یا حقیقی گھر ہے یا حکمی گھر، حقیقی گھر مراد ہونے کی صورت میں انشائے سفر اگر آبادی سے نہیں ہو رہا جیسا کہ کسی جنگل وغیرہ میں مکان ہے تو یہ مراد بالکل صحیح ہے، اور اگر مراد کوئی چھوٹی آبادی ہے جیسے عام گاؤں، قصبے جات، وغیرہ تب بھی صحیح ہے، کیونکہ اندر کی آبادی میں چلنا معمولی درجہ کا ہوتا ہے، اسے عموماً شمار میں نہیں لایا جاتا، اور اگر مراد بڑی آبادی مثلاً شہر ہے اور انشائے سفر کرنے والے کا گھر حدودِ بلد کے بالکل قریب ہے تب بھی صحیح ہے کیونکہ جس طرح پہلی صورت میں چلنا معمولی درجہ کا ہوتا ہے اس صورت میں بھی معمولی درجہ کا ہوتا ہے اور اگر اس صورت میں جائے رہائش حدودِ بلد کی منتہا سے کافی فاصلہ پر ہے اور اندرونِ شہر غیر معمولی چلنا پایا جاتا ہے اور اس چلنے کو بھی سفر کا حصہ مانا جا رہا ہے (اگر بالفرض حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کی یہی مراد ہو جس کے بارے میں کم از کم ہمارا گمان نہیں ہے) تو ہمیں بصد ادب اس سے اتفاق نہیں، اور اگر گھر سے مراد حکمی گھر ہے یعنی پورے موضعِ اقامت کی آبادی تو اس پر کوئی اشکال نہیں، اب آنجناب کو اختیار ہے کہ جو مراد چاہیں لے لیں، فقہائے کرام نے منزل کے لفظ کو (جس کا اردو میں ترجمہ ''ٹھہرنے کا مقام، گھر، مکان، مسکن، ایک درجہ'' سب سے کیا جاتا ہے ''ملاحظہ ہو فیروز اللغات، ص ۱۲۹۳'') پوری آبادی پر محمول کیا ہے۔ [1]

---

[1] قال :(وإذا قرب المسافر مصره فحضرت الصلاة صلى صلاة المسافر ما لم يدخل مصره) ؛

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیا عورت کے ساتھ گھر سے ہی محرَم کا ہونا شرط ہے؟

(74)......**''قولہ''**:......عورتوں کے لئے مسافتِ سفر یا اس سے زیادہ مسافت قطع کرنے کی صورت میں معیتِ محرم کی جو شرط ہے، اس میں عرفِ عام میں گھر ہی سے خروج کے وقت محرم کا ساتھ ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے (صفحہ نمبر 343)

''اقول'':......فقہ حنفی کے مشہور قول کے مطابق عورت کے ساتھ محرم ہونے کی قید سفرِ شرعی میں سے ہے، یعنی یہ احکامِ سفر میں سے ایک حکم ہے، یہاں اس حکم کی علت سفر ہے، اور جن روایات میں تین دن ورات سے کم میں بھی عورت کے ساتھ محرم ہونے کی قید لگائی گئی ہے وہ فتنہ کی صورت میں ہے۔ [1]

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ عندالحنفیہ مسافتِ شرعی میں عورت کے ساتھ محرم ہونے کی قید ''لکونہ سفرا معتبرا عندالشرع'' ہے، تو یہ حکم (آنجناب کے مقرر کردہ عنوان) مبدءِ احکامِ سفر سے متعلق ہوا، نہ کہ مبدءِ سفرِ محض سے، لہٰذا شرعاً اور اصولاً محرم کے ساتھ ہونے کی پابندی خروجِ بلد کے بعد ہوگی، حدودِ بلد کے اندر نہ ہوگی (کیونکہ آنجناب کے نزدیک بھی احکامِ سفر حدودِ بلد میں لاگو نہیں ہوتے اور محرم کا ساتھ ہونا احکامِ سفر میں سے ہے) مگر ہر چیز کا مدار عرف پر رکھنے کی وجہ سے مفاسد در مفاسد پیدا ہوتے جارہے ہیں اور اس مرحلہ پر آنجناب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لأن عليا -رضى الله تعالى عنه -صلى صلاة السفر وهو ينظر إلى بيوت الكوفة حين قدمها من البصرة، وهكذا روى عن ابن عمر -رضى الله تعالى عنهما -قال للمسافر :صل ركعتين ما لم تدخل منزلك ، ولأنه فى موضع لو خرج من المصر إليه على قصد السفر مسافرا فلأن يبقى مسافرا بعد وصوله إليه أولى(المبسوط للسرخسى، ج ا ص ٢٣٨، كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر)

[1] ''لان النهى عما دون الثلاثة ليس بكونه سفرامعتبرا عندالشرع بل لعارض خوف الفتنة ، بخلاف السفرمسيرة ثلاثة ايام فان النهى عنه لكونه سفرا معتبرا شرعا سواء خافت الفتنة اولا''(اعلاء السنن ج٧ص ٢٨٠)

www.idaraghufran.org

خود بھی اپنے اس موقف پر برقرار نہیں رہ سکے کہ مبدءِ احکامِ سفر خروجِ بلد ہے، یہاں عرف پر مدار رکھنے کی وجہ سے ایک سفر کا حکم حدودِ بلد میں ہی نافذ کر دیا گیا۔ [1]

معلوم ہوا کہ حدودِ بلد میں مقیم عورت پر سفر کا حکم لاگو کرنا بالکل ہی قلبِ موضوع ہے اور آنجناب نے جو عوام کا یہ عرف پیش فرمایا ہے کہ بستی سے باہر تک یا اسٹیشن، ہوائی اڈہ تک محرم ساتھ جاتا ہے، یہ عرف اسی لئے معتبر نہیں کہ شریعت کے خلاف ہے، کیا سفر میں محرم ساتھ ہونے کا حکم صرف شہری حدود یا بس اڈے تک جانے سے پورا ہو سکتا ہے؟ پس جس طرح سفر کے دوسرے احکام مثلاً نماز کا قصر کرنا موضعِ اقامت سے باہر نکل کر ہی لاگو ہوتے ہیں، اسی طرح محرم کے ساتھ ہونے کا مسئلہ ہے کیونکہ یہ بھی فقہ حنفی کے مشہور و معروف قول کے اعتبار سے عورت کے لئے سفر کے احکام میں سے ایک حکم ہے، لہٰذا جس طرح قصر کا حکم موضعِ اقامت میں لاگو کرنا درست نہیں، اسی طرح محرم کی شرط کا موضعِ اقامت میں حکم عائد کرنا درست نہیں، اور اصل شرعی سفر وہی ہے جو موضعِ اقامت کی آبادی سے نکل کر ہو۔

رہا یہ کہ جب محرم ساتھ ہونے کی پابندی شہر سے باہر لازم ہوتی ہے تو گھر ہی سے محرم ساتھ کیوں جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ فقہاء کے اصولی قاعدہ کے مطابق یہ پابندی تو بعد خروجِ بلد پر ہی لاگو ہوتی ہے، لیکن اس سے پہلے کوئی ممانعت تو نہیں بلکہ بہتر و افضل یہی ہے کہ شروع سے ساتھ ہو، اس کے علاوہ جب عورت کے ساتھ شروع سے محرم نہ ہوگا تو خروجِ بلد کے وقت ظاہر ہے کہ آسمان سے تو ٹپک نہیں پڑے گا، اس لئے خروجِ بلد سے پہلے ہی ساتھ چلنا پڑے گا، یہ ایک ضرورت اور امرِ واقع ہے، اس کو حکمِ شرعی یا علت سمجھنا ہی غلط ہے۔

---

[1] "فان النهی عن الثلاث یدل بمفهومه علی ان مادونه غیر منهی عنه فکان خروج المرأة الیه کخروجها من دار الی دار فی بلدتها حیث لایشترط لها لمحرم فکانت کالمقیمة" (اعلاء السنن ج۷ص ۲۷۵)

www.idaraghufran.org

حدیث یا کلامِ فقہاء میں خروجِ بلد کی شرط

(75)......**"قولہ"**:......روایتِ حدیث یا کلامِ فقہاء میں احکامِ سفر کے واسطے خروجِ بلد کی شرط بیان کرنے کے لئے عام طور پر جو انداز اختیار کیا گیا (الیٰ قولہ) خروجِ بلد کی شرط صرف احکامِ سفر لاگو ہونے کے واسطے ہے، مسافتِ سفر وجود میں آنے کے لئے نہیں (صفحہ نمبر344)

"اقول":......روایتِ حدیث یا کلامِ فقہاء کسی کے انداز سے بھی ادنیٰ شائبہ اس بات کا پیدا نہیں ہوتا کہ خروجِ بلد کی شرط صرف احکامِ سفر لاگو ہونے کے لئے تو ہو، مگر مسافتِ سفرِ شرعی کے وجود میں آنے کے لئے نہ ہو، یہ سراسر غلط فہمی ہے، کیونکہ جن روایات وعبارات میں احکامِ سفر کا بیان ہے وہاں ساتھ ہی سفر کی قید بھی موجود ہے، خواہ کسی لفظ سے ہو یا کسی انداز میں ہو۔

مثلاً افطارِ صوم کے مسئلہ میں "علیٰ سفر" کی قید لگی ہوئی ہے، جب تک شرعی سفر کو وجود نہ ملے گا، افطارِ صوم کی رخصت حاصل نہ ہوگی، قصرِ صلاۃ کے مسئلہ میں ضربتم جس سے سافرتم مراد ہے کی قید لگی ہوئی ہے، جب تک ضرب فی الارض یعنی شرعی سفر کو وجود نہ ملے گا قصر کی رخصت حاصل نہ ہوگی اور جوں ہی سفرِ شرعی کو وجود ملے گا یعنی مبدءِ سفرِ شرعی متحقق ہوگا، اسی کے ساتھ فوراً مبدءِ حکم سفرِ شرعی کو بھی وجود ملے گا، دونوں میں تخلف نہ ہوگا، اور سفرِ شرعی کو وجود ہی خروج ونیت وغیرہ کے مجموعہ سے ملتا ہے، وھلم جرا۔

لہٰذا شرعی کی قید میں یہ تمام قیود خود بخود ملحوظ ہیں اور الگ سے بھی صاف صاف نصوص حدیث وفقہ میں بیان کردی گئی ہیں۔

جو یہ عبارت آنجناب نے ذکر فرمائی ہے کہ:

"قال ابن المنذر اجمع کل من نحفظ عنه من اهل العلم ان الذی یرید

السفر ان یقصر الصلاۃ اذاخرج من بیوت القریۃ التی یخرج منھا“

یہاں بھی پہلے یرید السفر فرمایا اور اس ارادۂ سفر پر قصرِ صلاۃ کا حکم خروج من بیوت القریۃ سے پہلے نہ لگنا بیان فرمایا، جس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ خروج سے پہلے عمل وفعلِ سفر نہیں، بلکہ ارادۂ سفر ہے، اور ارادۂ سفر پر قصرِ صلاۃ کا حکم نہیں لگتا بلکہ عملِ سفر پر لگتا ہے اور عملِ سفر کو وجود خروج پر ملتا ہے۔

اور آگے جو یہ عبارت آنجناب نے نقل فرمائی ہے کہ:

”اذافارق المسافر بیوت المصر صلی رکعتین عند الائمۃ الاربعۃ“

یہ دراصل مبدءِ قصر یا سفر کی علت کے معلول اور حکم کو بیان کیا جارہا ہے اور اس کی علت خود مبدءِ فعلِ سفر کا وجود میں آجانا ہے، اور خروجِ بلد سے قبل چونکہ یہ علت وجود میں نہیں آتی، اس لئے اس کا حکم اور معلول بھی وجود میں نہیں آتا، پس جو حکم ہی کسی علت کی وجہ سے وجود میں آیا، یا متحقق ہوا ہو، وہاں اس حکم کے سرے کو پکڑ کر بیٹھ جانا اور علت کو نظرانداز کردینا سراسر بے اعتدالی ہے۔

رہا یہ کہ خروجِ بلد سے قبل اس کو ”المسافر“ کا لقب کیوں دے دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ سفر کرنے جارہا ہے تو اس کا حکم مقیم کے لقب سے تو نہیں بیان کیا جائے گا بلکہ مسافر کے لقب سے ہی بیان کیا جائے گا، اور اس طرح مایؤل کے اعتبار سے لقب رکھنا عرب وعجم کے محاورہ میں کثرت سے مستعمل ہے، اور ایسے مواقع پر حقیقی معنیٰ کے بجائے مجازی معنیٰ مراد لینا عرف میں بالکل ظاہر وباہر ہے اور دلیل کا محتاج نہیں۔

کفایتُ المفتی کی ایک عبارت کا مطلب

(76)......”**قولہ**“:......بعض اہلِ فتاویٰ حضرات اکابر رحمہم اللہ کے فتاویٰ سے بھی اس

بات کو تقویت ملتی ہے (الیٰ قولہ) چلنے پر مسافر ہو جائے گا'' (صفحہ نمبر 345)

''اقــــول'':......کفایتُ المفتی کی عبارت بھی اپنے مدعا میں بالکل واضح ہے، مسافتِ سفر کا اعتبار ہیڈکوارٹر سے ہونے کی تصریح ہے کیونکہ ہیڈکوارٹر اس کا موضعِ اقامت ہے، اور ہیڈکوارٹر کا مفہوم پورے موضعِ اقامت کو محیط ہے، خواہ وہ چھوٹا موضع ہو یا بڑا، ہیڈکوارٹر کے معنیٰ لغت میں یہ بیان کئے گئے ہیں ''صدر مقام'' ''فوجی مرکز'' (ملاحظہ ہو''فیروز اللغات ص ۱۴۶۰)

لہٰذا ہیڈکوارٹر جتنا بڑا ہوگا اس پورے پر اس کا اطلاق ہوگا اور اس سے خروج ہی سفر و قصر کا مبدء ہوگا۔

بہشتی زیور کے ایک مسئلہ کی توضیح

(77)......**''قولہ''**:......مثلاً بہشتی زیور میں مسافتِ سفر اور قصرِ صلاۃ کے بیان کے لئے جو انداز اختیار کیا گیا وہ بھی اسی بات کی تائید کرتا ہے الخ (صفحہ نمبر 345)

''اقــــول'':......مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بہشتی زیور کے اس مسئلہ سے متعلق پوری عبارت نقل کر دی جائے چنانچہ مسئلہ ھٰذا کی عبارت یہ ہے:

> ''جو کوئی تین منزل کا قصد کر کے نکلے وہ شریعت کے قاعدے سے مسافر ہے، جب اپنے شہر کی آبادی سے باہر ہو گئی تو شریعت سے مسافر بن گئی، اور جب تک آبادی کے اندر اندر چلتی رہے تب تک مسافر نہیں، اسٹیشن اگر آبادی کے اندر ہے تو آبادی کے حکم میں ہے۔
>
> اور جو آبادی کے باہر ہو تو وہاں پہنچ کر مسافر ہو جاوے گی (بہشتی زیور، حصہ دوم ص ۴۷، ۴۸، مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان، مسئلہ نمبر ۲)

اس عبارت سے یہ مسئلہ اخذ کرنا کہ گھر سے نکلنے کے بعد مسافتِ سفر کے اعتبار سے مسافر ہے ،اور شہر کی آبادی سے نکلنے پر احکامِ شریعت کے اعتبار سے مسافر ہے، بالکل غلط ہے۔

www.idaraghufran.org

کیونکہ یہاں تو صرف سفر اور مدتِ مسافت کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے قصر وغیرہ کا حکم بیان نہیں ہو رہا، بہشتی زیور کی مذکورہ عبارت میں مندرجہ ذیل تین جملے قابلِ غور ہیں۔

(1) ''شریعت کے قاعدے سے مسافر ہے'' (2) ''باہر ہو گئی تو شریعت سے مسافر بن گئی''

(3) ''آبادی کے باہر ہو تو وہاں پہنچ کر مسافر ہو جائے گی''

اگر پہلے جملے یعنی:

''شریعت کے قاعدے سے مسافر ہے''

سے مدتِ مسافت مراد لی گئی تو اس سے اگلے جملے یعنی:

''باہر ہو گئی تو شریعت سے مسافر بن گئی''

اور پھر تیسرے جملے یعنی:

''آبادی کے باہر ہو تو وہاں پہنچ کر مسافر ہو جائے گی''

سے کیا مراد لیا جائے گا۔

دراصل ان تمام جملوں سے ایک ہی چیز یعنی سفر شروع ہونا اور مسافر ہونا مراد ہے، کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ آبادی میں صرف گھر سے نکلنے پر شریعت کے قاعدے سے مسافر ہو جاوے (جیسا کہ پہلے جملے سے ظاہر ہے) اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ شریعت کے قاعدہ سے مسافر ہونے سے پوری مسافر نہیں ہوئی اور شریعت سے مسافر ہونے یا صرف مسافر بن جانے یا ہو جانے سے مسافر ہو جاتی ہے، اور آبادی سے باہر ہونے پر مسافر بن جاوے۔

پہلی عبارت میں صرف شریعت کے قاعدے سے کی قید لگی ہوئی ہے اور دوسرے و تیسرے جملہ میں یہ قید نہیں، اس لئے لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ مراد سب جگہ شریعت کے قاعدہ سے یا شریعت سے مسافر ہونا یا شرعی مسافر ہونا یا شرعی سفر شروع ہونا ہے، اور پہلے جملہ میں قصد کر کے نکلنے سے مراد آبادی سے نکلنا ہے اور اگلے جملے اسی بات کی مزید توضیح و تشریح کے لئے ہیں، خصوصاً جبکہ مدلل بہشتی زیور کے حاشیہ میں جو عبارت شرح التنویر کی اس مسئلہ کے

حوالہ میں پیش کی گئی ہے وہ یہ ہے:

''من خرج من عمارة موضع اقامة''

جو عبارت اس مسئلہ کا مستدل ہے اور جس عبارت پر اس مسئلہ کا مدار ہے اس میں دو خروج نہیں ہیں، ایک گھر دوسرا شہر؟ بلکہ ایک ہی خروج ہے اور وہ ہے''خرج من عمارة موضع اقامة''اور مخرج موضعِ اقامت ہے۔

لہٰذا لفظوں کی الٹ پھیر کر کے کسی مسئلہ کی بنیاد رکھنا''بناء الفاسد علی الفاسد''ہے اور اگر بالفرض صاحبِ بہشتی زیور کی مراد یہی ہو جو آپ بیان فرمارہے ہیں تو یہ مسئلہ تو مطلق ہے اور ہر قسم کی آبادی پر صادق آرہا ہے، پس جو تقسیم عرف وغیرہ کے لحاظ سے یا آبادی کے چھوٹا بڑا ہونے کے لحاظ سے آپ فرمارہے ہیں وہ تقسیم تو اس میں موجود نہیں، وہ جناب نے کہاں سے نکالی؟

حدودِ بلد میں انحرافِ طریق کی بحث

(78)......''قوله'':......مسافر کا اصل مقصد ایک مخصوص مقام سے قطعِ مسافت کر کے ایک اور مخصوص مقام تک پہنچنا ہے (صفحہ نمبر 346)

''اقول'':......شہر کی حدود میں خواہ سیدھا چلے یا انحرافِ طریق کرے اس سے مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا، جب شہر میں چلنا ہی شریعت کی نظر میں سفر کے تحقق میں مؤثر نہیں تو خواہ وہ کم چلے یا زیادہ برابر ہے، فقہائے کرام نے''مادام فی المصر فهوناوی السفر''فرمایا ہے اور وہ مصر میں جہاں اور جس راستہ پر چل رہا ہے، خواہ سیدھا یا انحرافِ طریق کے ساتھ وہ ناوی سفر ہے، کیونکہ اس پر''دام فی المصر''کا اطلاق ہو رہا ہے، یہ اطلاق ختم ہوگا تو نیتِ سفر سے نکل کر فعلِ سفر کی نوبت آئے گی۔

اور فقہائے کرام نے جو قریب اور دور والے راستہ کے بارے میں مسافر ہونے نہ ہونے کے

www.idaraghufran.org

اعتبار سے بحث چھیڑی ہے اس میں بھی خروج کے بعد ہی کی مسافت مراد ہے، جو عبارت آنجناب نے نقل فرمائی ہے یعنی:

"الرجل اذاقصد بلدة و الیٰ مقصده طریقان الخ"

اس سے بھی مسئلہ یہی واضح ہورہا ہے، کیونکہ پہلے فرمایا "قصد بلدة" اس جملہ سے "مقصود" کا بلدہ ہونا واضح ہوا، پھر اس کے بعد فرمایا "والی مقصده طریقان" کہ اس کے مقصود بلد کے دوراستے ہوں، کیونکہ مقصود بلد ہے اور اس بلد تک پہنچنے کے دوراستے ہیں، الٰی کی نسبت یہاں مقصد کی طرف ہے اور مقصد سے مراد بلد ہے، تو اصل عبارت اس طرح ہوئی "والیٰ البلد طریقان" تو جب بلد سے باہر باہر کے دوراستے ہونا ثابت ہوا، اس کے مقابلہ میں قابلِ صد تعجب بات ہوگی کہ مقامِ اقامت والی آبادی (جس میں اقامت بھی مانع ہے اور وہاں کا مقیم ہے) اس کے اندرونی راستوں کے فاصلوں کو شمار کرلیا جائے۔

لہٰذا یہی کہنا پڑے گا کہ جس طرح مقصد والے بلد کے اندرونی راستوں وفاصلوں کا اعتبار نہیں، اسی طرح انشائے سفر والے بلد کے اندرونی فاصلوں اور راستوں کا بھی اعتبار نہیں۔

خصوصاً جبکہ فقہائے کرام نے خود اس کی تصریح بھی فرمائی ہو، چنانچہ بحر میں دوراستوں والا مسئلہ بیان کرتے ہوئے مذکور ہے کہ:

المقيم إذا قصد مصرا من الأمصار، وهو ما دون مسيرة ثلاثة أيام لا يكون مسافرا، ولو أنه خرج من ذلك المصر الذى قصد إلى مصر آخر، وهو أيضا أقل من ثلاثة أيام فإنه لا يكون مسافرا

(البحرالرائق، ج۲ ص ۱۴۰، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اس عبارت میں دونوں اطراف میں مصر کی صراحت ہے اور مصرین کے درمیان کے فاصلوں کا اعتبار کیا جارہا ہے۔

Idara Ghufran

امام مالک کی طرف ایک غلط نسبت

(79)......**''قولہ''**:......امام مالک رحمہ اللہ کا مندرجہ ذیل فتویٰ بھی اس قاعدہ کا مؤید ہے (صفحہ نمبر 347)

''اقول'':......امام مالک رحمہ اللہ کی جس عبارت سے آنجناب استدلال فرمارہے ہیں اگراس کو خاص گھر سے چار برید کے فاصلہ کا اعتبار کرنے پرمحمول کیاجائے اوراس پر ''قصر الصلاۃ'' کاحکم لگایاجائے (جیسا کہ اس عبارت میں قصر الصلاۃ کے الفاظ مذکور ہیں) تو یہ مسئلہ مبدءِ سفر کانہیں رہتا، مبدءِ قصر کابن جاتاہےاوراس کا مطلب یہ ہوگا کہ مبدءِ قصر شہر میں متحقق ہوسکتاہے، حالانکہ اس بات کے امام مالک رحمہ اللہ بھی قائل نہیں۔ [1]

امدادالفتاویٰ کی ایک عبارت سے غلط استدلال

(80)......**''قولہ''**:......نیز ہماری اس بات کی تائید حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ العزیز کے ایک فتویٰ سے بھی ہوتی ہے (صفحہ نمبر 347)

''اقول'':......امدادالفتاویٰ میں جومبحوث فیہ مسئلہ کا سوال مذکورہےاس میں سائل نے صاف اورواضح طور پرلکھاہے:

''منجملہ گیارہ قصبوں کے ایک قصبہ مستقر ہے'' (امدادالفتاویٰ ج ا ص ۳۹۸، کتاب الصلاۃ، صلاۃ المسافر، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

سائل نے یہاں ایک پورے قصبہ کی تعبیر مستقر سے کی ہے، گھر کی تعبیر مستقر سے نہیں کی، اورخود آنجناب نے بھی ایک سے زیادہ جگہ صراحتاً یا اشارتاً مستقر سے مرادموضعِ اقامت

---

[1] ومن سافر مسافة أربعة برد وهى ثمانية وأربعون ميلا فعليه أن يقصر الصلاة فيصليها ركعتين إلا المغرب فلا يقصرها ولا يقصر حتى يجاوز بيوت المصر وتصير خلفه ليس بين يديه ولا بحذائه منها شيء ثم لا يتم حتى يرجع إليها أو يقاربها بأقل من الميل (الرسالة القيروانى لابى محمد القيروانى المالكى، ص ۴۵، ۴۶، باب فى صلاة السفر)

www.idaraghufran.org

لیا ہے، جو پوری آبادی ہوتی ہے، چنانچہ آپ نے صفحہ نمبر 276 پر تحریر فرمایا ہے کہ:

مسافتِ سفر طے کرنے کی نیت سے آدمی جب مبدأ سفر کے مقام ومستقر سے نکل جائے گا (خواہ یہ مقام کوئی چھوٹی سی بستی ہو یا بڑا سا شہر ہو یا اس کے مقامِ استقرار واقامت کی منزل وچار دیواری ہو) تو احکامِ سفر اس پر لاگو ہوں گے (صفحہ نمبر 275)

اور صفحہ نمبر 312 پر آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

خاص قطعِ مسافت کی نیت سے اپنی منزل ومستقر سے چلتا ہوا اور منزلِ مقصد کی طرف رواں دواں ہوتا ہے (صفحہ نمبر 312)

بہر حال جواب میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے جو مستقر کے الفاظ استعمال فرمائے، ان سب سے مراد بھی پورا قصبہ اور اس کی آبادی ہے، کیونکہ سائل نے ہی جب اپنی جائے رہائش والے قصبہ کی تعبیر مستقر سے کی ہے تو جواب میں اس مستقر سے قصبہ مراد لینا ہی متعین ہے۔ لہٰذا مستقر کے لفظ کو بنیاد بنا کر جو طویل بحث فرمائی گئی ہے وہ متکلم کی مراد کے خلاف اور تاویل القول بمالا یرضیٰ بہ القائل کے مترادف ہے۔

جب مبدءِ سفر کا مسئلہ واضح ہوگیا کہ اس کا اعتبار آبادی سے خروج پر ہے تو اس کے بعد اگر مقام وغیرہ کی بحث بھی نہ چھیڑی جائے تو مسئلہ واضح ہے، کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ مبدءِ سفر تو آبادی میں متحقق نہ مانیں اور منتہائے سفر متحقق مان لیں۔

حضرت رحمہ اللہ نے نقطہ الف کو مستقر قرار دیا ہے، جو کہ پورا قصبہ وآبادی ہے، اسی طرح نقطہ ب سے بھی خاص آبادی مراد ہے، کیونکہ دو نقطوں میں مابہ الفرق کوئی نہیں، نقطہ الف اگر پوری آبادی ہے تو نقطہ ب بھی پوری آبادی ہوگی اور اگر نقطہ ب آبادی نہ ہو، مثلاً جنگل وغیرہ ہو تو خاص وہی جگہ مراد ہے، کیونکہ پوری آبادی اس باب میں ارضِ واحد ہے، اور جو جگہ آبادی نہ ہو بلکہ مختصر ومحدود جگہ ہو، مثلاً جنگل میں لکڑی کاٹنے کی جگہ، وہ صرف اتنی جگہ ہی

www.idaraghufran.org

موضعِ واحد ہے، دوسرا قطعۂ ارض اس کا حصہ نہیں، لہٰذا ایسی صورت میں فاصلہ کو خاص اس جگہ سے شمار کرنے میں کوئی مانع نہیں۔

امدادالاحکام کی عبارت سے غلط استدلال

(81)......''**قولہ**'':......اس بات کی مزید وضاحت امدادالاحکام ج ا ص ۶۳۰ الخ (صفحہ نمبر 350)

''**اقـــول**'':......امدادالاحکام کی مذکورہ عبارت آنجناب کے مدعا کے خلاف ہے کیونکہ حضرت فرمارہے ہیں:

''سفر کے لئے یہ لازم ہے کہ مقامِ اقامت سے نکل کر اس کے علاوہ کسی ایسے مقام کا قصد ہو کہ اس میں اور مقامِ اقامت میں مسافت اڑتالیس میل کی ہو الخ''

(امدادالاحکام ج ا ص ۷۲۲)

اور مقامِ اقامت پوری آبادی شمار ہوتی ہے، اس آبادی سے باہر نکل کر فاصلہ کا اعتبار کرنے پر سفر کا (نہ کہ احکامِ سفر کا) اعتبار کیا جارہا ہے، تو یہ تصریح آنجناب کے پیش کردہ مذکورہ مدعا کے بالکل برعکس ہوئی۔

پورا مضمون مدعا سے خالی

اخیر میں ادب کے ساتھ عرض ہے کہ آنجناب کی مکمل تحریر بغور ملاحظہ کرنے کے باوجود ابھی تک آنجناب کا دعویٰ منقح و مشخص ہو کر سامنے نہیں آسکا، کہ آیا آنجناب کی تحقیق کے مطابق مبدءِ سفر و منتہائے سفر، مسافر کا گھر ہے، یا بس اڈہ، ائرپورٹ، اسٹیشن وغیرہ یا پھر شہر کا مرکز؟ اور ان سب یا ان میں سے بعض یا کسی ایک کا مدار عرف پر ہے یا نص پر؟ اگر عرف پر ہے تو اس کی وضاحت اور دلیل ضروری ہے جو مذکورہ مفصل مضمون میں واضح طور پر معلوم نہیں ہوسکی۔

خلاصۂ کلام

آنجناب کا مضمون ملاحظہ کرنے کے بعد یہ مدعا اور زیادہ مضبوط ہوگیا کہ قصر وسفر دونوں کی ابتداء موضعِ اقامت سے خروج پر ہوگی۔

موضعِ اقامت سے خروج ہونے سے قبل نہ تو مبدءِ سفر کو وجود ملے گا اور نہ ہی مبدءِ قصر کو، اور جب بھی وجود ملے گا، ایک ساتھ وجود ملے گا۔

اس مدعا کے دلائل تو اپنے مقام پر مذکور ہیں ہی، جو دلائل اس مدعا کے برخلاف لائے گئے ہیں، وہ بھی اس مدعا کے مقتضی ومثبت ہیں۔

لہٰذا سفر کی ابتداء کا موضعِ اقامت کی حدود سے قائل ہونا درست نہیں۔ فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

۲۸/۶/۱۴۲۷ھ

اضافہ واصلاح: 09/ محرم الحرام/ 1438ھ 11/ اکتوبر/ 2016ء بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

جڑواں شہروں

Twin cities

میں سفر وقصر کا حکم

دو یا زیادہ متصل اور جڑواں شہروں Twin cities میں مبدءِ سفر ومبدءِ قصر کا حکم
اور جڑواں شہروں Twin cities میں سفر واقامت سے متعلق
چند اہم مسائل پر تحقیقی کلام

مصنّف
مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان
www.idaraghufran.org

Idara Ghufran

(جملہ حقوق بحق ادارہ غفران محفوظ ہیں)

نام کتاب: جڑواں شہروں میں سفر وقصر کا حکم

مصنف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: ربیع الآخر 1437ھ۔جنوری 2016ء

طباعتِ دوم: محرم الحرام 1439ھ، اکتوبر 2017ء

صفحات: 50

ملنے کا پتہ

کتب خانہ ادارہ غفران چاہ سلطان گلی نمبر 17 راولپنڈی پاکستان

فون 051-5507270 فیکس 051-5702840

www.idaraghufran.org

Idara Ghufran

فہرست

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

آج کل دنیا کے مختلف خطوں میں کئی شہر اس طرح سے آباد ہیں کہ عرف میں وہ اپنی ذات میں مستقل ہیں، اور وہ کسی دوسری آبادی کا حصہ وجز یا محلّہ نہیں ہیں، مگر وہ دوسرے شہروں کے ساتھ متصل واقع ہیں، اور ان شہروں کے ساتھ متصل واقع ہونے والے دوسرے شہر بھی عرف میں مستقل سمجھے جاتے ہیں، اور وہ اپنے سے متصل دوسرے شہروں کا جز ومحلّہ نہیں سمجھے جاتے۔

یورپ وغیرہ میں اس طرح کے کئی کئی شہر متصلاً واقع ہیں، اور ان شہروں کی آبادیوں کے درمیان خلا اور فاصلہ نہیں ہے، البتہ وہ الگ الگ شہروں کے نام سے معروف ہیں، اور حکومتی وانتظامی سطح پر ان کی آبادیوں کی حدود بھی ایک دوسرے سے ممتاز وجدا ہیں، اور عرفِ عام میں بھی وہ سب شہر الگ الگ سمجھے جاتے ہیں، پاکستان میں اسلام آباد شہر اور راولپنڈی شہر دونوں ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں، لیکن عرفِ عام میں یہ دو الگ الگ شہر ہیں، ایک کا نام اسلام آباد شہر ہے، اور دوسرے کا نام راولپنڈی شہر ہے، ان دونوں شہروں کی آبادیاں ایک شہر نہیں کہلاتیں، بلکہ دو شہر کہلاتی ہیں، دونوں شہروں کو حکومتی وقانونی سطح پر بھی الگ الگ شہروں کی حیثیت حاصل ہے، البتہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، اس لئے ان دونوں کو جڑواں شہروں Twin cities کا نام دیا جاتا ہے۔

ہندوستان میں غازی آباد شہر اور دہلی شہر کی آبادیاں بھی ایک دوسرے کے ساتھ مل گئی ہیں۔

اس طرح کے باہم متصل اور جڑواں شہروں کے بارے میں سفر وقصر اور حضر واقامت کے اعتبار سے بعض سوالات کے جوابات پر زیرِ نظر مقالہ میں تحقیق کی گئی ہے، اور اس سلسلہ میں

پیش آمدہ بعض غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر دو شہر آپس میں ایک دوسرے سے متصل ہوں، لیکن وہ عرفِ عام میں الگ الگ شہر شمار کئے جاتے ہوں، تو وہ سفر اور قصر وغیرہ کے اعتبار سے الگ الگ ہی شمار ہوں گے، جیسا کہ ایک دوسرے سے دور اور فاصلہ پر ہونے کی صورت میں الگ شمار کئے جاتے، اور ایسی صورت میں ان کا باہم اتصال ان کے اتحاد کو مستلزم اور اختلاف کو مانع نہیں ہوگا۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

۱۰/ جمادی الاخریٰ/ 1437ھ 20/ مارچ/ 2016ء بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

Idara Ghufran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند اصولی باتیں

دو یا زیادہ شہر اگر ایک دوسرے سے متصل ہوں، تو ان کو سفر وقصر اور حضر واقامت کے اعتبار سے کیا حکم حاصل ہوگا؟

اس سوال کے جواب سے پہلے چند فقہی اصول وقواعد بیان کیے جاتے ہیں، جو ان شاء اللہ تعالیٰ زیرِ بحث مسئلہ اور اس سے متعلق پہلوؤں کو سمجھنے میں معین واقع ہوں گے۔

(1)......سفر میں قصر کے حکم سے متعلق فقہاء کے اقوال

اس سلسلہ میں پہلا اصول یا قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص شرعی اعتبار سے مسافر ہو، تو اس کو ظہر، عصر اور عشاء کے فرائض میں قصر کرنے یعنی چار کے بجائے دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے۔

لیکن سفر میں نماز کو قصر کرنے کا کیا درجہ ہے؟ تو اس سلسلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، جمہور فقہائے کرام یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مسافر کو چار رکعت والی فرض نماز میں اتمام کرنا یعنی دو کے بجائے چار رکعت پڑھنا اصل ہے، اور قصر کرنا یعنی چار کے بجائے دو رکعت پڑھنا رخصت ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک نماز میں قصر اصل ہے، جس کو انہوں نے مجازاً ''رخصتِ اسقاط'' کا نام دیا ہے۔ [1]

---

[1] هل الأصل القصر أو الإتمام؟

قال المالكية والشافعية والحنابلة :إن الأصل هو الإتمام وأن القصر رخصة، واستدلوا بحديث مسلم السابق " :صدقة تصدق الله بها عليكم ."

إلا أن المشهور من مذهب الشافعية :أن القصر أفضل من الإتمام، إذا بلغ السفر ثلاثة أيام، اقتداء برسول الله صلى الله عليه وسلم؛ وخروجا من خلاف من أوجبه، كأبي حنيفة، إلا الملاح الذى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اسی وجہ سے جمہور فقہائے کرام یعنی شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک مسافر کو نماز میں قصر کرنا افضل ومستحب یا سنت ہے، فرض یا واجب نہیں۔

اور حنفیہ کے نزدیک مسافر کو نماز میں قصر کرنا واجب ہے، اور ان کے نزدیک مسافر کی نماز کے قعدۂ اخیرہ کا فریضہ دو رکعت پر شمار ہوتا ہے۔ [1]

اور اسی وجہ سے اگر کوئی مسافر اتمام کرے یعنی دو رکعتوں کے بجائے فرض نماز کی چار رکعتیں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يسافر في البحر بأهله، ومن لا يزال مسافرا بلا وطن، فالإتمام لهما أفضل خروجا من خلاف من أوجبه عليهما، كالإمام أحمد. ومقابل المشهور: إن الإتمام أفضل مطلقا، لأنه الأصل، والأكثر عملا، أما إذا لم يبلغ السفر ثلاثة أيام فالإتمام أفضل لأنه الأصل.

وعند الحنابلة: القصر أفضل من الإتمام نصا، لمداومة النبي صلى الله عليه وسلم والخلفاء عليه. لكن إن أتم من يباح له القصر لم يكره. وعند الحنفية: القصر هو الأصل في الصلاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۲۷۴و۲۷۵، مادة"صلاة المسافر")

[1] ذهب الشافعية والحنابلة: إلى أن القصر جائز تخفيفا على المسافر؛ لما يلحقه من مشقة السفر غالبا، واستدلوا بالآية الكريمة: (وإذا ضربتم في الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة إن خفتم أن يفتنكم الذين كفروا)فقد علق القصر على الخوف؛ لأن غالب أسفار النبي صلى الله عليه وسلم لم تخل منه. ونفى الجناح في الآية يدل على جواز القصر، لا على وجوبه.

واستدلوا كذلك بحديث يعلى بن أمية السابق ": صدقة تصدق الله بها عليكم.

وذهب الحنفية: إلى أن فرض المسافر من ذوات الأربع ركعتان لا غير، فليس للمسافر عندهم أن يتم الصلاة أربعا؛ لقول عائشة -رضي الله عنها ":-فرضت الصلاة ركعتين ركعتين، فأقرت صلاة السفر، وزيد في صلاة الحضر ،ولا يعلم ذلك إلا توقيفا، وقول ابن عباس -رضي الله عنهما :-إن الله عز وجل فرض الصلاة على لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم على المسافر ركعتين وعلى المقيم أربعا، وفي الخوف ركعة .

والراجح المشهور عند المالكية: أن القصر سنة مؤكدة؛ فإنه لم يصح عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه أتم الصلاة، بل المنقول عنه القصر في كل أسفاره، وما كان هذا شأنه فهو سنة مؤكدة.

وهناك أقوال أخرى في المذهب فقيل: إنه فرض، وقيل: إنه مستحب، وقيل: إنه مباح (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۲۷۴، مادة "صلاة المسافر")

ثم اختلفوا في أيهما أفضل، فقال بعضهم: القصر أفضل، وهو قول الأبهري وغيره. وقيل: إن الإتمام أفضل، وحكي عن الشافعي. وحكى أبو سعيد الفروي المالكي أن الصحيح في مذهب مالك التخيير للمسافر في الإتمام والقصر. قلت -وهو الذي يظهر من قوله سبحانه وتعالى: (فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة) إلا أن مالكا رحمه الله يستحب له القصر(تفسير القرطبي، ج۵، ص۳۵۲، تفسير سورة النساء)

www.idaraghufran.org

ادا کرے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی دو رکعتیں فرض اور دو رکعتیں نفل شمار ہوتی ہیں، اور اگر کوئی مسافر اس طرح ظہر، عصر یا عشاء کی چار رکعتیں پڑھے کہ دوسری رکعت پر قعدہ بھی کرے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی فرض نماز (دوسری رکعت پر قعدہ کا فریضہ پائے جانے کی وجہ سے) درست ہو جاتی ہے، اور اگر وہ دوسری رکعت پر قعدہ نہ کرے، تو اس کی نماز (دوسری رکعت پر قعدہ کا فریضہ رہ جانے کی وجہ سے) درست نہیں ہوتی، اور اگر مسافر امام اتمام کرے یعنی چار رکعتیں پڑھائے، اور اس کی اقتداء میں مقیم مقتدی نماز پڑھے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کے مقتدی کی نماز درست نہیں ہوتی، خواہ امام دوسری رکعت پر قعدہ کرے یا نہ کرے، کیونکہ ان کے نزدیک امام کی دو رکعتیں فرض ہیں، اور دو رکعتیں نفل ہیں، جبکہ مقتدی کی چاروں رکعتیں فرض ہیں، پس مذکورہ صورت میں مقتدی کا دو رکعتوں میں ''اقتداء المفترض بالمتنفل'' کرنا لازم آتا ہے۔

حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک مسافر اگر اتمام کرے یعنی چار رکعتیں پڑھے، تو اس کی چاروں رکعتیں فرض شمار ہوتی ہیں، اور دو رکعت پر قعدہ کرنے، نہ کرنے کی دونوں صورتوں میں اس کی نماز درست ہو جاتی ہے، اور اگر یہ مسافر امام ہو، تو اس کی اقتداء میں مقیم مقتدیوں کی نماز بھی درست ہو جاتی ہے۔ [1]

---

[1] فی مذاهب العلماء فی القصر والإتمام :قد ذكرنا أن مذهبنا أن القصر والإتمام جائزان وأن القصر أفضل من الإتمام وبهذا قال عثمان بن عفان وسعد بن أبی وقاص وعائشة وآخرون وحكاه العبدری عن هؤلاء وعن ابن مسعود وابن عمر وابن عباس والحسن البصری ومالك وأحمد وأبی ثور وداود وهو مذهب أكثر العلماء ورواه البيهقی عن سلمان الفارسی فی اثنی عشر من الصحابة وعن أنس والمسور بن مخرمة وعبد الرحمن بن الأسود وابن المسيب وأبی قلابة :

وقال أبو حنيفة والثوری وآخرون القصر واجب قال البغوی وهذا قول أكثر العلماء وليس كما قال وحكى ابن المنذر وجوب القصر عن ابن عمر وابن عباس وجابر وعمر بن عبد العزيز ورواية عن مالك وأحمد قال أبو حنيفة فإن صلى أربعا وقعد بعد الركعتين قدر التشهد صحت صلاته لأن السلام ليس بواجب عنده وتقع الأخيرتان نفلا وإن لم يقعد هذا القدر بعد الركعتين فصلاته باطلة(المجموع شرح المهذب ،ج۴،ص۳۳۸،باب صلاة المسافر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(2)......قصرواتمام میں اشتباہ یا اختلاف کے وقت حکم

اس سلسلہ میں دوسرا اصول یا قاعدہ یہ ہے کہ جس جگہ اس بارے میں اشتباہ واختلاف پیدا ہوجائے کہ وہاں نماز پوری پڑھی جائے یا قصر کی جائے؟ اور کوئی ایک جانب راجح نہ ہو، تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فأما ما كان الأصل فرضيته ووجوبه ثم سقط بعضه تخفيفا، فإذا فعل الأصل وصف الكل بالوجوب على الصحيح، فمن ذلك إذا صلى المسافر أربعا فإن الكل فرض في حقه، وعن أبي بكر أن الركعتين الأخيرتين نفل لا يصح اقتداء المفترض به فيهما، وهو متمش على أصله وهو عدم اعتبار نية القصر، والمذهب الأول(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۲، ص ۳۴۱، مادة "واجب")

أما قصر الصلاة فهو عزيمة والإكمال مكروه ومخالفة للسنة ولكن سمى رخصة مجازا

وقال الشافعي القصر رخصة والإكمال عزيمة

وثمرة الخلاف أن المسافر إذا صلى أربعا لا يكون الأربع فرضا بل المفروض ركعتان لا غير والشطر الثاني تطوع عندنا حتى إنه إذا قعد على رأس الركعتين قدر التشهد تجوز صلاته وإذا لم يقعد لا تجوز لأنها القعدة الأخيرة في حقه وهي فرض فإذا تركها فقد ترك فرضا بخلاف المقيم تجوز لأن الإكمال عزيمة عنده وقد اختار العزيمة فيكون فرضا.

وكذا إذا ترك القراءة في الركعتين الأوليين أو في ركعة منهما تفسد صلاته عندنا خلافا له(تحفة الفقهاء، ج ۱، ص ۱۴۹، باب صلاة المسافر)

قال أصحابنا رحمهم الله: فرض المسافر في كل صلاة رباعية ركعتان، وقال الشافعي رحمه الله فرضه أربع وركعتان رخصة حتى أن عند علمائنا رحمهم الله إذا صلى المسافر أربعا ولم يقعد على رأس الركعتين فسدت صلاته، لانشغاله بالنفل قبل إكمال الفرض، وإن كان قعد تمت صلاته وهو مسيء لخروجه عن الفرض ودخوله في النفل لا على وجه المسنون(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج ۲، ص ۱۲، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر)

ومن أحرم مع من يظنه مقيمًا أو يشك فيه، لزمه الإتمام، وإن قصر إمامه اعتبارًا بالنية، وإن غلب على ظنه أنه مسافر لدليل، فله أن ينوي القصر، ويتبع إمامه، فيقصر بقصره، ويتم بإتمامه، وإن أحدث إمامه قبل علمه بحاله، فله القصر؛ لأن الظاهر أنه مسافر.

وإن أم المسافر مقيمًا لزم المقيم الإتمام، ويستحب للإمام أن يقول لهم: أتموا فإنا قوم سفر، لما روى عمران بن حصين قال: شهدت الفتح مع رسول الله -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فكان لا يصلي إلا ركعتين، ثم يقول لأهل البلد: صلوا أربعًا فإنا سفر رواه أبو داود

وإن أتم الإمام بهم صحت الصلاة.

وعنه: تفسد صلاة المقيمين؛ لأنهم ائتموا بمتنفل في الركعتين الأخيرتين، والأول المذهب؛ لأن الإتمام يلزمه بنيته(الكافي في فقه الإمام أحمد، ج ۱، ص ۳۰۹، باب قصر الصلاة)

Idara Ghufran

وہاں پوری نماز پڑھنے کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔ [1]

لہٰذا اگر کوئی ایسی جگہ ہے، جہاں اس کو پوری نماز پڑھنے یا قصر کرنے کا حکم معلوم نہیں، اور کوئی شرعی مسئلہ بتلانے والا بھی نہیں، یا کسی جگہ مقیم و مسافر ہونے کے اعتبار سے اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں، اور کسی ایک پہلو کو ترجیح دینا مشکل ہے، تو اس کو وہاں پوری نماز پڑھنے کو ترجیح حاصل ہوگی، اور پوری نماز پڑھنے میں احتیاط ہوگی۔ [2]

(3)......مدتِ اقامت کتنی ہے؟

اس سلسلہ میں تیسرا اصول یا قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی مسافر ہو، اور وہ کسی ایسی جگہ (خواہ وہ کوئی شہر ہو، یا قصبہ ہو یا گاؤں ہو) قیام کرے اور ٹھہرے کہ جو اس کا وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت نہیں، تو کتنی مدت قیام کرنے اور ٹھہرنے سے وہ مقیم شمار ہوتا ہے؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک شرعی اقامت کی مدت کم از کم پندرہ راتیں ہے۔

جبکہ دیگر جمہور فقہائے کرام (یعنی مالکیہ، شافعیہ وحنابلہ) کے نزدیک چار دن ہے، البتہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک چار دن سے زیادہ یعنی کم از کم اکیس نمازوں کا وقت ہے۔

---

[1] لانه اجتمع فی هذه الصلوة مایوجب الاربع ومایمنع فرجحنا مایوجب الاربع احتیاطا (ردالمحتار ج ۲، ص ۱۲۲، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اجتمع فی هذه الصلاة ما یوجب الأربع وما یمنع فرجحنا ما یوجب الأربع احتیاطا اهـ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۳۹، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

[2] چنانچہ احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

صورتِ اختلاف واشتباہ میں بوجوہِ ذیل اتمام اَرجح واَحوط ہے:

(۱) اتمام اصل ہے اور قصر بوجہ عارض، لہٰذا بدون تیقن عارض قصر جائز نہیں۔

(۲) مقامِ قصر میں اتمام سے نماز مع الکراہۃ ہوجاتی ہے، مگر مقامِ اتمام میں قصر سے نماز قطعاً ہوتی ہی نہیں،............

(۳) مذاہبِ ثلاثہ میں مقامِ قصر میں بھی اتمام جائز ہے، ان کے مطابق نماز بلا کراہت ہوگئی، مگر مقامِ اتمام میں قصر سے کسی مذہب پر بھی نہیں ہوگی (احسن الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۹۸، باب صلاۃ المسافر)

www.idaraghufran.org

لہٰذا حنفیہ کے نزدیک مسافر اپنے وطنِ اقامت سے باہر کسی جگہ (یعنی کسی شہر یا قصبے یا گاؤں وغیرہ میں) مجموعی طور پر کم از کم پندرہ رات قیام کی نیت کرنے کی وجہ سے مقیم شمار ہوتا ہے، اور اس کو پوری نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے، اور اس سے کم مقدار قیام کرنے کی صورت میں مقیم شمار نہیں ہوتا، بلکہ مسافر شمار ہوتا ہے۔

جبکہ حنابلہ کے نزدیک چار دن سے زیادہ (یعنی کم از کم اکیس نمازوں کے وقت) اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک صرف چار دن قیام کی وجہ سے وہ شخص مقیم شمار ہو جاتا ہے، اور اس کو پوری نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] ثانیا :السفر:یشترط فی السفر المرخص فی الفطر ما یلی:

أ -أن یکون السفر طویلا مما تقصر فیه الصلاة قال ابن رشد :وأما المعنى المعقول من إجازة الفطر فی السفر فهو المشقة، ولما کانت لا توجد فی کل سفر، وجب أن یجوز الفطر فی السفر الذی فیه المشقة، ولما کان الصحابة کأنهم مجمعون على الحد فی ذلک، وجب أن یقاس ذلک على الحد فی تقصیر الصلاة .

ب -أن لا یعزم المسافر الإقامة خلال سفره مدة أربعة أیام بلیالیها عند المالکیة والشافعیة، وأکثر من أربعة أیام عند الحنابلة، وهی نصف شهر أو خمسة عشر یوما عند الحنفیة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۸،ص۴۷، مادة "صوم")

مسألة :قال :(وإذا نوى المسافر الإقامة فی بلد أکثر من إحدى وعشرین صلاة، أتم) المشهور عن أحمد -رحمه الله -أن المدة التی تلزم المسافر الإتمام بنیة الإقامة فیها، هی ما کان أکثر من إحدى وعشرین صلاة .رواه الأثرم، والمروذی، وغیرهما، وعنه أنه إذا نوى إقامة أربعة أیام أتم، وإن نوى دونها قصر.وهذا قول مالک، والشافعی، وأبی ثور؛ لأن الثلاث حد القلة، بدلیل قول النبی -صلى الله علیه وسلم :-یقیم المهاجر بعد قضاء منسکه ثلاثا .ولما أخلى عمر -رضی الله عنه -أهل الذمة، ضرب لمن قدم منهم تاجرا ثلاثا، فدل على أن الثلاث فی حکم السفر، وما زاد فی حکم الإقامة .ویروى هذا القول عن عثمان -رضی الله عنه .-وقال الثوری، وأصحاب الرأی :إن أقام خمسة عشر یوما مع الیوم الذی یخرج فیه أتم، وإن نوى دون ذلک قصر(المغنی لابن قدامة، ج۲،ص۲۱۲، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

الذی یجوز للمسافر إذا أقام فیه فی بلد أن یقصر فاختلاف کثیر حکى فیه أبو عمر نحوا من أحد عشر قولا، إلا أن الأشهر منها هو ما علیه فقهاء الأمصار، ولهم فی ذلک ثلاثة أقوال :أحدها: مذهب مالک، والشافعی أنه إذا أزمع المسافر على إقامة أربعة أیام أتم .والثانی :مذهب أبی حنیفة، وسفیان الثوری أنه إذا أزمع على إقامة خمسة عشر یوما أتم.

والثالث :مذهب أحمد، وداود أنه إذا أزمع على أکثر من أربعة أیام أتم(بدایة المجتهد، ج۱،ص۱۸۰، کتاب الصلاة،الباب الرابع فی صلاة السفر،الفصل الأول فی القصر)

www.idaraghufran.org

پھر جس مدتِ اقامت کا فقہی اختلافِ اقوال کے ساتھ ذکر کیا گیا، اس کے معتبر ہونے کے لئے حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک نیت کرنا ضروری ہے، یعنی اگر مسافر نے کسی غیر وطنِ اقامت والی جگہ میں مدتِ اقامت کی نیت سے قیام کیا، تب ہی وہ مقیم شمار ہوگا، اور مدتِ اقامت کی نیت کے بغیر قیام کرنے سے وہ مقیم شمار نہ ہوگا اور قصر کرے گا۔

جبکہ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اگر نیت کے بغیر بھی مدتِ اقامت کے مطابق قیام کرلیا، تو وہ صرف مدتِ اقامت پائے جانے کی وجہ سے مقیم شمار ہو جائے گا اور اتمام کرے گا۔ [1]

---

[1] نية الإقامة أمر لا بد منه عند الحنفية، حتى لو دخل مصرا ومكث فيه شهرا أو أكثر لانتظار قافلة، أو لحاجة أخرى يقول :أخرج اليوم أو غدا، ولم ينو الإقامة، فإنه لا يصير مقيما، وذلك لإجماع الصحابة -رضي الله عنهم -فإنه روى عن سعد بن أبي وقاص -رضي الله عنه -أنه :أقام بقرية من قرى نيسابور شهرين وكان يقصر الصلاة.

وعن ابن عمر رضي الله عنهما :-أنه أقام بأذربيجان شهرا وكان يقصر الصلاة.

وعن علقمة :أنه أقام بخوارزم سنتين وكان يقصر.

وروى عن عمران بن حصين -رضي الله عنه -أنه قال :غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وشهدت معه الفتح، فأقام بمكة ثماني عشرة ليلة، لا يصلي إلا ركعتين، ويقول :يا أهل البلد :صلوا أربعا فإنا قوم سفر.

أما مدة الإقامة المعتبرة :فأقلها خمسة عشرة يوما؛ لما روى عن ابن عباس وابن عمر رضي الله عنهم -أنهما قالا :إذا دخلت بلدة وأنت مسافر وفي عزمك أن تقيم بها خمسة عشر يوما فأكمل الصلاة، وإن كنت لا تدري متى تظعن فاقصر.

قال الكاساني :وهذا باب لا يوصل إليه بالاجتهاد؛ لأنه من جملة المقادير، ولا يظن بهما التكلم جزافا، فالظاهر أنهما قالاه سماعا من رسول الله صلى الله عليه وسلم .

وعند المالكية :لا بد من النية، وأقل مدة الإقامة أربعة أيام صحاح مع وجوب عشرين صلاة في مدة الإقامة، ولا يحتسب من الأيام يوم الدخول إن دخل بعد طلوع الفجر، ولا يوم الخروج إن خرج في أثنائه.

ولا بد من اجتماع الأمرين :الأربعة الأيام والعشرين صلاة.

واعتبر سحنون :العشرين صلاة فقط، ثم إن نية الإقامة إما أن تكون في ابتداء السير، وإما أن تكون في أثنائه، فإن كانت في ابتداء السير، وكانت المسافة بين النية وبين محل الإقامة مسافة قصر، قصر الصلاة حتى يدخل محل الإقامة بالفعل، وإلا أتم من حين النية، أما إن كانت النية في أثناء السفر فإنه يقصر حتى يدخل محل الإقامة بالفعل، ولو كانت المسافة بينهما دون مسافة القصر على المعتمد، ويستثنى من نية الإقامة نية العسكر بمحل خوف، فإنها لا تقطع حكم السفر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس اگر کوئی مسافر کسی شہر وغیرہ میں مدتِ اقامت تک قیام کی نیت نہ کرے، جو کہ حنفیہ کے نزدیک پندرہ راتیں ہیں، اور پھر اتفاق سے آج کل اور آج کل کرتے کرتے مدتِ اقامت یا اس سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا، تو وہ حنفیہ کے نزدیک مقیم شمار نہیں ہوگا، تا آنکہ اس شہر وغیرہ میں کم از کم پندرہ راتوں کے قیام کی نیت نہ کرلے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإذا أقام بمحل فی أثناء سفره دون أن ينوی الإقامة به، فإن إقامته به لا تمنع القصر ولو أقام مدة طويلة إلا أنه إذا علم أنه سيقيم أربعة أيام فی مكان عادة، فإن ذلك يقطع حكم السفر ولو لم ينو الإقامة؛ لأن العلم بالإقامة كالنية، بخلاف الشك فإنه لا يقطع حكم السفر .

ويقول الشافعية :لو نوى المسافر المستقل، ولو محاربا إقامة أربعة أيام تامة بلياليها، أو نوى الإقامة وأطلق بموضع عينه، انقطع سفره بوصوله ذلك الموضع سواء أكان مقصده أم فی طريقه، أو نوى بموضع وصل إليه إقامة أربعة أيام انقطع سفره بالنية مع مكثه.

ولو أقام أربعة أيام بلا نية انقطع سفره بتمامها؛ لأن الله تعالى أباح القصر بشرط الضرب فی الأرض، والمقيم والعازم على الإقامة غير ضارب فی الأرض .والسنة بينت أن ما دون الأربع لا يقطع السفر، ففی الصحيحين :يقيم المهاجر بعد قضاء نسكه ثلاثا ، وكان يحرم على المهاجرين الإقامة بمكة ومساكنة الكفار، فالترخص فی الثلاث يدل على بقاء حكم السفر، بخلاف الأربعة، وألحق بإقامة الأربعة :نية إقامتها.

ولا يحسب من الأربعة يوما دخوله وخروجه إذا دخل نهارا على الصحيح، والثانی يحسبان بالتلفيق، فلو دخل زوال السبت ليخرج زوال الأربعاء أتم، وقبله قصر، فإن دخل ليلا لم تحسب بقية الليلة ويحسب الغد.

واختار السبكی من الشافعية :أن الرخصة لا تتعلق بعدد الأيام بل بعدد الصلوات، فيترخص بإقامة مدة يصلی فيها إحدى وعشرين صلاة مكتوبة؛ لأنه المحقق من فعله صلى الله عليه وسلم حين نزل بالأبطح.

ولو أقام ببلد بنية أن يرحل إذا حصلت حاجة يتوقعها كل وقت، أو حبسه الريح بموضع فی البحر قصر ثمانية عشر يوما غير يومی الدخول والخروج؛ لأن النبی صلى الله عليه وسلم أقامها بمكة عام الفتح لحرب هوازن يقصر الصلاة

وقيل :يقصر أربعة أيام غير يومی الدخول والخروج، وفی قول :يقصر أبدا؛ لأن الظاهر أنه لو زادت حاجة النبی صلى الله عليه وسلم على الثمانية عشر لقصر فی الزائد.

ولو علم المسافر بقاء حاجته مدة طويلة فلا قصر له على المذهب؛ لأنه ساكن مطمئن بعيد عن هيئة المسافرين.

وعند الحنابلة :لو نوى إقامة أكثر من عشرين صلاة أتم لحديث جابر وابن عباس -رضی الله عنهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور جو حضرات مدتِ اقامت پورا ہونے کے لئے اقامت کی نیت کرنے کو ضروری قرار نہیں دیتے، ان کے نزدیک نیت کے ساتھ اور نیت کے بغیر مدتِ اقامت کا پایا جانا مقیم ہونے کے لئے کافی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أن النبي صلى الله عليه وسلم قدم مكة صبيحة رابعة ذى الحجة فأقام بها الرابع والخامس والسادس والسابع، وصلى الصبح فى اليوم الثانى، ثم خرج إلى منى، وكان يقصر الصلاة فى هذه الأيام، وقد عزم على إقامتها . ولو نوى المسافر إقامة مطلقة بأن لم يحدها بزمن معين فى بلدة أتم؛ لزوال السفر المبيح للقصر بنية الإقامة، ولو شك فى نيته، هل نوى إقامة ما يمنع القصر أو لا؟ أتم؛ لأنه الأصل.

وإن أقام المسافر لقضاء حاجة يرجو نجاحها أو جهاد عدو بلا نية إقامة تقطع حكم السفر، ولا يعلم قضاء الحاجة قبل المدة ولو ظنا، أو حبس ظلما، أو حبسه مطر قصر أبدا؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم :أقام بتبوک عشرين يوما يقصر الصلاة.

فإن علم أو ظن أنها لا تنقضى فى أربعة أيام لزمه الإتمام، كما لو نوى إقامة أكثر من أربعة أيام .وإن نوى إقامة بشرط، كأن يقول :إن لقيت فلانا فى هذا البلد أقمت فيه وإلا فلا، فإن لم يلقه فى البلد فله حكم السفر؛ لعدم الشرط الذى علق الإقامة عليه؛ وإن لقيه به صار مقيما؛ لاستصحابه حكم نية الإقامة إن لم يكن فسخ نيته الأولى للإقامة قبل لقائه أو حال لقائه، وإن فسخ النية بعد لقائه فهو كمسافر نوى الإقامة، فليس له أن يقصر فى موضع إقامته؛ لأنه محل ثبت له فيه حكم الإقامة، فأشبه وطنه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷،ص ۲۸۲الی۲۸۵، مادة "صلاة المسافر")

[1] يظل للمسافر حق القصر ما لم ينو الإقامة فى بلد مدة معينة، وقد اختلف الفقهاء على رأيين فى تقدير هذه المدة .

فقال الحنفية :يصير المسافر مقيما، ويمتنع عليه القصر إذا نوى الإقامة فى بلد خمسة عشر يوما، فصاعدا، فإن نوى تلک المدة، لزمه الإتمام، وإن نوى أقل من ذلک قصر.

ودليلهم :القياس على مدة الطهر للمرأة؛ لأنهما مدتان موجبتان العودة إلى الأصل، فإن مدة الطهر توجب إعادة ما سقط بالحيض، والإقامة توجب إعادة ما سقط بالسفر، فكما قدر مدة الطهر بخمسة عشر يوما، فكذلک يقدر أدنى مدة الإقامة .وهذا التقرير مأثور عن ابن عباس وابن عمر، قالا :إذا دخلت بلدة وأنت مسافر، وفى عزمک أن تقيم بها خمسة عشر يوما، فأكمل الصلاة، وإن كنت لا تدرى متى تظعن فاقصر.

وإن كان ينتظر قضاء حاجة معينة، له القصر ولو طال الترقب سنين، فمن دخل بلدا، ولم ينو أن يقيم فيه خمسة عشر يوما، وإنما يترقب السفر، ويقول :أخرج غدا أو بعد غد مثلا، حتى بقى على ذلک سنين، صلى ركعتين أى قصر؛ لأن ابن عمر أقام بأذربيجان ستة أشهر، وكان يقصر، وروى عن جماعة من الصحابة مثل ذلک.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(4)......مدتِ اقامت کا ایک موضع میں پورا ہونا ضروری ہے

اس سلسلہ میں چوتھا اصول یا قاعدہ یہ ہے کہ مسافر کے کسی جگہ مقیم ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی مدتِ اقامت کسی ایک موضع میں پوری ہورہی ہو، خواہ وہ موضع گاؤں ہو، یا شہر ہو۔

پس اگر کسی مسافر کی مدتِ اقامت ایک موضع میں مکمل نہیں ہورہی، بلکہ ایک سے زیادہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإذا دخل العسكر أرض الحرب، فنووا الإقامة بها خمسة عشر يوما، أو حاصروا فيها مدينة أو حصنا، قصروا، ولم يتموا الصلاة، لعدم صحة النية؛ لأن الداخل قلق غير مستقر، فهو متردد بين أن يهزم العدو فيقر، أو يهزم من عدوه فيفر .وهذا موافق لمذهب المالكية أيضا.

وقال المالكية والشافعية :إذا نوى المسافر إقامة أربعة أيام بموضع، أتم صلاته؛ لأن الله تعالى أباح القصر بشرط الضرب فى الأرض، والمقيم والعازم على الإقامة غير ضارب فى الأرض، والسنة بينت أن ما دون الأربع لا يقطع السفر، ففى الصحيحين :يقيم المهاجر بعد قضاء نسكه ثلاثا وأقام النبى صلى الله عليه وسلم بمكة فى عمرته ثلاثا يقصر .

وقدر المالكية المدة المذكورة بعشرين صلاة فى مدة الإقامة، فإذا نقصت عن ذلك قصر.

ولم يحسب المالكية والشافعية يومى الدخول والخروج على الصحيح عند الشافعية؛ لأن فى الأول حط الأمتعة، وفى الثانى الرحيل، وهما من أشغال السفر.

وقال الحنابلة :إذا نوى أكثر من أربعة أيام أو أكثر من عشرين صلاة، أتم، لحديث جابر وابن عباس أن النبى صلى الله عليه وسلم قدم مكة صبيحة رابعة ذى الحجة، فأقام بها أما حديث الصحيحين فهو أن النبى صلى الله عليه وسلم حرم الإقامة بمكة على المهاجرين، ثم رخص لهم أن يقيموا ثلاثة أيام (المجموع ۴/۲۴۳)الرابع والخامس والسادس، وصلى الصبح فى اليوم الثامن، ثم خرج إلى منى، وكان يقصر الصلاة فى هذه الأيام، وقال أنس :أقمنا بمكة عشرا نقصر الصلاة ، قال ابن حجر فى الفتح :ولاشك أنه خرج من مكة صبح الرابع عشر، فتكون مدة الإقامة بمكة ونواحيها عشرة أيام بلياليها، كما قال أنس، وتكون مدة إقامته بمكة أربعة أيام، لا سواها، لأنه خرج منها فى اليوم الثامن، فصلى بمنى.

ويحسب من المدة عند الحنابلة يوم الدخول والخروج.

فإن كان ينتظر قضاء حاجة يتوقعها كل وقت أو يرجونجاحها أو جهاد عدو أو على أهبة السفر يوما فيوما، جاز له القصر عند المالكية والحنابلة، مهما طالت المدة، ما لم ينو الإقامة، كما قرر الحنفية.

وقال الشافعية :له القصر ثمانية عشر يوما غير يومى الدخول والخروج؛ لأنه صلى الله عليه وسلم أقامها بمكة عام الفتح لحرب هوازن، يقصر الصلاة (الفقه الاسلامی و ادلتهٗ للزحیلی، ج۲، ص ۱۳۴۷ الی ۱۳۴۹، القسم الاول، الباب التاسع،القسم الثانی)

www.idaraghufran.org

مواضع میں مکمل ہورہی ہے، مثلاً حنفیہ کے نزدیک پندرہ راتوں کا عرصہ دو یا زیادہ مستقل شہروں یا دو یا زیادہ مستقل گاؤں میں قیام کرکے تو مکمل ہوتا ہے، لیکن کسی ایک شہر یا ایک گاؤں میں پندرہ راتوں کے قیام کا عرصہ مکمل نہیں ہوتا، تو وہ شخص مقیم نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ مسافر شمار ہوگا۔ [1]

چنانچہ شرح النقایۃ میں ہے:

وإنما قيد البلدة أو القرية بكونها واحدة، لأن نية الإقامة فى بلدتين أو قريتين أو بلدة وقرية لا تصح (شرح النقاية، ج ا، ص ۴۷۱، كتاب الصلاة)

اور ردالمحتار میں ہے کہ:

(قوله أو نوى فيه) أى فى صالح لها (قوله بموضعين مستقلين) لا فرق بين المصرين والقريتين والمصر والقرية بحر (رد المحتار على الدر المختار، ج ۲، ص ۱۲٦، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اور درر الحکام میں ہے کہ:

فأما إذا تبع أحدهما الآخر بأن كانت القرية قريبة من المصر بحيث تجب الجمعة على ساكنها فإنه يصير مقيما بنية الإقامة فيهما فيتم بدخول أحدهما؛ لأنهما فى الحكم كموضع واحد (درر

---

[1] صرح الحنفية بأن المدة التى يقيمها المسافر ويصير بها مقيما، يشترط فيها أن تقضى فى مكان واحد أو ما يشبه المكان الواحد؛ لأن الإقامة قرار والانتقال يضاده.

فإذا نوى المسافر الإقامة المدة القاطعة للسفر فى موضعين، فإن كانا مصرا واحدا أو قرية واحدة صار مقيما؛ لأنهما متحدان حكما، وإن كانا مصرين نحو مكة ومنى، أو الكوفة والحيرة، أو إن كانا قريتين، أو أحدهما مصرا والآخر قرية فلا يصير مقيما، ولا تزول حالة السفر؛ لأنهما مكانان متباينان حقيقة وحكما .فإن نوى المسافر أن يقيم بالليالى فى أحد الموضعين ويخرج بالنهار إلى الموضع الآخر، فإن دخل أولا الموضع الذى نوى المقام فيه بالليل يصير مقيما، ثم بالخروج إلى الموضع الآخر لا يصير مسافرا؛ لأن موضع إقامة الرجل حيث يبيت فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۷، ص ۲۸۵، مادة "صلاة المسافر")

www.idaraghufran.org

الحكام شرح غرر الأحكام، ج ١، ص ١٣٣، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ نیتِ اقامت یا مدتِ اقامت کا دو مستقل شہروں یا دو مستقل گاؤں یا ایک مستقل شہر اور ایک مستقل گاؤں وغیرہ میں ہونا معتبر نہیں، بلکہ ایک گاؤں یا ایک شہر میں ہونا معتبر ہے۔

اور مذکورہ عبارات میں دو شہر اور دو گاؤں کے الفاظ عام ہیں، خواہ وہ دو شہر یا دو گاؤں ایک دوسرے سے متصل ہوں، یا منفصل ہوں، دونوں صورتوں کو یہ الفاظ شامل ہیں۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ دونوں مستقل مواضع ہوں، اس اعتبار سے کہ دونوں مستقل شہر ہوں، یا دونوں مستقل گاؤں ہوں، یا ایک مستقل شہر اور دوسرا مستقل گاؤں ہو۔

اور اگر وہ دونوں مواضع مستقل نہ ہوں، بلکہ ان میں سے ایک دوسرے کے تابع اور اس کا جز ہو، تو پھر وہ متحد شمار ہوں گے، اور اس اتحاد وعدمِ اتحاد کا مدار بنیادی طور پر عرف پر ہے، جیسا کہ آگے قاعدہ نمبر 6 کے ذیل آ تا ہے۔

(5)......مسافر کے اپنے وطن میں دخول پر مقیم ہوجانے کا حکم

اس سلسلہ میں پانچواں اصول یا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسافر ہو، اور وہ سفر کے دوران اپنے وطن کی حدود سے گزرے، تو وہ مقیم ہوجاتا ہے۔

پس اگر کوئی شخص اس طرح سفر کرتا ہے کہ وہ اپنے وطن کی حدود سے نکلنے کے بعد مدتِ مسافت سے پہلے دوبارہ اپنے وطن کی حدود میں داخل ہوجائے گا، تو وہ شخص اس وقت تک مسافر شمار نہیں ہوگا، جب تک اپنے وطن کی حدود سے نہ نکل جائے، اور وہاں سے اس کی مدتِ مسافت بن رہی ہو۔ [1]

---

[1] خلاصة آراء المذاهب في الحالات التي يمتنع فيها القصر ويصبح المسافر فيها في حكم المقيم:

الحنفية يمتنع القصر بنية الإقامة نصف شهر ببلد أو قرية واحدة، لا ببلدتين لم يعين المبيت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(6)......مبدءِ قصر وسفر اپنے شہر وغیرہ سے خروج پر ہے

اس سلسلہ میں چھٹا اصول یا قاعدہ یہ ہے کہ جمہور فقہائے کرام کے نزدیک شرعی سفر اور اس پر مرتب ہونے والے حکمِ قصر کا آغاز یا بالفاظِ دیگر مبدءِ قصر ومبدءِ سفر اپنے موضع اقامت کی آبادی سے خروج پر ہوجاتا ہے، خواہ موضع اقامت کوئی گاؤں ہو یا شہر ہو۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بإحداهما، وبالعودة إلى وطنه (محل إقامته الدائمة)، إن قطع مسافة القصر عن بلده، وباقتداء المسافر بالمقيم، وبعدم الاستقلال بالرأى، وبعدم قصد جهة معينة.

المالكية يقطع القصر أحد أمور خمسة:

الأول ــ دخول بلده الراجع هو إليه، سواء أكانت وطنه أم لا، وإن لم ينو إقامة أربعة أيام إلا مقيما ببلد إقامة مؤقتة تركه ناويا السفر، ثم عاد إليه، فله القصر.

والمراد ببلده الذى سافر منه :هو وطنه أو محل زوجته الكائن فى أثناء المسافة .وإنما كان دخول البلد قاطعا للقصر؛ لأن دخول البلد مظنة للإقامة، فإذا كفت نية الإقامة فى قطع القصر، ففعل الإقامة أولى.

الثانى ــ الرجوع إلى وطنه أو محل زوجته المدخول بها قبل أن يقطع مسافة القصر، ومجرد الأخذ فى الرجوع يقطع حكم السفر.

الثالث ـ دخول وطنه أثناء المرور عليه، بأن كان بمحل آخر غير وطنه، وسافر منه إلى بلد آخر.

الرابع ـ نية الإقامة أربعة أيام صحاح تستلزم عشرين صلاة، أو العلم مسبقا بإقامة الأربعة الأيام عادة فى محل، اعتادت القافلة أن تقيم فيه.

الخامس ـ دخول مكان زوجة دخل بها فقط؛ لأنه فى حكم الوطن .أما دخول مكان الأقارب كأم أو أب، فلا يقطع السفر ولا يمنع القصر.

الشافعية: يمتنع القصر بنية الإقامة أربعة أيام صحيحة، وبالعودة لوطنه (محل الإقامة الدائمة)، وباقتداء المسافر بالمقيم أو بمشكوك السفر، وبعدم قصد جهة معينة، وبعدم الاستقلال بالرأى دون مسافة القصر، وبسفر المعصية، وبانقطاع السفر أثناء الصلاة، وبعدم نية القصر أثناء الإحرام.

الحنابلة : يمنع القصر ويجب الإتمام فى إحدى وعشرين صورة:

الأولى ـ مرور المسافر بوطنه ولو لم يكن له حاجة سوى المرور عليه.

الثانية ـ المرور ببلد له فيه امرأة، ولو لم يكن وطنه.

الثالثة ـ المرور ببلد تزوج فيه، وقد سبق ذكر هذه الحالات قريبا.

الرابعة ـ إن أحرم مقيما فى حضر، ثم سافر.

الخامسة ـ إن دخل عليه وقت صلاة فى الحضر، ثم سافر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

کیونکہ موضع کبھی بڑی آبادی ہوتی ہے، اور کبھی چھوٹی آبادی، بلکہ کبھی انشائے سفر کسی اور غیر آبادی والی جگہ سے بھی ہوتا ہے، اس صورت میں اس کا مبدءِ قصر وہی مخصوص جگہ شمار ہوگی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ السادسة ــ إن أحرم بالصلاة الرباعية فى سفر، ثم أقام، كراكب سفينة وصلت إلى وطنه أثناء الصلاة، تغليبا لحكم الحضر.

السابعة والثامنة ـ إن ذكر صلاة حضر فى سفر، أوعكسه :أى صلاة سفر فى حضر، لزمه أن يتم؛ لأنه الأصل، فغلب حكم الحضر.

التاسعة والعاشرة ـ ائتم بمقيم أو بمن يلزمه الإتمام.

الحادية عشرة ـ ائتم بمن يشك فى كونه مسافرا، أو بمن يغلب على ظنه أنه مقيم، ولو بان بعدئذ كونه مسافرا، لعدم الجزم بكونه مسافرا عند الإحرام.

الثانية عشرة ـ أحرم بصلاة يلزمه إتمامها، ففسدت وأعادها :كمن يقتدى بمقيم فيحدث فى أثناء الصلاة، فيلزمه إعادتها تامة؛ لأنها وجبت عليه أولا تامة، فلا يجوز أن تعاد مقصورة.

الثالثة عشرة ــ إن لم ينو القصر عند دخوله الصلاة أى عند إحرامه، فيلزمه أن يتم؛ لأنه الأصل، وإطلاق النية ينصرف إليه.

الرابعة عشرة ـ إن شك فى الصلاة :هل نوى القصر أم لا، ولو تذكر بعدئذ فى أثناء الصلاة، لزمه أن يتم، لوجود ما أوجب الإتمام فى بعضها، فغلب؛ لأنه الأصل.

الخامسة عشرة ــ إن تعمد ترك صلاة أو بعضها فى سفر، بأن أخرها بلا عذر، حتى خرج وقتها، فيلزمه أن يتم، قياسا على السفر المحرم، لأنه صار عاصيا بتأخيرها متعمدا من غير عذر.

السادسة عشرة ــ العزم على قلب السفر لمعصية كقطع الطريق، ونية الرجوع فى مكان بينه وبين موطنه دون مسافة القصر.

السابعة عشرة ــ إن تاب فى الصلاة من سفر المعصية، لزمه أن يتم، وكذلك يتم إن قصر معتقدا تحريم القصر، ولو أنه مخطء فى اعتقاده.

الثامنة عشرة ــ إن نوى المسافر فى الصلاة الإتمام، بعد أن نوى القصر، أتم وجوبا؛ لأنه رجع إلى الأصل.

التاسعة عشرة ـ إن نوى إقامة مطلقة :بأن لم يحدها بزمن، فى بلد، ولو فى دار حرب، أو فى بادية لا يقام فيها، لزوال السفر المبيح للقصر بنية الإقامة.

العشرون ـ إن نوى إقامة أكثر من عشرين صلاة، أتم.

الحادية والعشرون ـ إن شك فى نيته :هل نوى إقامة ما يمنع القصر أم لا، أتم؛ لأن الإتمام هو الأصل، فلا ينتقل عنه مع الشك فى مبيح الرخصة (الفقه الاسلامى و ادلته، ج٢، ص ١٣٦٧ الى ١٣٧٠ ، القسم الاول، الباب التاسع،القسم الثانى)

[1] (قوله :لقيط بلدة) اعلم أن العمارة إن قلت فقرية أو كثرت فبلد أو عظمت فمدينة وقيل غير ذلك كما ذكره الفقهاء فى الجمعة وهو أن البلد ما فيه حاكم شرعى أو شرطى أو أسواق معاملة وإن جمعت الكل فمصر ومدينة أو خلت عن الكل فقرية .اهـ .ق ل على الجلال(حاشية الشربينى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پس اگر کسی کا موضعِ اقامت کوئی گاؤں ہے، تو اس کے اسی گاؤں کی آبادی سے خروج پر، اور اگر کسی کا موضعِ اقامت شہر ہے، تو اس کے اسی شہر کی آبادی سے خروج پر قصر کا حکم شروع ہو جائے گا۔

جمہور فقہائے کرام کا اس پر اتفاق واجماع ہے۔

چنانچہ ابنِ منذر فرماتے ہیں:

أجمع أهل العلم من كل من نحفظ عنه على أن الذى يريد السفر أن يقصر الصلاة إذا خرج عن جميع بيوت القرية التى منها يخرج.

واختلفوا فى تقصير الصلاة قبل الخروج عن البيوت، فكان مالک، والأوزاعى، والشافعى، وأحمد، وإسحاق، وأبو ثور، يقولون :يقصر إذا خرج من بيوت القرية، وروينا معنى هذا القول عن جماعة من التابعين.

وقد روينا عن الحارث بن أبى ربيعة :أنه أراد سفراً فصلى بهم ركعتين فى منزله وفيهم الأسود بن يزيد، وغير واحد من أصحاب عبد الله.

وقد روينا معنى هذا القول عن عطاء بن أبى رباح، وسليمان بن موسى.

وقد روينا عن مجاهد قولاً ثالثاً :لا نعلم أحداً وافقه عليه قال :إذا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على الغرر البهية فى شرح البهجة الوردية، ج۳ص۴۰۸، باب اللقطة واللقيط، اركان اللقيط)

قوله :(والبلدى إلخ) حاصله أن العمارة إن قلت فقرية، أو كثرت فبلد أو عظمت فمدينة، وقيل غير ذلک كما ذكره الفقهاء فى الجمعة وهو أن البلد ما فيه حاكم شرعى أو شرطى أو أسواق للمعاملة، وإن جمعت الكل فمصر ومدينة وإن خلت عن الكل فقرية وعلم من كلامه أن البلدى أخص من الحضرى(حاشية قليوبى على منهاج الطالبين، ج۳ص۱۲۶، كتاب اللقيط)

www.idaraghufran.org

خرجت مسافراً فلا تقصر الصلاة يوماً حتى الليل.

قال أبو بكر : بالقول الأول أقول (الاشراف علىٰ مذاهب العلماء، ج ۲ ص ۲۰۴، ۲۰۵، كتاب صلاة المسافر، باب وقت ابتداء القصر إذا أراد السفر)

مذکورہ عبارت میں یہ جو فرمایا گیا کہ:

"يقصر الصلاة إذا خرج عن جميع بيوت القرية التى منها يخرج"

اس سے معلوم ہوا کہ جس قریہ سے خروج اختیار کیا جارہا ہے، اسی قریہ کی عمارات یعنی اس کی آبادی سے خروج پر قصر کا آغاز ہوگا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اس کے خروج والے قریہ کی عمارات یا آبادی تو ختم ہوچکی ہے، لیکن کسی دوسرے قریہ کی آبادی موجود ہے، تو وہ مبدأ قصر کے لئے مانع نہیں ہوگی، کیونکہ دوسرے قریہ کی آبادی "التى منها يخرج" سے خارج ہے۔

اور مذکورہ عبارت میں قریہ کا لفظ شہر کو بھی شامل ہے۔

چنانچہ موسوعۃ الاجماع میں ہے:

اجمعوا علىٰ ان ابتداء قصر الصلاة يجوز من حين يفارق المسافر بنيان بلده او خيام قومه ان كان من اهل الخيام وفى رواية ضعيفة عن مالك انهٗ لا يقصر حتى يجاوز ثلاثة اميال (موسوعة الاجماع فى الفقه الاسلامى، جلد ۲ صفحة ۶۲۰، للسعدى ابى الجيب. مطبوعة: دار الفكر دمشق)

اس عبارت میں جو یہ فرمایا گیا کہ:

"ابتداء قصر الصلاة يجوز من حين يفارق المسافر بنيان بلده "

اس سے بھی معلوم ہوا کہ اپنے شہر کی آبادی سے مفارقت ہی دراصل مبدأ قصر ہے۔

پس اگر اپنے شہر کی آبادی سے مفارقت ہوچکی ہے، لیکن اپنے شہر کے علاوہ کسی دوسرے متصل یا غیر متصل مگر اپنی ذات میں مستقل شہر کی آبادی سے مفارقت نہیں ہوئی، تو بھی مبدأ قصر متحقق

www.idaraghufran.org

ہوجائے گا، کیونکہ اپنے شہر کی آبادی سے مفارقت اس صورت میں بھی پائی جارہی ہے۔

اور المغنی لابنِ قدامہ میں ہے:

مسألة؛ قال :(إذا جاوز بيوت قريته) . وجملته أنه ليس لمن نوى السفر القصر حتى يخرج من بيوت قريته، ويجعلها وراء ظهره . وبهذا قال مالك، والشافعي، والأوزاعي، وإسحاق، وأبو ثور، وحكى ذلك عن جماعة من التابعين (المغنى لابنِ قدامة الحنبلى، ج۲ص ۱۹۱، ۱۹۲، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

مذکورہ عبارت میں جو یہ فرمایا گیا کہ:

”ليس لمن نوى السفر القصر حتى يخرج من بيوت قريته“

اس سے معلوم ہوا کہ قصر کے لئے اپنے قریہ وموضع کی عمارات وآبادی سے خروج ضروری ہے، پس جو عمارات یا آبادی اپنے قریہ کی نہ ہو، اس سے خروج ضروری نہیں۔

اور امام نووی، صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

وأما ابتداء القصر فيجوز من حين يفارق بنيان بلده أو خيام قومه إن كان من أهل الخيام هذا جملة القول فيه وتفصيله مشهور فى كتب الفقه هذا مذهبنا ومذهب العلماء كافة إلا رواية ضعيفة عن مالك أنه لا يقصر حتى يجاوز ثلاثة أميال وحكى عن عطاء وجماعة من أصحاب بن مسعود أنه إذا أراد السفر قصر قبل خروجه وعن مجاهد أنه لا يقصر فى يوم خروجه حتى يدخل الليل وهذه الروايات كلها منابذة للسنة وإجماع السلف والخلف .... والأحاديث المطلقة مع ظاهر القرآن متعاضدات على جواز القصر من حين يخرج من البلد فإنه حينئذ يسمى مسافرا،

www.idaraghufran.org

واللہ اعلم(شرح النووی علیٰ مسلم، ج۵ص ۲۰۰، ۲۰۱، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مسافر ہونے کے لئے اپنے شہر کی آبادی سے اور اگر رہائش آبادی سے باہر عارضی خیمہ بستی میں ہو، تو اس کی اپنی خیمہ بستی وغیرہ سے خروج کا اعتبار ہے، اور ''بنیان بلدہ'' اور اسی طرح ''خیام قومہ'' کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ ''بنیان غیر بلدہ'' اور ''خیام غیر قومہ'' سے خروج ضروری نہیں۔

اور شرح السیر الکبیر میں ہے:

صار مسافرا حين فارق عمران مصره على قصد السفر.

وإن كان من عزمه أن يرجع إلى منزله ساعة من نهار ليقضى حاجته فإنه يتم الصلاة. لان عزمه على الرجوع إلى وطنه الاصلى إذا كان هو فى فنائها بمنزلة مقامه فى جوفها، فيتم الصلاة حتى يخرج من المدينة راجعا إلى العسكر. وهو لا يريد الرجعة إلى أهله حتى يغزو، فإذا جعلها خلف ظهره قصر الصلاة لانه صار مسافرا بهذا الخروج(شرح السير الكبير، للسرخسی، ج ۱، ص ۲۴۲)

اس عبارت میں جو یہ فرمایا گیا کہ:

''صار مسافرا حين فارق عمران مصره''

اس سے معلوم ہوا کہ مسافر بننے کے لئے مسافر کے شہر کی عمارات وآبادی سے مفارقت ضروری ہے، اور جو عمارات وآبادی اس کے شہر کی نہ ہوں، بلکہ کسی دوسرے مستقل شہر کی ہوں، خواہ اس کے شہر کی عمارات سے متصل ہوں یا منفصل ہوں، ان سے مفارقت ضروری نہیں، الّا یہ کہ وہ عمارات اس شہر کا جز یعنی محلّہ ہوں۔

اور فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

إذا جاوز المقيم عمران مصره قاصداً مسير ثلاثة أيام ولياليها بسير الإبل أو مشى الأقدام يلزمه قصر الصلاة ويرخص له ترک الصيام أما شرط مجاوزة العمران لأن السفر فعل فلا يوجد بمجرد النية فيشترط قران النية بأدنى فعل بخلاف ما إذا نوى الإقامة حيث يصير مقيماً بمجرد النية لأن الإقامة ترک الفعل وترک الفعل لا يحتاج إلى الفعل (فتاوی قاضی خان، ج ۱، ص ۱۳۳، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اس عبارت میں بھی اپنے شہر کی آبادی سے تجاوز کو قصر کے لئے معتبر قرار دیا گیا ہے، لہٰذا جو آبادی اپنے شہر کی نہ ہو، بلکہ دوسرے شہر کی ہو، خواہ وہ اس کے شہر سے متصل ہو یا منفصل ہو، مسافر ہونے کے لئے اس سے خروج ضروری نہیں۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وقد ذكرنا تفسير خروجه من بلده وهو أن يجعل بيوت بلده خلف ظهره (بدائع الصنائع ج۳، ص ۴۳، کتاب الأيمان، فصل فی الحلف علی الخروج من إقامته)

مذکورہ عبارت میں بھی خروج کی تفسیر ''خروج من بلده الخ '' کے الفاظ کے ساتھ اپنے شہر سے خروج کے ساتھ اور اس کی مزید وضاحت اپنے شہر کے گھروں یا عمارات کو اپنے پیچھے کر دینے کے ساتھ کی گئی ہے، جس کا مطلب بھی وہی ہے کہ جب اپنے بلد وشہر کی آبادی وعمارات پیچھے ہو گئیں، تو کسی دوسرے مستقل شہر کی عمارات وآبادی کا آگے ہونا، اس خروج کے لئے مانع نہیں۔ [1]

---

[1] اور جن عبارات میں مصر کی صریح اضافت ونسبت مسافر یا انشائے سفر کرنے والے کی طرف مذکور نہیں، ان عبارات میں بھی یہ اضافت ونسبت ملحوظ رکھی جائے گی۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

شرح النقایۃ میں ہے:

(المسافر) الشرعی الذی یلزمه القصر، ویباح له الفطر، ویجوز له المسح ثلاثة أیام ولیالیها علی الخف، وسقط عنه الجمعة، والعیدان والأضحیة (من فارق بیوت بلده) أی البلد الذی هو فیها (شرح النقایة،لعلی بن سلطان محمد القاری الحنفی، ج ۱،ص ۲۶۶، کتاب الصلاۃ)

اور کشاف اصطلاحات الفنون میں ہے:

فالمسافر من فارق وخرج من بیوت بلده وعماراته أی عن سوره وحده قاصدا مسافة ثلاثة أیام ولیالیها بسیر وسط (کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، لمحمد بن علی الفاروقی الحنفی التهانوی، ج ۱ ص ۹۵۷، حرف السین)

ان عبارات میں بھی اپنے شہر کے بیوت وآبادی اور عمارات سے مفارقت کو مسافر بننے کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

چنانچہ بدائع الصنائع میں ہی ہے:

فإذا نوی السفر وخرج من العمران حتی صار مسافرا تجب علیه صلاة المسافرین(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۹۵، کتاب الصلاۃ،فصل بیان ما یصیر به المقیم مسافرا)

اس طرح کی عبارات میں ''العمران'' سے اسی شہر یا بلد یا گاؤں وغیرہ کی آبادی مراد ہے، جس سے خروج اختیار کیا جارہا ہے، گویا کہ اصل عبارت ''عمران مصرہ'' ہے، کیونکہ ''العمران'' میں ''الف لام'' عہدِ خارجی کا بنتا ہے، جس کا مصداق خارج میں متعین ہوتا ہے، اور ظاہر ہے وہ مسافر کا اپنا موضع، مصر، بلد وغیرہ ہے، مثل ''فعصیٰ فرعون الرسول '' کے، کہ اس میں رسول کی تعیین حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ''الرسول'' کا ''الف لام'' ہے، اسی طرح جس آبادی سے مسافر خروج اختیار کررہا ہے، اور وہ آبادی اس مسافر کے شہر سے الگ یا مستقل شمار ہوتی ہو، خواہ اس سے متصل کیوں نہ ہو، وہ اس سے خارج ہے۔

پس اس طرح کی عبارات سے مطلق آبادی سے خروج کو لازم سمجھنے کا شبہ نہیں ہونا چاہئے، جبکہ وہ آبادی اپنے شہر کے بجائے دوسرے متصل مگر مستقل شہر کی ہو، کیونکہ وہ آبادی ''العمران'' یعنی ''عمران مصرہ'' میں داخل نہیں، بلکہ ''عمران غیر مصرہ'' میں داخل ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

لئے ضروری قرار دیا گیا ہے، اور جو بیوت وآبادی یا عمارات اپنے شہر کی نہ ہوں، بلکہ دوسرے شہر کی ہوں، وہ اس حکم سے خارج ہوگئیں۔

الدرالمنتقیٰ میں ہے:

وهو لغة قطع المسافة وشرعاً قطع مسافة تتغير به الاحكام (من جاوز بيوت مصره) (الدرالمنتقى شرح الملتقى، مشموله مجمع الانهر ج ١ ص ٢٣٧، ٢٣٨)

اس عبارت میں بھی اپنے شہر کے گھروں سے تجاوز کی قید لگی ہوئی ہے۔

اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

وفى الجامع الصغير : اذا جاوز المقيم عمران مصره قاصداً مسيرة ثلاثة ايام ولياليها (خلاصة الفتاوىٰ ج ١ ص ١٩٧، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ مقیم شخص جب اپنے شہر کی (جس میں وہ مقیم تھا) آبادی سے نکلے، تو مسافر ہوجاتا ہے، اور جو آبادی اس کے مقیم ہونے والے شہر کے علاوہ کسی اور شہر کی ہو، وہ اس حکم سے خارج ہوگئیں۔

البحرالرائق میں ہے:

(قوله من جاوز بيوت مصره مريدا سيرا وسطا ثلاثة أيام فى بر أو بحر أو جبل قصر الفرض الرباعى) بيان للموضع الذى يبتدأ فيه القصر (البحرالرائق، ج٢ص ١٣٨، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اور شرح العینی علی الکنز میں ہے:

(من جاوز بيوت مصره)من الجانب الذى خرج منه وان كان بحذائه من جانب آخربناء حال كونه (مريداسيرا وسطا) (شرح العينى على الكنزج ا ص٩٣، كتاب الصلاة،مطبوعة: ادارة القرآن كراچى)

Idara Ghufran
www.idaraghufran.org

اور تبیین الحقائق میں ہے:

(من جاوز بیوت مصره مریدا سیرا وسطا ثلاثة أیام) أی قدره مسیرة ثلاثة أیام لا حقیقة السیر فیها حتی لو قطعه فی یوم واحد قصر (تبیین الحقائق، ج ۱ ص ۲۰۹، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

مذکورہ عبارات سے بھی معلوم ہوا کہ مسافر ہونے کے لئے اپنے شہر کی آبادی سے تجاوز ضروری ہے، اور جو آبادی یا جو عمارات یا مکانات اس کے شہر کے نہ ہوں، بلکہ دوسرے شہر کے ہوں، ان سے تجاوز ضروری نہیں، قطع نظر اس سے کہ وہ اس کے شہر سے متصل ہوں یا منفصل ہوں۔

حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی میں ہے:

"والسفر فی اللغة قطع المسافة "التعبیر بالمسافة یشعر بالامتداد فهو بمعنی قول السعد فی التلویح هو فی اللغة الخروج المدید وشرعا خروج من عمران الوطن مع قصد سیر مسافة مخصوصة اهـ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، ص ۴۱۹، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

اس عبارت میں بھی اپنے وطن کی آبادی سے خروج کو سفرِ شرعی کی تعریف میں بیان کیا گیا ہے، اور وطن کبھی کوئی شہر ہوتا ہے، اور کبھی کوئی گاؤں، اور وطن کی آبادی سے غیر وطن کی آبادی خارج ہوگئی، خواہ وہ غیرِ وطن کوئی شہر ہو یا گاؤں اور خواہ وہ وطن اس کے وطن سے متصل ہو یا منفصل ہو، مگر یہ شرط ہے کہ وہ اپنی ذات میں مستقل ہو، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

''الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ'' میں ہے:

السفر لغة :قطع المسافة، وخلاف الحضر (أی الإقامة) ، والجمع :أسفار، ورجل سفر، وقوم سفر :ذوو سفر.

والفقهاء یقصدون بالسفر :السفر الذی تتغیر به الأحكام

www.idaraghufran.org

الشرعية وهو :أن يخرج الإنسان من وطنه قاصدا مكانا يستغرق المسير إليه مسافة مقدرة عندهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷ ص ۲۶۶، مادة "صلاة المسافر")

اور کشاف اصطلاحات الفنون میں ہے:

الخروج عن عمرانات الوطن على قصد سير تلك المسافة (كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، لمحمد بن على الفاروقي الحنفي التهانوي، ج ۱ ص۹۵۷، حرف السين)

ان عبارات میں بھی اپنے وطن کی عمارت سے خروج کو سفرِ شرعی کی تعریف میں ذکر کیا گیا ہے، اور وطن کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ مبدءِ قصر متحقق ہونے کے لئے مسافر کے انشائے سفر والے موضع کی آبادی سے خروج ضروری ہے، خواہ وہ انشائے سفر والا موضع کوئی شہر ہو، یا گاؤں ہو، کیونکہ اصل مدار موضعِ اقامت سے خروج پر ہے، اور انشائے سفر کبھی شہر سے ہوتا ہے، کبھی گاؤں سے ہوتا ہے، اور کبھی کسی اور جگہ سے، جہاں کہ آبادی نہیں ہوتی، مثلاً کسی کھیت یا باغ سے، ایسی صورت میں مطلق آبادی سے خروج ضروری نہ ہوگا، بلکہ اس غیر آبادی والے مخصوص موضع سے ہی خروج ضروری ہوگا۔

چنانچہ دررالحکام میں ہے:

(هو من جاوز بيوت مقامه) أى موضع إقامته أعم من البلد والقرية فإن الخارج من قريته للسفر مسافر أيضا فهذه العبارة أحسن من قولهم بيوت بلده جمع البيوت إذ لو بقى أمامه بيت لا يكون مسافرا (قاصدا قطع مسافة) فمن جاوز ولم يقصد أو قصد ولم يجاوز لم يكن مسافرا (دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱ ص ۱۳۲، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

www.idaraghufran.org

اور شرح منیہ میں ہے:

من فارق بيوت موضع هو فيه من مصر اوقرية ناوياً الذهاب الى موضع بينه وبين ذلک الموضع المسافة المذكورة صار مسافرافلا يصيرمسافرا قبل ان يفارق عمران ماخرج منه من الجانب الذى خرج منه (غنية المستملى ص ٥٣٦،فصل فى صلاة المسافر)

اورالدرالمختار میں ہے:

(من خرج من عمارة موضع إقامته) من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر (الدرالمختار مع رد المحتار، ج٢ص ١٢٢، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اورردالمحتار میں ہے:

(قوله من خرج من عمارة موضع إقامته) أراد بالعمارة ما يشمل بيوت الأخبية لأن بها عمارة موضعها.

قال فى الإمداد :فيشترط مفارقتها ولو متفرقة وإن نزلوا على ماء أو محتطب يعتبر مفارقته كذا فى مجمع الروايات، ولعله ما لم يكن محتطبا واسعا جدا اهـ وكذا ما لم يكن الماء نهرا بعيد المنبع(الدرالمختار مع رد المحتار، ج٢ص ١٢١، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ مسافر ہونے کے لئے انشائے سفر کرنے والے کے اپنے موضع سے خروج ضروری ہے۔

پھر وہ موضع اگر کوئی شہر ہے، تو اس شہر سے خروج ضروری ہے، اور اگر کوئی قصبہ ہے، تو اس قصبہ سے خروج ضروری ہے، اور اگر کوئی گاؤں ہے، تو اس گاؤں سے خروج ضروری ہے، اور ان مقامات سے خروج اس وقت متحقق ہوتا ہے، جب ان کی آبادی سے خروج ہو۔

www.idaraghufran.org

اور اگر کوئی عارضی آبادی مثلاً خیمہ بستی ہے، تو وہاں سے انشائے سفر کرنے والے کے لئے اس سے خروج ضروری ہے، اور خیمہ بستیاں اگر متعدد ہیں، تو جو خیمہ بستی عرف میں اپنی قوم یا اپنے حلقہ ومکتب کی خیمہ بستی شمار ہوتی ہے، اس سے خروج ضروری ہوگا۔

اور اگر کھلی جگہ مثلاً کھیت یا باغ سے انشائے سفر کرتا ہے، تو اس کھیت یا باغ وغیرہ سے خروج ضروری ہے۔

اور مذکورہ تفصیل سے اصولی انداز میں وضاحت کے ساتھ یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی مستقل شہر ہے، اور اس کے ساتھ متصل کوئی دوسرا مستقل شہر واقع ہے، تو جس شہر سے کوئی مسافر انشائے سفر کرے گا، صرف اسی شہر کی آبادی سے خروج ضروری ہوگا، اس سے متصل دوسرے شہر کی آبادی سے خروج ضروری نہ ہوگا، اور جب دوسرے شہر کی آبادی سے خروج ضروری نہ ہوگا، تو دوسرے متصل ومستقل شہر کی آبادی اس کے مبدءِ سفر وقصر یعنی شرعی سفر اور قصر کا حکم شروع ہونے کے لئے مانع نہیں ہوگی۔

چنانچہ شرح النقایۃ میں ہے :

وإنما قيد البلدة أو القرية بكونها واحدة، لأن نية الإقامة فى بلدتين أو قريتين أو بلدة وقرية لا تصح (شرح النقاية، ج ا، ص ۱۷۴، كتاب الصلاة)

اس عبارت میں دوشہر اور دو قریوں کے الفاظ عام ہیں، خواہ وہ دوشہر یا دو قریے ایک دوسرے سے متصل ہوں، یا منفصل ہوں، دونوں صورتوں کو یہ الفاظ شامل ہیں۔

لیکن یہ شرط ہے کہ وہ دونوں مستقل مواضع شمار ہوتے ہوں، اس اعتبار سے کہ دونوں مستقل شہر ہوں، یا دونوں مستقل گاؤں ہوں، یا ایک مستقل شہر اور دوسرا مستقل گاؤں ہو، تو وہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف سمجھے جائیں گے۔

چنانچہ ردالمحتار میں ہے کہ:

(قوله أو نوى فيه) أى فى صالح لها (قوله بموضعين مستقلين) لا فرق بين المصرين والقريتين والمصر والقرية بحر (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۱۲۶، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

اس عبارت میں ''موضعین'' کے ساتھ ''مستقلین'' کی قید سے واضح ہوگیا کہ اصل مدار اس پر ہے کہ وہ دونوں مواضع اپنی ذات میں مستقل ہوں۔

پھر اس کے بعد ''**لا فرق بين المصرين والقريتين والمصر والقرية**'' کے الفاظ سے واضح ہوگیا کہ ''موضعین'' کا لفظ دو شہروں کو بھی شامل ہے، اور دو گاؤں کو بھی شامل ہے، اور ایک شہر اور دوسرے گاؤں کو بھی شامل ہے، اور ''موضعین مستقلین'' کے الفاظ ان سب کو شامل ہیں۔

اور اگر وہ دونوں مستقل مواضع نہ ہوں، بلکہ متحد ہوں، بایں طور کہ ان میں سے ایک دوسرے کے تابع مثلاً ایک موضع کسی شہر کا جز و محلّہ وغیرہ ہو، تو پھر دونوں کو اتحاد کا حکم حاصل ہوگا۔

چنانچہ تبیین الحقائق میں ہے:

هذا إذا كان كل واحد من الموضعين أصلا بنفسه كما ذكر، وإن كان أحدهما تبعا للآخر بأن كانت القرية قريبة من المصر بحيث تجب الجمعة على ساكنها فإنه يصير مقيما بدخول أحدهما أيهما كان؛ لأنهما فى الحكم كموطن واحد (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج۱، ص۲۱۲، باب صلاة المسافر)

اور درر الحکام میں ہے:

فأما إذا تبع أحدهما الآخر بأن كانت القرية قريبة من المصر بحيث تجب الجمعة على ساكنها فإنه يصير مقيما بنية الإقامة فيهما فيتم بدخول أحدهما؛ لأنهما فى الحكم كموضع واحد (درر

الحکام شرح غرر الأحکام، ج ۱، ص ۱۳۳، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

اور تحفۃ الفقہاء میں ہے:

فأما إذا كان أحدهما تبعا للمصر حتى تجب الجمعة على من سكن هناك فإنه يصير مقيما بنية إقامة خمسة عشر يوما فى هذين الموضعين لأنهما فى الحكم كموضع واحد (تحفة الفقهاء، ج ۱، ص ۱۵۱، باب صلاة المسافر)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ آبادی کے متحد ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے تابع ہو، اس طور پر کہ کوئی گاؤں شہر کے اتنا قریب ہو کہ حنفیہ کے قواعد کے مطابق اس گاؤں کے باشندوں پر اس جگہ نمازِ جمعہ واجب ہو، جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ گاؤں اپنے سے متصل شہر کا جزو بن چکا ہے، اس لئے وہاں کے باشندوں پر جمعہ کو واجب قرار دیا جارہا ہے، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک گاؤں کے باشندوں پر جمعہ کی نماز واجب نہیں، تو اس صورت میں وہ ساری آبادی موضع واحد کہلائے گی۔

اور اگر ان میں سے کوئی ایک آبادی دوسرے کے تابع نہ ہو، بلکہ ہر ایک مستقل ہو، جیسا کہ دو مستقل شہر ہوں کہ حنفیہ کے نزدیک ان کے باشندوں پر جمعہ متصل شہر کے تابع ہونے کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا، بلکہ ہر ایک کے خود شہر کا باشندہ ہونے کی وجہ سے واجب ہوا کرتا ہے۔

یا وہ دو مستقل گاؤں ہوں، جس کی ایک صورت یہ ہے کہ حنفیہ کے قواعد کے مطابق ان میں سے کسی جگہ جمعہ جائز نہ ہوتا ہو، تو ان کو اتحاد کا حکم حاصل نہ ہوگا، جس کی مکمل وضاحت اس سے پہلی عبارات میں گزر چکی ہے۔

پس ان عبارات سے واضح ہوا کہ اگر دو شہر ایک دوسرے سے متصل مگر اپنی ذات میں مستقل ہیں، تو وہ حضر و اقامت اور سفر وقصر کے اعتبار سے الگ الگ مواضع شمار کئے جائیں گے۔

www.idaraghufran.org

(7)......سفر وقصر میں موضع کے متحد و مستقل ہونے کا مدار عرف پر ہے

اس سلسلہ میں ساتواں اصول یا قاعدہ یہ ہے کہ سفر وقصر کے اعتبار سے کسی مقام یا آبادی کے متحد یا مستقل ہونے کا اصل مدار عرفِ عام پر ہے۔

اور عرف ہر زمانہ اور مقام کا الگ ہوسکتا ہے، لہٰذا زمان ومقام کے اعتبار سے وہاں کے عرفِ عام کو ہی وہاں کے لئے حجت سمجھا جائے گا۔

چنانچہ الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:

يصير المقيم مسافرا إذا تحققت الشرائط الآتية:

الشريطة الأولى :الخروج من المقام، أى موطن إقامته، وهو أن يجاوز عمران بلدته ويفارق بيوتها، ويدخل في ذلک ما يعد منه عرفا كالأبنية المتصلة، والبساتين المسكونة،والمزارع ، والأسوار، وذلک على تفصيل بين المذاهب سيأتي بيانه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧ ص ٢٦٩،مادة "صلاة المسافر")

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو مقام وخطہ کسی شہر یا موضع کا عرف میں حصہ وجزو سمجھا جاتا ہو، مقیم شخص کے مسافر ہونے کے لئے اس سے خروج ضروری ہے، اور کون سا مقام وخطہ کس موضع یا شہر یا آبادی کا حصہ سمجھا جاتا ہے؟ اس میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں، اور ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ یہ اختلاف عرف کے اختلاف پر مبنی ہے۔

چنانچہ فقہائے کرام نے اپنے اپنے عرف کے مطابق تفریع کرتے ہوئے مختلف مواضع کے اعتبار سے خروج کو معتبر قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] المكان الذى يبدأ منه القصر:

قال الفقهاء :يبدأ المسافر القصر إذا فارق بيوت المصر، فحينئذ يصلى ركعتين .وأصله ما روى أنس -رضى الله عنه -قال :صليت الظهر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة أربعا،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ورنہ اصل مدار عرف پر ہی ہے۔

اس لئے کسی زمانہ اور جگہ کے عرف پر مبنی قول کو ہر جگہ اور ہر زمانہ کے لئے حجت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وصليت معه العصر بذى الحليفة ركعتين، وما روى عن على -رضى الله عنه :-أنه لما خرج من البصرة يريد الكوفة صلى الظهر أربعا ثم نظر إلى خص أمامه وقال :لو جاوزنا هذا الخص صلينا ركعتين.

والمعتبر مفارقة البيوت من الجانب الذى يخرج منه، وإن كان فى غيره من الجوانب بيوت . ويدخل فى بيوت المصر المبانى المحيطة به، والنبى صلى الله عليه وسلم لم يقصر فى سفره إلا بعد الخروج من المدينة

والقريتان المتدانيتان المتصل بناء إحداهما بالأخرى، أو التى يرتفق أهل إحداهما بالأخرى فهما كالقرية الواحدة، وإلا فلكل قرية حكم نفسها يقصر إذا جاوز بيوتها والأبنية التى فى طرفها.

وساكن الخيام يقصر إذا فارق خيام قومه ومرافقها، كملعب الصبيان، والبساتين المسكونة المتصلة بالبلد، ولو حكما لا يقصر إلا إذا فارقها إن سافر من ناحيتها، أو من غير ناحيتها، وكان محاذيا لها عند المالكية.

ويقصر سكان القصور والبساتين وأهل العزب إذا فارقوا ما نسبوا إليه بما يعد مفارقة عرفا .

والبلدة التى لها سور، لا يقصر إلا إذا جاوزه وإن تعدد، كما قال الشافعية.

وقالوا أيضا :يعتبر مجاوزة عرض الوادى إن سافر فى عرضه، والهبوط إن كان فى ربوة، والصعود إن كان فى وهدة .وهذا إن سافر فى البر، ويعتبر فى سفر البحر المتصل ساحله بالبلد جرى السفينة أو الزورق، فيقصر بمجرد تحركها، أما إذا كان البحر بعيدا عن المدينة فالعبرة بمجاوزة سور المدينة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷ ص ۲۶۹ ،مادة ”صلاة المسافر“)

[1] چنانچہ بعض کتبِ فقہ میں بقدرِ غلوہ فاصلہ کو انقطاع کی اور اس سے کم فاصلہ کو عدمِ انقطاع کی علامت قرار دیا گیا ہے، جس کے پیشِ نظر بعض معاصر اہلِ علم ہر جگہ انقطاع یا عدمِ انقطاع کے لئے اسی کو حجت ومعیار سمجھتے ہیں، اور بڑے شہروں کے درمیان اتنا یا اس سے زیادہ انقطاع پائے جانے پر اور دو مستقل شہروں کے مابین اس سے کم انقطاع پائے جانے پر مواضع کے مستقل ومتحد ہونے کا مدار رکھتے ہیں، حالانکہ غلوہ کی مقدار رسمِ ناقص کے درجہ کی علامت ہے، ورنہ اگر کسی جگہ کے عرفِ عام سے کسی موضع کا مستقل یا متحد ہونا طے ہو جائے، تو بقدرِ غلوہ مقدار کو حجت قرار نہیں دیا جائے گا، جیسا کہ جمعہ کے سلسلہ میں مصر وبلد کی علامات ہر دور میں بیان کی جاتی رہی ہیں، مگر اس کا اصل مدار بھی عرف پر ہے، اور جس طرح کسی ایک زمانہ ومقام کے عرف کو دوسرے مقام وزمانہ کے لئے معیار وحجت قرار دینا درست نہیں، اسی طرح بقدرِ غلوہ فاصلہ کو بھی عرف کے مقابلہ میں معیار وحجت قرار دینا درست نہیں۔

چنانچہ احسن الفتاویٰ میں ہے:

دو بستیوں کے درمیان وجود مزارع یا قدر غلوہ (۱۶ء۱۳۷ میٹر) علامت انقطاع ہے۔ معہٰذا اگر دو مواضع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ہے:

اگر کوئی آبادی ایسی ہو کہ اہلِ عرف اس کے مجموعۂ اجزاء کو باوجود کسی قدر فصل کے ایک آبادی سمجھتے ہوں وہاں مجموعہ کا اعتبار کیا جائے گا، لیکن صرف ایک نام ہونا کافی نہیں کیونکہ ضلع و قسمت (غالباً تحصیل) کا نام بھی ایک ہی ہوتا ہے بلکہ وحدۃِ تسمیہ کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو ایک آبادی سمجھتے ہوں (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۴۱۷، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ والعیدین)

اس عبارت میں اہلِ عرف کے ایک آبادی سمجھنے پر باوجود کسی قدر فصل کے اتحادِ آبادی کا مدار رکھا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ وحدتِ آبادی کے لئے عرف کا اعتبار ہے، جیسا کہ اسلام آباد اور راولپنڈی دونوں شہروں کی آبادی کو کسی بھی جہت سے عرفِ عام میں ایک آبادی نہیں سمجھا جاتا، لہٰذا عرفِ عام کی بناء پر باوجود کسی قدر اتصال کے دونوں کو اتحاد کا حکم حاصل نہ ہوگا۔

اور امداد الفتاویٰ ہی میں ایک مقام پر ہے:

قصر و عدمِ قصر کا مدار تو بالاتفاق اتحادِ موضعین پر ہے اور وجوبِ جمعہ و عدمِ وجوب کے مدار میں اختلاف ہے، بعض اقوال میں اتحادِ موضعین پر ہے اور سماعِ اذان و عدمِ سماع کا اس میں کوئی دخل نہیں جس کے کلام سے اس کے ساتھ تحدید مفہوم ہوتی ہے، مقصود اس سے محض تمثیل کے طور پر امارۃ کا بیان کرنا ہے اور بعض اقوال میں عدمِ لحوقِ مشقت پر (آگے درمختار کی عبارت درج فرمانے کے بعد لکھتے ہیں) پس قولِ اول پر ان دونوں موضعوں کو دیکھا جاوے گا کہ عرفاً دونوں مستقل سمجھے جاتے ہیں یا متحد (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۴۵۱، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ والعیدین)

اس عبارت میں قصر و عدمِ قصر کا مدار اتحادِ موضعین پر رکھا گیا ہے، پھر وجوبِ جمعہ و عدمِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عرفِ عام میں ایک ہی شہر کے دو محلے سمجھے جاتے ہوں تو فصل مذکور کے باوجود دونوں کو ایک موضع قرار دیا جائے گا (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۷۵، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہمارا دوسرا رسالہ "بدایة السفر والقصر فی حالة الحضر والمصر"

Idara Ghufran

وجوبِ جمعہ کے مسئلہ میں مدار بعض اقوال میں اتحادِ موضعین پر اور بعض میں عدمِ لحوقِ مشقت پر ہونے کو بیان کر کے قولِ اول پر جو کہ راجح ہے، عرفاً مستقل یا متحد سمجھے جانے کا حکم بیان کیا گیا ہے، پس سفر وقصر کے اعتبار سے بہر حال اتحادِ آبادی واختلافِ آبادی یا متحد ومستقل ہونے کا مدار عرف پر ہونا ہی معلوم ہوا۔

اور امدادُ الفتاویٰ کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک موضع کی اذان کی آواز دوسرے موضع میں پہنچنے نہ پہنچنے کے قول کا تعلق جمعہ کے مسئلہ سے ہے، نہ کہ قصر کے مسئلہ سے، اور بعض حضرات کا اذان کی آواز پہنچنے نہ پہنچنے کے قول پر آبادی کے مستقل یا متحد ہونے کا مدار رکھنا درست نہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کے سلسلہ میں سماعِ اذان کا قول شہر کی حد بندی کے طور پر نہیں، بلکہ تمثیل کے طور پر ہے، اور پیچھے قاعدہ نمبر 6 کے آخر میں گزر چکا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جہاں کے رہائشیوں پر بذاتِ خود شہر کا حصہ ہونے کی وجہ سے جمعہ واجب ہو، وہ اتحاد کی علامت ہے۔[1]

---

[1] جہاں تک شہر کے قریب قریہ والوں کو سماعِ اذان کی وجہ سے شہر میں جا کر جمعہ پڑھنے کے حکم کا تعلق ہے، تو یہ حنفیہ کا ایک قول ہے، جس کے علاوہ بھی اقوال ہیں، علامہ شامی وغیرہ نے سماعِ اذان والے قول کی تضعیف کی ہے۔

واعلم أنه اختلف التصحيح في لزوم حضور المصر للجمعة على مقيم بقرية قريبة من المصر واختيار المحققين من أهل الترجيح عدمه؛ لأنهم ليسوا مخاطبين بأدائها فعذرهم أسقط تكليفهم بالمجيء من قريتهم، ولا عبرة ببلوغ النداء، ولا بالأميال ولا بإمكان العود للأهل، ولو صحح لا يتبع؛ لأن نص الحديث والرواية الظاهرية عن أصحابنا ينفيه اهـ .ملخصا من تحفة أعيان الفناء بصحة الجمعة والعيدين في الفناء للشرنبلالي(منحة الخالق علىٰ البحر الرائق، ج ۲،ص ۱۵۳، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

وصحح في مواهب الرحمن قول أبي يوسف بوجوبها على من كان داخل حد الإقامة أي الذي من فارقه يصير مسافرا وإذا وصل إليه يصير مقيما، وعلله في شرحه المسمى بالبرهان بأن وجوبها مختص بأهل المصر والخارج عن هذا الحد ليس أهله .اهـ.

قلت :وهو ظاهر المتون .وفي المعراج أنه أصح ما قيل .وفي الخانية المقيم في موضع من أطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع لا جمعة عليه وإن بلغه النداء وتقدير البعد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور اسی مذکورہ عرف کے قاعدہ کی بناء پر اگر عرف میں دو جڑواں شہر مستقل اور الگ الگ سمجھے جاتے ہوں، تو وہ الگ الگ ہی شمار ہوں گے، اور ایک شہر کے مقیم کو سفر کرتے وقت اپنے شہر کی آبادی سے خروج کافی ہوگا، دوسرے متصل شہر کی آبادی سے خروج ضروری نہ ہوگا، جس کی مزید تفصیل کئی اردو کتبِ فقہ وفتاویٰ میں بھی ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سوال:......آج کل شہر اتنے وسیع ہوگئے ہیں کہ بہت سی بستیاں اور گاؤں جو پہلے الگ تھے اب شہر سے ملحق ہوکر شہر کا ایک حصہ بن گئے ہیں مثال کے طور پر دہلی اور بمبئی اور دیگر شہر، البتہ پورا شہر مختلف محلوں اور حلقوں اور کالونیوں پر مشتمل ہوتا ہے، جن کے نام جدا جدا ہوتے ہیں، اب سفر میں جانے والا شخص اپنے محلّہ یا حلقہ کے حدود سے نکل کر مسافر بنے گا یا شہر دہلی کے حدود سے نکل کر مسافر بنے گا؟ اگر مسافرت شہر دہلی کے حدود سے نکل جانے پر شروع ہوتی ہو تو مزید ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہر دہلی کی آبادی دوسرے شہر غازی آباد کی آبادی سے ملی ہوئی ہے آبادی کا تو تسلسل ہے مگر آبادی کا نام حتیٰ کہ ضلع اور صوبہ بھی بدل جاتا ہے، اب شہر دہلی کی حد کہاں تک مانی جائے جہاں تک سرکاری اعتبار سے اس کی حد ہے یا جہاں تک آبادی تسلسل ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بغلوة أو ميل ليس بشيء هكذا رواه أبو جعفر عن الإمامين وهو اختيار الحلواني وفي التتارخانية ثم ظاهر رواية أصحابنا لا تجب إلا على من يسكن المصر أو ما يتصل به فلا تجب على أهل السواد ولو قريبا وهذا أصح ما قيل فيه اهـ وبه جزم في التجنيس .قال في الإمداد :تنبيه قد علمت بنص الحديث والأثر والروايات عن أئمتنا الثلاثة واختيار المحققين من أهل الترجيح أنه لا عبرة ببلوغ النداء ولا بالغلوة والأميال فلا عليك من مخالفة غيره وإن صحح اهـ.

أقول :وينبغي تقييد ما في الخانية والتتارخانية بما إذا لم يكن في فناء المصر لما مر أنها تصح إقامتها في الفناء ولو منفصلا بمزارع فإذا صحت في الفناء لأنه ملحق بالمصر يجب على من كان فيه أن يصليها لأنه من أهل المصر كما يعلم من تعليل البرهان والله الموفق(رد المحتار على الدر المختار، ج٢،ص ١٥٣، كتاب الصلاة،باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

الجواب:......وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت کی آبادی سے باہر ہو جانے پر شرعی مسافر کا اطلاق ہوگا، دوسری آبادی اگر چہ متصل ہو، مگر وہ دوسری آبادی ہے، دونوں کے نام الگ ہیں، حکومت اور کارپوریشن (یعنی میونسپلٹی، نگر پالیکا) نے دونوں آبادیوں کے حدود الگ الگ مقرر کئے ہیں، اس لئے وہ دونوں دو مستقل آبادیاں (یعنی شہر) شمار ہوں گی اور شرعی مسافر کا اطلاق اس وقت ہوگا، جب کہ اپنی آبادی (یعنی شہر) کے حدود سے تجاوز کر جائے اور اگر متصل ہونے کی وجہ سے کارپوریشن نے دونوں کو ایک کر دیا ہو تو اب وہ آبادی شہر کا محلّہ ہے اور وہ محلّہ شہر کا جز ہے، لہٰذا اب اس سے تجاوز ہونے پر مسافرت کے احکام جاری ہوں گے

(فتاویٰ رحیمیہ ج۵ص۱۸۰،۱۸۱، احکام المسافر، ترتیب جدید)

مذکورہ فتوے سے معلوم ہوا کہ کسی آبادی کے مستقل یا متحد ہونے کا مدار عرف پر ہے، اور کارپوریشن وغیرہ کی حد بندی درحقیقت مستقل یا متحد ہونے کی امارات یا قرائن میں سے ہے، اور اس کی حیثیت عرفِ خاص سے زیادہ نہیں، اسی وجہ سے اگر عرفِ عام اس کے مقابلہ میں ہو، تو اسی کو ترجیح ہوگی، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

مولانا مفتی انعام الحق صاحب سیتامڑھی قاسمی (گجرات، ہند) ''احکام مسافر'' میں لکھتے ہیں:

اگر کوئی شہر پھیلتے ہوئے کسی علاقہ یا دوسرے شہر سے متصل ہو کر اپنے اندر اس کو شامل کر لے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی، اگر وہ علاقہ اور شہر عرف اور کارپوریشن میں اسی شہر کا حصہ سمجھا جانے لگے تو اب دونوں ایک شہر کے حکم میں ہوں گے اور مسافرت کا حکم اس قدیم شہر اور شامل شدہ شہر سے نکلنے کے بعد جاری ہوگا اور اگر عرف یا کارپوریشن میں دونوں کے حدود الگ الگ ہیں تو گو کہ رویتِ ظاہرہ میں دونوں ایک نظر آتے ہوں پھر بھی دونوں مستقلاً الگ الگ شہر کہلائیں گے، لہٰذا اپنے شہر سے نکلنے کے بعد مسافرت کے احکام جاری ہوں گے۔ اگر چہ وہ اس

www.idaraghufran.org

سے متصل آبادی ہو، دو جداگانہ محلّہ یا شہر کے متصل ہونے میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب زید مجدہٗ لدھیانوی نے عرف کا اعتبار کیا ہے اور حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب نے کارپوریشن کے ملحق کرنے کا اعتبار کیا ہے، دونوں بزرگ کے الفاظ گرچہ مختلف ہیں مگر حقیقت ایک ہی ہے کیونکہ عموماً کارپوریشن سے ملحق عرف میں بھی ملحق متصور ہوتا ہے (احکام مسافر، ص۷۳، ۷۴، قصر کا بیان، مطبوعہ: زمزم پبلشرز، کراچی)

اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد (ہند) اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

دو شہروں کا اتصال ان کو ''ایک شہر'' نہیں بناتا، بلکہ وہ دو الگ الگ شہروں ہی کے حکم میں ہے، شہر کی تحدید بنیادی طور پر عرف پر موقوف ہے، اور اس زمانہ کا عرف یہ ہے کہ بلدیہ شہر کے جو حدود متعین کرتی ہے اس کو شہر کی حد سمجھا جاتا ہے، تو جب تک بلدیہ مکہ اور منیٰ کو دو علیٰحدہ شہر تصور کرے ان کا حکم دو شہروں کا ہوگا، فقہاء کی ان جزئیات سے غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہئے جن میں شہر سے متصل دیہات کو شہر کے حکم میں رکھا گیا ہے، کیوں کہ دیہات کی حیثیت شہر کے تابع کی ہے اور دو شہروں کی حیثیت مستقل شہر کی ہے (حج وعمرہ کے جدید مسائل اوران کا حل ص ۱۳۶، ناشر: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

مطلب یہ ہے کہ فقہائے کرام نے شہر سے متصل جو چھوٹی آبادیوں کو شہر کا حصہ قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح کی آبادیاں شہر کے تابع اور شہر کا حصہ شمار ہوتی ہیں، جبکہ وہاں کے باشندوں پر جمعہ واجب ہو، مگر شہر خود مستقل بالذات ہوتا ہے، وہ دوسرے شہر کے تابع نہیں ہوتا، یہ بات عرف کے بھی مطابق ہے، جس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ آبادی کے متحد یا مستقل ہونے کا مدار عرفِ عام پر ہے، اور بلدیہ یا کارپوریشن کی حد بندی عرف کی امارت یا علامت ہے، خود عرفِ عام نہیں۔

موجودہ دور کے بعض اہلِ علم حضرات کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ انہوں نے عرفِ عام کے مقابلہ میں رؤیتِ ظاہری (یعنی ظاہری اتصال وانفصال) کو ہی اصل معیار فرض کرلیا، اور پھر اس کے نتیجے میں یہ تصور قائم کرلیا کہ جب تک آبادی کا تسلسل ختم نہ ہو (خواہ ایک شہر کی حدود ختم ہونے کے بعد دوسرے مستقل شہر کی حدود بھی کیوں نہ شروع ہوگئی ہوں) اس وقت تک مبدأ سفر وقصر کا تحقق نہیں ہوگا، اور اسی بنیاد پر انہوں نے جڑواں شہروں کو قصر واتمام کے اعتبار سے مستقل کے بجائے متحد قرار دیا۔

حالانکہ مطلق آبادی کا تسلسل اتحادِ موضع کی اور مطلق آبادی کا انقطاع اختلاف مواضع کی ایسی دلیل نہیں، جو علت کے درجے کی ہو، اور ہر حال میں اسی پر مدار ہو۔

اگر اس غلط فہمی کا ازالہ نہ ہوا تو آبادی کی بڑھتی ہوئی موجودہ رفتار شاید آگے چل کر کسی زمانے میں دور دراز والے شہروں بلکہ پورے ملکوں کی آبادیوں کو باہم متصل کردے، جیسا کہ یورپ وغیرہ کے بعض ممالک میں یہ صورتِ حال پیدا ہوچکی ہے، تو اس مفروضے کے نتیجہ میں پورے پورے ملکوں میں سفر کرنے والوں کو بھی مسافر نہ مانا جاسکے گا۔

لہٰذا نقل وعقل کی روشنی میں سفر وقصر متحقق ہونے کے لئے یہی صورت راجح ہے کہ صرف موضع اقامت کی آبادی سے خروج کو کافی سمجھا جائے، قطع نظر اس سے کہ اس خروج کے بعد دخول کسی آبادی میں ہو یا پھر جنگل وغیرہ میں۔

پس مطلقاً ہر قسم کی آبادی کا تسلسل سفر وقصر کے تحقق کے لئے مانع نہ ہوا، اور نہ ہی مطلقاً ہر قسم کا انقطاع تحققِ سفر وقصر کو مستلزم ہوا، بالفاظِ دیگر ہر جگہ اتصالِ آبادی اتحادِ مواضع کی اور انقطاعِ آبادی اختلافِ مواضع کی دلیل نہیں۔

ہر قسم کی دشواریوں سے بچنے اور حفاظت کا بھی اسی میں حل ہے کہ عرفِ عام کو اس سلسلہ میں بنیاد بنایا جائے، اور اس عرفِ عام سے یورپ کے بڑے شہروں اور مسلسل آبادیوں کے تسلسل والے مقامات کا بھی حکم اور پیش آمدہ دشواریوں کا حل نکل آیا کہ جو شہر دوسری آبادی

www.idaraghufran.org

اور دوسرے شہر کے مقابلہ میں عرفِ عام میں مستقل سمجھا جاتا ہو، تو صرف اس کی حدود سے خروج سفر وقصر متحقق ہونے کے لئے کافی ہوگا، خواہ آبادی کا تسلسل جاری ہو، لیکن جو آبادی ایک ہی شہر کے مختلف محلوں کا درجہ رکھتی ہو جب تک اس کی انتہا سے خروج نہیں ہوجائے گا، اس وقت تک مبدأ سفر وقصر متحقق نہیں ہوگا، خواہ وہ کتنا بڑا ہی شہر کیوں نہ ہو۔

چنانچہ یورپ وغیرہ میں جو باہم متصل و مسلسل آبادیاں عرف میں ایک دوسرے سے مستقل سمجھی جاتی ہیں، خواہ ان کو سٹی کا نام دیا جاتا ہو، یا ٹاؤن وغیرہ کا، تو وہ آبادیاں عرف کے مطابق مستقل شمار ہوں گی، اور جو متصل آبادیاں عرفِ عام میں متحد سمجھی جاتی ہیں، وہ متحد شمار ہوں گی۔

پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد اور راولپنڈی دونوں شہر بعض اطراف سے ایک دوسرے کی آبادی سے متصل ہیں، مگر عرفِ عام میں دونوں مستقل اور الگ الگ شہر ہیں، دونوں کی ایک دوسرے سے الگ حدود ہیں اور دونوں کو آج کل کے عرف میں ''جڑواں شہروں'' کا نام دیا جاتا ہے، دونوں شہروں کے انتظامی وتمدنی ادارے و محکمے بھی الگ الگ اور جدا جدا ہیں، چنانچہ اسلام آباد کی کچہری اور عدالت الگ ہے اور راولپنڈی کی الگ ہے، اسلام آباد کا مرکزی پوسٹ آفس (جی۔پی۔او) اور اس کا پوسٹ کوڈ الگ ہے اور راولپنڈی کا الگ ہے، اسلام آباد کے مکینوں اور مکانوں کی رجسٹریشن الگ نام سے مندرج ہے اور راولپنڈی کی الگ نام سے، دونوں شہروں کے رہائشی اور مکین بھی الگ الگ شہروں کے ہی شمار کئے جاتے ہیں، اور شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور دوسرے سرکاری وغیر سرکاری کاغذات میں اسلام آباد اور راولپنڈی دونوں شہروں کے مکینوں اور مکانوں، گاڑیوں، اسلحوں وغیرہ سب کا اندراج الگ الگ شہر کے ناموں کے ساتھ ہوتا ہے، پھر راولپنڈی شہر صوبہ پنجاب کا شہر اور کئی قصبوں، تحصیلوں اور گاؤں کا ضلع ہے، اور پنجاب کی صوبائی حکومت کے زیرِ انتظام ہے، جبکہ اسلام آباد صوبہ پنجاب سے خارج بلکہ پاکستان کا مستقل انتظامی یونٹ اور ملک کا

دارالحکومت ہے، جو وفاقی حکومت کے زیرِ انتظام ہے، اور اسلام آباد شہر کے تحت کئی گاؤں اور آبادیاں شامل ہیں، جو ضلع اسلام آباد کہلاتی ہیں، وھلم جرّا!

تو راولپنڈی و اسلام آباد شہر کی یہ دونوں آبادیاں سفر وقصر کے اعتبار سے الگ الگ اور اپنی ذات میں مستقل ہوں گی، صرف اتصال کی وجہ سے دونوں متحد اور ایک دوسرے کے تابع وماتحت نہ کہلائیں گی۔

لہٰذا اگر اسلام آباد کا رہائشی مسافتِ شرعی کا ارادہ کر کے اسلام آباد سے راولپنڈی شہر کی طرف خروج کرے تو وہ راولپنڈی میں قصر کرے گا اور اسی طرح راولپنڈی کا رہائشی اسی نیت سے اسلام آباد کی حدود میں داخل ہوتے ہوئے گزرے تو وہ اسلام آباد میں قصر کرے گا۔

مطلب یہ کہ دونوں کا مبدأ قصر وسفر اپنے اپنے شہر کی آبادی سے خروج ہوگا۔

البتہ اگر اپنے شہر سے خروج کے بعد دوبارہ اسی شہر کی حدود سے گزرنا پڑے، تو مسافر نہ ہوگا، جیسا کہ پہلے قاعدہ نمبر 5 میں گزرا۔

اور اسی طرح اگر کوئی مسافر شخص کچھ دن راولپنڈی شہر میں اور کچھ دن اسلام آباد شہر میں قیام کرے، اور دونوں مقامات کے قیام کا مجموعہ مدتِ اقامت بن جاتا ہو، لیکن کسی ایک جگہ کی اقامت کا اتنا عرصہ نہ بنتا ہو، تو وہ دونوں شہروں میں مسافر شمار ہوگا، جیسا کہ قاعدہ نمبر 4 میں گزرا۔

آخر میں عرض ہے کہ اتحادِ آبادی کا اصل مدار تو عرف پر ہے اور بلدیہ، کارپوریشن وغیرہ اس عرف کی تعیین وتسہیل کے لئے بطور علامات اور رسمِ ناقص کے درجہ کی چیزیں ہیں، اگر کسی جگہ حکومت کی طرف سے طے کردہ حد بندی (کارپوریشن، بلدیہ وغیرہ) عرفِ عام کے خلاف ہو، جیسا کہ بعض اوقات حکومتی انتظامات ناقص ہونے یا اور کسی مصلحت کے پیش نظر صرف قانونی طور پر کسی جگہ کو کوئی حیثیت دی جاتی ہے، مگر عرف عام میں اس کی وہ حیثیت نہیں ہوتی، ایسے وقت عرف عام کا معتبر ہونا زیادہ راجح ہوگا، کیونکہ اصل اعتبار عرفِ عام کا ہے، اور اس طرح کے قانونی انتظامات امارات اور رسمِ ناقص کے درجہ کی چیزیں ہیں۔

جیسا کہ آج کل ہمارے شہروں کی حدود پر حفاظتی وسیکورٹی چوکیاں قائم کردی جاتی ہیں، اور ایک طویل عرصہ تک وہ اپنی جگہ قائم رہتی ہیں، مگر اس عرصہ میں شہری آبادی ان سے آگے تجاوز کر جاتی ہے۔

اور مثلاً موجودہ اسلام آباد ائر پورٹ (نیا نام بے نظیر بھٹو ائر پورٹ) عرفِ عام اور حقیقتِ واقعہ میں راولپنڈی شہر میں داخل ہے اور اس کے تمام اطراف میں راولپنڈی شہر کی آبادی قائم ہے، کسی ایک طرف سے اسلام آباد شہر کی آبادی متصل نہیں، بلکہ اسلام آباد کے نام سے یہ ائر پورٹ عارضی طور پر دراصل چکلالہ ائر بیس پر واقع ہے اور چکلالہ ائر بیس اس وقت سے قائم ہے جب اسلام آباد شہر کا وجود بھی نہیں تھا، بلکہ راولپنڈی شہر قائم تھا، اور اسلام آباد کا مستقل ائر پورٹ دوسری جگہ قائم کیا جا رہا ہے، لہٰذا مذکورہ ائر پورٹ راولپنڈی شہر کا حصہ قرار دیا جائے گا۔ [1]

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ائر پورٹ ہر شہر میں نہیں ہوا کرتا، اور نہ ہی اسے کسی مخصوص شہر کا حصہ تصور کرنا ضروری ہوتا، کیونکہ یہ بعض اوقات جائے وقوع کی مناسبت سے الگ اور متعدد شہروں وآبادیوں کے لئے بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔

ایسی دو آبادیاں جو عرف عام میں مستقل اور الگ الگ سمجھی جاتی ہوں اور ان کی حدود اور انتہاء حتمی انداز میں ممتاز طریقہ پر متعین ہوں ان کا حکم تو واضح ہے، البتہ ایسی مذکورہ آبادیوں کے درمیان اگر کوئی مستقل حد فاصل نہ ہو (درمیان میں کوئی ایسا حصہ ہو کہ اس کو طرفین کی آبادیوں سے اتصال کی وجہ سے دونوں سے من وجہٍ تعلق ہو) ایسے مقام پر حضر واتمام کرنے

---

[1] رہا یہ شبہ کہ چکلالہ ائر بیس، راولپنڈی پر اسلام آباد پولیس کو تعینات کیا جاتا ہے، اس بارے میں عرض ہے کہ اس کا تعلق مخصوص حکومتی بلکہ وفاقی دار الحکومت ''اسلام آباد'' کے انتظام سے ہے، لہٰذا کسی خاص انتظامی مصلحت کے تحت وفاقی حکومت کا کسی شعبہ وادارہ میں وفاقی اہلکاروں کا تعینات کرنا اور ائر پورٹ کو حساسیت اور اس کے انٹرنیشنل اور مخصوص مسافروں کی آمدورفت کا مرکز ہونے کی وجہ سے وفاق کے زیرِ انتظام کرنا اسی مخصوص انتظام وقانون کے تحت ہوتا ہے، جو سفر وقصر کے اعتبار سے عرفِ عام کو تبدیل نہیں کرتا۔

www.idaraghufran.org

میں احتیاط ہوگی، کیونکہ جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اتمام اصل ہے، اور قصر عارض ہے، جیسا کہ قاعدہ نمبر 1 میں گزرا، نیز قصر وسفر اور حضر واتمام میں اشتباہ کے وقت حضر واتمام کو ترجیح ہوتی ہے، جیسا کہ قاعدہ نمبر 2 میں گزرا۔

خلاصۂ کلام

گزشتہ پوری بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ کسی موضع کے اپنی ذات میں مستقل یا متحد ہونے کا اصل مدار عرف پر ہے۔

اور اگر دو شہر آپس میں متصل اور جڑے ہوئے ہونے کے باوجود عرف میں الگ الگ اور مستقل شہر شمار ہوتے ہوں، اور دونوں مل کر متحد اور ایک شہر شمار نہ ہوتے ہوں، جیسا کہ پاکستان میں اسلام آباد شہر اور راولپنڈی شہر اور ہندوستان میں دہلی شہر اور غازی آباد شہر، تو وہ سفر وقصر اور حضر واقامت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جداگانہ مواضع شمار ہوں گے، اور ایک جگہ کا باشندہ سفر کرتے ہوئے اپنے شہر کی حدود سے نکلنے پر ہی مسافر شمار ہوگا، اور وہ دوسرے شہر کی آبادی میں قصر کرے گا، مگر یہ کہ وہ دوسرے شہر سے واپسی پر اپنے شہر کی آبادی سے ہوتے ہوئے گزرے، تو مسافر شمار نہ ہوگا، تا آنکہ اپنے شہر کی آبادی سے نہ نکل جائے۔

اسی طرح اگر کوئی مسافر ایسے دو شہروں میں اس طرح مقیم ہو کہ چند دن ایک شہر میں قیام کرے، اور چند دن دوسرے شہر میں قیام کرے، لیکن کسی شہر میں اس کے قیام کی مدتِ اقامت پوری نہ ہوتی ہو، تو وہ مسافر سمجھا جائے گا، جیسا کہ تبلیغی جماعت کے متعدد افراد کا اس طرح جڑواں اور متصل شہروں میں قیام ہوتا ہے۔

اور اگر جڑواں شہروں کے درمیان کوئی جگہ مشتبہ ہو، تو اس میں سفر وقصر کے بجائے حضر واتمام کو ترجیح ہوگی۔

اس کے باوجود اگر کوئی شخص اس طرح کے دونوں مستقل ومتصل شہروں کو ایک تصور کر کے قصر

کے بجائے اتمام کرے، اور اپنے آپ کو مسافر کے بجائے مقیم سمجھے، تو حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس کی نماز درست ہوجائے گی، خواہ وہ دوسری رکعت پر قعدہ کرے یا نہ کرے، اور اگر اتمام کرتے وقت اس کی اقتداء میں مقیم نماز پڑھے، تو بھی ان حضرات کے نزدیک امام ومقتدی سب کی نماز درست ہوجائے گی (جیسا کہ قاعدہ نمبر 1 سے معلوم ہوا) اور اگر چار دن قیام کرنے کی صورت میں ایسا کرے، تو ان حضرات کے نزدیک وہ مقیم ہے، جس پر اتمام ہی واجب تھا، اس لئے ان حضرات کے نزدیک اس کا فعل بہرحال درست ہے۔

مگر حنفیہ کے قواعد کے مطابق اگر وہ مسافر دوسری رکعت پر قعدہ کرکے اتمام کرے، تو نماز درست ہوجائے گی، ورنہ درست نہ ہوگی، اور اسی طرح حنفیہ کے قواعد کے مطابق اگر ایسے شخص کے اتمام کرنے کی صورت میں مقیم شخص اس کی اقتداء کرے، تو مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی، جیسا کہ قاعدہ نمبر 3 سے معلوم ہوا۔

آج کل چونکہ بعض اہلِ علم حضرات دو مستقل اور متصل شہروں کو بھی سفر وقصر کے اعتبار سے متحد قرار دیتے ہیں، اگر کوئی ان کے فتوے کے مطابق عمل کرتے ہوئے اتمام کرے، تو اگرچہ ہمارے نزدیک آبادی کے متحد ہونے کا یہ قول مرجوح ہے، لیکن قصر واتمام کے مجتہَد فیہ ہونے اور غیر حنفی جمہور فقہائے کرام کے قول کے پیشِ نظر اتمام کے اصل ہونے کی وجہ سے نماز کو درست قرار دینے کی گنجائش پائی جاتی ہے، اس لئے ایسے لوگوں کی نماز کو غیر صحیح قرار دینے سے اجتناب کرنے میں احتیاط معلوم ہوتی ہے۔

جیسا کہ شروع میں بیان کردہ قواعد سے معلوم ہو چکا۔ فقط

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

محمد رضوان

2/ ربیع الآخر/ 1437ھ 13/ جنوری/ 2016ء بروز بدھ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

www.idaraghufran.org

اہلِ علم حضرات کی آراء

(1)...... چند اہلِ علم حضرات کا متفقہ فیصلہ

آج مورخہ ۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ ، بمطابق 17 فروری 2016ء، بروز بدھ کو ادارہ غفران میں ''**المجلس العلمی**'' کا اجلاس ہوا۔

اجلاس میں جڑواں شہروں میں سفر وقصر کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔

غور وخوض اور بحث وتمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ دو شہروں کے متحد یا منفصل ہونے اور کسی علاقے کے کسی شہر میں داخل یا خارج ہونے کا اصل مدار وہاں کے مقامی لوگوں کے عرف پر ہے، اگر کہیں عرفِ عام اور حکومت کی حد بندی میں اختلاف پایا جائے، یا ظاہری اتصال کی وجہ سے کسی علاقے کے کسی شہر میں داخل یا خارج ہونے کے بارے میں شبہ ہو، تو وہاں کے مقامی عرفِ عام کو ترجیح حاصل ہوگی، لہٰذا اس اصول کے مطابق راولپنڈی اور اسلام آباد دو الگ الگ شہر شمار کئے جائیں گے، اور کسی بھی شہر سے سفر کرنے والے پر سفر کے شرعی احکام اس وقت جاری ہوں گے، جب وہ اپنے شہر کی آبادی سے نکل جائے۔

اور کونسا علاقہ کس شہر میں شمار ہوگا، اس کا اصل مدار عرفِ عام پر ہوگا، مثلاً موجودہ اسلام آباد ائرپورٹ بالمقابل محلّہ ''ویول لائنز'' عرفِ عام میں راولپنڈی میں شمار ہوتا ہے، لہٰذا اس پر راولپنڈی کے احکام جاری ہوں گے، اگرچہ حکومت کے کاغذوں میں اس کو اسلام آباد ائرپورٹ کا نام دیا جاتا ہو۔

اجلاس میں مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت اور اس فیصلہ کی توثیق کی:

(1)...... مفتی محمد رضوان صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(2)...... مفتی دوست محمد مزاری صاحب (دارالافتاء لال مسجد، اسلام آباد)

www.idaraghufran.org

(3)......مفتی احسان الحق صاحب (دارالافتاء لال مسجد، اسلام آباد)

(4)......مفتی شکیل احمد صاحب (جامعہ محمدیہ، اسلام آباد)

(5)......مفتی زکریا اشرف صاحب (اسلام آباد)

(6)......مفتی ریاض محمد صاحب (دارالعلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی)

(7)......مفتی محمد یونس صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(8)......مفتی محمد امجد حسین صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(9)......مفتی منظور احمد صاحب (اسلامک ریسرچ سنٹر، بحریہ ٹاؤن، راولپنڈی)

(10)......مولانا محمد ناصر صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(11)......مولانا طارق محمود صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(12)......مولانا عبدالسلام صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(13)......مفتی ضیاء الرحمٰن صاحب (دارالعلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی)

(14)......مفتی عبدالکریم عثمان صاحب (راولپنڈی)

(15)......مولانا غلام بلال صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(16)......مولانا طلحہ مدثر صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(17)......مولانا عبدالوہاب صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(18)......مولانا شعیب احمد صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(19)......مولانا محمد ریحان صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

---

(2)......مولانا طلحہ مدثر صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء: ادارہ غفران، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زمانۂ قدیم میں شہروں کی آبادی اور محل وقوع کی نوعیت اس طرز پر ہوتی تھی کہ دو شہروں کے

www.idaraghufran.org

درمیان ایک معتد بہ فصل ہوتا تھا، جو زمان اور مکان کے مختلف ہونے کی وجہ سے کم وبیش ہوتا تھا، اور اس فصل کی وجہ سے دوملحقہ شہروں میں موضع واحد یا ایک شہر کا دوسرے میں ضم ہونے کا شبہ نہیں ہوتا تھا۔

فقہائے کرام نے دو آبادیوں میں فصل کی تعریف اپنے اپنے عرف کے مطابق مختلف الفاظ سے کی، جس کی تطبیق میں موجودہ دور کے اہلِ علم کو مشکلات تھیں، گزشتہ دور کے برعکس آج دنیا کے مختلف خطوں میں ایک سے زیادہ شہر باہم متصل ہوتے ہیں، اور ان کے درمیان آبادی کے اعتبار سے کوئی معتد بہ فاصلہ نہیں ہوتا، لیکن عرف اور قانون میں ان کو الگ الگ شہر شمار کیا جاتا ہے۔

زیرِ نظر رسالہ میں اس بات کو دلائل کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے کہ دو آبادیوں یا شہروں کے باہم متصل یا الگ ہونے کا معیار عرف پر ہے، باقی چیزیں علامات ہیں، جو زمانہ اور حالات کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں، لہٰذا اگر کسی جگہ عرف اور علامات میں اختلاف ہوجائے، تو اعتبار عرف کا ہوگا، اور بظاہر دو متصل نظر آنے والے شہر حقیقتاً الگ شمار ہوں گے۔

بندے کو رسالہ کے تمام مندرجات سے اتفاق ہے، اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے، اور خلقِ خدا کے لیے نافع بنائے۔ آمین۔

طلحہ مدثر 23/ ربیع الثانی/ 1437ھ ادارہ غفران، راولپنڈی

(3)...... مولانا عبدالوہاب صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء: ادارہ غفران، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذکورہ رسالے میں دلائل سے اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ شرعی اعتبار سے شہر کی حدود کا مدار عرف پر ہے، علامات پر نہیں، فقہاءِ کرام نے اپنے اپنے دور کے مطابق تعریفات کی ہیں،

لیکن ان سب تعریفات میں قدرِ مشترک بات عرف کو شہر کی حدود کا معیار بنانا ہے، لہٰذا دو شہروں کی آبادی متصل ہو جانے کے باوجود اگر عرف میں ان دونوں شہروں کو الگ سمجھا جاتا ہے، تو وہ دونوں شہر شرعاً الگ ہی شمار ہوں گے۔

بندہ کو رسالے کے تمام تر مندرجات سے اتفاق ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس رسالے کو بھی اور باقی بھی تمام تر تصنیفات وتالیفات کو مرتب کے حق میں دین ودنیا کے اعتبار سے نافع بنائے، اور عوام وخواص کے حق میں حضرت مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم کی تمام تقریرات وتحریرات کو نافع بنائے۔

عبدالوہاب قریشی 4/فروری/2016ء 24/ربیع الثانی/1437ھ

ادارہ غفران، راولپنڈی

(4)......مولانا شعیب احمد صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء: ادارہ غفران، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندہ کو اپنے بڑوں کی طرف سے رسالہ ہٰذا کو پڑھنے اور اس پر رائے لکھنے کا حکم ملا، حسبِ حکم مطالعہ کیا اور مفید پایا۔

جہاں تک رائے لکھنے کا تعلق ہے تو ’’رأی الضعیف ضعیف‘‘ اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں کیا اور میری رائے کیا، البتہ بڑوں کا حکم مانتے ہوئے صرف اتنا لکھنے کی جسارت کروں گا کہ بندہ نے متعلقہ موضوع پر اس مقالہ کو اپنی فہمِ ناقص کی حد تک جامع وافادیت سے بھرپور پایا ہے، نیز بندہ کتبِ فقہ کی عبارات اور فقہائے کرام کے دلائل کی روشنی میں اس مؤقف سے اتفاق کرتا ہے۔

فقط شعیب احمد

23/ربیع الثانی/1437ھ۔ 3 فروری 2016ء۔ ادارہ غفران، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی سلسلہ

عورت کو محرَم کے بغیر مختلف قسم کے اسفار اور حج وعمرہ وغیرہ کا سفر کرنے کا شرعی حکم
اس سلسلہ میں مروی احادیث وروایات اور فقہائے کرام کے اقوال
اور موجودہ حالات میں پیش آنے والی مشکلات کا حل اور متعلقہ شرائط

مصنف
مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

Idara Ghufran
www.idaraghufran.org

فہرست

Idara Ghufran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

متعدد احادیث میں عورت کو اپنے محرم کے بغیر سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے، لیکن اس سلسلہ میں احادیث وروایات کے الفاظ اور مضامین میں کچھ فرق پایا جاتا ہے، کچھ میں طویل سفر کی، کچھ میں مختصر سفر کی اور کچھ میں مطلق سفر کی ممانعت کا ذکر آتا ہے، اور فقہائے کرام کے اقوال بھی اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ آج کل کی تمدنی ومعاشرتی زندگی اور بطورِ خاص سفر اور نقل وحمل کے ذرائع اور حالات گذشتہ زمانوں اور صدیوں سے کافی حد تک مختلف ہیں۔

پہلے زمانوں میں، پیدل، بیل گاڑی، گھوڑے، گدھے اور اونٹوں وغیرہ پر عموماً سفر کیا جاتا تھا، جو کہ آج کل کے دور کا گھنٹوں کا سفر کئی کئی دنوں بلکہ ماہ بماہ میں طے ہوتا تھا، چنانچہ ابھی بہت زمانہ نہیں گزرا کہ پانی کے جہاز میں ملکِ ہندوستان وپاکستان سے جدہ کا سفر ایک طرف سے تقریباً پندرہ یوم میں طے ہوتا تھا، اور اب یہ سفر ہوائی جہاز سے چند گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے، پہلے زمانہ میں مختلف قافلوں کی شکل میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جایا جاتا تھا، اور جنگل اور بیابان علاقوں سے گزرنا ہوتا تھا اور اسی طرح کے مقامات پر قیام وطعام وغیرہ کے لئے پڑاوَ ڈالنے کی بھی کثرت سے نوبت آتی تھی، اور قضائے حاجت وغیرہ کے لئے جنگل اور دور مقامات پر جانا پڑتا تھا، جہاں عورت کو نامحرم کے ساتھ خلوت اور دیگر مختلف طریقوں سے فتنے لازم آنے کے بہت امکانات ہوا کرتے تھے۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ سفر کے ذرائع بہت آسان اور سہل ہو گئے ہیں، گزشتہ زمانہ کی طرح بیابان جنگلوں میں قیام وطعام کرنے اور نامحرم کے ساتھ خلوت اور پہلے دور کی طرح کے فتنے لازم آنے کے امکانات کافی حد تک کم ہو گئے ہیں۔

www.idaraghufran.org

دوسری طرف سفر کے ذرائع بھی ایسے تیز ترین ہوگئے ہیں کہ وہ عموماً تین دن اور تین رات بلکہ ایک دن اور ایک رات سے بھی کم میں طے ہو جاتے ہیں، جبکہ بہت سی احادیث میں عموماً تین دن، تین رات یا دو دن، دو رات یا ایک دن، ایک رات یا اس سے کم وبیش کا سفر محرم کے بغیر کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

تیسرے آج کل لوگوں کی مصروفیات اور مخصوص تمدنی زندگی اور مختلف قانونی و انتظامی پیچیدگیوں کے پیشِ نظر اس طرح کی کثرت سے ضرورت پیش آتی ہے کہ عورت کو کوئی ضروری سفر پیش آ جاتا ہے، لیکن اس عورت کو محرم میسر نہیں ہوتا، یا میسر بھی ہو تو اس کو عورت کے ساتھ سفر کرنے میں غیر معمولی حرج یا مالی نقصان وغیرہ کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے، مثلاً معاشی تنگی کے باعث اسے اپنے پیشہ کو ترک کر کے سفر کرنا سخت مشکلات کا باعث ہوتا ہے یا ملازمت گاہ وغیرہ سے رخصت نہیں ملتی، یا پھر عورت کے محرم کو قانونی طور پر سفر کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔

عورت کا وہ سفر بھی جہاز یا ٹرین یا ایسی بس وغیرہ کے ذریعہ ہوتا ہے، جس میں بڑا قافلہ بلکہ محافظین وسیکورٹی کا عملہ بھی ساتھ ہوتا ہے، جس کو مامون قافلہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے، اور بعض اوقات دوسری طرف عورت کو منزل پر لینے کے لئے اس کا محرم بھی موجود ہوتا ہے۔

بیابان جنگل وغیرہ میں نامحرم کے ساتھ قیام وطعام وغیرہ کرنے کی بھی نوبت نہیں آتی۔

تو کیا موجودہ شکل میں مجبوری اور ضرورت کے تحت عورت کو اس طرح کے مامون سفر میں بغیر محرم کے سفر کرنے کی گنجائش دی جاسکتی ہے؟ اس پر متعدد اہلِ علم حضرات کا رجحان پایا جاتا ہے، لیکن اس کی شرعی وفقہی تکییف اور حل نکالنے میں دقت اور مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بندہ نے زیرِ بحث مضمون اسی سلسلہ میں تحریر کیا ہے، اور اس میں بندہ نے بعض شرائط کے ساتھ ضرورت کی صورتوں میں گنجائش کا اظہار کیا ہے، کیونکہ دوسری طرف موجودہ دور میں بے راہ روی کی شکل میں بھی فتنے رونما ہوگئے ہیں، جن سے حفاظت کے لئے محرَم کے بغیر آمد ورفت کے جواز کے مواقع پر بھی مختلف شرائط کا لحاظ واہتمام ضروری ہے۔

جبکہ موجودہ دور میں ایک طبقہ کا حال تو یہ ہے کہ وہ عورت کے ساتھ سفر میں محرم کے ہونے کی

کسی حیثیت سے ضرورت ہی کا قائل نہیں، خواہ سفر کتنا ہی طویل اور غیر ضروری کیوں نہ ہو، اور طرح طرح کے فتنے کیوں نہ لازم آتے ہوں؟

اور اس کے برعکس ایک دوسرا طبقہ وہ ہے کہ جو فسادِ زمان کو بنیاد بنا کر ہر طرح کے سفر میں تمام خواتین کو محرم کے بغیر سفر تو درکنار، گھر سے خروج کی اجازت دینے کے لئے بھی تیار نہیں۔

ایک طبقہ اہلِ علم حضرات کا وہ ہے کہ جو ہر حالت میں مخصوص سفرِ مکانی (مثلاً چار برید یا اڑتالیس میل) کو بنیاد بنا کر اتنی مقدار میں تو عورت کو محرم کے بغیر سفر کی ممانعت بلکہ حرمت کا حکم لگاتا ہے، اور اس کی کسی حال میں اجازت دینے کے لئے تیار نہیں، خواہ وہ سفر ضرورت کی وجہ سے کیوں نہ ہو، اور اس سفر میں فتنہ بھی لازم نہ آتا ہو، اور وہ سفر چند گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہو، اور اگر وہ سفر، مخصوص سفرِ مکانی (مثلاً اڑتالیس میل) سے کم کا ہو، یا اپنے شہر کی حدود میں اڑتالیس میل سے زیادہ کا ہو، تو اس کا جواز بیان کرتا ہے، خواہ وہ سفر غیر ضروری کیوں نہ ہو، اور کتنے ہی فتنے کیوں نہ لازم آتے ہوں، یا پھر فتنہ کی صورت میں منع کرتا ہے۔

اس طرح کے اور بھی آراء اور نکتہائے نظر رکھنے والے ہیں۔

ہم نے اپنے اس زیرِ نظر مضمون میں جس رائے کو اختیار کیا ہے، اس میں احادیث وروایات اور فقہائے کرام واکابر اہلِ علم حضرات کی عبارات کی روشنی میں ضرورت اور فتنہ کو بنیاد بنایا گیا ہے، جس سے ایک طرف تو مجبور لوگوں کی ضرورت وحاجت پوری ہو جاتی ہے، دوسری طرف فتنوں سے بھی حفاظت رہتی ہے، ساتھ ساتھ مختلف احادیث وروایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ راہِ حق واعتدال کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور غلو وبے جا تشدد سے نجات بخشے۔ آمین۔ فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان ۲۲/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۳۶ھ 14/ مارچ/ 2015ء، بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

(فصل نمبر 1)

محرم کے بغیر ممانعتِ سفر کی احادیث وروایات

عورت کو محرم کے بغیر سفر کرنے کے متعلق مختلف احادیث و روایات مروی ہیں، جن کے مضمون میں بھی بظاہر کچھ فرق پایا جاتا ہے، ذیل میں ان روایات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی مرویات

(1)......حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سفر نہ کرے تین دن کا، مگر اپنے محرم کے ساتھ (بخاری)

(2)......اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ، تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، تُسَافِرُ مَسِيرَةَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ (مسلم) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں حلال ہے کسی عورت کے لئے، جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ سفر کرے تین راتوں کی مسافت کا، مگر اس کے ساتھ اس کا محرم ہونا چاہئے (مسلم)

---

[1] رقم الحديث ١٠٨٦، ابواب تقصير الصلاة، باب: في كم يقصر الصلاة.

[2] رقم الحديث ١٣٣٨ "٤١٤" كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره.

www.idaraghufran.org

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت میں عورت کو محرم کے بغیر تین دن کے اور دوسری روایت میں تین راتوں کے سفر کی ممانعت کا ذکر پایا جاتا ہے، جس کے بارے میں متعدد محدثین نے فرمایا کہ دن والی روایت میں رات شامل ہے، اور رات والی روایت میں دن شامل ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ عورت کو تین دن اور تین رات یا اس سے زیادہ کا سفر بغیر محرم کے کرنا جائز نہیں اور ''مسیرۃ'' کے الفاظ سے بعض حضرات نے یہ مراد لیا ہے کہ جس سفر میں اتنا عرصہ خرچ ہو، اس کا اعتبار ہے۔ [1]

اور مذکورہ روایات کے ظاہر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لیے محرم کے بغیر تین دن اور تین راتوں سے کم کا سفر جائز ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

(3)...... حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ (صحيح ابنِ حبان) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سفر نہ کرے، مگر جب کہ اس

---

[1] قوله لا تسافر المرأة ثلاثة أيام في رواية مسلم من طريق الضحاك بن عثمان عن نافع مسيرة ثلاث ليال والجمع بينهما أن المراد ثلاثة أيام بلياليها أو ثلاث ليال بأيامها (فتح البارى، ج٢، ص ٥٦٨، قوله باب فى كم يقصر الصلاة)

والتوفيق بين الروايتين أن المراد :ثلاثة أيام بلياليها وثلاث ليال بأيامها (عمدة القارى، ج٧، ص ١٢٦، قوله باب فى كم يقصر الصلاة)

(ثلاثة أيام) بلياليها، ولمسلم :ثلاث ليال، أى :بأيامها (ارشاد السارى، ج٢، ص ٢٩٢، قوله باب فى كم يقصر الصلاة)

(مسيرة) مصدر ميمى بمعنى السير، بمعيشة؛ بمعنى العيش، وليست التاء فيه للمرة (شرح الزرقانى على الموطا، ج٤، ص ٦٢١، باب السفر ومعاملة الأرقاء، فى الوحدة فى السفر للرجال والنساء)

[2] رقم الحديث ٢٧٢٩، كتاب الصلاة، باب المسافر،فصل فى سفر المرأة.

قال شعيب الارنوؤط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية صحيح ابنِ حبان)

www.idaraghufran.org

کے ساتھ اس کا محرم ہو (ابن حبان)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں عورت کو محرم کے بغیر مطلق سفر کرنے کی ممانعت پائی جاتی ہے، جس میں تین دن یا تین راتوں وغیرہ کی کوئی قید نہیں، جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو محرم کے بغیر کوئی بھی طویل یا مختصر سفر کرنا جائز نہیں، البتہ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ مطلق دراصل مقید پر محمول ہے، اور جو مقدار شرعی اعتبار سے سفر نہ کہلاتی ہو، یا دوسری احادیث میں جس طرح سفر کی ممانعت نہ ہو، وہ اس حدیث سے خارج ہے، اس لئے اس کا جواز اپنی جگہ برقرار ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی مرویات

(4)...... حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَلَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِىْ مَحْرَمٍ مَسِيرَةَ ثَلَاثٍ (مسند احمد، رقم الحديث ٢١٧٦) [1]

ترجمہ: اور عورت سفر نہ کرے، مگر اپنے محرم کے ساتھ تین دن کی مسافت کا (مسند احمد)

(5)...... اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ يَوْمَيْنِ إِلَّا مَعَ زَوْجِهَا أَوْ ذِىْ مَحْرَمٍ (صحيح ابن خزيمة) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر نہ کرے عورت دو دن کا، مگر

---

[1] قال شعيب الارنوؤط: صحيح وهذا اسناد حسن (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ٢٥٢٢، كتاب المناسك، باب الزجر عن سفر المرأة يومين مع غير زوجها وغير ذى رحمها.

قال الألباني: إسناده صحيح رجاله كلهم ثقات (حاشية صحيح ابنِ خزيمة)

www.idaraghufran.org

اپنے شوہر یا اپنے محرم کے ساتھ (ابنِ خزیمہ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت میں تین دن کی مسافت والے سفر کو محرم کے بغیر کرنے کی ممانعت بیان فرمائی گئی ہے، جس کی تائید گزشتہ بعض روایات سے بھی ہوتی ہے، جبکہ دوسری روایت میں تین دن کے بجائے دو دن کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے دو دن کا سفر محرم کے بغیر کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات

(6)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں حلال ہے کسی عورت کے لئے، جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو، یہ کہ وہ ایک دن اور ایک رات کی مسافت کا سفر کرے، جب کہ اس کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو (بخاری)

(7)......اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ تُسَافِرُ مَسِيْرَةَ لَيْلَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا رَجُلٌ ذُوْ حُرْمَةٍ مِنْهَا (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں حلال ہے، مسلم عورت کے لئے کہ وہ سفر کرے ایک رات کی مسافت کا، مگر اس کے ساتھ اس کا محرم مرد ہونا چاہیئے (مسلم)

---

[1] رقم الحدیث ۱۰۸۸، ابواب تقصیر الصلاۃ، باب :فی کم یقصر الصلاۃ، مسلم، رقم الحدیث ۱۳۳۹ "۴۲۱"

[2] رقم الحدیث ۱۳۳۹ "۴۱۹" کتاب الحج، باب سفر المرأۃ مع محرم إلی حج وغیرہ.

www.idaraghufran.org

(8)......اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَحِلُّ لِاِمْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، تُسَافِرُ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں حلال ہے کسی عورت کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ سفر کرے ایک دن کا، مگر اپنے محرم کے ساتھ ہی (مسلم)

(9)......اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ لِاِمْرَأَةٍ أَنْ تُسَافِرَ يَوْمًا فَمَا فَوْقَهُ، إِلَّا وَمَعَهَا ذُو حُرْمَةٍ (مسند احمد، رقم الحديث ۹۴۴۸) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں حلال ہے کسی عورت کے لئے کہ وہ سفر کرے ایک دن یا اس سے زیادہ کا، مگر اپنے محرم کے ساتھ ہی (مسند احمد)

(10)......اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُسَافِرُ اِمْرَأَةٌ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ تَامٍّ، إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ (مسند احمد، رقم الحديث ۹۷۴۱) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ سفر کرے کوئی عورت پورے ایک دن کا، مگر اپنے محرم کے ساتھ ہی (مسند احمد)

(11)......اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ لِاِمْرَأَةٍ أَنْ تُسَافِرَ ثَلَاثًا إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ مِنْهَا (مسلم) [4]

---

[1] رقم الحديث ۱۳۳۹ "۴۲۰" كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره.

[2] قال شعيب الارنوؤط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

[3] قال شعيب الارنوؤط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

[4] رقم الحديث ۱۳۳۹ "۴۲۲" كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال نہیں ہے کسی عورت کے لئے کہ وہ سفر کرے تین دن کا، مگر اس کے ساتھ اس کا محرم ہو (مسلم)

(12)......اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، إِلَّا مَعَ ذِىْ مَحْرَمٍ (مسند احمد، رقم الحديث ٨٥٦٤) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ سفر کرے کوئی عورت تین دن کی مسافت کا، مگر محرم کے ساتھ (مسند احمد)

(13)......اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُسَافِرُ إِلَّا مَعَ ذِىْ مَحْرَمٍ (صحيح ابنِ حبان) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں حلال ہے کسی عورت کے لئے کہ وہ سفر کرے، مگر اپنے محرم کے ساتھ (ابنِ حبان)

(14)......اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ بَرِيْدًا إِلَّا مَعَ ذِىْ مَحْرَمٍ (صحيح ابنِ حبان) [3]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ٢٧٣٢، كتاب الصلاة، باب المسافر، فصل فى سفر المرأة.
قال شعيب الارنوؤط: إسناده حسن (حاشية صحيح ابنِ حبان)

[3] رقم الحديث ٢٧٢٧، كتاب الصلاة، باب المسافر، فصل فى سفر المرأة، مستدرك حاكم، رقم الحديث ١٦١٦، صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ٢٥٢٦)
قال أبو حاتم: سمع هذا الخبر سهيل بن أبى صالح، عن أبيه، عن أبى هريرة، وسمعه من سعيد المقبرى، عن أبى هريرة، فالطريقان جميعا محفوظان (ابنِ حبان)
و قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله رجال الصحيح غير إبراهيم بن الحجاج السامى، فقد روى له النسائى وهو ثقة (حاشية صحيح ابنِ حبان)
و قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه بهذا اللفظ (مستدرک حاكم)
و قال الأعظمى: إسناده صحيح (تعليق ابنِ خزيمة)

Idara Ghufran

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ سفر کرے عورت ایک برید (یعنی بارہ میل) کا، مگر اپنے محرم کے ساتھ (ابنِ حبان، حاکم، ابنِ خزیمہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت میں عورت کو ایک دن اور رات کا سفر محرم کے بغیر کرنے کی ممانعت بیان کی گئی ہے، اور دوسری روایت میں ایک رات کی اور تیسری روایت میں ایک دن کی اور چوتھی روایت میں ایک دن اور اس سے زیادہ کی اور پانچویں روایت میں پورے ایک دن کی ممانعت کا ذکر آیا ہے، ان میں اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ رات والی روایات میں دن شامل ہے اور دن والی روایات میں رات شامل ہے، اور اس طرح یہ سب روایات ایک رات اور ایک دن والی ان کی پہلی روایت کے مطابق ہیں، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی چھٹی اور ساتویں روایت میں تین دن کی ممانعت کا ذکر آیا ہے، جن سے تین دن کے سفر کی ممانعت سمجھی جاتی ہے،، اور آٹھویں روایت میں مطلق سفر کی ممانعت کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے بعض حضرات نے مطلق سفر کی ہی ممانعت مراد لی ہے، لیکن دیگر حضرات نے مطلق کو مقید پر محمول کر کے فرمایا کہ اس سے سفر شرعی (مثلاً تین دن یا ایک دن کا سفر) مراد لئے جانے کا امکان ہے، جس کا کہ دوسری روایات میں ذکر آیا ہے۔

لیکن چونکہ نویں روایت میں ایک برید سفر کی ممانعت بیان کی گئی ہے، جس کی مقدار سفر شرعی زمانی ومکانی سے بہت کم ہے، بلکہ بعض اوقات یہ مقدار بڑے شہر کی اندرونی حدود میں ہی پوری ہو جاتی ہے، اس لئے یہ قرار دیا جانا بھی بعید نہیں کہ بعض صورتوں میں لغوی اور مطلق سفر بھی محرم کے بغیر کرنا منع ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرویات

(15)...... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

www.idaraghufran.org

لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ يَوْمَيْنِ إِلَّا مَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ (بخاری)[1]

ترجمہ: نہ سفر کرے عورت دو دن کا، مگر اس کے ساتھ اس کا شوہر یا اس کا کوئی محرم ہونا چاہئے (مسلم)

(16)......اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُسَافِرُ اِمْرَأَةٌ فَوْقَ يَوْمَيْنِ، إِلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا، أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ مِنْهَا (مسند احمد، رقم الحديث ١١٥٩٣)[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ سفر کرے کوئی عورت دو دن سے زیادہ کا، مگر اس کے ساتھ اس کا شوہر، یا اس کا کوئی محرم ہو (مسند احمد)

(17)......اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثًا إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ (مسلم)[3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ سفر کرے عورت تین دن کا، مگر اپنے محرم کے ساتھ (مسلم)

(18)......اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُسَافِرُ اِمْرَأَةٌ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ (مسلم)[4]

ترجمہ: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ سفر کرے کوئی عورت تین

---

[1] رقم الحديث ١١٩٧، كتاب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة، باب مسجد بيت المقدس، مسلم، رقم الحديث ٨٢٧ "٤١٦"

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

[3] رقم الحديث ٨٢٧ "٤١٧" كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره.

[4] رقم الحديث ٨٢٧ "٤١٨" كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره.

www.idaraghufran.org

راتوں سے زیادہ کا مگر اپنے محرم کے ساتھ (مسلم)

(19)......اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِىْ مَحْرَمٍ (صحيح ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ سفر کرے عورت تین دن سے زیادہ کا، مگر اپنے محرم کے ساتھ (ابنِ حبان)

(20)......اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، أَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا يَكُوْنُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا، إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوْهَا، أَوِ ابْنُهَا، أَوْ زَوْجُهَا، أَوْ أَخُوْهَا، أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ مِنْهَا (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں حلال ہے کسی عورت کے لئے، جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو، یہ کہ وہ ایسا سفر کرے، جو تین دن اور اس سے زیادہ کا ہو، مگر اس کے ساتھ اس کا والد، یا اس کا بیٹا، یا اس کا شوہر، یا اس کا بھائی، یا اس کا کوئی اور محرم ہو (مسلم)

(21)......اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا، إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوْهَا أَوْ أَخُوْهَا أَوْ زَوْجُهَا أَوِ ابْنُهَا أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ مِنْهَا (سنن ابی داؤد) [3]

---

[1] رقم الحديث ٢٧١٨، كتاب الصلاة، باب المسافر، فصل فى سفر المرأة.
قال شعيب الارنؤط: إسناده صحيح على شرطهما (حاشية صحيح ابنِ حبان)

[2] رقم الحديث ١٣٤٠ " ٤٢٣ "كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره.

[3] رقم الحديث ١٧٢٦، كتاب المناسک، باب فى المرأة تحج بغير محرم.
قال شعيب الارنؤط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابى داود)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں حلال ہے کسی عورت کے لئے، جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو، یہ کہ وہ سفر کرے تین دن سے زیادہ کا، یا اس سے بھی زیادہ کا، مگر اس کے ساتھ اس کا والد ہو، یا اس کا بھائی ہو، یا اس کا شوہر ہو، یا اس کا بیٹا ہو، یا کوئی اور محرم ہو (ابوداود)

(22)......اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْأَةَ أَنْ تُسَافِرَ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ قَالَتْ عَمْرَةُ: فَالْتَفَتَتْ عَائِشَةُ إِلٰى بَعْضِ النِّسَاءِ فَقَالَتْ: مَا لِكُلِّكُمْ ذُوْ مَحْرَمٍ (صحيح ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا عورت کو سفر کرنے سے، مگر اس کے محرم کے ساتھ، اور حضرت عمرہ راویہ کہتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعض عورتوں کی طرف متوجہ ہوئیں، اور انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کو تو محرم میسر نہیں آتا (پھر وہ کیا کریں، لہٰذا ان کو بعض اسفار کی اجازت ہونی چاہئے)

(ابنِ حبان)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت میں عورت کو محرم کے بغیر دو دن کے سفر کی ممانعت کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں دو دن سے زیادہ کی ممانعت کا ذکر ہے اور تیسری روایت میں تین دن کی ممانعت کا ذکر ہے اور چوتھی روایت میں تین رات سے زیادہ کی اور پانچویں اور چھٹی اور ساتویں روایت میں تین دن سے زیادہ کی ممانعت کا ذکر ہے، اور رات والی روایات میں دن اور دن والی روایات میں رات داخل ہونے کا امکان ہے، کما مر۔ اور آٹھویں روایت میں مطلق سفر کی ممانعت کا ذکر ہے، اور اگر اس روایت کو بھی تین یا دو یا ایک دن کے سفر پر محمول کیا جائے، تو اتنے وقت سفر کی ممانعت ہوگی، اور اگر سفرِ مکانی (یعنی

---

[1] رقم الحديث ٢٧٣٣، كتاب الصلاة، باب المسافر، فصل فى سفر المرأة.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية صحيح ابنِ حبان)

Idara Ghufran

۴۸ میل کو) مراد لیا جائے تو ممانعت اسی کے ساتھ خاص ہوگی، ورنہ ممانعت مطلق سفر کے لئے ہوگی، خواہ تھوڑا سفر ہو یا زیادہ، جیسا کہ پہلے گزرا۔ واللہ اعلم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و دیگر چند حضرات کی مرویات

(23)...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار میں یہ لکھا ہوا پایا کہ:

وَلَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ ثَلَاثَ لَيَالٍ مَعَ غَيْرِ ذِي مَحْرَمٍ (مسند أبی یعلی) ۱

ترجمہ: اور عورت سفر نہ کرے تین راتوں کا غیر محرم کے ساتھ (ابویعلیٰ)

(24)...... حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی سند سے عورت کو تین دن سے زیادہ کے سفر کی ممانعت کی حدیث مروی ہے۔ ۲

(26،25)...... اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے دو دن سے زیادہ کے سفر کی ممانعت کی حدیث اور حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے تین دن سے زیادہ کے سفر کی ممانعت کی حدیث مروی ہے۔

مگر ان احادیث کی سندوں کو محدثین نے کمزور قرار دیا ہے۔ ۳

---

۱ رقم الحدیث ۴۷۵۷، مسند عائشة .
قال حسین سلیم أسد الدارانی: إسنادہ حسن (حاشیة مسند ابی یعلیٰ)

۲ عن عدی بن حاتم قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تسافر المرأة فوق ثلاث إلا مع ذی محرم (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۱۸۱)
قال الهیثمی: رواہ الطبرانی فی الکبیر والأوسط عن علی بن یزید الصدائی عن أبی هانء عمر بن بشیر، وفیهما کلام، وقد وثقا (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۵۳۰۱، باب سفر النساء)

۳ عن علی: عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال " :لا تشد الرحال إلا إلی ثلاثة مساجد: مسجدی هذا، والمسجد الحرام، والمسجد الأقصی، ولا تسافر المرأة فوق یومین إلا ومعها زوجها أو ذو محرم (المعجم الصغیر للطبرانی، رقم الحدیث ۴۸۲)
قال الهیثمی: رواہ الطبرانی فی الصغیر، والأوسط، وفیہ إبراهیم بن إسماعیل بن یحیی الکهیلی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ان روایات میں بھی دو یا تین دن یا تین رات کی ممانعت کا ذکر ہے، اور دن والی روایات میں رات اور رات والی روایات میں دن کو داخل مانا جاسکتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی مرویات

(27)...... حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ، وَلَا يَدْخُلُ عَلَيْهَا رَجُلٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ أَخْرُجَ فِيْ جَيْشِ كَذَا وَكَذَا، وَامْرَأَتِيْ تُرِيْدُ الْحَجَّ، فَقَالَ: اُخْرُجْ مَعَهَا (بخاری) [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وهو ضعيف(مجمع الزوائد،تحت رقم الحديث ۱۵۸۵، باب قوله لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد)

نا أبو محمد بن صاعد ,نا محمد بن على بن الحسن بن شقيق ,قال :سمعت أبى يقول :نا أبو حمزة ,عن جابر ,عن أبى معشر ,عن سالم بن أبى الجعد ,عن أبى أمامة , قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :لا تسافر امرأة سفرا ثلاثة أيام أو تحج إلا ومعها زوجها(سنن الدارقطنى، رقم الحديث ۲۴۴۲)

وأخرجه الدارقطنى من وجه آخر بنحوه بلفظ لا تسافر امرأة ثلاثة أيام أو تحج إلا ومعها زوجها وفيه جابر الجعفى وأصل الحديث بالنهى عن السفر بغير تقييد بالحج مشهور كما تقدم عن ابن عباس(الدراية فى تخريج أحاديث الهداية،لابن حجر العسقلانى،ج۲،ص۴،كتاب الحج)

يحيى بن اليمان فى حفظه شىء (تخريج الأحاديث الضعاف من سنن الدارقطنى ، ج ۱ ، ص ۲۵۹)

باب ذكر الدليل على أن النبى صلى الله عليه وسلم لم يبح بزجره عن سفرها مع غير ذوى محرم يوما وليلة السفر الذى هو أقل منه، إذ قد زجر صلى الله عليه وسلم أيضا أن تسافر ليلة واحدة مع غير ذى محرم اللهم إلا أن يكون هذا من الجنس الذى أعلمت فى غير موضع من كتبنا أن العرب تذكر يوما تريد بليلته، وليلة تريد بيومها، قال الله عز وجل فى سورة آل عمران :(آيتك ألا تكلم الناس ثلاثة أيام إلا رمزا) وقال فى سورة مريم :(آيتك ألا تكلم الناس ثلاث ليال سويا)، فبان وثبت أنه أراد ثلاثة أيام بلياليها، وصح أنه أراد ثلاث ليال بأيامهن(صحيح ابنِ خزيمة، ج۴ص۱۳۵، كتاب المناسك)

[1] رقم الحديث ۱۸۶۲، كتاب جزاء الصيد، باب حج النسآء.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ سفر کرے عورت، مگر محرم کے ساتھ ہی، اور نہ داخل ہو کسی عورت کے پاس کوئی آدمی، مگر اس وقت اس عورت کے ساتھ اس کا محرم ہو، ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرا ارادہ فلاں فلاں لشکر کے ساتھ نکلنے کا ہے، اور میری عورت حج کا ارادہ رکھتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی عورت کے ساتھ (حج کے لئے) نکلو (بخاری)

(28)......حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَقُوْلُ: لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ، وَلَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ، فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ امْرَأَتِيْ خَرَجَتْ حَاجَّةً، وَإِنِّيْ اُكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: اِنْطَلِقْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ (مسلم)[1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ دیتے ہوئے یہ بات سنی کہ کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے، مگر جب کہ اس عورت کے ساتھ اس کا محرم ہو، اور کوئی عورت سفر نہ کرے، مگر اپنے محرم کے ساتھ ہی، ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری عورت حج کے لئے نکل چکی ہے، اور میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھ لیا گیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا کر اپنی بیوی کے ساتھ حج کیجئے (مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ کسی عورت کے ساتھ اجنبی مرد کو خلوت وتنہائی اختیار کرنا جائز نہیں، جب تک اس عورت کا محرم اس کے ساتھ نہ ہو۔

بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت وتنہائی اختیار

---

[1] رقم الحديث ١٣٤١ "٣٢٤" كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره.

Idara Ghufran

کرتا ہے، تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ [1]

یعنی ان دونوں کے دلوں میں شیطان غلط کاری کا تقاضا پیدا کرتا ہے، لہٰذا نامحرم کے ساتھ خلوت وتنہائی اختیار کرنا فتنہ کا باعث ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنے والے شخص کو یہ فرمایا کہ تم اپنی عورت کے ساتھ حج پر جاؤ، اور اس کو اکیلا حج پر نہ بھیجو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات مدینہ منورہ میں فرمائی، اور مدینہ منورہ سے، مکہ مکرمہ کی مسافت آج کل کے اعتبار سے تقریباً چار سو کلو میٹر ہے، جو کہ اُس زمانہ کے سفر کے لحاظ سے جبکہ سفر اونٹوں وغیرہ پر ہوا کرتا تھا، تین دن سے زیادہ کی بنتی ہے۔

اب اگر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں یہ بات اس لئے ارشاد فرمائی کہ اُس زمانہ میں وہاں سے حج کا سفر تین دن اور تین رات کے برابر یا اس سے بھی زیادہ کا بنتا تھا، تو یہ ممانعت مخصوص مدت والے (مثلاً تین یوم یا اس سے زیادہ کے) سفر کے ساتھ خاص ہوگی۔

اور اگر اس سے اتفاق نہ کیا جائے تو پھر ممانعت کو لفظِ ''مسافر'' سے مسافتِ شرعیہ (زمانی یا

---

[1] عن جابر بن سمرة، قال: خطب عمر الناس بالجابية، فقال :إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قام فى مثل مقامى هذا، فقال " :أحسنوا إلى أصحابى، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يجىء قوم يحلف أحدهم على اليمين قبل أن يستحلف عليها، ويشهد على الشهادة قبل أن يستشهد، فمن أحب منكم أن ينال بحبوحة الجنة، فليلزم الجماعة، فإن الشيطان مع الواحد، وهو من الاثنين أبعد، ولا يخلون رجل بامرأة فإن ثالثهما الشيطان (مسند احمد، رقم الحديث ١٧٧)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

عن جابر بن عبد الله، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فلا يدخل الحمام إلا بمئزر، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فلا يدخل حليلته الحمام، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فلا يقعد على مائدة يشرب عليها الخمر، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فلا يخلون بامرأة ليس معها ذو محرم منها، فإن ثالثهما الشيطان (مسند احمد، رقم الحديث ١٤٦٥١)

قال شعيب الارنؤوط:حسن لغيره (حاشية مسند احمد)

www.idaraghufran.org

مکانی) پر محمول کیا جا سکتا ہے، اور اگر اس سے بھی اتفاق نہ کیا جائے تو پھر ممانعت مختصر یعنی لغوی اور مطلق سفر کے لئے بھی ہوگی، جس کے بعض حضرات قائل ہیں۔

اب تک ہم نے اٹھائیس روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے بہت سی روایات میں سفرِ زمانی کے اعتبار سے تین دن اور تین رات کی اور بعض میں دو دن اور دو رات کی اور بعض میں ایک دن اور ایک رات کی اور بعض میں مطلق سفر کی، جبکہ بعض روایات میں سفرِ مکانی کے اعتبار سے ایک برید سفر کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔

بظاہر ان احادیث کا مفہوم ایک دوسرے کے متعارض ہے، اس لئے ان کو کسی ایک مخصوص و متعین سفر مثلاً صرف ایک دن، یا صرف دو دن، یا صرف تین دن کی ممانعت پر محمول کرنا مشکل ہے، اگرچہ بہت سے حضرات نے اپنے طور پر تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، مگر سب میں کم و بیش تکلف پایا جاتا ہے، لیکن بعض اہلِ علم حضرات کے بقول کوئی ایسی علت نکالی جائے کہ جو سب روایات کو جامع ہو جائے تو پھر یہ ظاہری تعارض ختم ہو سکتا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ نبی کا ایک مسئلہ میں متعدد و متعارض باتیں بیان کرنا ممکن نہیں، جس سے غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص وجہ مثلاً فتنہ کی وجہ سے عورت کو محرم کے بغیر سفر کرنے سے منع فرمایا ہے، اور آپ نے جس موقع پر جتنے سفر میں جس کے لئے فتنہ محسوس کیا، اس کے اعتبار سے ہی ممانعت کا حکم بیان فرما دیا، جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر 2)

فقہائے کرام کے اقوال اور ان کے نتائج

عورت کو نامحرم کے بغیر سفر کرنے کی ممانعت سے متعلق احادیث وروایات میں چونکہ اختلاف پایا جاتا ہے، اس لئے اس سلسلہ میں فقہائے کرام کے درمیان بھی اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک عورت کو محرم کے بغیر تین دن اور تین رات یا اس سے زیادہ کا سفر کرنا جائز نہیں، اور اکثر حنفیہ نے ممانعت کی علت اسی مقدار کو بلکہ سفرِ شرعی بھی اسی مقدار کو قرار دیا ہے، اور اس سے کم مقدار کے لئے اصل مذہب میں ممانعت کا حکم نہیں لگایا گیا۔ [1]

---

[1] حنفیہ نے اس سلسلہ میں وارد مختلف روایات کو دیکھتے ہوئے ان میں سے اعلیٰ ویقینی حد بیان کرنے والی احادیث کو متعین ممانعت کے حکم پر محمول کیا ہے، اور اس سے کم مقدار والی روایات کو شک کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه رفعه قال :لا تسافر امرأة فوق ثلاث ليال إلا مع بعل أو ذی رحم محرم قالوا :ففی توقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم الثلاث فی ذلک دليل على أن حكم ما دون الثلاث بخلاف ذلک وممن قال بهذا القول أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى فقد اتفقت هذه الآثار كلها عن النبی صلى الله عليه وسلم فی تحريم السفر ثلاثة أيام على المرأة بغير ذی محرم واختلفت فيما دون الثلاث فنظرنا فی ذلک فوجدنا النهی عن السفر بلا محرم مسيرة ثلاثة أيام فصاعدا ثابتا بهذه الآثار كلها وكان توقيته ثلاثة أيام فی ذلک إباحة السفر دون الثلاث لها بغير محرم ولولا ذلک لما كان لذكره الثلاث معنى .ونهى نهيا مطلقا ولم يتكلم بكلام يكون فضلا ولكنه ذكر الثلاث ليعلم أن ما دونها بخلافها وهكذا الحكيم يتكلم بما يدل على غيره ليغنيه عن ذكر ما يدل كلامه ذلک عليه ولا يتكلم بالكلام الذی لا يدل على غيره وهو يقدر أن يتكلم بكلام يدل على غيره وهذا تفضل من الله عز وجل لنبيه صلى الله عليه وسلم بذلک إذ آتاه جوامع الكلم الذی ليس فی طبع غيره القوة عليه ثم رجعنا إلى ما كنا فيه فلما ذكر الثلاث وثبت بذكره إياها إباحة ما هو دونها ثم ما روی عنه فی منعها من السفر دون الثلاث من اليوم واليومين والبريد فكل واحد من تلک الآثار ومن الأثر المروی فی الثلاث متى كان بعد الذی خالفه نسخه إن كان النهی عن سفر اليوم بلا محرم بعد النهی عن سفر الثلاث بلا محرم فهو ناسخ له وإن كان خبر الثلاث هو المتأخر عنه فهو ناسخ له فقد ثبت أن أحدالمعانی التی دون الثلاث ناسخة للثلاث أو الثلاث ناسخة لها فلم يخل خبر الثلاث من أحد وجهين إما أن يكون هو المتقدم أو يكون هو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اس لئے حنفیہ کے اصل مذہب کے مطابق عورت کو محرم کے بغیر تین دن تین رات سے کم کا سفر حرام نہیں، البتہ امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق ایک دن کا سفر بھی محرم کے بغیر مکروہ ہے، اور بعد کے بعض حضرات نے فسادِ زمانہ کی وجہ سے عورت کو محرم کے بغیر ایک دن کے سفر کو بھی عام حالات میں مکروہ قرار دیا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المتأخر .فإن كان هو المتقدم فقد أباح السفر أقل من ثلاث بلا محرم ثم جاء بعده النهى عن سفر ما هو دون الثلاث بغير محرم فحرم ما حرم الحديث الأول وزاد عليه حرمة أخرى وهو ما بينه وبين الثلاث فوجب استعمال الثلاث على ما أوجبه الأثر المذكور فيه .وإن كان هو المتأخر وغيره المتقدم فهو ناسخ لما تقدمه والذى تقدمه غير واجب العمل به فحديث الثلاث واجب استعماله على الأحوال كلها وما خالفه فقد يجب استعماله إن كان هو المتأخر ولا يجب إن كان هو المتقدم فالذى قد وجب علينا استعماله والأخذ به فى كلا الوجهين أولى مما قد يجب استعماله فى حال وتركه فى حال (شرح معانى الآثار،تحت رقم الحديث ١ ٣٥١، باب المرأة لا تجد محرما هل يجب عليها فرض الحج أم لا)

فالحاصل أن كل مسافر يمسح ثلاثة أيام، فلو كان السفر الشرعى أقل من ذلك لثبت مسافر لا يمكنه المسح ثلاثة أيام، وقد كان كل مسافر يمكنه ذلك، ولأن الرخصة كانت منتفية بيقين، فلا تثبت إلا بيقين ما هو سفر فى الشرع، وهو فيما عيناه إذ لم يقل أحد بأكثر منه اهـ(مرقاة المفاتيح، ج٣ص١٠٠٧ ، كتاب الصلاة، باب صلاة السفر)

وأما اشتراط الزوج أو المحرم للمرأة فى السفر، وهو مسيرة ثلاثة أيام فصاعدا فلقوله -عليه الصلاة والسلام -لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر سفرا يكون ثلاثة أيام فصاعدا إلا ومعها أبوها أو ابنها أو زوجها أو أخوها أو محرم منها رواه مسلم وأبو داود وقال -عليه الصلاة والسلام -لا تسافر المرأة ثلاثا إلا ومعها ذو محرم(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج٢،ص٥)

وحاصلهما قال الشيخ ان الحديث يدل على ان من اراد قطع مسيرة ثلاثة ايام ولياليها فهو مسافر حتما عندالشارع ،وله رخصة المسح ثلاثة ايام ولياليها والا لم يكن لذكر الثلاث معنى ،واماان قاصد مسافة يوم اويومين مسافر عندالشارع، وله رخصة المسح ثلاثة ايام ولياليها ،فمشكوك ليس فى الحديث دلالة على عموم الرخصة له، ولا على كونه مسافرا شرعا ،والرخصة كانت منتفية بيقين ، فلا تثبت الا بيقين ، وكذا كون الرجل مسافرا ، كان منتفيا بيقين ،فلايكون مسافرا مستحق هذه الرخصة الا بيقين، وليس ذالك الا فيما عيناه لكون الشارع قد نص على الثلاثة للمسافر، فمريد مسافة الثلاثة مسافر باليقين، ولذا لم يقل احد باكثر منه ، فلايكون مسافرا بارادة مسافة اقل منها للشك (اعلاء السنن ج٧ص ٢٦٩، ٢٧٠، ابواب صلاة المسافر، باب مسافة القصر)

لیکن حنفیہ کا اصل مذہب تین دن والا ہی ہے۔ [1]

---

[1] ملحوظ رہے کہ بعض متاخرین نے فسادِ زمان کو بنیاد بنا کر متعدد مسائل میں شدت کا پہلو اختیار کیا ہے، جو اگرچہ بعض جہات سے احتیاط پر مبنی ہے، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اس کے ساتھ ہی شریعت کی طرف سے جو بعض مسائل میں لچک رکھی گئی تھی، احتیاط کو حرمت کا اصولی درجہ دینے سے وہ بھی متاثر ہوئی ہے، لہٰذا ایسے موقع پر یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وشریعت قیامت تک کے لوگوں اور حالات کے لئے جامع ہے، اس لئے جس چیز میں شریعت کی طرف سے جب کوئی لچک رکھی جاتی ہے، اس میں پُرفتن دور کے مجبور وضرورت مند لوگوں کے لئے بھی رعایت کا پہلو ملحوظ ہوتا ہے، اور اس کو بالکلیہ نظر انداز کر دینا شریعت کے یُسر وتسامح والے پہلو سے مَیل نہیں کھاتا۔ واللہ اعلم۔

وقد روى عن أبي حنيفة، وأبي يوسف كراهة الخروج لها مسيرة يوم بلا محرم، لكن المذهب أنه يباح لها الخروج إلى ما دون مدة السفر، بغير محرم إذا كان لحاجة كما في الهداية(شرح مسند أبي حنيفة للعلي القاري، ج ۱، ص ۲۵۱، لاتسافر المرأة إلا مع ذي محرم)

ولا تسافر المرأة من غير محرم ثلاثة أيام فما فوقها، واختلفت الروايات فيما دون ذلك، قال أبو يوسف :أكره لها أن تسافر يوما بغير محرم، وهكذا روى عن أبي حنيفة رضي الله عنه، وقال الفقيه أبو جعفر :اتفقت الروايات في الثلاث، فأما ما دون ذلك قال الفقيه أبو جعفر :هو أهون من ذلك (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج۵، ص ۳۹۴، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الثامن والعشرون)

وأما بعد انقضاء العدة فلها أن تخرج إلى ما دون مسيرة سفر بلا محرم؛ لأنها تحتاج إلى ذلك فلو شرط له المحرم لضاق الأمر عليها، وهذا لا يجوز، ولا يجوز لها أن تخرج إلى مسيرة سفر إلا مع المحرم والأصل فيه ما روى عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أنه قال لا تسافر المرأة فوق ثلاثة أيام إلا ومعها زوجها أو ذو رحم محرم منها(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۳، ص ۲۰۸، فصل في أحكام العدة)

ولا تسافر المرأة بغير محرم ثلاثة أيام فما فوقها واختلفت الروايات فيما دون ذلك قال أبو يوسف -رحمه الله تعالى -أكره لها أن تسافر يوما بغير محرم وهكذا روى عن أبي حنيفة -رحمه الله تعالى -وقال الفقيه أبو جعفر -رحمه الله تعالى -واتفقت الروايات في الثلاث أما ما دون الثلاث قال أبو جعفر -رحمه الله تعالى -هو أهون من ذلك كذا في المحيط.

وقال حماد -رحمه الله تعالى -لا بأس للمرأة أن تسافر بغير محرم مع الصالحين، والصبي والمعتوه ليسا بمحرمين والكبير الذي يعقل محرم كذا في التتارخانية.

ويكره للأمة وأم الولد في زماننا المسافرة بلا محرم كذا في الوجيز للكردري.

والفتوى على أنه يكره في زماننا هكذا في السراجية .والله أعلم(الفتاوى الهندية، ج۵، ص ۳۶۶، كتاب الكراهية، الباب السادس والعشرون)

ثم المحرم أو الزوج إنما يشترط إذا كان بين المرأة، وبين مكة ثلاثة أيام فصاعدا، فإن كان أقل من ذلك حجت بغير محرم؛ لأن المحرم يشترط للسفر، وما دون ثلاثة أيام ليس بسفر فلا يشترط فيه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ تین دن سفر کی ممانعت اصل ہے، اور اس سے کم کی مسافت پر نہی کسی عارض مثلاً فتنہ پر مبنی ہے۔

چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فَالْحَاصِلُ اَنَّ حَالَةَ السَّفَرِ نَفْسَهَا مَانِعَةٌ مِنْ خُرُوْجِ الْمَرْأَةِ بِغَيْرِ زَوْجٍ اَوْمَحْرَمٍ بِخِلَافِ حَالَةَ الْحَضْرِ فَاِنَّ نَفْسَهَا لَيْسَتْ بِمَانِعَةٍ ،بَلْ مَنَعَهَا لِعَارِضٍ فَيُمْنَعُ مِنَ الْخُرُوْجِ لِمُدَّةَ السَّفَرِ عَلَى الْإِطْلَاقِ وَلَايُمْنَعُ مِنَ الْخُرُوْجِ اِلٰى اَقَلِّ مِنْ مُدَّةَ السَّفَرِعَلَى النَّهْيِ لِلْعَارِضِ وَمَا وَقَعَ مِنَ الْاِخْتِلَافِ فِيْ تَحْدِيْدِ تِلْكَ الْمُدَّةَ عَلٰى اِخْتِلَافِ الْاَحْوَالِ (اعلاء السنن ج ۱۷ ص ۳۸۵، کتاب الحظر والاباحة، باب عدم جواز خروج المرأة الیٰ مدة السفر الا ومعها زوج او محرم)

ترجمہ: پس خلاصہ یہ ہے کہ سفر کی حالت بذاتِ خود عورت کے بغیر شوہر یا محرم کے خروج کے لئے مانع ہے، بخلاف حالتِ حضر کے کہ وہ بذاتِ خود مانع نہیں، بلکہ وہ کسی عارض کی وجہ سے مانع ہے، پس مدتِ سفر پر تو مطلقاً خروج سے منع کیا جائے گا، اور مدتِ سفر سے کم پر خروج سے منع نہیں کیا جائے گا، مگر کسی عارضی نہی کی وجہ سے، اور جو اس مدت کی تحدید میں اختلاف واقع ہوا ہے، وہ احوال کے مختلف ہونے پر مبنی ہے (اعلاء السنن)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المحرم كما لا يشترط للخروج من محلة إلى محلة(بدائع الصنائع ج ۲ص ۱۲۴ ، كتاب الحج، باب شرائط فرضية الحج)

(قوله فى سفر) هو ثلاثة أيام ولياليها فيباح لها الخروج إلى ما دونه لحاجة بغير محرم بحر، وروى عن أبى حنيفة وأبى يوسف كراهة خروجها وحدها مسيرة يوم واحد، وينبغى أن يكون الفتوى عليه لفساد الزمان شرح اللباب ويؤيده حديث الصحيحين لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر مسيرة يوم وليلة إلا مع ذى محرم عليها وفى لفظ لمسلم مسيرة ليلة وفى لفظ يوم (ردالمحتار ج ۲ ص ۴۶۴، ۴۶۵، كتاب الحج)

Idara Ghufran

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مدت مسافت پر نہی اصلی اور اس سے کم پر عارضی یعنی فتنہ وغیرہ لازم آنے کی صورت میں ہے۔[1]

پھر بعض حضرات نے ممانعت کی مقدار کو زمانے کے ساتھ مقرر کیا ہے، یعنی سفرِ زمانی کو بنیاد بنایا ہے، اور انہوں نے فرمایا کہ جس سفر میں تین دن اور تین رات یا دو دن و دو رات، یا ایک دن اور ایک رات یا پورے ایک دن یا پوری ایک رات کا وقت و زمانہ خرچ ہو، تو عورت کو محرم کے بغیر اس طرح کا سفر کرنے کی ممانعت ہے، اور اس سے کم وقت و زمانہ خرچ ہو تو ممانعت نہیں۔

اور بعض دوسرے حضرات نے ممانعت کی مقدار کو مکان کے ساتھ مقرر کیا ہے، یعنی سفرِ مکانی کو بنیاد بنایا ہے، اور انہوں نے فرمایا کہ جو سفر چار برید (یعنی اڑتالیس میل) یا اس سے زیادہ پر مشتمل ہو، ممانعت اس صورت میں ہے، اور اس سے کم میں ممانعت نہیں۔

اور بعض حضرات کا قول اس سے بھی مختلف ہے۔[2]

---

[1] مگر اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض اوقات مدتِ مسافت پر بھی عورت کو محرم کے بغیر جانے کی مجبوری وضرورت پیش آجاتی ہے، اور محرم میسر نہیں ہوتا، تو کیا اس صورت میں جب فتنہ لازم نہ آتا ہو، یا فتنہ کا محرم کے علاوہ کسی اور شکل میں ازالہ ہو جائے، تب بھی جواز کی گنجائش نہیں دی جاسکتی؟

بندہ کا رجحان بعض شرائط کے ساتھ اس کی گنجائش کی طرف ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

[2] علامہ بدرالدین عینی نے عورت کے محرم کے بغیر سفر کے حکم کے بارے میں پانچ مذاہب ذکر فرمائے ہیں۔

ایک یہ کہ عورت کو دو راتوں کا سفر محرم کے بغیر جائز نہیں، اور اس سے کم کا سفر جائز ہے، یہ حسن بصری، زہری اور قتادہ کا مذہب قرار دیا ہے۔

دوسرے یہ کہ عورت کو تھوڑا اور زیادہ مطلق سفر محرم کے بغیر جائز نہیں، یہ ابراہیم نخعی، شعبی، طاؤس اور ظاہریہ کا مذہب قرار دیا ہے۔

تیسرے یہ کہ عورت کو ایک برید (یعنی ۱۲ میل) یا اس سے زیادہ کا سفر محرم کے بغیر جائز نہیں اور ایک برید سے کم کا سفر جائز ہے، یہ عطاء، سعید بن کیسان اور ظاہریہ کی ایک جماعت کا مذہب قرار دیا ہے۔

چوتھے یہ کہ عورت کو ایک دن یا اس سے زیادہ کا سفر محرم کے بغیر جائز نہیں، اور ایک دن سے کم کا سفر جائز ہے، یہ اوزاعی، لیث، امام مالک اور امام شافعی کا مذہب قرار دیا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

جبکہ بعض حضرات محرم کے بغیر عورت کو سفرِ شرعی کی قید لگائے بغیر طویل اور مختصر کسی بھی قسم کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

پانچویں یہ کہ عورت کو تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر محرم کے بغیر جائز نہیں، اور تین دن سے کم کا سفر جائز ہے، یہ ثوری، اعمش، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کا مذہب قرار دیا ہے۔

مگر آگے علامہ ابنِ حجر کے حوالہ سے آتا ہے کہ حنفیہ کے علاوہ بہت سے حضرات عورت کو محرم کے بغیر مطلق سفر کی ممانعت قرار دیتے ہیں۔الا فی الحج المفروض کما سیجیٔ۔

فی حکم المرأة التی تسافر وفیه خمسة مذاهب الأول مذهب الحسن البصری والزهری وقتادة فإنهم قالوا لا یجوز للمرأة أن تسافر لیلتین بلا زوج أو محرم فإذا کان أقل من ذلک یجوز واحتجوا فی ذلک بالحدیث المذکور.

الثانی مذهب إبراهیم النخعی والشعبی وطاوس والظاهریة فإنهم قالوا لا یجوز للمرأة أن تسافر مطلقا سواء کان السفر قریبا أو بعیدا إلا إذا کان معها زوج أو ذو محرم لها واحتجوا فی ذلک بما رواه الطحاوی حدثنا عبد الأعلی قال حدثنا سفیان بن عیینة عن عمرو سمع أبا معبد مولی ابن عباس یقول قال ابن عباس "خطب رسول الله -صلی الله علیه وسلم - الناس فقال لا تسافر امرأة إلا ومعها ذو محرم ولا یدخل علیها رجل إلا ومعها ذو محرم فقام رجل فقال یا رسول الله إنی قد اکتتبت فی غزوة کذا وکذا وقد أردت أن أحج بامرأتی فقال رسول الله -صلی الله علیه وسلم "- احجج مع امرأتک "ورواه البخاری ومسلم وابن ماجه بنحوه قالوا بعموم الحدیث واشتماله علی حکم السفر مطلقا وروی الطحاوی أیضا من حدیث سعید المقبری عن أبی هریرة رضی الله تعالی عنه أن النبی -صلی الله علیه وسلم - قال "لا تسافر المرأة إلا ومعها ذو محرم "وأخرج البزار عنه نحوه.

الثالث مذهب عطاء وسعید بن کیسان وقوم من الطائفة الظاهریة فإنهم قالوا بجواز سفر المرأة فیما دون البرید فإذا کان بریدا فصاعدا فلیس لها أن تسافر إلا بمحرم واحتجوا فی ذلک بما رواه الطحاوی ثم البیهقی من حدیث سعید المقبری عن أبی هریرة قال قال رسول الله -صلی الله علیه وسلم " - لا تسافر امرأة بریدا إلا مع زوج أو ذی محرم "وأخرجه أبو داود أیضا والبرید فرسخان وقیل أربعة فراسخ والفرسخ ثلاثة أمیال والمیل أربعة آلاف ذراع.

الرابع مذهب الأوزاعی واللیث ومالک والشافعی فإنهم قالوا للمرأة أن تسافر فیما دون الیوم بلا محرم وفیما زاد علی ذلک لا إلا بزوج أو محرم لکن عند مالک والشافعی لها أن تسافر للحج الفرض بلا زوج ومحرم وإن کان بینها وبین مکة سفر أو لم یکن فإنهما خصا النهی عن ذلک بالأسفار الغیر الواجبة واحتجوا فی ذلک بما رواه مسلم من حدیث أبی سعید أن أباه أخبره أنه سمع أبا هریرة یقول قال رسول الله -صلی الله علیه وسلم " - لا یحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر أن تسافر مسیرة یوم إلا مع ذی محرم.

الخامس مذهب الثوری والأعمش وأبی حنیفة وأبی یوسف ومحمد فإنهم قالوا لیس للمرأة أن تسافر مسافة ثلاثة أیام فصاعدا إلا مع زوج أو ذی محرم فإذا کان أقل من ذلک فلها أن تسافر بغیر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

سفر کو جائز قرار نہیں دیتے، اور وہ اس سلسلہ میں لغوی سفر مراد لینے کے قائل ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

محرم واحتجوا فی ذلک بما رواہ أبو داود حدثنا أحمد بن حنبل قال حدثنی یحیی بن سعید عن عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر عن رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم - قال "لا تسافر المرأۃ ثلاثا إلا ومعها ذو محرم "وأخرجه الطحاوی أیضا ثم التوفیق بینه وبین هذه الروایات وبیان العمل بحدیث الثلاث هو أن هذه الأحادیث کلها متفقة علی حرمة السفر علیها بغیر محرم مسافة ثلاثة أیام فما فوقها وفی تقییده بالثلاث إباحة لما دونها إذ لو لم یکن کذلک لما کان لتعیین الثلاث فائدة ولکان نهی مطلقا وکلام الحکیم یصان عن اللغو وعما لا فائدة فیه فإذا ثبت بذکر الثلاث وتعینه إباحة ما دونه یحتاج إلی التوفیق بینه وبین ما روی من الیوم والیومین والبرید فیقال أن خبر الثلاث إن کان متأخرا فهو ناسخ وإن کان متقدما فقد جاء ت الإباحة بأقل منه ثم جاء النهی بعده عن سفر ما دون الثلاث فحرم ما حرم الحدیث الأول وزاد علیه حرمة أخری وهی ما بینه وبین الثلاث فوجب استعمال الثلاث علی ما أوجبه فی الأحوال کلها فحینئذ الأخذ به أولی من الذی یجب فی حال دون حال(عمدۃ القاری، ج۷، ۲۶۴، باب مسجد بیت المقدس)

وبحسب اختلاف هذه الروایات اختلف الفقهاء فی تقصیر المسافر وأقل السفر، فأبو حنیفة بالثلاث، ومالک والشافعی بالیوم واللیلة والیومین، التی هی أقل ما وقع علیها اسم السفر بمقتضی هذا الحدیث، علی ما ذکرناه فی الصلاۃ (اکمال المعلم بفوائد مسلم، ج۴، ص ۴۴۷ و ۴۴۸)

واستدلوا من هذا الحدیث بأن کل سفر یکون دون یوم ولیلة فلیس بسفر حقیقة وأن حکم من سافر حکم الحاضر لأن فی هذا الحدیث دلیلا علی إباحة السفر للمرأۃ فیما دون هذا المقدار مع غیر ذی محرم فکان ذلک فی حکم خروج المرأۃ فی حوائجها إلی السوق وما قرب من المواضع المأمون علیها فیها فی البادیة والحاضرۃ وأما الیوم واللیلة فظعن وانتقال یکون فیه الانفراد وتعترض فیه الأحوال فکان فی حکم الأسفار الطوال لأن کل ما زاد عن الیوم واللیلة من المدۃ فی نوع الیوم واللیلة وفی حکمها واللہ أعلم(التمهید لابنِ عبدالبر، ج ۲۱ ص ۵۲، باب السین، سعید بن ابی سعید المقبری، الحدیث الثانی)

[1] وقد عمل أکثر العلماء فی هذا الباب بالمطلق لاختلاف التقییدات وقال النووی لیس المراد من التحدید ظاهره بل کل ما یسمی سفر فالمرأۃ منهیة عنه إلا بالمحرم وإنما وقع التحدید عن أمر واقع فلا یعمل بمفهومه وقال بن المنیر وقع الاختلاف فی مواطن بحسب السائلین وقال المنذری یحتمل أن یقال إن الیوم المفرد واللیلة المفردۃ بمعنی الیوم واللیلة یعنی فمن أطلق یوما أراد بلیلته أو لیلة أراد بیومها وأن یکون عند جمعهما أشار إلی مدۃ الذهاب والرجوع وعند إفرادهما أشار إلی قدر ما تقضی فیه الحاجة قال ویحتمل أن یکون هذا کله تمثیلا لأوائل الأعداد فالیوم أول العدد والاثنان أول التکثیر والثلاث أول الجمع وکأنه أشار إلی أن مثل هذا فی قلة الزمن لا یحل فیه السفر فکیف بما زاد ویحتمل أن یکون ذکر الثلاث قبل ذکر ما دونها فیؤخذ بأقل ما ورد فی ذلک وأقله الروایة التی فیها ذکر البرید فعلی هذا یتناول السفر طویل السیر وقصیرہ ولا یتوقف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور سفر میں عورت کے ساتھ اس کا محرم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ محرم عورت کے ساتھ قافلہ میں شریک ہو، اگرچہ قافلہ کے آگے پیچھے والے حصہ میں ہو، جہاں سے عورت کو ضرورت پڑنے پر بغیر مشقت کے عورت تک پہنچ سکتا ہو، جیسا کہ آج کل ٹرین یا گاڑی کے مختلف ڈبے یا مختلف سیٹیں ہوتی ہیں، اور یہ پوری ٹرین یا گاڑی ایک قافلہ شمار ہوتا ہے، اور چلتی ٹرین میں ایک ڈبہ سے دوسرے ڈبے تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ [1]

محرم کے بغیر سفرِ حج وعمرہ کا مسئلہ

اگر کسی عورت پر حج فرض ہوجائے، اور وہ مکہ سے مسافتِ شرعی کے فاصلہ پر ہو، جو کہ حنفیہ کے نزدیک تین دن اور تین رات یا اس سے زیادہ کی مسافت ہے، تو اس کو محرَم کے بغیر فرض حج کرنے کے لئے جانا جائز نہیں، اور نفل حج اور عمرہ کے سفر پر جانا بدرجہ اولیٰ جائز نہیں، اور حج وعمرہ کے علاوہ کسی دوسرے سفر پر بھی جانا جائز نہیں۔

البتہ شافعیہ کے نزدیک اگر دو یا زیادہ ثقہ عورتیں اور بعض کے نزدیک ایک ثقہ عورت بھی سفر میں ساتھ میسر ہو، تو وہ فرض حج میں محرم کی طرف سے کافی ہوجاتی ہے، اور مالکیہ کے نزدیک اگر مرد وعورتوں کا مشترک مامون قافلہ میسر ہو، اور عورت کی طرف سے بھی امن ہو، تو پھر فرض حج کے لئے عورت کو محرم کے بغیر سفر پر جانا لازم ہوتا ہے، کیونکہ مذکورہ صورتوں میں ''فتنہ''

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

امتناع سير المرأة على مسافة القصر خلافا للحنفية وحجتهم أن المنع المقيد بالثلاث متحقق وما عداه مشكوك فيه فيؤخذ بالمتيقن ونوقض بأن الرواية المطلقة شاملة لكل سفر فينبغي الأخذ بها وطرح ما عداها فإنه مشكوك فيه ومن قواعد الحنفية تقديم الخبر العام على الخاص وترك حمل المطلق على المقيد وقد خالفوا ذلك هنا والاختلاف إنما وقع فى الأحاديث التى وقع فيها التقييد بخلاف حديث الباب فإنه لم يختلف على بن عباس فيه (فتح البارى شرح صحيح البخارى لابنِ حجر، ج۴، ص۷۵، قوله باب حج النساء)

[1] ولا يشترط أن تكون هى والمحرم مترافقين، فلو كان أحدهما فى أول المركب والثانى فى آخره بحيث إذا احتاجت إليه أمكنها الوصول من غير مشقة كفى على الظاهر (حاشية الصاوى على الشرح الصغير، ج۲ ص۱۳، باب الحج والعمرة)

www.idaraghufran.org

سے امن حاصل ہو جاتا ہے۔

ابنِ سیرین اور حضرت عطاء کا قول بھی اسی طرح سے مروی ہے۔

مگر مذکورہ حکم صرف فرض حج کے بارے میں ہے، نفل حج اور اسی طرح حج کے علاوہ دوسرا سفر اِن حضرات کے نزدیک بھی اس سے خارج ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک عمرہ بھی فرض ہے، لہٰذا جس پر عمرہ فرض ہونے کی شرائط پائی جائیں، اس کو بھی شافعیہ کے نزدیک مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق محرم کے بغیر عمرہ پر جانا جائز ہے۔ [1]

---

[1] لا تسافر امرأة ثلاثا إلا ومعها ذو محرم ، وفی لفظ لهما فوق ثلاث، وفی لفظ للبخاری ثلاثة أيام، وفی رواية البزار لا تحج امرأة إلا ومعها ذو محرم ، وفی رواية الدارقطنی لا تحجن امرأة إلا ومعها ذو محرم .قال ابن الملک فيه دليل على عدم لزوم الحج عليها إذ لم يكن معها محرم، وبهذا قال أبو حنيفة وأحمد، وقال مالک -رحمه الله تعالى يلزمها إذا كان معها جماعة النساء ، وقال الشافعی -رحمه الله -يلزمها إذا كان معها امرأة ثقة اهـ .وقال الشمنی مذهب مالک إذا وجدت المرأة صحبة مأمونة لزمها الحج لأنه سفر مفروض كالهجرة، ومذهب الشافعی إذا وجدت نسوة ثقات فعليها أن تحج معهن، ثم قال واعلم أنه يشترط فی المرأة أيضا أن لا تكون معتدة، والمراد بالمحرم من حرم عليه نكاحها على التأبيد :بسبب قرابة أو رضاع أو مصاهرة بشرط أن يكون مكلفا ليس بمجوسی ولا غير مأمون(مرقاة المفاتيح، ج۵، ص ۱۷۴۴، كتاب المناسک)

يشترط أن يصحب المرأة فی سفر الحج زوجها أو محرم منها، إذا كانت المسافة بينها وبين مكة ثلاثة أيام، وهی مسيرة القصر فی السفر، وإلى هذا ذهب الحنفية والحنابلة.

واستدلوا بحديث ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :لا تسافر المرأة ثلاثا إلا ومعها ذو محرم.وتوسع الشافعية والمالكية فسوغوا الاستبدال بالمحرم:

ذهب الشافعية إلى أنها إن وجدت نسوة ثقات :اثنتين فأكثر تأمن معهن على نفسها كفی ذلک بدلا عن المحرم أو الزوج بالنسبة لوجوب حجة الإسلام على المرأة .وعندهم "الأصح أنه لا يشترط وجود محرم لإحداهن، لأن الأطماع تنقطع بجماعتهن .فإن وجدت امرأة واحدة ثقة فلا يجب عليها الحج، لكن يجوز لها أن تحج معها حجة الفريضة أو النذر، بل يجوز لها أن تخرج وحدها لأداء الفرض أو النذر إذا أمنت.

وزاد المالكية توسعا فقالوا :المرأة إذا لم تجد المحرم أو الزوج ولو بأجرة تسافر لحج الفرض أو النذر مع الرفقة المأمونة، بشرط أن تكون المرأة بنفسها هی مأمونة أيضا .والرفقة المأمونة جماعة مأمونة من النساء ، أو الرجال الصالحين .قال الدسوقی :وأكثر ما نقله أصحابنا اشتراط النساء ."أما حج النفل فلا يجوز للمرأة السفر له إلا مع الزوج أو المحرم فقط اتفاقا، ولا يجوز لها السفر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اورآج کل جہاز وغیرہ کے ذریعہ سے اور مختلف گروپوں کی شکل میں جو قافلے سفر کرتے ہیں، اوراس میں مختلف مرد اور عورتیں ہوتی ہیں، اور کسی فتنہ کے لازم آنے کا اندیشہ نہیں ہوتا، تو شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر عورت پر حج فرض ہو، یا شافعیہ کے نزدیک عمرہ فرض ہو، تو فرض حج یا شافعیہ کے نزدیک فرض عمرہ کے لئے عورت کو اس طرح کے سفر میں محرم کے بغیر بھی جانا ضروری ہوگا، مگر عورت کو نامحرم سے خلوت وغیرہ اختیار کرنے اور نامحرم کے سامنے کشفِ عورت سے بچنے کا اہتمام کرنا ہوگا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بغيرهما، بل تأثم به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٣٥، و٣٦، الشروط الخاصة بالنساء)

أما المرأة فلا يجب عليها الحج ولا يجوز لها السفر إلا مع محرم أو زوج، لحديث لا تسافر المرأة إلا مع ذى محرم، ولا يدخل عليها إلا ومعها محرم.

وحديث لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر مسيرة يوم وليلة ليس معها حرمة.

وهذا محل اتفاق بين الفقهاء .

وعند الحنفية والحنابلة لا تخرج إلا مع محرم أو زوج، وعند الشافعية تخرج مع محرم أو زوج أو جماعة من النساء .

وقال المالكية :إذا لم تجد المرأة محرما ولا زوجا تخرج معه، أو امتنعا من الخروج معها جاز أن تخرج للسفر الواجب مع رفقة مأمونة، وقالوا :والرفقة المأمونة رجال صالحون، أو نساء صالحات، وأولى إن اجتمعا .وقال صاحب مواهب الجليل :قال مالك :إذا أرادت المرأة الحج وليس لها ولى فلتخرج مع من تثق به من الرجال والنساء ، فإن كان ولى فأبى أن يحج معها فلا أرى بأسا أن تخرج مع من ذكرت لك .وقال أيضا :وتخرج المرأة مع المرأة الواحدة ."

أما سفر التطوع والمباح فلا يجوز لها الخروج فيه إلا مع محرم أو زوج .وقيد الباجى من المالكية المنع بالعدد القليل من الرفقة .أما القوافل العظيمة فهى كالبلاد فيجوز فيها سفرها، دون نساء أو محارم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٢، ص ٢٩٩ و ٣٠٠، مادة "رفقة")

عن ابن سيرين ، أنه قال :تخرج فى رفقة فيها رجال ونساء (مُصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث١٥٣٩٨)

عن عطاء قال :تحج مع رفقة فيها رجال ونساء وتتخذ سلما تصعد عليه ، ولا يقربها الكرى(مصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث ١٥٣٩٩)

العلة الأمن من الوقوع فى الفتنة وبالنظر إلى العلة عمم الشافعى الحكم فى جواز سفر المرأة فى كل صورة تأمن على نفسها على أحد أقواله(الكواكب الدرارى فى شرح صحيح البخارى،لمحمد بن يوسف ، شمس الدين الكرمانى،ج٩،ص٥٧،كتاب جزاء الصيد،باب حج النساء)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

واجب اور تطوع سفر میں مالکیہ کا قول

مالکیہ کے نزدیک فرض حج کے علاوہ جو سفر عورت پر واجب ہو، وہ مامون ثقہ رفیق عورتوں کے قافلہ کے ساتھ کرنا جائز ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومن الأدلة على جواز سفر المرأة مع النسوة الثقات إذا أمن الطريق أول أحاديث الباب لاتفاق عمر وعثمان وعبد الرحمن بن عوف ونساء النبى صلى الله عليه وسلم على ذلك وعدم نكير غيرهم من الصحابة عليهن فى ذلك ومن أبى ذلك من أمهات المؤمنين فإنما أباه من جهة خاصة كما تقدم لا من جهة توقف السفر على المحرم ولعل هذا هو النكتة فى إيراد البخارى الحديثين أحدهما عقب الآخر(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج۴،ص ۷۶،قوله باب حج النساء)

فيه منع الخلوة بالأجنبية وهو إجماع لكن اختلفوا هل يقوم غير المحرم مقامه فى هذا كالنسوة الثقات والصحيح الجواز لضعف التهمة به وقال القفال لا بد من المحرم وكذا فى النسوة الثقات فى سفر الحج لا بد من أن يكون مع إحداهن محرم ويؤيده نص الشافعى أنه لا يجوز للرجل أن يصلى بنساء مفردات إلا أن تكون إحداهن محرما له(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج۴،ص۷۷،قوله باب حج النساء)

ثم اعتبار العدد بالنسبة للوجوب الذى كلامنا فيه، أما بالنسبة لجواز خروجها فلها ذلك مع واحدة لفرض الحج كما فى شرحى المهذب ومسلم، ومثله العمرة، وكذا وحدها إذا أمنت، وعليه حمل ما دل من الأخبار على جواز سفرها وحدها (نهاية المحتاج الى شرح المنهاج، ج۳، ص ۲۵۰، كتاب الحج، باب ما يشترط فى وجوب نسك المرأة)

وجه قول ابى حنيفة فى اشتراط مسافة ثلاثة ايام حديث ابن عمر عن النبى صلى الله عليه وسلم قال لا تسافر المرأة ثلاثا الا معها ذو محرم -متفق عليه وفى رواية لمسلم لا يحل لامراة تؤمن بالله واليوم الاخر تسافر مسيرة ثلاث ليال الا ومعها ذو محرم -وفى رواية فوق ثلاث وفى الباب مقيدا بثلاثة ايام حديث ابى هريرة رواه مسلم والطحاوى -وفى رواية للطحاوى فوق ثلاث ليال- وحديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده بلفظ ثلاثة ايام رواه الطحاوى -وحديث ابى سعيد الخدرى رواه مسلم والطحاوى بلفظ ثلاثة ايام فصاعدا -وفى رواية لمسلم بلفظ فوق ثلاث وبلفظ اكثر من ثلاث -وقال احمد التقييد بالثلاث او اكثر من الثلاث اتفاقى مع ان المفهوم غير معتبر عند ابى حنيفة فكيف يستدل به على اباحة السفر فيما دون ذلك ولو كان احترازيا لتعارض رواية ثلاث برواية فوق ثلاث ووجه قول احمد فى المنع فى ما دون الثلاث انه وقع فى الصحيحين حديث ابى هريرة بلفظ مسيرة يوم وليلة وفى رواية لمسلم مسيرة يوم وفى لفظ له مسيرة ليلة وفى حديث ابى سعيد الخدرى عند مسلم وغيره مسيرة يومين وعند الطحاوى مسيرة ليلتين وفى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض مالکیہ کے نزدیک جو سفر بڑے قافلوں اور آباد علاقوں میں کیا جائے، جہاں نہ تو کشفِ عورت کی خرابی اور نہ ہی عورت کی نامحرموں سے خلوت لازم آتی ہو، اور نامحرم لوگوں اور خود عورت کی طرف سے بھی فتنہ لازم نہ آتا ہو، وہاں عورت کو بغیر محرم کے غیر واجب یعنی مندوب اور مباح سفر کرنا بھی جائز ہے، جس میں نفلی حج وغیرہ کا سفر بھی داخل ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک ممانعت کی اصل علت ''فتنہ'' ہے، اور اس کا جس صورت میں ازالہ ہو جائے، خواہ محرم کے بغیر مامون قافلہ اور ثقہ عورتوں کے ہمراہ ہونے یا مامون و آباد علاقہ میں سفر کی وجہ سے، اور نامحرم کے ساتھ خلوت لازم نہ آتی ہو، اور نہ ہی نامحرم کے سامنے کشفِ عورت کی خرابی لازم آتی ہو، تو ممانعت کا حکم مرتفع ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حديث ابى هريرة عند ابى داود والطحاوى لا تسافر المرأة بريدا الا مع زوج او ذى رحم محرم ورواه ابن حبان فى صحيحه والحاكم وقال صحيح على شرط مسلم -وللطبرانى فى معجمه ثلاثة أميال فظهران التقييد بيوم او يومين او ثلاثة ايام ليس الا تمثيلا لاقل الاعداد واليوم الواحد أول العدد واقله والبريد مرحلة واحدة غالبا والاثنان أول الكثير واقله والثلاث أول الجمع واقله وقد ورد من الأحاديث بلا تقييد منها حديث ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تسافر المرأة الا مع ذى محرم ولا يدخل عليها رجل الا ومعها محرم فقال رجل يا رسول الله انى أريد ان اخرج فى جيش كذا وكذا وامراتى تريد الحج قال اخرج معها -متفق عليه -وفى الباب حديث ابى سعيد الخدرى وابى هريرة.

وقال الشافعى جاز للمرء ة ان تخرج للحج مع نساء ثقات وفى رواية مع امراة واحدة ثقة وإذا خرجت مع نساء ثقات يشترط ان يكون مع إحداهن ذو محرمها -وفى المنهاج انه لا يشترط ذلک وفى رواية عن الشافعى جاز لها الخروج من غير نساء وقال مالک لتخرج للحج جماعة من النساء ان كان الطريق أمنا(التفسير المظهرى، ج۲، ص۹۸، سورة ال عمران)

[1] اور شیخ تقی الدین کے نزدیک ہر سفر طاعت کا مامون عورت کے ہمراہ کرنا جائز ہے۔

وألحق المالكية بالحج سفرها الواجب، فيجوز لها أن تسافر مع الرفقة المأمونة من النساء الثقات فى كل سفر يجب عليها.

قال الباجى :ولعل هذا الذى ذكره بعض أصحابنا إنما هو فى الانفراد والعدد اليسير، فأما فى القوافل العظيمة والطرق المشتركة العامرة المأمونة فإنها عندى مثل البلاد التى يكون فيها الأسواق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

سفرِ زمانی کے معتبر ہونے کا قول اور اس کا نتیجہ

بعض حضرات کے نزدیک عورت کو محرم کے بغیر سفر کی ممانعت میں سفرِ زمانی کا اعتبار ہے، سفرِ مکانی کا اعتبار نہیں، یعنی جس سفر میں ایک دن اور ایک رات یا دو دن اور دو راتیں یا تین

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والتجار فإن الأمن يحصل لها دون ذى محرم ولا امرأة، وقد روى هذا عن الأوزاعى .قال الحطاب: وذكره الزناتى فى شرح الرسالة على أنه المذهب فيقيد به كلام غيره .أما سفرها فى التطوع فلا يجوز إلا مع زوج أو محرم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص ۳۷، مادة "سفر")

(الخامس) حكم سفرها الواجب جميعه حكم سفرها لحج الفريضة فى الخروج مع الرفقة المأمونة قاله القاضى عبد الوهاب وغيره وتقدم فى كلام ابن رشد والتلمسانى عن الأبهرى إشارة إلى ذلك وذلك كسفرها لحجة النذر والقضاء وكل سفر يجب عليها وفى قول المصنف بفرض إشارة إلى ذلك فعبارته أحسن من قول صاحب الرسالة إلا فى حج الفريضة خاصة.

(السادس)فهم من قول المصنف بفرض أن سفرها فى التطوع لا يجوز إلا بزوج أو محرم وهو كذلك فيما كان على مسافة يوم وليلة فأكثر وسواء كانت شابة أو متجالة وقيد ذلك الباجى بالعدد القليل ونصه :هذا عندى فى الانفراد والعدد اليسير فأما فى القوافل العظيمة فهى عندى كالبلاد يصح فيها سفرها دون نساء وذوى محارم انتهى، ونقله عنه فى الإكمال وقبله ولم يذكر خلافه وذكره الزناتى فى شرح الرسالة على أنه المذهب فيقيد به كلام المصنف وغيره ونص كلام الزناتى إذا كانت فى رفقة مأمونة ذات عدد وعدد أو جيش مأمون من الغلبة والمحلة العظيمة فلا خلاف فى جواز سفرها من غير ذى محرم فى جميع الأسفار الواجب منها والمندوب والمباح من قول مالك وغيره إذ لا فرق بين ما تقدم ذكره وبين البلد هكذا ذكره القابسى انتهى(منهج الجليل فى شرح مختصر خليل ج۲ ص ۵۲۴، باب الحج)

وعن الأوزاعى أن القوافل العظيمة والطرق العامرة، مثل البلاد فيها الأسواق والتجار يحصل الأمن لها دون محرم أو امرأة(التوضيح لشرح الجامع الصحيح،لابن الملقن،ج۱۲ ،ص ۴۸۴،باب حج النساء)

(مسألة) ولعل هذا الذى ذكره بعض أصحابنا إنما هو فى حال الانفراد والعدد اليسير فأما القوافل العظيمة والطرق المشتركة العامرة المأمونة فإنها عندى مثل البلاد التى يكون فيها الأسواق والتجار فإن الأمن يحصل لها دون ذى محرم ولا امرأة وقد روى هذا عن الأوزاعى(المنتقى شرح الموطإ،لابى الوليد سليمان التجيبى القرطبى الباجى الأندلسى ،ج۳،ص ۸۲،حج المرأة بغير ذى محرم)

ويمكن أن يقال :إن المنع فى هذه الأحاديث إنما خرج لما يؤدى إليه من الخلوة ، وانكشاف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دن اور تین راتیں یا اس سے زیادہ کا وقت خرچ ہوتا ہو، تو اسی صورت میں محرم کے بغیر سفر کی ممانعت ہے، اگر اس سے کم وقت خرچ ہوتا ہو، تو ممانعت نہیں۔

حنفیہ کی ظاہر الروایۃ میں تین دن اور تین رات کے عرصہ کو "سیرِ ابل" اور "مشیِ اقدام" کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، دوسرے ذرائع سے سفر کرنے کے لئے معیار، اسی کو قرار دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عوراتهن غالبا ، فإذا أمن ذلك بحيث يكون فى الرفقة نساء تنحاش إليهن جاز ، كما قاله الشافعى ، ومالك . وأما مع الرجال المأمونين ففيه إشكال ؛ لأنه مظنة الخلوة ، وكشف العورة . وقد أقام الشرع المظنة مقام العفة فى غير ما موضع . والله تعالى أعلم (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، لابى العبّاس أحمَدُ بنُ الشيخ الأنصاريُّ القرطبيُّ، ج ١ ١، ص ٦، ومن باب ما جاء أن المحرم من الاستطاعة)

قال القرطبى : يمكن أن المنع إنما خرج لما يؤدى إليه من الخلوة، وانكشاف عوراتهن غالبا، فإذا أمن ذلك بحيث يكون فى الرفقة نساء تنحاش إليهن كما قال مالك والشافعى، قال الباجى : وهذا عندى فى الانفراد والعدد اليسير، فأما فى القوافل العظيمة، فهى كالبلاد يصح فيها سفرها دون نساء ، ودون محرم، انتهى (شرح الزرقانى على موطأ الإمام مالك، ج ۴، ص ٦٢٣، فى الوحدة فى السفر للرجال والنساء)

واختار الشيخ تقى الدين : تحج كل امرأة آمنة مع عدم المحرم، وقال : هذا متوجه فى كل سفر طاعة (المبدع فى شرح المقنع، لإبن مفلح، ج ٣، ص ٩٥، كتاب المناسك)

[1] وأشار المصنف إلى أنه لا اعتبار بالفراسخ، وهو الصحيح؛ لأن الطريق لو كان وعرا بحيث يقطع فى ثلاثة أيام أقل من خمسة عشر فرسخا قصر بالنص، وعلى التقدير بها لا يقصر فيعارض النص فلا يعتبر سوى سير الثلاثة، وفى النهاية الفتوى على اعتبار ثمانية عشر فرسخا، وفى المجتبى فتوى أكثر أئمة خوارزم على خمسة عشر فرسخا اهـ.

وأنا أتعجب من فتواهم فى هذا وأمثاله بما يخالف مذهب الإمام خصوصا المخالف للنص الصريح (البحر الرائق، ج ٢، ص ١٤٠، باب صلاة المسافر)

(قوله ولا اعتبار بالفراسخ) الفرسخ ثلاثة أميال والميل أربعة آلاف ذراع على ما تقدم فى باب التيمم (قوله على المذهب) لأن المذكور فى ظاهر الرواية . اعتبار ثلاثة أيام كما فى الحلية وقال فى الهداية : هو الصحيح احترازا عن قول عامة المشايخ من تقديرها بالفراسخ (رد المحتار، ج ٢، ص ١٢٣، باب صلاة المسافر)

أناط الفقهاء بالمراحل السفر المثبت للرخص كالقصر فى الصلاة وجمع الصلوات

وقد ذهب الجمهور إلى أن السفر المثبت للرخص ما كان قدر مرحلتين وقدروه بستة عشر فرسخا، أو أربعة برد، أو ثمانية وأربعين ميلا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھر سفرِ زمانی کے قول کے مطابق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سفر کے دوران تو وقت مذکورہ مقدار (مثلاً ایک دن ایک رات، یا دو دن دو رات، یا تین دن اور تین رات) سے کم خرچ ہوتا ہو، لیکن عورت جس منزل پر پہنچنا چاہتی ہے، وہاں اگر اس کا محرم نہیں، تو کیا وہاں پہنچنے کے بعد اور قیام کے عرصہ کو بھی سفر میں شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الدردير :وهى -أى مسافة السفر -باعتبار الزمان مرحلتان أى سير يومين معتدلين .وقال الدسوقى :فالعبرة بالأربعة البرد وقال النووى :وطويل السفر ثمانية وأربعون ميلا هاشمية، قال وهو مرحلتان بسير الأثقال .

وقال المقدسى :يبلغ سفره ذهابا ستة عشر فرسخا تقريبا .وهى يومان .

أما الحنفية فقد نصوا على أن مسافة السفر المثبت للرخص هى ثلاث مراحل.

قال ابن عابدين :التقدير بثلاث مراحل قريب من التقدير بثلاثة أيام ، ولا عبرة عند جمهور الحنفية للمسافة، بل العبرة للزمن فقط على المذهب، وقال الحصكفى :ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب.

فالمرحلة من حيث المسافة عند الجمهور تساوى أربعة وعشرين ميلا هاشميا، أو بريدين، أو ثمانية فراسخ، وكلها متساوية.

وعند الحنفية المرحلة ستة فراسخ، وقيل خمسة فراسخ، وقيل سبعة فراسخ، والفتوى على الأول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٨، ص٣٢٣، و٣٢٤، ما يناط بالمرحلة من الأحكام الشرعية،مادة "المرحلة")

ومسح ثلاثة أيام ولياليها على الخف، فعم النبى صلى الله عليه وسلم برخصة المسح ثلاثة أيام جنس المسافرين ;لأن اللام فى المسافر للاستغراق لعدم المعهود المعين، ومن ضرورة عموم الرخصة الجنس، حتى إنه يتمكن كل مسافر من مسح ثلاثة أيام لكل سفر، فالحاصل أن كل مسافر يمسح ثلاثة أيام، فلو كان السفر الشرعى أقل من ذلك لثبت مسافر لا يمكنه مسح ثلاثة أيام، وقد كان كل مسافر يمكنه ذلك، ولأن الرخصة كانت منتفية بيقين، فلا تثبت إلا بيقين ما هو سفر فى الشرع، وهو فيما عيناه إذا لم يقل أحد بأكثر منه(مرقاة المفاتيح، ج٢ ص٤٧٣، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين)

نهى المرأة عن السفر وحدها متعلق بالزمان فلو قطعت مسيرة ساعة واحدة مثلا فى يوم تام لتعلق بها النهى بخلاف المسافر فإنه لو قطع مسيرة نصف يوم مثلا فى يومين لم يقصر (فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج٢،ص٥٦٧،قوله باب فى كم يقصر الصلاة)

والنهى للمرأة من السير وحدها متعلق بالزمان، فلو قطعت مسيرة ساعة واحدة مثلا فى يوم تام تعلق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

البتہ اگر اس سلسلہ میں مسافر ومقیم ہونے کے قاعدہ پر قیاس کیا جائے، تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ سفر مکمل ہونے کے بعد اگر یہ عورت اس منزل پر پہنچ کر شرعی اعتبار سے مقیم ہو جاتی ہے، مثلاً سفر ختم ہونے کے بعد جس جگہ پہنچنا اور قیام کرنا ہے، وہ جگہ اس کا وطنِ اصلی ہے یا وطنِ اقامت ہے یا وہاں حنفیہ کی تحقیق کے مطابق کم از کم مدتِ اقامت یعنی پندرہ راتیں یا اس سے زیادہ قیام کرنے کا ارادہ ہے، تو پھر اس عرصہ کو سفر میں شمار نہیں کیا جائے گا، اور ممانعت نہیں ہوگی، کیونکہ منزل پر پہنچ کر اس کو مقیم ہونے کا حکم حاصل ہو چکا ہے، اور ممانعت کی علت جو کہ سفر تھی، وہ باقی نہیں رہی۔

مگر اس کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ وہاں قیام کے دوران کسی نامحرم کے ساتھ خلوت لازم نہ آتی ہو، اور نہ ہی کشفِ عورت یا کوئی دوسرا فتنہ لازم آتا ہو۔

اگر یہ عورت اس منزل پر پہنچ کر مسافر رہتی ہے، مثلاً وہ جگہ نہ تو اس کا وطنِ اصلی ہے اور نہ وطنِ اقامت ہے، اور نہ ہی وہاں پندرہ راتیں یا اس سے زیادہ قیام کا ارادہ ہے، تو پھر اس

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بها النهى، بخلاف المسافر، فإنه لو قطع مسيرة نصف يوم مثلا فى يومين لم يقصر(إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى، ج۲،ص ۲۹۲،باب فى كم يقصر الصلاة؟)

الحكم فى نهى المرأة عن السفر وحدها متعلق بالزمان فلو قطعت مسيرة ساعة واحدة فى يوم لتعلق بها النهى، بخلاف المسافر لو قطع مسيرة نصف يوم فى يومين مثلا لم يقصر(شرح الزرقانى على الموطأ، ج ۱ ص ۵۱۵، كتاب قصر الصلاة فى السفر،باب ما يجب فيه قصر الصلاة)

الحكم فى نهى المرأة عن السفر وحدها متعلق بالزمان، فلو قطعت مسيرة ساعة واحدة مثلاً فى يوم تام لتعلق بها النهى، بخلاف المسافر، فإنه لو قطع مسيرة نصف يوم مثلاً فى يومين لم يقصر (شرح مختصر الخرقى،كتاب الصلاة ،باب :صلاة المسافر)

ثم اختلف العلماء فى مدة السفر التى تتعلق بها الرخصة،قال علماؤنا ثلاثة أيام ولياليها بسير الإبل ومشى الأقدام هذا جواب ظاهر الرواية،وروى الحسن عن أبى حنيفة وابن سماعة عنهما أنه مقدر بيومين وأكثر اليوم الثالث.

وقال الشافعى فى قول مقدر بمسيرة يومين،وفى قول ستة وأربعون ميلا كل ميل ثلث فرسخ.

وقال بعض الناس إنه مقدر بمسيرة يوم وليلة،وأصل ذلك قول النبى عليه السلام يمسح المقيم يوما وليلة والمسافر ثلاثة أيام ولياليها(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۱۴۷، ۱۴۸ ،باب صلاة المسافر)

www.idaraghufran.org

عرصہ کو بھی سفر میں شمار کیا جائے گا، اور وقتِ سفر کو ملا کر مجموعی طور پر یہ عرصہ مثلاً تین دن تین رات یا اس سے زیادہ کا بن جاتا ہو، تو ممانعت ہوگی، کیونکہ فقہائے کرام کے نزدیک اس عورت کو منزل پر پہنچنے کے بعد بھی مسافر ہونے کا حکم حاصل رہتا ہے، اور محرم کے بغیر ممانعت کی علت سفر تھی، جو کہ اب بھی باقی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

---

[1] ملحوظ رہے کہ جب کوئی مسافر ہو، اور وہ کسی ایسی جگہ قیام کرے اور ٹھہرے کہ جو اس کا وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت نہیں، تو کتنی مدت قیام کرنے اور ٹھہرنے سے وہ مقیم شمار ہوتا ہے؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک شرعی اقامت کی مدت کم از کم پندرہ راتیں ہے۔

جبکہ دیگر جمہور فقہائے کرام (مالکیہ، شافعیہ وحنابلہ) کے نزدیک چار دن ہے، البتہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک چار دن سے زیادہ یعنی کم از کم پانچ دن ہے۔

ولا يـزال عـلـى حـكـم السفر حتى يدخل مصره أو ينوى الإقامة خمسة عشر (ف) يـومـا فى مصر أو قـرية، وإن نـوى أقـل مـن ذلـك فهـو مسـافـر وإن طـال مـقامه (المختار، ج ا، ص ٧٩، باب صلاة المسافر)

قال :(ولا يـزال عـلـى حـكـم السفر حتى يدخل مصره أو ينوى الإقامة خمسة عشر يوما فى مصر أو قرية) لأن السـفـر إذا صـح لا يتـغـيـر حكمه إلا بالإقامة، والإقامة بالنية أو بدخول وطنه؛ لأن الإقامة تـرك الـسـفـر، فإذا اتصل بالنية أتم، بخلاف المقيم حيث لا يصير مسافرا بالنية؛ لأن السفر إنشاء الـفـعـل فلا يصير فاعلا بالنية .وأمـا دخـول وطـنـه فـلأن الإقامة للارتفاق وأنه يحصل بوطنه من غير نية(الاختيار لتعليل المختار، ج ا، ص ٧٩ و ٨٠، باب صلاة المسافر)

(ولا يـزال عـلـى حـكـم السفر حتى ينوى الإقامة فى بلدة أو قرية خمسة عشر يوما أو أكثر (هدايه ، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

ولا يزال على حكم السفر حتى يدخل وطنه أو ينوى مدة الإقامة ببلد آخر أو قرية وهى خمسة عشر يوما أو أكثر (ملتقى الابحر، ج ا، ص ٢٤٠، باب المسافر)

ولا يـزال عـلـى حـكـم الـسـفـر حـتـى يـنـوى الإقـامة فـى بـلـد خمسة عشر يوما فصاعدا (المختصر للقدورى، ج ا، ص ١٧ ،باب صلاة المسافر)

ثانيا :السفر:يشترط فى السفر المرخص فى الفطر ما يلى:

أ -أن يكون السفر طويلا مما تقصر فيه الصلاة قال ابن رشد :وأما المعنى المعقول من إجازة الفطر فـى السفر فهو المشقة، ولما كانت لا توجد فى كل سفر، وجب أن يجوز الفطر فى السفر الذى فيه المشقة، ولـما كان الصحابة كأنهم مجمعون على الحد فى ذلـك، وجب أن يقاس ذلـك على الحد فى تقصير الصلاة .

ب -أن لا يـعـزم المسافر الإقامة خلال سفره مدة أربعة أيام بلياليها عند المالكية والشافعية، وأكثر مـن أربـعـة أيـام عـنـد الحنابلة، وهى نصف شهر أو خمسة عشر يوما عند الحنفية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٨، ص٤٧، مادة "صوم")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

البتہ اگر کوئی عورت محرم کے بغیر سفر کرے، اور مذکورہ مقدار کا سفرِ زمانی طے کرنے سے پہلے اس کے ساتھ اس کا محرم لاحق ہوجائے، تو پھر مذکورہ دونوں صورتوں میں یعنی یہ عورت مسافر ہو یا مقیم، تین دن اور تین راتوں کا مطلق سفرِ زمانی مراد لینے کی صورت میں ممانعت نہیں ہوگی، کیونکہ مذکورہ سفرِ زمانی پورا ہونے سے پہلے محرم کے بغیر ہونے کی وجہ ختم ہوچکی ہے، اور گویا کہ یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ کوئی عورت سفر کی مخصوص مقدار سے کم کا سفر محرم کے بغیر کرے، جو اس موقف کے مطابق جائز ہے۔

اس بناء پر اگر کوئی عورت مثلاً جہاز میں سفر کرتی ہے، اور مذکورہ مقدار کا سفر کرنے سے پہلے دوسری طرف سے اس کا محرم اس کے ساتھ لاحق ہوجاتا ہے، تو مذکورہ قول کے مطابق اس میں ممانعت نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

سفرِ مکانی کے معتبر ہونے کا قول اور اس کا نتیجہ

مذکورہ حکم تو اس صورت میں تھا، جبکہ ممانعت کی علت مخصوص سفرِ زمانی کو قرار دیا جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾مسألة :قال :(وإذا نوى المسافر الإقامة في بلد أكثر من إحدى وعشرين صلاة، أتم) المشهور عن أحمد -رحمه الله -أن المدة التي تلزم المسافر الإتمام بنية الإقامة فيها، هي ما كان أكثر من إحدى وعشرين صلاة .رواه الأثرم، والمروذي، وغيرهما، وعنه أنه إذا نوى إقامة أربعة أيام أتم، وإن نوى دونها قصر .وهذا قول مالك، والشافعي، وأبي ثور؛ لأن الثلاث حد القلة، بدليل قول النبي -صلى الله عليه وسلم :-يقيم المهاجر بعد قضاء منسكه ثلاثا .ولما أجلى عمر -رضي الله عنه -أهل الذمة، ضرب لمن قدم منهم تاجرا ثلاثا، فدل على أن الثلاث في حكم السفر، وما زاد في حكم الإقامة .ويروى هذا القول عن عثمان -رضي الله عنه .-وقال الثوري، وأصحاب الرأي :إن أقام خمسة عشر يوما مع اليوم الذي يخرج فيه أتم، وإن نوى دون ذلك قصر(المغني لابن قدامة، ج٢،ص ٢١٢، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

الذي يجوز للمسافر إذا أقام فيه في بلد أن يقصر فاختلاف كثير حكى فيه أبو عمر نحوا من أحد عشر قولا، إلا أن الأشهر منها هو ما عليه فقهاء الأمصار، ولهم في ذلك ثلاثة أقوال :أحدها: مذهب مالك، والشافعي أنه إذا أزمع المسافر على إقامة أربعة أيام أتم .والثاني :مذهب أبي حنيفة، وسفيان الثوري أنه إذا أزمع على إقامة خمسة عشر يوما أتم.

والثالث :مذهب أحمد، وداود أنه إذا أزمع على أكثر من أربعة أيام أتم(بداية المجتهد، ج١،ص١٨٠، كتاب الصلاة،الباب الرابع في صلاة السفر،الفصل الأول في القصر)

www.idaraghufran.org

جبکہ بعض فقہاء نے سفر کے حکم کا دارومدار سفرِ زمانی کے بجائے، سفرِ مکانی پر رکھا ہے، جس کی مشہور مقدار ۴۸ میل کو قرار دیا ہے، جس پر کہ آج کل عام طور پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

اس قول کی رُو سے عورت کو محرم کے بغیر اڑتالیس (۴۸) میل سے کم کا سفر تو فی نفسہٖ جائز ہے، اور اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ کا سفر جائز نہیں۔ [1]

لیکن سفر کے احکام کا آغاز چونکہ اپنے وطنِ اقامت کی حدود سے نکل کر ہوتا ہے، جس کی بناء پر کوئی عورت اگر محرم کے بغیر اپنے وطنِ اقامت میں ۴۸ میل یا اس سے زیادہ کی مسافت طے کر لے، جیسا کہ بڑے شہروں کے اندر یہ صورتِ حال ہوتی ہے، تو مذکورہ قول کے مطابق اس کے لئے ممانعت نہیں ہوگی، اور اسی طرح اگر یہ عورت اپنے وطنِ اقامت سے باہر جانا چاہتی ہے، اور وطنِ اقامت سے باہر ۴۸ میل طے کرنے سے پہلے اس کے ساتھ اس کا محرم

---

[1] ومسافة القصر فی المذهب مسيرة ثلاثة أيام ولياليها. ثم حولوها إلى التقدير بالمنازل، فاختلفوا فيه على أقوال: منها ستة عشر فرسخا. كل فرسخ ثلاثة أميال، فتلك ثمانية وأربعون ميلا، كمافی الحديث. وبه أفتى لكونه مذهب الآخرين(فيض البارى على صحيح البخارى، ج ۲، ص ۵۳۴، باب فی كم يقصر الصلاة وسمى النبى - صلى الله عليه وسلم - يوما وليلة سفرا)

ومن مشايخنا من قدره بخمسة عشر فرسخا وجعل لكل يوم خمس فراسخ، ومنهم من قدره بثلاث مراحل.

وقال مالك: أربعة برد كل بريد اثنا عشر ميلا، واختلفت أقوال الشافعى فيه، قيل: ستة وأربعون ميلا وهو قريب من قول بعض مشايخنا؛ لأن العادة أن القافلة لا تقطع فی يوم أكثر من خمسة فراسخ، وقيل: يوم وليلة.

وهو قول الزهرى والأوزاعى، وأثبت أقواله أنه مقدر بيومين(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۹۳، كتاب الصلاة، فصل بيان مايصير به المقيم مسافرا)

”ولكن لما كان مسافة ثلاثة ايام لايقدر العوام على تحديدها وضبطها بل تختلف ظنونهم فی ذالک قدرها المشائخ بالفراسخ والفتوىٰ على خمسة عشر منها كما تقدم فانها اربعة برد اونحوها وقد وردهذا التحديد عن ابن عباس وغيره وورد ذالک مرفوعا ايضا وان كان ضعيفا واختاره مالک فافتى المتاخرون منها تسهيلا للعوام فان اربعة برد هی قدرمسافة ثلاثة ايام تقريبا(اعلاء السنن ج ۷ ص ۲۸۴، ابواب صلاة المسافر، باب مسافة القصر))

لاحق ہوجاتا ہے، تب بھی مذکورہ قول کے مطابق ممانعت نہیں ہوگی۔ [1]

شابہ اور عجوزہ کا فرق

ملحوظ رہے کہ اکثر فقہائے کرام نے محرم کے بغیر سفر کی ممانعت کا حکم بیان کرتے وقت شابہ اور عجوزہ میں فرق نہیں کیا، بلکہ احادیث میں مطلق ''امرأۃ'' کے الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے اس حکم میں شابہ کے ساتھ عجوزہ کو بھی شامل کیا ہے۔

البتہ بعض مشائخِ مالکیہ نے ایسی معمر عجوزہ کو کہ جو محلِ شہوت نہ ہو، اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ [2]

---

[1] ولا بـد من اقتران النية بالفعل؛ لأن السفر الشرعي لا بد فيه من نية السفر كما تقدم، ولا تعتبر النية إلا إذا كانت مقارنة للفعل، وهو الخروج؛ لأن مجرد قصد الشيء من غير اقتران بالفعل يسمى عـزمـا، ولا يسـمـى نية، وفـعـل السفر لا يتحقق إلا بعد الخروج من المصر، فما لم يخرج لا يتحقق قران النية بالفعل، فلا يصير مسافرا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧ ص ٢٦٩، مادة " صلاة المسافر")
مـادام فـى الـمـصـر فهـو نـاوى الـسـفـر لا مسـافر(المبسوط للسرخسي، ج ا ص ٤٠٣،باب صلاة المسافر)

[2] وظـاهـر الـحـديـث شـمـولـه للشابة والمتجالة وقيده بعض الشيوخ لابن رشد بالشابة، وأما الـمـتـجالة فيجوز لها ذلک، وينبغي حمله على التى انقطع أرب الرجال منها جملة وسافرت مع من مثـلـه لا يتوهم ميله إليها(الفواكه الدوانى على رسالة ابن أبى زيد القيروانى، ج٢ ص٣٣٧، باب فى السلام والاستئذان والتناجى)

(ولا ينبغي) بمعنى لا يحل (أن تسافر المرأة) الشابة (مع غير ذى محرم منها سفر يوم وليلة فأكثر) والأصـل فـى هذا ما فى الصحيحين أنه -صـلـى الله عليه وسلم -قال :لا يـحـل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر مسيرة يوم وليلة إلا ومعها ذو محرم .

وفي رواية :إلا مع ذى محرم .ثـم استثنى من ذلک مسألة فقال :(إلا فـى حج الفريضة خاصة فى قـول مالک) فـإن لهـا أن تسـافـر مـع غيـر ذى مـحرم لكن بشرط أن تكون (فى رفقة) بـضم الراء وكسرها (مأمونة) مـن الـمسلمين، فإن لم تجد رفقة مأمونة لا يجوز لها ذلک، ثم بالغ على سفرها مـع الـرفـقـة المأمونة فقال :(وإن لـم يـكـن معها ذو محرم فذلک لها) وقـيـدنـا بالشابة احترازا من الـمـتـجـالـة فـإنها يجوز لها ذلک(كفاية الطالب الربانى مع حاشية العدوى ، ج٢ ص٤٨٨،باب فى بيان حكم السلام)

وقال صاحب المحرر :وعنه رواية رابعة :لا يشترط المحرم في القواعد من النساء اللاتى لا يخشى منهن ولا عليهن فتنة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر اس قول کی متعدد حضرات نے تردید فرمائی ہے، اور فرمایا کہ ''لکل ساقطة لاقطة'' [1]

لیکن اگر اس پر غور کیا جائے کہ متعدد فقہائے کرام نے بعض مسائل میں عجوزہ اور شابہ میں فرق کیا ہے، مثلاً شابہ اور عجوزہ کے مساجد میں جانے اور سلام وکلام وغیرہ کرنے اور خلوت لازم آنے میں، اس لئے بعض مشائخِ مالکیہ کے اس سلسلہ میں عجوزہ کے بیان کردہ فرق کی بنیاد کو کمزور قرار نہیں دیا جاسکتا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سئل فی رواية المروذی عن امرأة عجوز كبيرة ليس لها محرم ووجدت قوما صالحين فقال :إن تولت هی النزول والركوب ولم يأخذ رجل بيدها فأرجو لأنها تفارق غيرها فی جواز النظر إليها , للأمن من المحذور ,فكذا هنا ,كذا قال فأخذ من جواز النظر الجواز هنا ,فتلزمه فی شابة قبيحة وفی كل سفر والخلوة ,كما يأتی فی آخر العدد ,مع أن الرواية فيمن ليس لها محرم .وقال بعض المالكية كما قاله صاحب المحرر.

وعند شيخنا :تحج كل امرأة آمنة مع عدم المحرم ,وقال :إن هذا متوجه فی كل سفر طاعة ,كذا قال ,ونقله الكرابيسی عن الشافعی فی حجة التطوع ,وقاله بعض أصحابه فيه وفی كل سفر غير واجب ,كزيارة وتجارة ,وقاله الباجی المالكی فی كبيرة غير مشتهاة ,وذكر أبو الخطاب رواية المروذی ثم قال :وظاهره جواز خروجها بغير محرم ,ذكره شيخنا فی مسألة العجوز تحضر الجماعة ,هذا كلامه(كتاب الفروع،لمحمد بن مفلح المقدسی الحنبلی ،ج۵،ص۲۴۵،فصل : ويشترط للمرأة محرم)

[1] (قوله :احترازا من المتجالة) أی التی لا تشتهی تسافر فی كل الأسفار بلا زوج ولا محرم.

قال ابن دقيق العيد :وهو تخصيص للعموم بالنظر للمعنى.

وقال القرطبی :فيه بعد لأن الخلوة بها حرام وما لا يطلع عليه من جسدها غالبا عورة فالمظنة موجودة فيها، والعموم صالح لها فينبغی أن لا تخرج منه.

وقال النووی :المرأة مظنة الطمع فيها ومظنة الشهوة ولو كبيرة، وقد قالوا :لكل ساقطة لاقطة ويجتمع فی الأسفار من سفهاء الناس وسقطهم من لا يرتفع عن الفاحشة بالعجوز وغيرها لغلبة شهوته وقلة دينه ومروء ته وحيائه ونحو ذلك (حاشية العدوی علىٰ كفاية الطالب الربانی ، ج۲ ص۴۸۸،باب فی بيان حكم السلام)

[2] ذهب الشافعية وصاحبا أبی حنيفة إلى أن المرأة إذا أرادت حضور المسجد للصلاة، إن كانت شابة أو كبيرة تشتهی كره لها، وكره لزوجها ووليها تمكينها منه، وإن كانت عجوزا لا تشتهی فلها الخروج بإذن الزوج إلى الجماعات فی جميع الصلوات دون كراهة .

ومثله مذهب أبی حنيفة بالنسبة للشابة، أما العجوز فإنها تخرج عنده فی العيدين والعشاء والفجر فقط، ولا تخرج فی الجمعة والظهر والعصر والمغرب .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ مذکورہ عجوزہ کی طرف میلان کم پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكره متأخرو الحنفية خروجها مطلقا لفساد الزمن .

أما المالكية فالنساء عندهم على أربعة أقسام :عجوز انقطعت حاجة الرجال عنها، فهذه تخرج للمسجد، وللفرض، ولمجالس العلم والذكر، وتخرج للصحراء فى العيد والاستسقاء ، ولجنازة أهلها وأقاربها، ولقضاء حوائجها، ومتجالة (مسنة) لم تنقطع حاجة الرجال منها بالجملة، فهذه تخرج للمسجد للفرائض، ومجالس العلم والذكر، ولا تكثر التردد فى قضاء حوائجها أى يكره لها ذلك، وشابة غير فارهة فى الشباب والنجابة، تخرج للمسجد لصلاة الفرض جماعة، وفى جنائز أهلها وأقاربها، ولا تخرج لعيد ولا استسقاء ولا لمجالس ذكر أو علم .وشابة فارهة فى الشباب والنجابة، فهذه الاختيار لها أن لا تخرج أصلا .

وذهب الحنابلة إلى أنه يباح للنساء حضور الجماعة مع الرجال لأنهن كن يصلين مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، قالت عائشة رضى الله عنها :كان النساء يصلين مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم ينصرفن متلفعات بمروطهن ما يعرفن من الغلس .وقال النبى صلى الله عليه وسلم :لا تمنعوا إماء الله مساجد الله وليخرجن تفلات يعنى غير متطيبات.

وتجدر الإشارة إلى أن جواز خروج النساء إلى المسجد -عند من يجيزه -مقيد بالقيود السابقة . ولا يقضى على زوج الشابة ومن فى حكمها بالخروج لنحو صلاة الفرض ولو شرط لها فى صلب عقدها .

قال النووى :يستحب للزوج أن يأذن لها إذا استأذنته إلى المسجد للصلاة إذا كانت عجوزا لا تشتهى، وأمن المفسدة عليها وعلى غيرها، فإن منعها لم يحرم عليه، هذا مذهبنا .قال البيهقى :وبه قال عامة العلماء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١٩، ص١١٠ و ١١١، مادة "خروج")

يرى جمهور الفقهاء أنه لا يجوز أن يخلو رجل بامرأة أجنبية، لأن الشيطان يكون ثالثهما، يوسوس لهما فى الخلوة بفعل ما لا يحل، قال النبى صلى الله عليه وسلم :لا يخلون رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطان ،ولفظ الرجل فى الحديث يتناول الشيخ والشاب، كما أن لفظ المرأة يتناول الشابة والمتجالة .

وذهب بعض الحنفية إلى جواز الخلوة بالعجوز الشوهاء ، نقل ابن عابدين :العجوز الشوهاء والشيخ الذى لا يجامع مثله بمنزلة المحارم .

وأجاز الشاذلى من المالكية خلوة الشيخ الهرم بالمرأة شابة أو متجالة وخلوة الشاب بالمتجالة .

وضابط الخلوة اجتماع لا تؤمن معه الريبة عادة، بخلاف ما لو قطع بانتفائها عادة، فلا يعد خلوة .

مصافحة العجوز :لا خلاف بين الفقهاء فى عدم جواز مس وجه الأجنبية وكفيها وإن كان يأمن الشهوة، لقول النبى صلى الله عليه وسلم من مس كف امرأة ليس منها بسبيل وضع على كفه جمرة يوم القيامة، ولانعدام الضرورة إلى مس وجهها وكفيها؛ لأنه أبيح النظر إلى الوجه والكف -عند من يقول به -لدفع الحرج، ولا حرج فى ترك مسها، فبقى على أصل القياس.

هذا إذا كانت الأجنبية شابة تشتهى . أما إذا كانت عجوزا فلا بأس بمصافحتها ومس يدها، لانعدام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

میں فتنہ کا امکان شابہ کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے، لہٰذا اگر کبھی کوئی ضرورت کے وقت عجوزہ کے لئے بطورِ خاص اجازت دے، اور شابہ کو منع کرے، تو اس فرق کی شرعی وفقہی نظائر میں معقول بنیاد پائی جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ خوف الفتنة . بهذا صرح صاحب الهداية من الحنفية، والحنابلة فی قول إن أمن علی نفسه الفتنة .وذهب المالكية والشافعية إلى تحريم مس الأجنبية من غير تفرقة بين الشابة والعجوز .السلام على العجوز: يرى الفقهاء -في الجملة- أنه يجوز السلام على العجوز الخارجة عن مظنة الفتنة .وتفصيل ذلک في مصطلح :(سلام ف ١٩).

تشميت العجوز :لا يجوز تشميت الأجنبية الشابة التي يخشى منها الفتنة، أما العجوز إذا عطست فحمدت الله شمتها الرجل، وكذلک إذا عطس فشمتته العجوز رد عليها.

مداواة العجائز الجرحى في الغزو: يجوز للمتجالات من النساء مداواة الجرحى والمرضى الأجانب وما شاكلها ونقل الموتى، وأما غير المتجالات فيعالجن بغير مباشرة منهن للرجال، فيصفن الدواء ، ويضعه غيرهن على الجرح، وقد يمكن أن يضعنه من غير مس شيء من جسده .

وضع العجوز ثيابها: قال الله تعالى :(والقواعد من النساء اللاتي لا يرجون نكاحا فليس عليهن جناح أن يضعن ثيابهن) وإنما خص القواعد بهذا الحكم لانصراف الأنفس عنهن، إذ لا مذهب للرجال فيهن، فأبيح لهن ما لم يبح لغيرهن، وأزيل عنهن كلفة التحفظ المتعب لهن(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٩ ص٢٩٥ الیٰ ٢٩٧، مادة "عجوز")

(وتمنع) المرأة الشابة (من كشف الوجه بين رجال) لا لأنه عورة بل (لخوف الفتنة) كمسه وإن أمن الشهوة لأنه أغلظ(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج١ ص٤٠٦، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة)

[1] ولم يختلفوا أن النساء كلهن في ذلک سواء إلا ما نقل عن أبي الوليد الباجي أنه خصه بغير العجوز التي لا تشتهي وكأنه نقله من الخلاف المشهور في شهود المرأة صلاة الجماعة قال بن دقيق العيد الذي قاله الباجي تخصيص للعموم بالنظر إلى المعنى يعني مع مراعاة الأمر الأغلب وتعقبوه بأن لكل ساقطة لاقطة والمتعقب راعى الأمر النادر وهو الاحتياط قال والمتعقب على الباجي يرى جواز سفر المرأة في الأمن وحدها فقد نظر أيضا إلى المعنى يعني فليس له أن ينكر على الباجي (فتح الباری شرح صحيح البخاری، ج٤،ص٧٦،قوله باب حج النساء)

وتعقبوه بأن لكل ساقطة لاقطة، والمتعقب راعى الأمر النادر، وهو الاحتياط، وقد احتج له بحديث عديّ بن حاتم مرفوعًا" :يوشک أن تخرج الظعينة من الحيرة، تؤم البيت لا زوج معها "الحديث. وهو في البخاري وتعقب بأنه يدل على وجود ذلک لا على جوازه، وأجيب بأنه خبر في سياق المدح، ورفع منار الإسلام فيحمل على الجواز، وأجيب عن الباجي بأن هذه الساقطة ما لها لاقطة، ولو وجد خرجت عن فرض المسئلة؛ لأنها تكون حينئذ مشتهاة في الجملة، وليس الكلام فيها وإنما الكلام فيمن لا تشتهي أصلًا، ورأسًا، ولا يسلم أن من بهذه المثابة مظنة الطمع، والميل إليها بوجه(كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري،لمحمد الخضر بن سيد عبد الله بن أحمد الجكني الشنقيطي،ج١٤،ص١٩٢،الحديث الرابع والخمسون)

فتنہ کو ممانعت کی علت قرار دینے کا قول اور اس کا نتیجہ

مذکورہ حکم تو عورت کو محرم کے بغیر سفر کے ممنوع ہونے کی علت مخصوص سفرِ زمانی یا مکانی کو قرار دینے کی صورت میں تھا۔

لیکن بعض حضرات نے بغیر محرم کے عورت کو سفر کی ممانعت کی اصلی علت ''فتنہ'' قرار دی ہے، ان حضرات نے مختلف احادیث اور روایات میں غور کرتے ہوئے طویل اور قصیر سفر پر مدار رکھنے کے بجائے ممانعت کا دارومدار فتنہ پر رکھا ہے، اور جن صورتوں میں فتنہ لازم نہ آئے، ان کی گنجائش دی ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ:

وَيَجْمَعُ مَعَانِي الْآثَارِ فِيْ هٰذَا الْبَابِ وَإِنِ اخْتَلَفَتْ ظَوَاهِرُهَا الْحظْرُ عَلَى الْمَرْأَةِ أَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا يُخَافُ عَلَيْهَا الْفِتْنَةُ بِغَيْرِ مَحْرَمٍ قَصِيْرًا كَانَ أَوْ طَوِيْلًا وَاللّٰهُ أَعْلَمُ (التمهيد، لابن عبدالبر القرطبی) [1]

ترجمہ: اور اس باب میں آثار کے معانی کو جمع کیا جائے گا، اگرچہ ان کا ظاہر مختلف ہے، وہ اس طرح سے کہ عورت کو بغیر محرم کے ایسا سفر کرنا ممنوع ہوگا، جس میں اس پر فتنہ کا خوف ہو، خواہ وہ مختصر ہو یا طویل ہو، واللہ اعلم (التمہید)

دوسرے مقام پر علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

وَالَّذِيْ جَمَعَ مَعَانِيَ آثَارِ هٰذَا الْحَدِيْثِ عَلٰى اِخْتِلَافِ أَلْفَاظِهٖ أَنْ تَكُوْنَ الْمَرْأَةُ تُمْنَعُ مِنْ كُلِّ سَفَرٍ يُخْشٰى عَلَيْهَا فِيْهِ الْفِتْنَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ أَوْ زَوْجٍ قَصِيْرًا كَانَ السَّفَرُ أَوْ طَوِيْلًا (الاستذكار، لا بن عبد البر القرطبی، ج۸، ص ۵۳۳، کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی الوحدة فی السفر للرجال والنساء)

---

[1] ج ۲۱ ص ۵۵، باب السين، سعيد بن ابی سعيد المقبری، الحديث الثانی.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اور اس حدیث کے آثار کے معانی کو جو مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہیں، اس طرح جمع کیا جائے گا کہ عورت کو محرم یا شوہر کے بغیر ہر اس سفر سے منع کیا جائے گا، جس میں فتنہ کا خوف ہو، خواہ وہ سفر مختصر ہو یا طویل ہو (الاستذکار)

محمد بن عبدالباقی زرقانی فرماتے ہیں کہ:

قَالَ الْقُرْطُبِیُّ: يُمْكِنُ أَنَّ الْمَنْعَ إِنَّمَا خَرَجَ لِمَا يُؤَدِّیْ إِلَيْهِ مِنَ الْخَلْوَةِ، وَانْكِشَافِ عَوْرَاتِهِنَّ غَالِبًا، فَإِذَا أُمِنَ ذٰلِکَ بِحَيْثُ يَكُوْنُ فِی الرُّفْقَةِ نِسَاءٌ تَنْحَاشُ إِلَيْهِنَّ كَمَا قَالَ مَالِکٌ وَالشَّافِعِیُّ، قَالَ الْبَاجِیُّ: وَهٰذَا عِنْدِیْ فِی الْإِنْفِرَادِ وَالْعَدَدِ الْيَسِيْرِ، فَأَمَّا فِی الْقَوَافِلِ الْعَظِيْمَةِ، فَهِیَ كَالْبِلَادِ يَصِحُّ فِيْهَا سَفَرُهَا دُوْنَ نِسَاءٍ، وَدُوْنَ مَحْرَمٍ، اِنْتَهٰی (شرح الزرقانی علی موطأ الإمام مالک، لمحمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی، ج۴، ص۶۲۳، فی الوحدة فی السفر للرجال والنساء)

ترجمہ: قرطبی نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ (عورت کو بغیر محرم کے سفر کی) ممانعت کا حکم اس لئے لگایا گیا ہو، کیونکہ اس میں غالباً نامحرم سے خلوت لازم آتی ہے، اور خواتین کا کشفِ عورت ہوتا ہے، پس جب اس سے امن حاصل ہو جائے، بایں طور کہ قافلہ میں خواتین ہوں، جو اس کے ساتھ موجود ہیں، جیسا کہ امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا، تو ممانعت نہیں ہوگی، باجی نے فرمایا کہ میرے نزدیک ممانعت کا حکم تنہا اور تھوڑے سے عدد کے ساتھ ہے، جہاں تک کہ بڑے بڑے قافلوں میں سفر کا تعلق ہے، جیسا کہ شہروں کی صورتِ حال ہوتی ہے، تو ان میں عورت کو دوسری عورتوں کے بغیر اور محرم کے بغیر بھی سفر کرنا صحیح ہے (زرقانی)

ابوالولید سلیمان قرطبی باجی اندلسی فرماتے ہیں کہ:

(مَسْأَلَةٌ) وَلَعَلَّ هٰذَا الَّذِیْ ذَكَرَهُ بَعْضُ أَصْحَابِنَا إِنَّمَا هُوَ فِی حَالِ

www.idaraghufran.org

الِانْفِرَادِ وَالْعَدَدِ الْيَسِيرِ فَأَمَّا الْقَوَافِلُ الْعَظِيمَةُ وَالطُّرُقُ الْمُشْتَرَكَةُ الْعَامِرَةُ الْمَأْمُونَةُ فَإِنَّهَا عِنْدِى مِثْلُ الْبِلَادِ الَّتِى يَكُونُ فِيهَا الْأَسْوَاقُ وَالتُّجَّارُ فَإِنَّ الْأَمْنَ يَحْصُلُ لَهَا دُونَ ذِى مَحْرَمٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَقَدْ رُوِىَ هٰذَا عَنْ الْأَوْزَاعِىِّ (المنتقى شرح الموطإ،لابى الوليد سليمان التجيبى القرطبى الباجى الأندلسى ،ج۳،ص ۸۲،حج المرأة بغير ذى محرم)

ترجمہ: مسئلہ: اور غالباً یہ حکم جو ہمارے بعض اصحاب نے ذکر کیا ہے (یعنی محرم کے بغیر سفر کی ممانعت کا) تو وہ انفرادی حالت میں اور تھوڑے عدد کے ساتھ ہے، جہاں تک بڑے بڑے قافلوں اور مشترکہ آباد پُر امن راستوں کا تعلق ہے، تو میرے نزدیک ان کا حکم ان شہروں کے مثل ہے، جن میں بازار ہوتے ہیں، اور تجّار ہوتے ہیں، جہاں محرم اور دوسری عورت کے بغیر امن حاصل ہو جاتا ہے، اور اوزاعی کا قول بھی اسی طرح سے مروی ہے (المفہم)

معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک جن اسفار میں محرم کے بغیر فتنہ لازم آتا ہو، تو وہ بغیر محرم کے منع ہے، اور جن اسفار میں فتنہ مثلاً نامحرم کے ساتھ خلوت، اور کشفِ عورت وغیرہ لازم نہ آتا ہو، وہاں ممانعت نہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ لَمْ يَقَعْ فِىْ مَسْأَلَةِ الْإِتْمَامِ وَالْقَصْرِ، بَلْ وَرَدَ فِىْ سَفَرِ الْحَاجَاتِ، وَاخْتَلَفَتْ فِيْهِ الرِّوَايَاتُ .وَفِىْ بَعْضِهَا: مَسِيْرَةُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، وَهُوَ عِنْدِىْ مُخْتَلِفٌ بِاخْتِلَافِ الْأَحْوَالِ، وَالْأَحَادِيْثُ فِىْ هٰذَا الْبَابِ صُدِّرَتْ عَنْ حَضْرَةِ الرِّسَالَةِ تَارَةً كَذَا، وَتَارَةً كَذَا، وَلَيْسَتْ مَحْمُوْلَةً عَلٰى اِخْتِلَافِ الرُّوَاةِ .وَفِىْ كُتُبِ الْحَنَفِيَّةِ عَامَّةً عَدَمُ جَوَازِ السَّفَرِ إِلَّا مَعَ مَحْرَمٍ.

Idara Ghufran

قُلْتُ :وَيَجُوزُ عِنْدِيُ مَعَ غَيْرِ مَحْرَمٍ أَيْضًا بِشَرْطِ الِاعْتِمَادِ وَالْأَمْنِ مِنَ الْفِتْنَةِ .وَقَدْ وَجَدْتُ لَهُ مَادَّةً كَثِيْرَةً فِي الْأَحَادِيْثِ أَمَّا فِي الْفِقْهِ فَهُوَ مِنْ مَسَائِلِ الْفِتَنِ(فيض البارى) [1]

ترجمہ: ''نہیں سفر کرے گی، عورت تین دن کا'' یہ حدیث اتمام اور قصر کے مسئلہ میں واقع نہیں ہوئی، بلکہ سفرِ حاجات کے سلسلہ میں واقع ہوئی ہے، اور اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، بعض میں ایک دن اور ایک رات کی مسافت کا ذکر ہے، اور یہ احادیث میرے نزدیک احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہیں، اور اس باب میں احادیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے کبھی کسی حالت اور کبھی کسی حالت کے متعلق صادر ہوئی ہیں، اور یہ راویوں کے مختلف ہونے پر محمول نہیں۔

اور حنفیہ کی کتب میں محرم کے بغیر عام طور پر سفر (یعنی سفرِ شرعی۔ ناقل) کا عدمِ جواز مذکور ہے۔

مگر میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک عورت کو غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ اعتماد اور فتنہ سے امن ہو، اور میں نے احادیث میں اس کا بہت بڑا مواد پایا ہے، اور فقہی اعتبار سے یہ فتن کے مسائل سے تعلق رکھتا ہے (فیض الباری)

معلوم ہوا کہ علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کو تین دن کے سفر کی ممانعت کی احادیث اتمام وقصر کے اعتبار سے سفرِ شرعی کی مقدار کو بیان کرنے کے سلسلہ میں وارِد نہیں ہوئیں، بلکہ سفرِ حاجات کے سلسلہ میں وارِد ہوئی ہیں، اور حالات کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس سلسلہ میں احادیث مختلف ہیں، جن کا مقصود فتنہ پر مبنی سفر کرنے کی ممانعت کو بیان کرنا ہے۔

بندہ بھی علامہ کشمیری کے اس موقف کو راجح سمجھتا ہے۔

---

[1] ج ۲، ص ۵۳۴، كتاب تقصير الصلاة، باب يقصر إذا خرج من موضعه.

www.idaraghufran.org

علامہ کشمیری رحمہ اللہ ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

قَوْلُهُ :(لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ يَوْمَيْن) الخ، وَهٰذَا يَخْتَلِفُ عِنْدِیْ بِاخْتِلَافِ الْأَحْوَالِ، فَلَا تَعْيِيْنَ فِيْهَا .وَقَدْ مَرَّ الْكَلَامُ فِيْهِ(فيض البارى) [1]

ترجمہ: یہ قول کہ ”نہیں سفر کرے گی عورت دو دن کا“ الخ، یہ حکم میرے نزدیک احوال کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا ہے، پس اس میں (کسی خاص مقدار والے سفر کی) تعیین نہیں، جس پر کلام گزر چکا ہے(فیض الباری)

علامہ کشمیری رحمہ اللہ ہی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

قَوْلُهُ :(لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ)وَقَدْ مَرَّ مِنِّیْ أَنَّ الْحَدِيْثَ وَرَدَ فِی الْأَسْفَارِ الْعَامَّةِ، وَالْمُحَدِّثُوْنَ يُخْرِجُوْنَهٗ فِیْ سَفَرِ الْحَجِّ (فيض البارى) [2]

ترجمہ: یہ قول کہ ”سفر نہیں کرے گی عورت“ اور میری طرف سے یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ حدیث عام اسفار میں وارِد ہوئی، اور محدثین اس کو سفرِ حج میں بیان کرتے ہیں(فیض الباری)

علامہ کشمیری رحمہ اللہ ترمذی کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

وَاعْلَمْ أَنَّ الْحَدِيْثَ فِی السَّفَرِ غَيْرِ سَفَرِ الْحَجِّ وَأَمَّا الْعُلَمَاءَ فَيَذْكُرُوْنَ مَسْأَلَةَ سَفَرِ الْحَجِّ تَحْتَ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ، وَكَذٰلِكَ الطَّحَاوِیُّ وَغَيْرُهٗ فَعَلَ مِثْلَ هٰذَا أَیْ ذَكَرَ سَفَرَ الْحَجِّ تَحْتَ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ، ثُمَّ وَرَدَ فِی الْأَحَادِيْثِ:لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، وَفِیْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ سَفَرُ يَوْمٍ، وَفِیْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ سَفَرُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَغَيْرِهَا مِنَ الْأَلْفَاظِ، وَمَذْهَبُ أَبِیْ حَنِيْفَةَ أَنَّ سَفَرَ الْحَجِّ إِنْ كَانَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَلَا تُسَافِرُ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ، وَإِذَا كَانَ أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

---

[1] ج۲، ص ۱۵۹، کتاب فضل الصلاة فی مسجد مكة والمدينة، باب مسجد بيت المقدس.

[2] ج۳، ص ۳۱۲، کتاب جزاء الصيد، باب من نذر المشی إلی الكعبة.

www.idaraghufran.org

فَيَجُوزُ لَهَا السَّفَرُ، فَيُقَالَ: إِنَّ الْأَحَادِيْثَ تَرِدُ عَلٰى أَبِيْ حَنِيْفَةَ، أَقُوْلُ: لَا تَرِدُ عَلٰى أَبِيْ حَنِيْفَةَ، فَإِنَّ الْأَحَادِيْثَ لَيْسَتَ بِوَارِدَةٍ فِيْ سَفَرِ الْحَجِّ بَلْ فِيْ غَيْرِهٖ مِنَ الْأَسْفَارِ، وَالْمُحَقَّقُ فِيْهَا أَن يُّدَارَ الْأَمْرُ عَلَى الْفِتْنَةِ وَعَدَمِهَا وَيُحَوِّلُ الْأَمْرُ إِلٰى رَأْيِ مَنْ ابْتُلِيَ بِهٖ وَلَا يَكُوْنُ فِيْهِ تَحْدِيْدُ الْأَيَّامِ، وَهٰذَا مَا تَحَقَّقَ لِيْ مِنَ الْمَذْهَبِ وَإِنْ لَّمْ يُصَرِّحْ بِهٖ أَحَدٌ (العرف الشذی)[1]

ترجمہ: اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ سفر کے مسئلہ کی حدیث حج کے سفر کے علاوہ ہے، مگر علماء نے سفرِ حج کے مسئلہ کو ان احادیث کے تحت ذکر کردیا ہے، اور اسی طریقہ سے طحاوی وغیرہ نے بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا ہے، یعنی سفرِ حج کو ان احادیث کے تحت ذکر کردیا۔

پھر احادیث میں یہ بات آئی ہے کہ عورت تین دن سے زیادہ کا سفر نہیں کرے گی، اور بعض روایات میں ایک دن کے سفر کا ذکر ہے، اور بعض روایات میں ایک دن اور ایک رات کے سفر کا ذکر ہے، اور اس کے علاوہ بھی دوسرے الفاظ کا ذکر ہے، اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ حج کا سفر اگر تین دن کا ہو، تو عورت محرم کے بغیر سفر نہیں کرے گی، اور جب تین دن سے کم کا ہو، اس کو سفر کرنا جائز ہے۔

اس پر یہ کہا جاتا ہے کہ احادیث امام ابوحنیفہ کے خلاف ہیں، میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کے خلاف نہیں ہیں، کیونکہ یہ احادیث سفرِ حج کے بارے میں وارد نہیں ہوئیں، بلکہ دوسرے اسفار کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، اور تحقیقی بات یہ ہے کہ حکم کا دارومدار فتنہ اور عدمِ فتنہ پر رکھا جائے، اور معاملہ کو مبتلیٰ بہ کی رائے پر چھوڑ دیا جائے، جس میں ایام کی کوئی تحدید نہیں ہے، میرے نزدیک مذہب کی تحقیق

[1] ج۲، ص ۴۰۷، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراھیة أن تسافر المرأة وحدھا.

Idara Ghufran

www.idaraghufran.org

اس سلسلہ میں یہی ہے، اگرچہ کسی نے اس کی تصریح نہیں کی (العرف الشذی)

علامہ یوسف قرضاوی فرماتے ہیں کہ:

فالعلة وراء هذا النهى هو الخوف على المرأة من سفرها وحدها بلا زوج أو محرم فى زمن كان السفر فيه على الجمال أو البغال أو الحمير ,وتجتاز فيه غالبا صحارى ومفاوز تكاد تكون خالية من العمران والأحياء .....ولكن إذا تغير الحال ـ كما فى عصرنا ـ وأصبح السفر فى طائرة تقل مائة راكب أو أكثر ,أو فى قطار يحمل مئات المسافرين ,ولم يعد هناک مجال للخوف على المرأة إذا سافرت وحدها ,فلا حرج عليها شرعا فى ذلک ,ولا يعد هذا مخالفة للحديث ,بل قد يؤيد هذا حديث عدى بن حاتم مرفوعا عند البخارى :يوشک أن تخرج الظعينة من الحيرة (تطوف) البيت (أى الكعبة) لا زوج معها .

وقد سبق الحديث فى معرض المدح بظهور الإسلام ,وارتفاع مناره فى العالمين وانتشار الأمان فى الأرض ,فيدل على الجواز , وهو ما استدل به ابن حزم على ذلک.

ولا غرو أن وجدنا بعض الأئمة يجيزون للمرأة أن تحج بلا محرم ولا زوج ,إذا كانت مع نسوة ثقات ,أو فى رفقة مأمونة ,وهكذا حجت عائشة وطائفة من أمهات المؤمنين فى عهد عمر ,ولم يكن معهن أحد من المحارم ,بل صحبهن عثمان بن عفان وعبد الرحمن بن عوف -رضى الله عنهم , -كما فى "صحيح البخارى ."

Idara Ghufran

بل قال بعضهم :تكفى امرأة واحدة ثقة.

وقال بعضهم :تسافر وحدها إذا كان الطريق آمنا وصححه صاحب "المهذب "من الشافعية.

وهذا فى سفر الحج والعمرة ,وطرده بعض الشافعية فى الأسفار كلها (كيف نتعامل مع السنة النبوية للقرضاوى، ج ۱، ص ۱۲۹، الباب الثالث، سفر المرأة مع محرم)

ترجمہ: پس (عورت کومحرم کے بغیر سفر کرنے کی) اس ممانعت کے پیچھے علت در اصل عورت پر اُس کے تنہا بغیر شوہر یا محرم کے سفر کرنے میں ''خوف'' ہے، جو اُس زمانے میں پایا جاتا تھا، جب کہ سفر اونٹ یا گھوڑے یا گدھے وغیرہ پر ہوتا تھا، اور یہ سفر عام طور پر جنگل اور بیابان علاقوں میں طے کیا جاتا تھا، جو عام طور پر آبادی اور رونق سے خالی ہوتے تھے...... لیکن جب حالت متغیر ہو جائے، جیسا کہ ہمارے زمانے میں اور سفر جہاز میں کیا جائے، جس میں سو سے کم و بیش سوار ہوتے ہیں، یا کسی ریل گاڑی میں ہو، جس میں سینکڑوں مسافر ہوتے ہیں، اور اس سفر میں محرم کے بغیر عورت کو سفر کرنے میں خوف نہ پایا جائے، تو عورت کو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا، اور یہ حدیث کی مخالفت نہیں کہلائے گی، بلکہ اس کی تائید عدی بن حاتم کی اس مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو بخاری میں ہے کہ ''قریب ہے کہ ہودج والی عورت حیرہ مقام سے نکل کر بیت اللہ یعنی کعبہ کا طواف کرے گی، جس کا شوہر ساتھ نہ ہوگا۔

اور یہ حدیث اسلام کے غلبہ کی تعریف کے موقع پر لائی گئی ہے، جب کہ عالم میں اسلام بلند ہوگا، اور زمین میں امن وامان پھیلا ہوا ہوگا، تو یہ جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے، ابنِ حزم نے بھی اسی کے ذریعہ سے استدلال کیا ہے، اور یہ بات نہیں

Idara Ghufran

بھولنی چاہئے کہ بعض ائمہ عورت کو بغیر محرم اور بغیر شوہر کے حج کی اجازت دیتے ہیں، جب کہ ذمہ دار عورتوں کے ساتھ ہو، یا مامون قافلہ ہو، اور اسی طریقہ سے حضرت عائشہ اور امہات المومنین میں سے ایک جماعت نے حضرت عمر کے زمانے میں حج کیا، جن کے ساتھ کوئی محرم نہیں تھا، بلکہ ان کے ساتھ حضرت عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم تھے، جیسا صحیح بخاری میں ہے۔

بلکہ بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ ایک ذمہ دار عورت بھی کافی ہے، اور بعض نے فرمایا کہ عورت تنہا سفر کر سکتی ہے، جبکہ راستہ مامون ہو، جس کو شافعیہ میں سے صاحبِ مہذب نے صحیح قرار دیا، اور یہ حج اور عمرہ کے سفر میں ہے، اور بعض شافعیہ نے تمام اسفار میں اس کو اختیار کیا ہے (کیف نتعامل مع السنة النبوية)

اور علامہ یوسف قرضاوی اپنے ایک دوسرے مضمون میں فرماتے ہیں کہ:

من الأحاديث النبوية ما صح سنده ولكن عند التأمل في مضمونه وملابساته يتضح للناظر المتعمق أنه بني على رعاية ظروف زمنية خاصة ليحقق مصلحة معتبرة أو يدرأ مفسدة معينة في ذلك الوقت.

فاذا تغيرت الظروف التي قيل فيها النص وانتفت العلة الملحوظة من ورائه من مصلحة تجلب أو مفسدة تدفع فالمفهوم أن ينتفي الحكم الذي ثبت من قبل بهذا النص، فالحكم يدور مع علته وجودا وعدما.

أ ـ : من ذلك ما جاء في الصحيحين من احاديث ابن عباس وغيره مرفوعا: ”لاتسافر المرأة الا مع ذي محرم“

فالعلة وراء هذا النهي هو الخوف على المرأة من سفرها وحدها

www.idaraghufran.org

أو مع رجل أجنبی فی زمن كان السفر فيه على الجمال أو البغال أو الحمير، وتجتاز فيه غالبا صحار ومغاور تكاد تكون خالية من العمران والأحياء ، فاذا لم يصب المرأة فی مثل هذا السفر، شر فی نفسها أصابها فی سمعتها .

ولكن اذا تغير الحال ، كما فی عصرنا، وأصبح السفر فی طائرة تقل مائة راكب أو أكثر ، أو فی قطار يحمل مئات المسافرين، ولم يعد هناک مجال للخوف على المرأة اذا سافرت وحدها، فلا حرج عليها شرعا فی ذلک، ولا يعد هذا مخالفة للحديث، بل قد يؤيد هذا حديث عن ابن حاتم مرفوعاً عند البخاری:"يوشک أن تخرج الظعينة من الحيرة تقدم البيت (أی الكعبة) لا زوج معها" وقد سيق الحديث فی معرض المدح بظهور الاسلام، وارتفاع مناره فی العالمين ، فيدل على الجواز ، وهو ما أخذ به ابن حزم، برغم ظاهريته ، لأنه وجد ظاهر الحديث معه.

ولا غرو أن وجدنا بعض الأئمة يجيزون للمرأة أن تحج بلا محرم ولا زوج، اذا كانت مع نسوة ثقات، أو فی رفقة مأمونة ، وهكذا حجت عائشة وطائفة من أمهات المؤمنين فی عهد عمر، ولم يكن معهن أحد من المحارم، بل صحبهن عثمان بن عفان، وعبدالرحمن بن عوف، كما فی صحيح البخاری.

بل قال بعضهم: تكفی امرأة واحدة ثقة.

وقال بعضهم: تسافر وحدها اذا كان الطريق آمنا، وصححه صاحب المهذب من الشافعية.

www.idaraghufran.org

وهـذا فـى سـفـر الحج والعمرة وطرده بعض الشافعية فى الأسفار كلها (شـريـعة الاسلام صالحة للتطبيق فى كل زمان ومكان للقرضاوى، ص ۱۱۴ الىٰ ۱۱۶، كيف تـصلح الشريعة للتطبيق فى عصرنا، الطبعة الثانية 1993ء، دار الصحوة، القاهرة)

ترجمہ: احادیثِ نبویہ میں سے وہ احادیث بھی ہیں، جن کی سند صحیح ہے، لیکن ان کے مضمون میں تأمل کرنے اور ان کے متعلقات میں غور کرنے سے گہری نظر رکھنے والے کے لیے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہ مخصوص زمانہ کے حالات کی رعایت پر مبنی ہیں، تاکہ اس وقت کی معتبر مصلحت متحقق ہوجائے، یا متعین مفسدہ دور ہوجائے، پس جب وہ حالات بدل جائیں، جن میں اس نص کا قول کیا گیا تھا، اور وہ علت منتفی ہوجائے، جو اس کے پسِ منظر میں کسی مصلحت کے حصول یا مفسدہ کے دفعیہ کے لیے ملحوظ رکھی گئی تھی، تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ حکم منتفی ہوجائے گا، جو اس سے پہلے اس نص سے ثابت ہوا تھا، کیونکہ حکم وجود اور عدم کے اعتبار سے اپنی علت کے ساتھ دائر ہوا کرتا ہے۔

اس کی پہلی مثال وہ ہے، جو صحیحین میں حضرت ابنِ عباس وغیرہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ ''عورت سفر نہیں کرے گی مگر محرَم کے ساتھ ہی''

پس (عورت کو محرم کے بغیر سفر کرنے کی) اس ممانعت کے پیچھے علت دراصل عورت پر اُس کے تنہا یا اجنبی آدمی کے ساتھ سفر کرنے میں ''خوف'' ہے، جو اُس زمانے میں پایا جاتا تھا، جب کہ سفر اونٹ یا گھوڑے یا گدھے وغیرہ پر ہوتا تھا، اور یہ سفر عام طور پر جنگل اور بیابان علاقوں میں طے کیا جاتا تھا، جو عام طور پر آبادی اور رونق سے خالی ہوتے تھے، پس جب عورت اس طرح کا سفر کرے گی، تو اس کو شر لاحق ہوگا۔

Idara Ghufran

لیکن جب حالت متغیر ہو جائے، جیسا کہ ہمارے زمانے میں اور سفر جہاز میں کیا جائے، جس میں سو سے کم وبیش سوار ہوتے ہیں، یا کسی ریل گاڑی میں ہو، جس میں سینکڑوں مسافر ہوتے ہیں، اوراس سفر میں عورت کو تنہا سفر کرنے میں خوف نہ پایا جائے، تو عورت کو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا، اور یہ حدیث کی مخالفت نہیں کہلائے گی، بلکہ اس کی تائید عدی بن حاتم کی اس مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو بخاری میں ہے کہ ''قریب ہے کہ ہودج والی عورت حیرہ مقام سے نکل کر بیتُ اللہ یعنی کعبہ کا طواف کرے گی، جس کا شوہر ساتھ نہ ہوگا۔

اور یہ حدیث اسلام کے غلبہ کی تعریف کے موقع پر لائی گئی ہے، جب کہ عالم میں اسلام بلند ہوگا، اور زمین میں امن وامان پھیلا ہوا ہوگا، تو یہ جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے، ابنِ حزم نے بھی اسی کو لیا ہے، جو ظاہر یہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنے ساتھ ظاہرِ حدیث کو پایا ہے۔

اور یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ بعض ائمہ عورت کو بغیر محرم اور بغیر شوہر کے حج کی اجازت دیتے ہیں، جب کہ ذمہ دار عورتوں کے ساتھ ہو، یا مامون قافلہ میں ہو، اوراسی طریقہ سے حضرت عائشہ اور امہات المومنین میں سے ایک جماعت نے حضرت عمر کے زمانے میں حج کیا، جن کے ساتھ کوئی محرم نہیں تھا، بلکہ ان کے ساتھ حضرت عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

بلکہ بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ ایک ذمہ دار عورت بھی کافی ہے، اور بعض نے فرمایا کہ عورت تنہا سفر کرسکتی ہے، جبکہ راستہ مامون ہو، جس کو شافعیہ میں سے صاحبِ مہذب نے صحیح قرار دیا ہے، اور یہ حج اور عمرہ کے سفر میں ہے، اور بعض شافعیہ نے تمام اسفار میں اس کو اختیار کیا ہے (شریعة الاسلام)

Idara Ghufran

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس کا علامہ یوسف قرضاوی نے ذکر فرمایا، وہ صحیح بخاری میں ہے۔ [1]

اور اس طرح کی حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے، جس میں مدینہ سے ''حیرۃ'' تک سفر کرنے کا ذکر ہے۔ [2]

پھر متعدد حضرات نے مذکورہ حدیث کو اس عمل کے وجود پر محمول کیا ہے، نہ کہ جواز پر، البتہ بعض حضرات نے جواز پر محمول کیا ہے۔ [3]

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض دیگر اہلِ علم کی طرح علامہ کشمیری اور علامہ یوسف قرضاوی کے نزدیک بھی اصولی طور پر عورت کے بلامحرم سفر کرنے کے عدمِ جواز کی علتِ اصلیہ ''فتنہ'' ہے، نہ کہ محض سفر، اور فتنہ کے لازم آنے نہ آنے میں اعتبار مبتلیٰ بہ کی رائے کا ہے، اور احادیث میں سفر سے مراد ''لغوی سفر'' یعنی مطلق قطعِ مسافت اور خروج ہے، اور نبی

---

[1] عن عدی بن حاتم، قال: بینا أنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذ أتاہ رجل فشکا إلیہ الفاقۃ، ثم أتاہ آخر فشکا إلیہ قطع السبیل، فقال: یا عدی، ھل رأیت الحیرۃ؟ قلت: لم أرھا، وقد أنبئت عنھا، قال فإن طالت بک حیاۃ، لترین الظعینۃ ترتحل من الحیرۃ، حتی تطوف بالکعبۃ لا تخاف أحدا إلا اللہ(بخاری، رقم الحدیث ۳۵۹۵)

[2] عن جابر بن سمرۃ، رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یوشک أن تخرج الظعینۃ من المدینۃ إلی الحیرۃ لا تخاف أحدا(مسند البزار، رقم الحدیث ۴۲۸۵)

قال الھیثمی: رواہ الطبرانی والبزار ورجال البزار رجال الصحیح غیر أحمد بن یحیی الأودی وھو ثقۃ(مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۱۴۰۷۸، باب إخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمغیبات)

[3] وقد احتج لہ بحدیث عدی بن حاتم مرفوعا یوشک أن تخرج الظعینۃ من الحیرۃ تؤم البیت لا زوج معھا الحدیث وھو فی البخاری وتعقب بأنہ یدل علی وجود ذلک لا علی جوازہ وأجیب بأنہ خبر فی سیاق المدح ورفع منار الإسلام فیحمل علی الجواز(فتح الباری لابنِ حجر، ج۴ص۷۶، قولہ باب حج النساء)

الإخبار بأن الشیء سیکون لا یقتضی إباحتہ إلا إن استدل المستدل بہ علی التقریر فیقول أخبر الشارع بأنہ سیکون ولم ینہ عنہ فکأنہ أقرہ وقد وقع قریب من ھذا فی حدیث عدی بن حاتم الماضی فی ھذا الباب فی خروج الظعینۃ من الحیرۃ إلی مکۃ بغیر خفیر فاستدل بہ بعض الناس علی جواز سفر المرأۃ بغیر محرم وفیہ من البحث ما ذکر(فتح الباری لابنِ حجر، ج۶ص۶۳۰، قولہ باب علامات النبوۃ فی الإسلام،الحدیث الثانی والأربعون حدیث بن عباس فی قدوم مسیلمۃ)

www.idaraghufran.org

صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ موقع جتنی مقدار میں کسی کے لئے فتنہ کو محسوس فرمایا، اسی سے منع فرمایا، خواہ تھوڑا سفر کیوں نہ ہو، کیونکہ بعض احادیث سفرِ زمانی کی مقتضی ہیں، جن میں تین دن اور تین رات یا دو دن دو رات یا ایک دن ایک رات کی قید مذکور ہے، یا اس سے بھی کچھ کم وبیش مقدار کا ذکر ہے، پس اگر سفرِ شرعی کی مخصوص مقدار مراد لی جائے، اور کوئی عورت آہستہ آہستہ چل کر تھوڑا سا سفر مثلاً تین دن تین رات میں طے کرے، تو تین دن والی احادیث کی رُو سے اس کی ممانعت ہونی چاہیے، لیکن اگر وہ سفر مثلاً چار برید سے کم ہے، تو وہ مسافر نہ ہوگی، اور اس کو قصر کا حکم نہ ہوگا، اسی طرح ایک برید والی حدیث یا مطلق سفر والی احادیث کی رُو سے عورت کو ایک برید یا مطلق سفر کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ مقدار بعض اوقات شہر کے اندر یا باہر نکلتے ہی پوری ہو جاتی ہے، اور ''فتنہ'' کی علت پر حکم کا مدار رکھنے اور لغوی سفر مراد لینے پر تمام احادیث وروایات جمع ہو جاتی ہیں، اور ان کے درمیان ظاہری تعارض رفع ہو جاتا ہے۔ [1]

---

[1] (السفر) قطع المسافة والجمع (أسفار)(مختار الصحاح، ج ۱، ص ۱۴۸، مادہ، س ف ر)

السَفَرُ :قطعُ المسافة، والجمع الأَسْفارُ(الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، ج ۲، ص ۶۸۵، مادہ، سفر)

السفر :في اللغة :قطع المسافة(كتاب التعريفات للجرجاني، ج ۱، ص ۱۱۹، باب السين)

والسفر لغة قطع المسافة من غير تقدير(رد المحتار على الدر المختار، ۲، ص ۱۲۰، باب صلاة المسافر)

والسفر لغة قطع المسافة من غير تقدير بمدة؛ لأنه عبارة عن الظهور(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲، ص ۱۳۸، باب المسافر)

الحديث المرفوع ما سيق لأجل بيان مسافة القصر بل لنهى المرأة عن الخروج وحدها ولذلك اختلفت الألفاظ فى ذلك (فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج ۲، ص ۵۶۷، قوله باب فى كم يقصر الصلاة)

لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذى محرم "وأجيب بأنه لم يسق لبيان مسافة القصر بل لنهى المرأة عن الخروج وحدها ولذا اختلفت ألفاظه، فروى يوما وليلة ومسيرة يومين وبريدا، وأيد بأن الحكم فى نهى المرأة عن السفر وحدها متعلق بالزمان فلو قطعت مسيرة ساعة واحدة فى يوم لتعلق بها النهى، بخلاف المسافر لو قطع مسيرة نصف يوم فى يومين مثلا لم يقصر(شرح الزرقانى على الموطأ، ج ۱ ص ۵۱۵، كتاب قصر الصلاة فى السفر، باب ما يجب فيه قصر الصلاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

بہر حال مذکورہ قول کے مطابق عورت کا جو سفر تین دن یا اس سے زیادہ کا ہو، یا ۴۸ میل یا اس سے بھی زیادہ کا ہو، خواہ چلنے کی حالت میں یا منزل پر پہنچ کر قیام کا عرصہ ملا کر، اور اس میں کسی قسم کا فتنہ لازم نہ آتا ہو، نہ تو نامحرموں کے سامنے کشفِ عورت ہوتا ہو، اور نہ ہی نامحرم سے خلوت لازم آتی ہو، تو اصولی اعتبار سے عورت کو محرم کے بغیر یہ سفر اور قیام جائز ہوگا۔

اور مذکورہ صورت کے برعکس اگر قریبی جگہ، بلکہ اپنے شہر کے اندر بھی عورت کے محرم کے بغیر خروج میں فتنہ لازم آتا ہو، تو پھر عورت کے لئے محرم کے بغیر خروج جائز نہیں ہوگا، البتہ اگر فتنہ کا ازالہ محرم کے بغیر کسی اور شکل میں ہو جائے، تو پھر ممانعت نہیں ہوگی، مثلاً کوئی ذمہ دار ثقہ خاتون یا قافلہ ساتھ میں ہو، جیسا کہ کسی طالب علم لڑکی کو والدہ یا ذمہ دار خاتون تعلیم گاہ پہنچا دے، یا سفر کرنے والی عورت مامون قافلہ کے ہمراہ ہو، جس کی وجہ سے فتنہ کا ازالہ ہو جائے، تو جائز ہوگا۔

اور جن صورتوں میں فتنہ لازم آئے، ان صورتوں میں محرم کے بغیر عورت کو نکلنا اور سفر کرنا جائز نہ ہوگا۔

مذکورہ قول کی روشنی میں ہر طرح کے اسفار میں فتنہ لازم آنے کا تدارک اور لوگوں کی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الحديث المرفوع ما سيق لأجل بيان مسافة القصر، بل لنهى المرأة عن الخروج وحدها، ولذلك اختلفت الألفاظ فى ذلك، ويؤيد ذلك أن الحكم فى نهى المرأة عن السفر وحدها متعلق بالزمان، فلو قطعت مسيرة ساعة واحدة مثلاً فى يوم تام لتعلق بها النهى، بخلاف المسافر، فإنه لو قطع مسيرة نصف يوم مثلاً فى يومين لم يقصر فافترقا(شرح مختصر الخرقى لعبدالكريم الخضير، كتاب الصلاة، باب :صلاة المسافر)

لو كانت العلة ذلك لجاز للمرأة السفر فيما دون ذلك بلا محرم، لكنه لم يجز والنهى للمرأة من السير وحدها متعلق بالزمان، فلو قطعت مسيرة ساعة واحدة مثلا فى يوم تام تعلق بها النهى، بخلاف المسافر، فإنه لو قطع مسيرة نصف يوم مثلا فى يومين لم يقصر، فافترقا(إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى، ج۲، ص ۲۹۲، باب فى كم يقصر الصلاة؟)

ورواه أحمد والشيخان عن ابن عباس بلفظ :لا تسافر المرأة إلا مع ذى محرم، ولا يدخل عليها إلا ومعها محرم، وهذا صريح بالمنع مطلقاً إن حمل السفر على المعنى اللغوى إذ السفر يطلق على ما دون يوم وليلة(شرح مسند أبى حنيفة، ج ۱، ص ۲۵۱، لاتسافر المرأة إلا مع ذى محرم)

www.idaraghufran.org

ضروریات پوری ہونے کا انتظام ہو جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر جو محرم کے بغیر سفر کرنے کی ممانعت بیان فرمائی ہے، فتنہ کو علت قرار دینے اور فتنہ پر حکم کا اصل مدار رکھنے کی صورت میں وہ تمام احادیث بھی قابلِ عمل ہو جاتی ہیں، چنانچہ جن روایات میں مطلق سفر کی ممانعت بیان کی گئی ہے، ان میں لغوی سفر مراد لیا جائے گا، اور ''شرعی سفر'' کے ساتھ مقید کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، جس روایت میں ''ایک برید'' سفر کرنے کی ممانعت مذکور ہے، اس پر بھی فتنہ پر مدار رکھنے کی صورت میں عمل ہو جائے گا، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ ایک برید کی مسافت بعض اوقات وطنِ اقامت میں ہی پوری ہو جاتی ہے، بڑے بڑے شہروں میں مقیم ہونے کی حالت میں اس سے بھی زیادہ مسافت طے ہو جاتی ہے، اسی طرح جن روایات میں ایک دن، دو دن، یا تین دن کی قید مذکور ہے، وہ حسبِ موقع فتنہ لازم آنے پر محمول ہوں گی۔

پس یہ کہا جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں فتنہ لازم آنے کی صورت میں عورت کو مطلق یا لغوی سفر اور بالفاظِ دیگر گھر سے خروج سے منع فرمایا، اور فتنہ لازم نہ آئے تو تین دن اور تین راتوں کے سفر کی بھی اجازت مرحمت فرما دی۔ [1]

---

[1] بندہ اس سلسلہ میں یہ سمجھتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک آنے والے دنیا کے سب طرح کے انسانوں کے نبی ہیں، اور آپ کی شریعت قیامت تک کے ہر طرح کے حالات کی جامع ہے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر جو اس سلسلہ میں مختلف الفاظ کے ساتھ ہدایت بیان فرمائی، اور اس میں عموماً سفرِ زمانی کا ذکر فرمایا، تو ان الفاظ سے آج کل کے تیز ترین ذرائع مثلاً جہاز کے سفر کو بھی شامل کرنا مقصود ہے، جن میں عموماً تین دن اور تین راتوں سے کم کا عرصہ خرچ ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ضرورت کے وقت طویل سفر بھی کرنا جائز ہے، بشرطیکہ فتنہ لازم نہ آئے، اور بعض اوقات زمانی و مکانی کی قید لگائے بغیر مطلق سفر کا ذکر فرمایا، اور بعض اوقات مختصر سفرِ مکانی مثلاً ''برید'' کا ذکر فرمایا، ان سب کا اصل مقصود فتنہ کا سدِ باب ہے، نہ کہ بذاتِ خود اور بہر صورت فتنہ سے حفاظت ہوتے ہوئے محرم کے بغیر عورت کے خروج اور سفر کی ممانعت کو بیان کرنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں آج کل کے حالات میں جو مختلف اسفار کئے جاتے ہیں، ان کا حکم بآسانی سمجھا جا سکتا ہے، کہ جہاں محرم کے بغیر عورت کے خروج اور طویل یا مختصر سفر میں فتنہ لازم آئے، وہاں بہر حال منع کیا جائے گا، اور جہاں فتنہ لازم نہ آئے، یا کسی بھی طریقہ سے فتنہ کا سدِ باب کر دیا جائے، مثلاً ذمہ دار ثقہ عورتیں یا مرد یا قافلہ ساتھ میں ہو، تو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حاصلِ کلام

اب تک جو تفصیل ذکر کی گئی، اس کی روشنی میں ہمارے نزدیک حاصلِ کلام یہ ہے کہ ہر قسم کے فتنہ سے حفاظت و عافیت اور سلامتی اسی میں ہے کہ عورت کو اپنے محرم کے بغیر تھوڑا اور زیادہ کوئی بھی سفر نہیں کرنا چاہیئے، بطورِ خاص تین دن اور تین رات یا اس سے زیادہ کا سفر اور اسی طرح ۴۸ میل یا اس سے زیادہ کا سفر محرم کے بغیر نہیں کرنا چاہیئے، اور عام حالات میں اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیئے، اور عورتوں کو محرم کے بغیر مختصر اور طویل سفر کرنے اور بطورِ خاص شرعی مسافت پر مشتمل سفر کرنے سے اجتناب کی ترغیب دینی چاہیئے۔

البتہ اگر کسی عورت کو محرم کے بغیر کوئی سفر کرنا پڑ جائے اور یہ سفر تین دن اور تین رات سے کم پر مشتمل ہو، اور متعدد مرد اور عورتوں پر مشتمل قافلہ ہونے کی وجہ سے فتنہ لازم نہ آتا ہو، اور کسی نامحرم کے سامنے کشفِ عورت اور خلوت بھی لازم نہ آتی ہو، اور عورت کی طرف سے بھی کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، تو بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک یہ سفر کرنا جائز ہوگا، مگر بلاضرورت کراہت سے خالی نہیں ہوگا، الَّا یہ کہ ایک دن اور ایک رات سے بھی کم کا سفر ہو، اور فتنہ بھی لازم نہ آتا ہو، تو پھر کراہت بھی نہ ہوگی۔

اور اگر ان حضرات کے قول کو لیا جائے جو ممانعت کی علت کا کلی مدار ''فتنہ'' پر رکھتے ہیں، تو قطع نظر

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ممانعت نہیں ہوگی، خواہ وہ سفر طویل ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ جہاز کے ذریعہ ایک ملک سے دوسرے ملک طے کیا جانے والا سفر، کیونکہ ثقہ عورتوں کے ہمراہ ہونے اور اسی طرح مامون قافلہ کو بھی فی الجملہ بعض فقہاء نے دفعِ فتنہ کا ذریعہ سمجھا ہے، وہ الگ بات ہے کہ انہوں نے مخصوص صورتوں میں ہی اس گنجائش کو محدود رکھا ہے۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی حالات میں مطلق سفر سے منع فرمادیا، اور علت کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی، اس لئے ہم بھی عام حالات میں عورت کو محرم کے بغیر طویل اور قصیر سفر بلکہ بلاضرورت عورت کے گھر سے خروج سے منع کریں گے، اور ضرورت کی حد تک اس کی اجازت کو محدود رکھیں گے، اور محرم کے ہمراہ ہونے یا دوسری شکلوں میں فتنوں کے سدِ باب کا لحاظ وانتظام کریں گے۔ واللہ اعلم۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

سفر کے کم یا زیادہ ہونے کے، محرم کے بغیر عورت کو وہ سفر اور خروج تو منع ہوگا، جس میں فتنہ لازم آتا ہو، اور جس سفر اور خروج میں فتنہ لازم نہ آتا ہو، وہ جائز ہوگا، خواہ مسافت طویل ہو یا مختصر۔

اور ہمارے نزدیک بوقتِ ضرورت اس قول پر عمل کر لینا جائز ہے۔

اور آج کل بعض صورتوں میں عورت کو محرم کے بغیر سفر کی ضرورت پیش آ جاتی ہے، جس کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(1)...... ایک عورت کا نکاح جس ملک میں ہوا ہے، وہاں سے وہ دوسرے ملک میں اپنے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہے، لیکن اس کو محرَم میسر نہیں، یا محرم تو میسر ہے، مگر اس کے اخراجات کا انتظام نہیں، یا اخراجات کا تو انتظام ہے، مگر محرم کو قانونی طور پر دوسرے ملک جانے کی اجازت نہیں ملتی۔

(2)...... ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ کسی ملک میں رہتی ہے، اور اس کے والدین دوسرے ملک میں رہتے ہیں، اسی دوران اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بیمار یا معذور ہو جاتا ہے، جن کو خدمت کی ضرورت پیش آتی ہے، اور کوئی دوسرا خدمت کرنے والا میسر نہیں، اور یہ عورت خدمت کے لئے جانا چاہتی ہے، مگر اس کے شوہر کو ساتھ جانے کی قانونی طور پر اجازت نہیں ملتی، یا اس کو اپنی ملازمت سے چھٹی نہیں ملتی، یا ساتھ جانے کی صورت میں معاشی مسائل کا سامنا ہوتا ہے، اور عورت کے ساتھ جانے کے لئے شوہر کے علاوہ کسی اور محرم کا انتظام نہیں، یا مذکورہ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(3)...... ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ کسی جگہ رہتی سہتی ہے، اور وہاں اسی دوران اس کے شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے، یا وہ اس عورت کو طلاق دے دیتا ہے، اور اس عورت کے وہاں رہنے کا معاشی طور پر انتظام مشکل ہے، یا اس کو قانونی طور پر وہاں رہنے کی اجازت نہیں ملتی، جس کی وجہ سے وہ اپنے والدین یا بہن بھائی

وغیرہ کے پاس رہنے کے لئے جانا چاہتی ہے، اور اس کو وہاں جانے کے لئے محرم میسر نہیں، یا مذکورہ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(4)...... ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ کسی جگہ رہتی سہتی ہے، اور یہ دونوں میاں بیوی اپنے والدین یا اعزہ سے ملنے آتے ہیں، پھر شوہر کو کسی مجبوری و ضرورت کی وجہ سے پہلے واپس جانا پڑ جاتا ہے، اور عورت مزید قیام کرنا چاہتی ہے، جس کے بعد اسے شوہر کے پاس جانے کے لئے محرم میسر نہیں، یا مذکورہ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(5)...... ایک عورت کسی جگہ اپنی معاشی مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے شرعی اصولوں کے مطابق، محنت ومزدوری کرتی ہے، اور اس کی رہائش گاہ مدتِ مسافت پر یا اس سے کم وبیش فاصلہ پر واقع ہے، اور اس کا شوہر وفات پاچکا ہے، یا اس عورت کو طلاق دے چکا ہے، اور یہ روزانہ اپنی مزدوری والی جگہ پر جاتی آتی ہے۔

(6)......بعض خواتین حصولِ علم کے لئے گھروں سے معمولی یا غیر معمولی فاصلہ پر تعلیم گاہوں میں جاتی ہیں، جن میں بعض گاؤں دیہات کی بھی ہوتی ہیں، جو کہ اپنے گاؤں کی حدود سے باہر بڑے گاؤں یا قصبہ یا شہر وغیرہ میں جاتی ہیں، اور ان سب کو اپنے ساتھ محرم میسر نہیں آتے۔

(7)...... گھر کی بعض خواتین کسی ضرورت سے سفر پر جانا چاہتی ہیں، اور ان خواتین میں سے بعض کا محرم تو ہوتا ہے، اور بعض کا محرم نہیں ہوتا۔

(8)......بعض اوقات کسی خاتون کا بیٹا وغیرہ دوسرے ملک میں ہوتا ہے، اور وہ خاتون اس کے پاس جہاز سے سفر کر کے جاتی ہے، اور دوسری طرف ائرپورٹ پر اس کا بیٹا اس کو لینے کے لئے موجود ہے، اس درمیان میں نہ تو اس عورت کے ساتھ کسی نامحرم کی خلوت لازم آتی، اور نہ کشفِ عورت ہوتا ہے۔

(9)......کوئی عورت ایک شہر سے دوسرے شہر میں بس یا ریل سے سفر کر کے جاتی ہے، اور اس کو محرم میسر نہیں، اور اس کا جانا کسی ضرورت پر مبنی ہے، اور یہ عورت چند گھنٹوں میں سفر کر کے اپنے محرم کے پاس پہنچ جاتی ہے، اور نامحرم کے ساتھ خلوت اور اس کے سامنے کشفِ عورت سے بھی حفاظت رہتی ہے، اور راستہ وقافلہ کے مامون ہونے کی وجہ سے اور بھی کوئی فتنہ لازم نہیں آتا۔

اس قسم کی اور صورتیں بھی پیش آسکتی ہیں۔

پس اس قسم کی صورتوں میں بندہ کے نزدیک عورت کو محرم کے بغیر چند شرائط کے ساتھ سفر کرنے کی شرعاً گنجائش دی جاسکتی ہے، جس میں فتنہ سے حفاظت کی شرائط کا لحاظ ہو، مثلاً یہ کہ یہ اجازت اور گنجائش مجبوری اور مخصوص صورتوں تک محدود رکھی جائے، اور اس کو عام رواج نہ دیا جائے، یہ کہ عورت کو پردہ کا اہتمام اور کشفِ عورت سے اجتناب کی تاکید کی جائے، یہ کہ راستہ پُر امن ہو، یہ کہ عورت کی طرف سے بھی کسی فتنہ کا خطرہ نہ ہو، یہ کہ کسی غیر محرم کے ساتھ خلوت لازم نہ آتی ہو، بلکہ وہ سفر اجتماعی قافلہ وغیرہ کی شکل میں یا آباد علاقوں میں ہو، جس کو مامون قافلہ یا علاقہ کا درجہ حاصل ہو، یا اس میں کوئی ذمہ دار خاتون ساتھ ہو، اور یہ کہ یہ سفر تین دن اور تین رات سے زیادہ پر مشتمل نہ ہو، خواہ یہ سفر فرض وواجب ہو یا مندوب ومباح، جیسا کہ مالکیہ کے حوالہ سے گزرا۔[1]

اس طرح کی گنجائش میں عجوزہ خاتون، شابہ کے مقابلہ میں مقدم ہوگی۔

آج کل یہ بات ظاہر ہے کہ جو سفر جہاز یا ٹرین یا بس وغیرہ کے ذریعہ سے کیے جاتے ہیں، ان میں عام طور پر ایک ساتھ بڑا قافلہ سفر کرتا ہے، اگرچہ افراد باہم متعارف نہ ہوں، جہاں

---

[1] ملحوظ رہے کہ فرض حج کے سفر میں شافعیہ، ثقہ خواتین کے ہمراہ ہونے کو اور مالکیہ مامون قافلہ ہونے کو محرم کے قائم مقام قرار دیتے ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا، جس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک ثقہ خواتین یا مامون قافلہ کا ہونا فتنہ سے امن کا باعث ہے، اور اس کو فی الجملہ فتنہ کے ازالہ میں دخل ہے۔

البتہ احادیث میں زیادہ سے زیادہ تین دن اور تین رات کے سفر کی ممانعت کا حکم مذکور ہے، جن کو بعض حضرات نے اختیار کیا ہے، اور بعض حضرات کے مطابق اعتبار سفرِ زمانی کا ہے، اس لئے تین دن کی قید میں اس قول کی بھی رعایت ہے۔

www.idaraghufran.org

فتنہ لازم نہیں آتا، اور کشفِ عورت اور عورت کو نامحرم کے ساتھ خلوت لازم نہیں آتی، اور اس طرح کے اسفار عموماً تین دن اور تین رات، یا ایک دن اور ایک رات سے کم وقت میں، بلکہ چند گھنٹوں میں طے ہوجاتے ہیں، جہازوں، بسوں اور ٹرینوں میں حفاظتی گارڈز اور سیکورٹی کا بھی انتظام ہوتا ہے، اور اس کو مامون قافلہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے، کیونکہ متعدد خواتین بھی قافلہ کے ہمراہ ہوتی ہیں، اور پوری گاڑی میں صرف ایک ہی عورت کا ہونا شاذ ونادر ہے، جو عمومی حکم سے مستثنیٰ ہوسکتا ہے، جبکہ پہلے زمانہ میں اس طرح کے اسفار کم ہوا کرتے تھے، اور پہلے زمانہ میں طویل اسفار میں بہت زیادہ وقت خرچ ہوتا تھا، بلکہ دوسرے ممالک کے سفر میں مہینوں کے مہینے خرچ ہوجاتے تھے، اور سفر وحضر میں آج کل فون وغیرہ کی طرح کے اپنے محرم سے رابطہ کے ذرائع بھی میسر نہیں تھے، جس کی وجہ سے اس دور کے اس طرح کے اسفار میں آج کل کے مقابلہ میں فتنہ لازم آنے کے امکانات زیادہ ہوتے تھے، لیکن چونکہ آج کل شہوت پرستی اور بے راہ روی کا دور دورہ ہے، اس لئے اس میں مندرجہ بالا یا اس قسم کی دیگر شرائط کا لحاظ کرنے اور گنجائش کا دائرہ مخصوص ضرورت کی صورتوں تک محدود رکھنے میں ہی سلامتی اور عافیت ہے، تاکہ حتی الامکان فتنوں کا سدِ باب رہے۔

آج کل جو بعض حضرات فسادِ زمان کو بنیاد بنا کر اور عام، آزاد روِش خواتین کے طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے بہر صورت ضرورت اور مجبوری کو نظر انداز کر کے تمام خواتین اور ہر قسم کے خروج اور سفر پر یکساں ممانعت بلکہ حرمت کا حکم لگا دیتے ہیں، اور شرائط کے ساتھ جواز کا قول کرنے والوں پر سخت نکیر کرتے ہیں، ہمیں اس سے اتفاق نہیں، کیونکہ ضرورت ومجبوری کی استثنائی صورتوں میں گنجائش نہ دینا اور مجتہَد فیہ فروعی مسائل میں اس طرح نکیر کرنا اور جمود رکھنا شریعت کے مزاج سے میل نہیں کھاتا۔ [1]

---

[1] یہی وجہ ہے کہ بعض وہ حضرات جو مذکورہ صورت میں محرم کے بغیر عورت کے سفر کرنے کے عدم جواز کے قائل ہیں، وہ بھی دوسرے فقہاء کے قول پر عمل کرنے والے پر نکیر کے قائل نہیں، چنانچہ صاحب بحر نے سفر میں جمع بین الصلاتین کے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

بہرحال عام حالات میں شریعت کا حکم یہی ہے کہ عورت اپنے محرم کے بغیر سفر نہ کرے، بلکہ بلاضرورت گھر سے باہر بھی نہ نکلے، لیکن اگر عورت کو کسی ضرورت ومجبوری سے سفر کرنا پڑ جائے، اوراس کو سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے محرم میسر نہ ہو، یا محرم کے ساتھ جانے میں کوئی قانونی یا غیر قانونی معقول عذر ہو، تو عورت کو محرم کے بغیر سفر کرنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ عورت کسی نامحرم کے ساتھ خلوت وتنہائی اختیار نہ کرے، اوراپنی زیب وزینت کا نامحرموں کے سامنے اظہار نہ کرے، اور کسی قسم کا فتنہ لازم نہ آئے۔فقط۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

۲۲/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۳۶ھ 14/ مارچ/ 2015ء، بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مسئلہ میں امام شافعی کے فقہ کی تقلید کرنے والوں پر نکیر نہیں فرمائی، بلکہ ان کے مسلک کی شرائط کا ذکر فرمایا ہے۔

السؤال. إذا كان هناك بعض الأقوال على منع تغريب المرأة واختصاصه بالرجال، فما توجيهكم حفظكم الله لبعض النساء اللاتى يسافرن بالطائرات فى الإجازات أو مع السائقين للعمل لمسافات أكثر من مسافة القصر؟

الجواب . هذه مسألة فيها خلاف بين العلماء رحمهم الله، وإذا كان أحد من أهل العلم أفتى هؤلاء النسوة بأن يسافرن بلا محرم فهو الذى يتحمل مسئوليتهن، وهن إذا كن -فيما بينهن وبين الله عز وجل -يعتقدن علم هذا العالم، وأنه حجة لهن بين يدى الله، وعملن بقوله؛ فلا ينكر عليهن، وهذا قول طائفة من السلف رحمهم الله، إذا كانت الرفقة مأمونة، وفيها حديث عدى بن حاتم المشهور فى الصحيح، ولا إنكار فى المختلف فيه، هذا إذا كن يتأولن هذا القول، وأما القول الصحيح فى هذه المسألة أنه لا يجوز خروج المرأة مسافة القصر بدون محرم(شرح زاد المستقنع،لمحمد بن محمد المختار الشنقيطى،حكم سفر المرأة من غير محرم)

وقد شاهدت كثيرا من الناس فى الأسفار خصوصا فى سفر الحج ماشين على هذا تقليدا للإمام الشافعى فى ذلك إلا أنهم يخلون بما ذكرت الشافعية فى كتبهم من الشروط له فأحببت إيرادها إبانة لفعله على وجهه لمريده (البحرا الرائق، ج ا ، ص ٢٦٧، كتاب الطهارة)

www.idaraghufran.org

اہلِ علم حضرات کی آراء

محرم کے بغیر سفر سے متعلق چند اہلِ علم حضرات کا متفقہ فیصلہ

آج مورخہ ۴/ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ، بمطابق 16 دسمبر 2015ء، بروز بدھ کو ادارہ غفران، راولپنڈی میں ''المجلس العلمی'' کا اجلاس ہوا۔

اجلاس میں عورت کے محرم کے بغیر سفر کے حکم اور موجودہ دور میں اس سلسلہ میں پیش آنے والی مشکلات پر غور کیا گیا۔

غور وخوض اور بحث وتمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ عام حالات میں تو عورت کو اس کی پابندی کرنی چاہئے کہ وہ مسافتِ قصر والا سفر محرم کے بغیر نہ کرے، البتہ اگر کہیں شدید ضرورت ہو، اور محرم میسر نہ ہو، یا محرم تو موجود ہو، لیکن اس کے ساتھ کسی مجبوری کی وجہ سے سفر نہ کر سکے، تو عورت کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ محرم کے بغیر بھی سفر کرنے کی گنجائش ہے۔

(1)...... راستہ پُر امن ہو (2)...... عورت شرعی پردہ کا اہتمام کرے (3)...... نہ عورت کی طرف سے فتنہ کا خطرہ ہو، اور نہ دوسری جانب سے (4)...... کسی غیر محرم کے ساتھ خلوت لازم نہ آئے، بلکہ سفر اجتماعی قافلے کی شکل میں ہو، یا کوئی ذمہ دار خاتون ساتھ ہو۔

اور اگر فتنے کا اندیشہ ہو، تو عورت کے لئے مسافتِ سفر سے کم کا سفر بھی جائز نہیں۔

اجلاس میں مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت کی:

(1)...... مفتی محمد رضوان صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(2)...... مفتی دوست محمد مزاری صاحب (دارالافتاء لال مسجد، اسلام آباد)

www.idaraghufran.org

(3)......مفتی احسان الحق صاحب (دارالافتاء لال مسجد، اسلام آباد)

(4)......مفتی شکیل احمد صاحب (جامعہ محمدیہ، اسلام آباد)

(5)......مفتی زکریا اشرف صاحب (اسلام آباد)

(6)......صاحبزادہ قاری عبدالباسط صاحب (مدرسہ انس، راولپنڈی)

(7)......مفتی محمد یونس صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(8)......مفتی محمد امجد حسین صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(9)......مفتی منظور احمد صاحب (اسلامک ریسرچ سنٹر، بحریہ ٹاؤن، راولپنڈی)

(10)......مولانا محمد ناصر صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(11)......مولانا طارق محمود صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(12)......مولانا عبدالسلام صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(13)......مولانا غلام بلال صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(14)......مولانا طلحہ مدثر صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(15)......مولانا عبدالوہاب صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(16)......مولانا شعیب احمد صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

(17)......مولانا محمد ریحان صاحب (ادارہ غفران، راولپنڈی)

مولانا مفتی محمد امجد حسین صاحب زید مجدہٗ

(مفتی: ادارہ غفران، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

’’محرم کے بغیر سفر کا حکم‘‘ ہمارے شیخ مکرم حضرت اقدس مفتی محمد رضوان صاحب دام اقبالہٗ کی

Idara Ghufran

تازہ تحقیقی کاوِش ہے۔

جس میں آپ نے حسبِ سابق وحسبِ معمول اورحسبِ ذوق تحقیق کا حق ادا کیا ہے، کہ اس سے زیادہ شاید وبائد ہی ہو، موضوع کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ سفر سے اندرون وبیرون ملک، مقامی وآفاقی اسفار تک تقریباً ہر مسلمان خاتون کو تواترًا یا احیاناً سابقہ پڑتا ہے، اور تحقیق کی ضرورت اس سے ظاہر ہے کہ اس باب میں مسافت کے تناظر میں محرم کی شرط کے متعلق جو سابقہ مجتہَد فیہ پیمانہ ہے، اس سے بالعموم خواتین کو معاصر تمدنی مسائل کی وجہ سے سخت تنگی لاحق ہوتی ہے، جس کی وجہ سے یا تو وہ بضرورت بھی محرم میسر نہ آنے کی وجہ سے سفر سے رکیں یا اچھے مقاصد کے لیے اچھے ومبارک اور فتنوں سے محفوظ ومامون سفر بغیر محرم کے کر کے ”نیکی برباد گناہ لازم“ کا مصداق ٹھہریں۔

بندہ نے بغرض استفادہ پورا مقالہ پڑھا۔

ترتیب مقالے کی یہ ہے کہ اول موضوع سے متعلق احادیث وروایات تتبع کے ساتھ جمع کی گئیں، ان کی اسنادی حیثیت بھی حاشیہ میں واضح کی گئی ہے، پھر دوسری فصل میں فقہی مذاہب اور اقوالِ فقہاء کرام کو استقصاء کے ساتھ جمع کیا اور احادیث باب سے ان حضرات فقہاء کی اخذ کردہ علتوں ودرایتوں کو مربوط ومنضبط طور پر بیان کیا ہے اور کتبِ قوم سے موقع کی عبارات ساتھ ساتھ حاشیہ میں مجملاً ومفصلاً دیدی گئی ہیں۔

اس باب کی احادیث جو مقالہ میں جمع کردی گئی ہیں تین طرح کی ہیں۔ زمانی، مکانی اور مطلق یعنی ایک میں مطلقاً بغیر کسی زمانے یا مسافت کے ذکر کے عورت کے لئے بلا محرم سفر کی ممانعت مذکور ہے (جیسا کہ صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے) دوسری میں ایک برید کی مسافتِ سفر بغیر محرم کے کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے (یہ بھی صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے)

تیسری روایات جو معروف بھی ہیں اور اکثر بھی اور تعدد طرق سے امہات کتب میں منقول

ہیں وہ ہیں جو ایک دن یا رات، دو دن یا رات اور تین دن یا رات کے زمانی دورانیے کے سفر کی ممانعت کے متعلق ہیں، فقہاء مذاہب نے بالعموم انہی زمانی دورانیوں کے بیان کے ساتھ والی احادیث کو لیا ہے۔

لوگوں کی سہولت کی غرض سے بالعموم فقہاء کرام نے معتدل رفتار، سواریوں اور علاقوں میں تین دن، ایک دن یا دو دن (حسب اختلاف) میں طے کی جاسکنے والی مسافت کو بنیاد بنا کر مکانی مسافت مقرر کر دی کہ اتنی مسافت اور فاصلے تک کم از کم سفر کرنے کی صورت میں سفر کے متعلقہ احکام لاگو ہوں گے جن میں سے عورت کے لئے بلا محرم سفر کرنا بھی ایک حکم ہے، کسی نے چار برید کسی نے پندرہ فرسخ، کسی نے سولہ فرسخ وغیرہ متعین کئے اور پھر بعد کے زمانوں میں میلوں اور فاصلوں کو ناپنے کے جو جو پیمانے اور اصطلاحات مقرر ہوتی رہیں تو اس دور کے علماء و مشائخ، متقدمین کے تعیین کردہ فراسخ اور بریدوں کے حساب سے نئے مسافتی پیمانوں میں مقدار مسافت کی تحدید و تعیین کرتے رہے، جبکہ بعض اس طرح کی مکانی تحدید کو لینے کی بجائے منصوص زمانی مسافت کو ہی اختیار کرتے رہے۔

اس لئے ہمارے خیال میں اصل تو نص کا طے کردہ زمانی دورانیہ ہے، مکانی پیمائش نص سے اخذ کردہ انتظامی واجتہادی امر ہے، جو عورت کے لئے بلا محرم سفر کے زیر بحث مسئلہ میں اس وقت تک تو شاید باعث رحمت و سہولت امر تھا جب تک موجودہ سریع الرفتار سواریاں وجود میں نہیں آئی تھیں لیکن آج جبکہ سریع الرفتار سواریوں نے سفر کے سابق تصور اور نظم کو ہی یکسر بدل دیا، مہینوں کا سفر گھنٹوں میں یا دنوں میں ہونے لگا تو اب بھی اسی مسافتی پیمانے کو معیار بنانا جو خود منصوص زمانی دورانئے سے ہی اخذ شدہ تھا بظاہر اتنا ضروری نہیں رہا، جتنا کہ سمجھ لیا گیا، لیکن اس مجتہد فیہ مکانی پیمانے کو اختیار کرنے کی صورت میں بھی یہ لچک ضرور رکھنی چاہئے کہ اس معاملے میں منصوص معیار یہ تحدید مکانی نہیں بلکہ زمانی ہے، یہ تحدید مکانی نص سے اخذ شدہ و مجتہد فیہ ہے، اس لئے کوئی اصل نص پر عمل کرے اور زمانی پیمانے پر ہی مدار

Idara Ghufran

رکھے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ مجتہد فیہ امر پر منصوص امر کی ترجیح ظاہر ہے، یا کوئی اپنے زمانے کے ذرائع سفر میں سے کسی معتدل عام رائج اور عوام وخواص سب کے زیر استعمال ذریعے سے (جیسے ریل یا موٹر گاڑیاں) تین دن یا ایک دن میں طے کی جاسکنے والی سفر کی مسافت کو معیار بنائے، اپنے حق میں یا مسئلہ پوچھنے والوں کے حق میں تو اس میں کوئی حرج وحیرت نہیں ہونی چاہئے۔

نیز نصوص کے تعارض واختلاف کے رفع وتطبیق کے لئے جن فقہاء نے فتنہ کو علت بنایا ہے کہ عورت کے لئے محرم کے بغیر سفر کی ممانعت کی اصل علت فتنہ ہے کہ جہاں فتنہ کا مظنہ واندیشہ ہو وہاں قصیر وطویل ہر طرح کا سفر بلا محرم منع ہوگا اور جہاں یہ اندیشہ نہ ہو وہاں ممانعت نہ ہوگی تو فتنہ کی بنیاد پر اختلاف احوال کی وجہ سے نصوص مختلف وارد ہوئی ہیں کہ کہیں مطلقاً سفر سے منع کیا گیا، کہیں تھوڑے زمانی دورانیے (ایک دن) کہیں زیادہ زمانی دورانیے کے سفر سے منع کیا گیا، تو یہ امر بھی انطباق مسئلہ اور اس کی کثیر الوقوع تمام صورتوں کے حل کے لئے بڑی مضبوط تعلیل ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے ماشاءاللہ الگ الگ فصلیں قائم کر کے یہ تمام امور منقح کر دیئے۔

آج کے عہد عویلمہ اور گلوبلائزیشن میں امت کے لئے اس چیز کی ضرورت ہے کہ اصل نصوص کو بنیاد بنا کر ان میں جتنا توسّع، جتنی لچک وگنجائش ہو وہ سامنے لائی جائے اور اس سلسلہ میں جتنے فقہی مناہج رہے ہیں بطور تشریح، تعبیر سب کو بیان کر دیا جائے۔ اس سے امت کو اپنے دین کے باب میں یسر میسر آئے گا جو شرعاً مطلوب ہے اور اُس حرج وتنگی سے بچاؤ ہوگا جو شرعاً مرفوع ومدفوع ہے۔

حاملین علم، ارباب شرع کو یہ امر ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ آج کی تمدنی زندگی اور معاشرتی واجتماعی مقتضیاتِ حیات ہمہ جہتی وہمہ گیر طور پر سابقہ مقتضیاتِ تمدن ومطالباتِ حیات سے منقلب ومتغیر ہو چکے ہیں۔

دوسری طرف اصل شریعت یعنی نصوص، قرآن وسنت کی تصریحات تو غیر متبدل اور آفاقی ہیں، نقش دوام کی حامل ہیں۔ جبکہ فقہی اجتہادات واستنباطات، مجتہد فیہ احکام بالعموم زمانی و مکانی ہیں۔ ان کا بہت بڑا حصہ زمانہ کے تمدن اور عرف کے تناظر میں منضبط ومرتبط ہوا ہے، اس میں اتنی جامعیت وکاملیت تو ضرور تھی کہ میکانیکی و مشینی عہد، ٹیکنالوجی کے دور سے پہلے زمانوں کے تغیرات اس پر بہت زیادہ اثر انداز نہیں ہوتے تھے، جزوی حد تک ہی اس میں تغیر کی نوبت آتی تھی اور بعض دفعہ کلی تبدیلی کی نوبت بھی آجاتی تھی، تو ہر متاخر قرن کے مشائخ پوری بصیرت، جرأت و ہمت اور شرح صدر سے اس کلی یا جزوی تبدیلی کے تحت نیا اجتہاد، نیا استنباط اپنے عرف وتمدن کے تناظر میں کرتے تھے، کتنے مسائل خود فقہ حنفی میں بھی ایسے ملیں گے کہ متاخرین نے عرف کی تبدیلی کی وجہ سے سابقہ حکم کو جو اصل مذہب میں مدون و منقح ہو چکا تھا اس سے عدول کر کے نص کی روشنی میں اپنے عرف وتمدن کی رعایت سے استنباط واجتہاد کیا۔

حقوق مجردہ میں سے بعض امور (حق مرور، حق مسیل) استصناع، بیع استجرار، بیع تعاطی وغیرہ امور میں مذہب کی اصل متون دیکھیں اور کتب شروحات وفتاویٰ میں پھر اس کے تحت تبدیل شدہ حالات میں تبدیل شدہ حکم بر بنائے عرف یا قیاس واستحسان کے فرق کو ملاحظہ کریں تو یہ امر خوب واضح ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس امر کی رعایت کے لئے ہی یہ فقہی ضابطہ ایک قاعدہ و قانون کے طور پر کتب اصول وقواعد میں منضبط ہوا (حسبِ تعبیر علامہ ابنِ عابدین شامی)

وَالْعُرْفُ فِي الشَّرْعِ لَهُ اِعْتِبَارٌ   لِذَا عَلَيْهِ الْحُكْمُ قَدْ يُدَارُ

ہمارے زمانے میں معاملات و بیوعات کے باب میں فقہائے عصر نے عرب وعجم میں انہی شرعی اصولوں اور مقاصد ومصالح شریعت کی بنیاد پر بحمداللہ اتنا اجتہاد واستنباط کیا ہے کہ خاص ان ابواب میں پورا جدید فقہ وجود میں آچکا ہے جو تمدن جدید کے مسائل کے دائرے میں غالباً اصول ونظائر کی حد تک ہی سابقہ تفریعات سے میل کھاتا ہے نہ کہ ان ابواب کی گزشتہ

www.idaraghufran.org

قرون کی مجتہد فیہ تفریعات وجزئیات کی پابندی میں۔

عبادات میں شاید سمجھنے والوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس باب میں تمام مسائل امورِتوقیفی کی شان رکھتے ہیں، جن میں نظر وفکر کی ضرورت نہیں، حالانکہ اسلام زندہ مذہب ہے، زندگی سے بھرپور ہے، یہ اس کی جامعیت اور حسن ہے کہ اس کے سارے شعبے زندہ انسانوں کو، زندہ معاشروں کو خطاب کرتے ہیں، بلکہ معاشروں کی رگوں میں نئی زندگی دوڑاتے ہیں اور تمدنی زندگی کے ساتھ اس کے معاملات ومعاشرت کی طرح اس کا نظم عبادات بھی مربوط ہے، اور عبادات کے سب ابواب میں بھی باقی ابواب کی طرح اصل منصوص جزئیات کی نسبت زیادہ تعداد مجتہد فیہ جزئیات وتفریعات کی ہے۔

ظاہر ہے کہ تمدنی مظاہر کی تبدیلی سے عبادات کی ان شکلوں پر عمل پیرا ہونے پر بھی لازماً اثر پڑے گا، ان ابواب میں بھی امت کو حرج سے بچانے اور زندہ اسلام کو زندہ معاشروں کے ساتھ ہم دم وہم قدم رکھنے اور خدا کے دین پر ان کو اپنی زندگیاں استوار کرنے میں غیر منصوص جزئیات واحکامات کے دائرے میں ان کے عرف اور تمدنی زندگی کے مطالبات کے تحت ان کے لئے منصوص بنیادوں سے احکام اخذ کئے جائیں گے اور مجتہد فیہ مسائل میں جو فقہی اختلاف ہے اس کے اندر جہاں جہاں ان کے لئے گنجائش اور وسعت نکلتی ہے وہ دی جائے گی نہ کہ کسی ایک فقہی رائے اور اس سے بڑھ کر ایک قول پر جو خاص عرف وتمدن کی وجہ سے اس شکل میں مرتب ہوا اس پر اصرار کیا جائے گا۔

اقبال مرحوم نے شاید ذیل کے شعر میں اسی قسم کے المیے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

ایک اور موقعہ پر مسلمانوں کی زندگی کے شعبوں میں درماندگی، پسماندگی اور جمود کا یوں ذکر کیا ہے۔ ؎

قافلے دیکھ اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ رہروِ درماندہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھ

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ   بتکدے میں برہمن کی پختہ زنّاری بھی دیکھ

بحمداللہ ہمارے حضرت مفتی صاحب متعنا اللہ بطول بقائہٖ سے اللہ تعالیٰ نے بطورِ خاص عبادات کے شعبے میں ایک ایک کر کے تقریباً تمام قابل ذکر اصناف میں یہ کام لیا ہے کہ انہوں نے ان ابواب کے اصل نصوص کو استقصاء کے ساتھ جمع و منضبط کیا ان کے ثبوت و استناد کے مرحلے کو سر کیا پھر ان کے تحت سب فقہی مذاہب کی تعبیرات وتفریعات کو جمع کیا اور ان کی اس مناسب انداز سے تعبیر و تفہیم کی کہ ہر طرح کے حالات میں حسبِ ضرورت و سہولت مکلّف ان میں سے کسی نہ کسی فقہی تعبیر کی روشنی میں اپنے دین پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔

ورنہ دوسرا راستہ نام نہاد جدت پسند، روشن خیال سکالروں کے من مانے دین پر چلنے کا ہے جنہوں نے نصوص شرع کو بازیچۂ اطفال بنایا ہے اور الحاد وتحریف کی حد تک اس سے کھلواڑ کرتے ہیں اور بہتیرے سطحی النظر لوگ ان کی چکنی چپڑی جدت کے غلافوں میں لپٹی تشریحات کو لے کر دین سمجھتے ہیں اور اپنی آخرت برباد کرتے ہیں۔ ؎

اذا کان الغراب دلیل قوم

سیھدیھم طریق الھالکینا

اس نوع کے مقتداومقتدی دونوں کو ان آیات کا مصداق بن جانے سے ڈر جانا چاہئے۔

قل ھل انبئکم بالاخسرین اعمالاالذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا.

وما علینا الا البلاغ

فقط

محمد امجد حسین

۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۶ھ 29 / مارچ/ 2015ء، بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی

www.idaraghufran.org

مولانا مفتی محمد یونس صاحب زید مجدہٗ

(مفتی: ادارہ غفران، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت اقدس مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم کے علمی و تحقیقی سلسلہ نمبر 28 موسوم بہ ''محرَم کے بغیر سفر کا حکم'' کا مطالعہ ہوا، غور وفکر اور مطالعہ کرنے کے بعد رسالہ کے آخر میں اس مسئلہ سے متعلق ''حاصلِ کلام'' کے عنوان سے آپ کی بیان کردہ وسعت و سہولت سے اتفاق ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

اللہ تعالیٰ آپ کی علمی تحقیقات سے ہمیں بلکہ پوری امتِ مسلمہ کو مستفید فرمائے۔ آمین۔

فقط

واللہ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم

راقم الحروف

محمد یونس

7/ ربیع الاول/ 1437ھ

مولانا طلحہ مدثر صاحب زید مجدہٗ

(دار الافتاء: ادارہ غفران، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم کا رسالہ ''محرَم کے بغیر سفر کا حکم'' پڑھا۔

حضرت نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر مختصر مگر جامع بحث کردی ہے، اس صورت میں مسئلہ بتانے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان تمام شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے مسئلہ بتائے، جن کا

Idara Ghufran

ذکر ''حاصلِ کلام'' میں موجود ہے، اور ساتھ ہی حنفیہ کا مشہور قول بھی ذکر کر دے، تا کہ کسی عالم کی نکیر کے وقت مبتلیٰ بہ متنفر یا متوحش نہ ہو۔

بندہ کو رسالہ کی تمام جزئیات سے اتفاق ہے۔

طلحہ مدثر عفی عنہ

18/محرم الحرام/1437ھ 01/نومبر/2015ء

ادارہ غفران، راولپنڈی

مولانا عبدالوہاب قریشی صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء: ادارہ غفران، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم کے علمی و تحقیقی سلسلہ نمبر 28 کے رسالہ ''محرَم کے بغیر سفر کا حکم'' کی تمام جزئیات سے اتفاق ہے۔

عبدالوہاب قریشی

18/محرم/1437ھ

ادارہ غفران، راولپنڈی

Idara Ghufran